وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم ۴)
(خدا نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جو اپنی قوم کی بولی میں اسے نہ سمجھاتا ہو)

سیرتِ قرانیہ

سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاۗؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (یاسین ۵-۶)
(تاکہ تو خبردار کرے ایسی قوم کو جس کے بزرگوں نے ایسی باتیں نہیں سنیں وہ خبر نہیں رکھتے)

از :-
محمد اجمل خاں

سیرت سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم

پہلا اُردو ایڈیشن رجب ۱۳۷۵ھ جنوری (۱۹۵۶ء)

سیف الاسلام خاں (جامعی) نے الجمعیۃ پریس دھلی میں چھپوا کر
بیت الحکمت دھلی (ھند) سے شائع کی

یہ کتاب عبدالقدیر الاعظم عباسی محلہ کشن گنج دہلی ۶ (ہند) اور
مکتبۂ تصنیف و تالیف مکان ۱۲۵۵ حویلی حسام الدین حیدر۔ بلیماران۔ دہلی
یا
مکتبہ بیت الحکمت اُردو بازار لاہور (پاکستان)۔ اور
شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار۔ لاہور (پاکستان) سے مل سکتی ہے۔
قیمت مجلد۔ بارہ روپے

دیگر کتب متعلق سیرت قرآنیہ

(۱) پس منظر اسلام ——— مجلد۔ چار روپے
(۲) ترتیب نزول قرآن کریم ——— مجلد پانچ روپے (اسٹاک موجود نہیں ہے)
(۳) مختصر سیرت سیدنا محمد صلعم ——— مجلد چار روپے
(۴) عنوان انقلاب (تفسیر سورۃ العلق) ——— ایک روپیہ
(۵) پیمانِ انقلاب (تفسیر سورۃ الحمد) ——— ایک روپیہ
(۶) مشکلات قرآن کا انقلابی حل ——— ایک روپیہ

باسمہٖ سبحانہ

حرفِ اوّل

بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات جاننا بالکل بے سود ہے، اگر ہم اُن کی زندگی کو نمونہ بنا کر اپنی زندگی کو اُس سانچے میں نہ ڈھالیں اور اپنی زندگی بھی ویسی ہی شاندار نہ بنا سکیں۔ رسول عربیؐ سے پہلے جن رہبروں کے حالات ہمارے سامنے آتے ہیں اُن میں سے اکثر دیوتا بنا دیئے گئے ہیں، اسی لئے اُن کی تقلید ناممکن ہے۔ ہم آئندہ صفحات میں ایک ایسے انسان کی زندگی پیش کرتے ہیں جو ہماری ہی طرح بشر تھے، جو دیوتا یا فرشتہ نہ تھے کہ کوئی اُن کی پیروی نہ کر سکے، وہ ایسی عدیم المثال شخصیت تھے جنھوں نے مسلسل تیئس سال تک اپنے عہد کے توہمات کے خلاف جہاد کیا، تکلیفیں اٹھائیں، مقاطعہ اور قید کی مصیبتیں جھیلیں، پتھر کھائے، قاتلوں کی تلواروں کا نشانہ بنے، جلاوطنی پر مجبور ہوئے لیکن جس کام کو شروع کیا تھا اُس کو کسی لالچ یا خوف سے چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔ تاریخ میں ہمیں صرف ایک ہی ذات نظر آتی ہے جس نے بے غرضی سے دنیا والوں کو تاریکی سے نکالنے کے لئے اتنی مصیبتیں اُٹھائی ہوں اور آخر کار اس میں کامیابی حاصل کی۔ یہ ذات گرامی جناب محمد عربیؐ کی تھی۔

یاد رکھئے کہ دنیا غم و رنج سے نجات کی تلاش میں تھی اور آج بھی ہے۔ پہلے زمانہ میں گناہ سے نجات کا تصوّر غالب تھا لیکن اس کی تہ میں وہی تلاش مسرت و راحت تھی، جو آج ہے، اس دنیا کی بھوک اور دکھ سے نجات یا فراغت کاملہ دونوں کے متعلق رسولِ عربیؐ نے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر اور تاریخ کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالا تھا کہ شاہی اور پروہتی ختم کی جائے اور عقل کی شہنشاہی قائم ہو۔ یہ تصور خدا کے فضل و کرم سے اُن کے دل و دماغ پر بچپن سے چھا گیا تھا۔ اور آخر کار چالیس سال کی عمر میں پہونچ کر وہ پاکیزہ افکار اُبل پڑے جو قرآن کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان افکار کے مطابق آپ نے جو عمل کیا وہ آپؐ کی سیرت سے نمایاں ہے۔ ہم نے اس کتاب میں فکر و عمل نبوی دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

قدامت پرستوں کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جس کسی نے اپنے زمانے کے توہمات کے خلاف آواز اُٹھائی تو اُسے قتل کر دیا۔ یا اگر کسی وجہ سے وہ بچ گیا تو خود اس کے پیغام کو مسخ کر دیا۔ اور مصلح یا ہادی کی تعلیم کے وہ معنی

پہنائے جو خود اُن کے دلوں میں رچے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں بدھ مذہب کا یہی حشر ہوا۔ مسیحیت کے متعلق اُس کے سیکڑوں فرقے گواہ ہیں کہ وہ حقیقت سے کتنی دور ہوگئے ہیں۔ یہی حال اسلام کا ہوا۔ اسلامی تعلیم کے ساتھ سب سے بڑی مشکل کی بنیاد ۳۰ھ سے پڑی، جبکہ سرکاری حکم سے قرآن کی ترتیب ایک خاص انداز پر متعین کر دی گئی اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور دیگر صحابہ کی مخالفت کے باوجود وہی ترتیب مفسروں کے لئے باقی رہ گئی۔ اگر قرآن کی خدائی ترتیب باقی رہتی تو کوئی یہ نہ کہتا کہ قرآن تفسیر بالرائے کرنے والوں کی منطق کا محتاج ہے اور انسانی سوسائٹی کو عقل و شوریٰ یعنی جمہوریت سے محروم کر کے پھر پروہتوں یا فقیہوں کے رحم و کرم پر چھوڑا گیا ہے۔ رسول عربی کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے فکر انسانی کو جبروں، پوپوں اور پروہتوں کی اجارہ داری سے آزاد کیا۔ اور فتنہ (یعنی جبراً کسی کی رائے کو بدلوانا) اور فساد (یعنی زبردستی پُرامن شہریوں کو خوف یا جنگ کی حالت میں ڈالنے) کو کفر و شیطنت قرار دیا

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار سیرتیں لکھی جا چکی ہیں ان سب کا ماخذ احادیث و اخبار نبوی کے علاوہ مغازی و سیر کی کتابیں بھی ہیں۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے اُن کی روایت و درایت کے سلسلے میں عظیم الشان کام ہو چکا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں صرف ایک کام باقی ہے یعنی اس کی تدوین تاریخی تسلسل کے ساتھ ہو جائے تاکہ آنحضرتؐ کی زندگی کی ایک مربوط و مفصل کہانی بن جائے۔

خود قرآن کریم آنحضرتؐ کی زندگی کے مختلف ادوار میں جو تعلیم دیتا رہا وہ آنحضرتؐ کی سیرت کا اہم ترین اور بنیادی ماخذ ہے۔ محدثین اور محققین نے اس امر کو آنحضرت ہی کے زمانے میں محسوس کر لیا تھا کہ مکی اور مدنی قرآن مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں اپنی تعلیم کے انداز کو مخاطب کے عقائد کے مطابق بدلتا رہا ہے۔ اگر مخاطب مشرک ہے تو اُس کو جو تعلیم دی گئی وہ اہل کتاب سے مختلف ہے اور جو تعلیم مومنوں کو دی گئی وہ دونوں سے الگ ہے چنانچہ صحابہ کرام نے قرآن کو ترتیب تاریخی کے مطابق سمجھ لیا تھا اور آنحضرت کے خلق کو اُس کے ذریعے سے لوگوں تک پہونچایا تھا لیکن یہ احتیاط کی تھی کہ قرآن کے ساتھ ساتھ اخبار و احادیث نبوی کو نہیں لکھا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ قرآن و حدیث مخلوط نہ ہوں اور لا تکتبوا عنی سوی القرآن (سوائے قرآن کے کوئی اور چیز نہ لکھو) کا مطلب یہی تھا کہ قرآن و حدیث ایک ساتھ نہ لکھے جائیں۔ ورنہ کتابت حدیث تو فتح حدیبیہ سے بہت پہلے اس وقت شروع ہو چکی تھی جبکہ ۱ھ میں آنحضرت نے یہود اور دوسرے قبائل سے دوستانہ معاہدے کئے تھے۔

بہرحال جمع قرآن کے بعد، قرآن کی موجودہ ترتیب میں نہ صرف مکی اور مدنی آیتیں، بلکہ سورتیں بھی تاریخی ترتیب کے مطابق نہیں ہیں اس لئے جب قرآن کی تفسیریں لکھی جانے لگیں تو آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات میں تاریخی

تسلسل باقی نہ رہا۔ تفسیر کے سلسلے میں کہیں مکی حالات ہیں کہیں مدنی۔ کہیں پہلے سال نبوت کا ذکر سورۃ العلق میں بیان ہوتا ہے۔ کہیں سورہ بقرہ کے چالیس رکوعوں کو، جو آنحضرت کی دس سالہ مہاجرانہ مدنی زندگی میں پھیلے ہوئے ہیں ایک ساتھ بیان کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والوں کو قرآنی تعلیم اور سیرت نبوی کا غیر تاریخی مطالعہ پریشان کر دیتا ہے اور وہ اُکتا کر قرآن کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، یا بے معنی شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ قرآن کے بغیر سیرت اور سیرت کے بغیر قرآن کا سمجھنا بہت ہی دشوار کام ہے۔ ان دونوں کے جمع کرنے کا ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کو الگ الگ مدون کر کے اور آنحضرتؐ کی زندگی کے مختلف ادوار قائم کر کے دونوں کو ایک ساتھ تاریخی ترتیب سے بیان کیا جائے۔ یہ ایک عظیم الشان کام ہے۔ اگر توفیق الٰہی شامل نہ ہوتی تو شاید مجھے اس کام کی مہلت نہ ملتی۔ مجھے ۱۹۲۰ء کی تحریک ترک موالات نے سیاست و فلسفہ کے علاوہ ادیان عالم کے تقابلی مقابلہ کرنے کا موقع دیا اور اسی زمانے میں یورپین محققوں اور مشنریوں کے معقول اور نامعقول اعتراضات بھی نظر سے گذرے۔ پھر نوئل دیکے اور ہرش فلڈ کی بے لوث تحقیق قرآن نے اور لین پول کی " احادیث و خطبات محمدؐ " نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور سالہا سال کی محنت کے بعد ۱۹۴۰ء میں قرآن کی تنزیلی ترتیب پر ایک رسالہ تیار ہو گیا۔ اس کے بعد کام بہت مشکل نہ تھا۔ چند سال کے اندر ایسی کتاب تیار ہو گئی جس میں ترتیب نزول کے مطابق پوری قرآنی تعلیمات سیرت کے ساتھ ساتھ بیان کر دی گئیں۔

قرآنی تعلیم کے ظاہر و باطن، صورت و معنی کو عام فہم زبان میں پس منظر اسلام اور ترتیب و نظم و قرآن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اصلی نظم قرآن وہی ہے جس طرح اور جس ترتیب سے وہ مختلف مکی اور مدنی ادوار میں خدا کی طرف سے قلب رسولؐ پر نازل ہوا ہے، اور پھر انھوں نے اپنے الفاظ میں انسانوں کو سنایا ہے (دیکھئے سورۂ شعراء)

کسی فنی شاہکار کو سمجھنے اور اس کے لطیف اثرات سے فیض حاصل کرنے کے لئے پس منظر کا ہونا ضروری ہے شعر ہو یا تصویر، نغمہ ہو یا تعمیر جب تک فنی تخلیق کے ساتھ ساتھ اس کا پس منظر بھی سامنے نہ ہو اس کی صورت نظر کے لئے جنت نگاہ نہیں بن سکتی۔ اسی لئے غالبؔ نے کہا ہے کہ:۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی ⁂ چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

اس سلسلہ میں دو باتیں سمجھ لینا چاہیئے۔

(۱) اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے۔ ابتدائے تمدن سے ہر ملک و قوم میں ایسے مصلح پیدا ہوتے رہے ہیں جو کہتے رہے ہیں کہ اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم خدا کو آقا ماننا۔ اسی کی بندگی کرنا

ہی دین فطرت ہے۔ کسی دیوتا، انسان یا درخت کے آگے جھکنا شرف وعلو انسانیت کو غارت کرنا ہے۔ اسلام یعنی طاعت الٰہی کے مقابلہ میں کفر و شرک و الحاد ہمیشہ اطاعت شیطان کی تعلیم دیتے رہے اور عقل انسانی کو اندھیرے (کفر: انگریزی کوَر۔ جرمن کفر یعنی ڈھکنے) اور ظلمت میں رکھ کر جاہل انسانوں کو لوٹتے رہے اسی لئے اسلام کی تعلیم تھی یخرجھم من الظلمات الی النور یعنی رحمان و شیطان کی پوری تاریخ اسلام کے پس منظر میں پہلی جگہ کی مستحق ہے۔

(۲) ادیان عالم و ادیان جاہلیہ کو جاننے کے بعد خود اہل عرب کی سوشل حالت کو اور ان کی مادی و ذہنی تاریخ کو پس منظر اسلام کا ایک جزو سمجھنا ضروری ہے۔ پھر یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اہل کتاب کی کیا حالت تھی اور اُن کی وہ حالت کیوں تھی

پس منظر اور ترتیب نزول قرآن پر ہم دو کتابیں ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۶ء میں لکھ چکے ہیں۔ سیرۃ قرآنیہ بھی ۱۹۴۶ء میں مکمل ہو چکی تھی لیکن بعض وجوہ سے شائع نہ ہو سکی۔ اس سیرت کا خلاصہ ۱۹۵۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اب یہ سیرت شائع کی جا رہی ہے تاکہ تفصیلات میں کاوش کرنے کی جن حضرات کو فرصت نہیں وہ ایک جامع کتاب کا مطالعہ کر سکیں۔ ضرورت ہوئی تو سیرت کبیر بھی شائع کر دی جائے گی جس میں سیرت کے ساتھ ساتھ پورا قرآن درج کیا جا چکا ہے۔ کام اگرچہ نہایت دشوار تھا لیکن توفیق الٰہی نے وہ لگن پیدا کر دی کہ چند سال کی مسلسل محنت سے یہ کام پورا ہو گیا: بقول عاقل خاں۔

عشق چہ آساں نمود، آہ چہ دشوار بود
ہجر چہ دشوار بود، یار چہ آساں گرفت

اب مسلمانوں پر واضح ہو جائے گا کہ خوش عقیدہ مورخوں اور تفسیر بالرائے کرنے والے مفسروں نے اسلام کے روشن چہرے پر پس منظر اسلام (یعنی تاریخ تمدن انسانی) کی کج فہمی، اور ترتیب نزول قرآن پر عدم توجہ کی وجہ سے کتنے پردے ڈال دیئے تھے! اس میں "من قال" کی بحث میں نہیں پڑنا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ فکر و عمل محمدیؐ پر کیا کیا حجابات ڈالے گئے اور خود قرآنؐ و سیرت سے ان غیر عقلی و غیر تاریخی عقائد و واقعات پر کیا روشنی پڑتی ہے۔ ان باتوں کی ایک مختصر فہرست اس کتاب کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔

نا مسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائے گا اسلام صرف ایک اخلاق و کردار کی اصلاح کا پیغام نہیں ہے بلکہ وہ ایسی انقلابی سوسائٹی کا قیام ہے جس میں سماج یا معاشرہ ذہنی اور مادی ترقی پر مجبور ہے یعنی اسلام ایک ایسا

ذہنی انقلاب پیدا کرتا ہے جو دین و دنیا، روح و مادہ، فکر و عمل کے تضاد کو مٹا دیتا ہے۔ علم و عمل کے دروازے ہر مرد و زن کے لئے یکساں طور پر جبراً کھول دیتا ہے۔ اور دنیوی یا معاشی ترقی کے لئے ایسی کتابی آمریت قائم کر دیتا ہے کہ ساحر و کاہن کے فریب عقل و فراست مومن کے سامنے گرد ہو جاتے ہیں اب نہ تو پروہت ذہنی غلام بنا سکتا ہے نہ سود خور جسمانی اسیری میں مبتلا کر سکتا ہے۔ گویا علم و عقل کی عالمگیری سائنس و عمل کی صراط مستقیم پیدا کر کے فرد و جماعت کی کھینچا تانی کو ختم کر دیتی ہے۔ پھر ہر شخص سب کے بھلے کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے اور سوسائٹی اپنے بھلے کے لئے بھوک اور خوف، رنج و غم، یاس و کم ہمتی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دیتی ہے۔

جناب رسول عربیؐ نے کس طرح دُنیا کو افراط و تفریط سے نکال کر اعتدال پر لا ڈالا اور کس طرح سماجی و معاشی ناہمواریوں کو دور کر کے ایک صالح معاشرہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ سب باتیں آئندہ صفحوں میں قرآن و سیرت کی تاریخی ترتیب سے بیان کی گئی ہیں۔ فہرست عنوانات سے آپ کو آنحضرتؐ کی زندگی اور خود قرآن کریم کے مختلف ادوار معلوم ہو جائیں گے اور یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ انسانی اصلاح و ترقی کی تعمیر میں کونسی خشت اول ہو اور اُسے کس قسم کی مادی و روحانی زمین میں رکھا جائے۔

فکر و عمل نبویؐ کی روشنی میں دو گروہوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ قرآن انھیں اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کہتا ہے ان ہی کو اصحاب الیمین یا ایماندار اور اصحاب الشمال یعنی پیروان باطل بھی کہا ہے۔ پھر یہ بتاتا ہے کہ دُنیا بھر کے حق پرست، خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا اُن کا کوئی اور نام ہو اگر اللہ کو مانتے ہیں اور جملہ رسولوں کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں وہ سب ناجی ہیں۔ سب رسولوں کی ایک ہی تعلیم ہے اور قرآن اُس پر گواہ ہی نہیں بلکہ اُس کی تعلیم کا محافظ بھی ہے اس صورت میں اہل حق کا فریضہ ہو کہ خدا پرستی کو دُنیا میں پھیلائیں خواہ اہل باطل (مشرک) کتنی ہی کراہت کیوں نہ کریں۔

اہل حق کا یہ بھی فرض ہے کہ جہاں تک اُن کا بس چلے علم اور دولت پر جبراً بے علموں اور مفلسوں کا قبضہ دلائیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ جملہ حق پرستوں یعنی اہل اللہ یا اہل کتاب کے ساتھ کامل رواداری برتیں۔ وہ سب مسلم ہیں بشرطیکہ کل نبیوں کو مانیں اور صرف اپنے نبی کو دوسری قوموں کے رسولوں سے بڑا نہ سمجھیں یعنی مساوات قائم کریں اور محبت سے نسلی تفوق اور غلامی کا خاتمہ کر دیں۔

ہمیں امید ہو کہ سیرت کا یہ تاریخی مطالعہ عام انسانیت کو ترقی دینے میں مدد دیگا اور جو لوگ اسلام کی ذہنی و معاشی و روحانی ترقی کی حقیقت تک پہنچنا چاہیں گے انھیں قرآن کی تاریخی ترتیب سے مکمل روشنی حاصل ہو جائے گی۔

نئی دہلی

دوشنبہ۔ ۲۰ جون ۱۹۵۵ء

یوم الاثنین۔ ۲۷ شوال ۱۳۷۴ھ

محمد اجمل خاں۔

کلّآ انّھا تذکرہ ۔ فمن شآء ذکرہٗ (۸۰ عبس ۔۱۱ ۔ ۱۲)
(قرآن ایک نصیحت ہے ، لہٰذا جو چاہے نصیحت لے)

رویائے صادقہ میں ارشادِ نبویؐ کے مطابق
قرآن و سیرت کے اس تاریخی مطالعے کو، میں اُس

اِسلام

پر نذر کرتا ہوں جس نے بلالؓ حبشی کو مکّہ میں، ابو ذرؓ غفاری کو قبائل میں، اور شاہ نجاشی کو سمندر پار، چند لمحوں میں وہ گُر سکھا دیا کہ وہ رنگ، نسل و قوم سے بلند ہو کر رائس الکفر اُمیہ بن خلف، اولی النّعمہ سدنۂ قریش اور مدرّسین کلیسا کے بندھنوں سے چھوٹ کر جہادِ محبّت و انسانیت کے حرم میں داخل ہو گئے ۔

ہر کہ شد محرمِ دل، در حرمِ یار بماند
وانکہ ایں کار ندانست در انکار بماند

محمّد اجمل خاں

فہرست مضامین سیرت قرآنیہ

مقدمہ سیرت قرآنیہ

سیرت قرآنیہ مدنیہ

سیرتِ قرآنیہ سیّدنا محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم

پہلی کتاب: مقدمہ یا پس منظر اسلام

پہلی فصل - اسلام

"اگر ہم یورپ کو دین اسلام کی طرف بلانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ سب سے پہلے ہم یورپ کو یہ یقین دلائیں کہ خود ہم (سچے) مسلمان نہیں ہیں۔ یورپ والے ہمیں قرآن کی روشنی میں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے ہاتھ کی انگلیوں کے اندر سے کوئی چہرہ دیکھا جاتا ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کے نام لیوا جہل و نفاق اور کاہلی میں مبتلا ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ واقعی اگر یہ کتاب ایک اصلاح کرنے والی کتاب ہے تو اس کے ماننے والے اس قدر ابتر و پراگندہ کیوں رہیں؟"

(وحی محمدی ص۱۳ از علامہ رشید رضا۔ ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی)

اِسلام کے لغوی معنی انقیاد و اطاعت کے ہیں۔ اس کا مادہ سَلْمٌ، سَلِمٌ یا سلام ہے اس کے معنی امن و سلامتی و صلح کے بھی ہیں۔ امن کے مقابلہ میں عربی کا لفظ خوف (حالت جنگ) ہے، سکینہ۔ سلامہ، سلیم و سالم (بمعنی صحیح و تندرست) اور مسلم وغیرہ سَلْمٌ ہی سے مشتق ہیں۔ اگرچہ اطاعت و پیروی خدا کی بھی ہوتی ہے اور شیطان کی بھی، دوست کی بھی ہوتی ہے اور دشمن کی بھی۔ لیکن اصطلاحاً اسلام کے معنی خدا کی اطاعت و عبودیت کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اللہ کا بندہ ہونا تسلیم کرتا ہے وہ مومن و مسلم وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اور اس کی راہ کو اسلام یا دین اللہ کہتے ہیں۔ جو شخص شیطان یا نفس امارہ کی اطاعت کرتا ہے اُسے قرآنی اصطلاح میں منکر دین اللہ یا صرف منکر کافر، غاوی وغیرہ کہتے ہیں۔ غرض کہ یہ قرآنی محاورہ ہے کہ جو شخص خدا کو لاشریک مان کر اپنے آپ کو اس کا غلام اور مطیع قرار دے وہ دین اللہ یعنی اسلام پر ہے۔ اور مسلم ہے۔

مسلم کون ہے؟

مشکل یہ ہے کہ یہ قرآنی اصطلاح صرف اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہو گئی ہے جو اُس اسلام کے پیرو ہیں جس کا احیاء رسول عربی صلعم کے ذریعے سے دنیا میں ہوا۔ اس لئے اگر ہم کسی خدا پرست یہودی یا نصرانی یا چینی کو مسلم کہیں تو وہ اس اصطلاح کے حقیقی مفہوم سے

نابلد ہونے کی وجہ سے فوراً یہ بول اٹھے گا کہ میں مسلم نہیں ہوں بلکہ کچھ اور ہوں۔ لیکن اگر اس لفظ کا ترجمہ کر کے اس سے پوچھا جائے کہ تم خدا پرست ہو یا شیطان پرست، تو وہ فوراً یزداں پرستی کا اقرار اور شیطان پرستی کا انکار کرے گا۔ اسی اقرار کو ایمان باللہ یا اسلام کہتے اور اس کے انکار کو کفر کہا جاتا ہے۔

بہرحال قرآنی اصطلاح کے مطابق ہر وہ شخص مسلم ہے جو خدائے واحد کو اپنا معبود مانتا ہو اور شیطان پرستی سے گریز کرتا ہو۔ اسی لئے قرآنی تعلیم بار بار یہی ہے اعْبُدُوا اللّٰه واجتنبوا الطاغوت (اللہ کی بندگی کرو اور شیطان سے گھن کھاؤ) مندرجہ ذیل آیتیں اس پر دال ہیں یہی دین قدیم یعنی سناتن دھرم یا آریہ مارگ ہے جو حضرت نوحؑ کے وقت سے جاری ہے۔

۱۔ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ، هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۝

یہی بابا ابراہیم کی ملت ہے، اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

۲۔ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

اللہ میرا اور تمہارا سب کا رب ہے اس کی غلامی کرو، یہی اسلام ہے

۳۔ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ یقیناً اللہ کو دین اسلام ہی پسند ہے

۴۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

یہ اللہ کی وہ تراش ہے جس پر اس نے انسان کو تراشا ہے اس میں تبدیلی نہیں یہی دین قیم ہے۔

۵۔ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

اگر سوائے اسلام کے کوئی دین اختیار کرو گے تو قبول نہ ہوگا اور آخرت میں گھاٹے میں رہو گے۔

اسلام کو قرآن کوئی نیا مذہب نہیں بتاتا۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ سے اسلام رہا ہے اور میں (رسول عربی) بھی کوئی نیا رسول (بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ) نہیں ہوں۔ بلکہ اسلام کے پیامبر ہر ملک و قوم میں ہمیشہ آتے رہے ہیں (لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ إِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ) ظاہر ہے کہ اگر اسلام ہر ملک میں آچکا ہے تو ہر زمانے میں جو نبی رسول مصلح اور ہادی آتے رہے ہیں وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ سب سے پہلے جس نبی نے اسلام کی تعلیم دی اس تعلیم کو دوبارہ زندہ کریں۔ گویا جتنے نبی گذرے ہیں وہ دین قدیم کے زندہ کرنے والے۔ یعنی محی الدین القدیم تھے۔ اس دین قدیم کو قرآن

دین انسانی کہتا ہے (فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا) اور بتاتا ہے اللہ کی بنائی ہوئی صاف اور پاکیزہ فطرت انسانی پر عمل کرنا اللہ کا دین ہے - یہی دین، دین حنیف ہے جس پر ابراہیمؑ نے عمل کیا یعنی سحر و تنجیم کے توہم سے کنارہ کشی کر کے، خالق شمس و قمر والنجوم کو اللہ مانا اور یہی دین فطرت یعنی غیر اللہ سے بغاوت اور صرف اللہ کی اطاعت دین اسلام ہے - مختصر لفظوں میں اللہ پرستی فطری طریقہ انسانیت ہے، اور غیر اللہ پرستی، غیر فطری ہے -

معروف و منکر۔ خیر و شر: یزدانی و اہرمنی کام ہر ملک و قوم میں جہاں بھی انسانی عقل پر شیطانی قوتوں نے پردے نہیں ڈالے یہ بات ہر آدمی و فطری انسان جانتا ہے کہ ہر عمل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اگر اس کا استعمال کسی اچھے مقصد کے لئے کیا جائے تو وہ فعل اچھا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں اچھے کام کو یزدانی اور بُرے کو شیطانی کہا ہے۔ ایک خیر، دوسرا شر۔ ایک معروف یعنی خلق پسند ہے دوسرا منکر یا گھناؤنا کام ہے۔ اللہ کے بندے خلق پسند کام کرتے ہیں یعنی ایسے کام جن میں سب کا بھلا ہو۔ شیطان کے بندے بُرے کام کرتے ہیں، جن سے اپنا یا اپنی جماعت کا بھلا ہو اور دوسروں کا نقصان ہو گویا ایک جماعت حزب اللہ ہے اور دوسری حزب الشیطان۔ ایک ایثار پیشہ ہے اور دوسری خود غرض -

آیئے اس معیار پر ہم مختلف یزدانی و شیطانی دینوں اور طریقوں کو جانچیں اور پھر دیکھیں کہ قرآن نے دنیا کو کیا دیا -

دین اللہ ایک ہی ہے بعض تحزب پسند فرقہ پرست، جیسے کہ یہود تھے، یہ سمجھتے تھے کہ صرف ان کا دین حق ہے اور وہی خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور ان کا خدا (یہوا یا الوہیم) ان کا مخصوص خدا ہے۔ اس تحزب کو قرآن نے ختم کر دیا اور بتایا کہ مختلف اقوام کو جو دین (قانون زندگی) خدائے عالمیان کے قانون پر چلنے کا حکم دیتا ہے وہ دین اللہ ہے۔ یہ الٰہی قانون قسط و عدل و امن ہر ملک اور ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے۔ یعنی خدا بندگی کے ساتھ ساتھ عمل صالح کرنا، دین اللہ یا صراط اللہ یا اسلام ہے۔ آدمؑ و نوحؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ کا بتایا ہوا راستہ بھی اسلام یا دین اللہ ہے اور محمد عربی صلعم کا بتایا ہوا راستہ بھی وہی راستہ ہے جو دین اللہ بتلانے والے قدیم انبیاء بتا چکے ہیں غرضکہ دین اللہ ہمیشہ ایک ہی رہا ہے -

صرف اسلام ہی دین فطرت ہے خالق انسان و کائنات نے نہ صرف انسان و کائنات کو

پیدا کیا بلکہ اُن کے لیے طبعی و اخلاقی قانون (دین) بھی پیدا کر دیا اور یہ بھی جتا دیا کہ ان قوانین کو توڑنا سزا کا اور ان پر چلنا جزا کا مستحق بناتا ہے ۔

اسلام یعنی خدا بندگی (بخلاف شیطان پرستی کے) فطری دین یا فطری قانون ہے ۔ اللہ نے نہ صرف انسان کو بلکہ حیوانات، نباتات و جمادات تک کو اپنے قانون کے مطابق پیدا کیا یا تراشا ہے ۔ خالق اللہ ہی ہے ۔ اور کائنات کی کوئی مخلوق قوانین الٰہیہ (دین فطرت) سے باہر نہیں ہو سکتی نہ شیطان خالق ہے نہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا خلق و امر میں اللہ کا شریک ہے ۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں اللہ کے قانون (یا دین) کے علاوہ کوئی دوسرا دین یا قانون چل سکے ۔

قانون مجازات | جہاں تک طبعی قوانین کا تعلق ہے اُن کے صحیح یا غلط استعمال کی جزا یا سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے ۔ لیکن جہاں تک اخلاقی قوانین کا تعلق ہے، وہ چونکہ صرف ذی عقل انسان پر منطبق ہوتے ہیں، اس لئے ان کی مجموعی اور آخری جزا و سزا مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر کے دی جائیگی ۔ عقل و شعور دیئے جانے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ انسان کو اعمال اخلاق میں اختیار بھی دیا جائے ۔ ورنہ اگر جبر محض ہو تو کسی کو جزا یا سزا دینا قانون خداوندی یعنی قانون عدل و رحمت کے خلاف ہو جائے گا اس فطرۃ اللہ کو بعض گروہ راہ فطرت سے منحرف کر کے یہودی یا نصرانی بھی بنا سکتے ہیں

بہر حال دین فطرت سے یہ مراد ہے کہ فطری طور پر ہر صاحب شعور انسان خدا بندگی اختیار کرے اور یہ پسند نہ کرے کہ کوئی ایسا شیطانی کام کرے جسے وہ خود نہیں چاہتا کہ دوسرے اس شیطانی طریقے سے اس کے ساتھ پیش آئیں ۔

ترتیب تنزیل قرآن کے مطابق اسلام و مسلم، کفر و کافر کے مترادفات

اگر ہم قرآنی تعلیم پر ابتدا سے آخر تک نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عبودیت الٰہی اور عباد اللہ دونوں کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔ چونکہ اسلام کے معنی ہی اطاعت امن و اعتدال پسندی کے ہیں لہذا مسلم یا مومن یا مقتصد وہی ہوگا جو احکام الٰہیہ پر عمل کرے اور احکام نفس و شیطان سے اجتناب کرے ۔

ان نیک اور بد بندوں نے جن اچھے یا بُرے اعمال کی پیروی کو اپنا دین (قانون زندگی) بنا رکھا ہے ان کا بھی ذکر بطور اضداد کے موجود ہے یعنی دین اللہ کہا ہے اور "غیر الاسلام" یا دین الشیطان کہا ہے ۔

آنحضرتؐ ابتدا میں نذیر و منذر و مُذکّر تھے اور گذشتہ قوموں کی تاریخ سے سبق لینے کی تعلیم دیتے تھے مثلاً قوم نوح و لوط، عاد و ثمود، قوم فرعون وغیرہ غیر اللہ کی غلامی کی وجہ سے تباہ ہوئی تھیں۔ پھر آپ نصاریٰ کے سلسلہ میں بشیر و مبشر قرار پائے اور عام طور پر المرسل یا رسول اللہ کہلائے۔

رب کی نسبت سے عبد کا تصور ہر قوم میں عام تھا۔ اسی لئے اللہ کے لئے آقائے جہانیاں (رب العالمین) کا لفظ ایک جاہل غلام بھی سمجھ لیتا تھا اسی طرح ملک یا بادشاہ کا لفظ بھی روزمرہ کے مشاہدہ سے سب پر روشن تھا۔ وہی آخری فیصلہ کنندہ یا قاضی القضاۃ ہوتا تھا۔ لہٰذا خدا کے لئے احکم الحاکمین، مَلِک اور خیر الفاصلین کا محاورہ لوگوں کی سمجھ سے باہر نہ تھا۔

لقب رسول اللہ	اسم معبود حقیقی	اسم معبود غیر اللہ	دین اللہ	دین الشیطان	اسم عبد اللہ	اسم عبد الشیطان
نیکی کا پیامبر	آقائے بزرگ	ہوائے نفس و شیطان	عزت و ترقی کی راہ	ذلت و پستی کی راہ	اللہ والے	بدکار
ضمیر مخاطب اَنْتَ	ربّ خالق المعلم الاکرم	شیطان جن الخناس	عبودیت رب الخالق ھدیٰ	(عبودیت ارباب من دون اللہ) ضلال	عبد الرب عبد الخالق	کاہن۔ ساحر شاعر۔ طامع عبد المال
نذیر	رب خالق الہ۔ احد	(طمع) مال تکبر (نفس پرستی)	تصدیق یوم الدین اطعام مسکین ھدیٰ	تکذیب یوم الدین تکبر۔ ادبار طمع مال ضلال	اصحاب الیمین مصلی مطعم مصدق یوم الدین	مکذب بیوم الدین مجرم عابس مدبر
مزکّی مذکِر مبشر بشیر ہادی امام	الہ العالم رب العالمین رحمان۔ حی عالم الغیب والشہادہ شفیع	ہوائے نفس وسواس الخناس شیطان جن کاہن و ساحر	فک رقبہ اطعام مسکین تزکیہ نفس عمل صالح صبر۔ خلوص تقویٰ۔ ایمان	تکاثر اموال منع خیر مشرک خسران اسراف۔ فساد	محسن مفلح مخیر موحد صابر۔ مخلص متقی۔ مومن	عبد الخناس مناع للخیر مشرک مجرم غاوی

لقب رسول اللہ	اسم معبود حقیقی	اسم معبود غیر اللہ	دین اللہ	دین الشیطان	اسم عبد اللہ	اسم عبد الشیطان
نیکی کا پیامبر	آقائے بزرگ	ہوائے نفس و شیطان	عزت و ترقی کی راہ	ذلت و پستی کی راہ	اللہ والے	بدکار
خلیفۃ اللہ	رب العالمین	شمس و کواکب	اسلام۔ عدل	حب مال۔ ظلم	مسلم۔ بصیر	اعمیٰ
مرسل	رب العرش	ابلیس	انفاق۔ اصلاح	بخل۔ فساد	شکور۔ موقن	سفیہ۔ مفسد
نبی	علیم و خبیر	ہمزات الشیطان	شکر	ظلم۔ کفر۔ شقاق	شاکر	کافر۔ شقی
رسول اللہ	ملک الملک	شیاطین و کاہن	احسان۔ ایقان	اسراف۔ بغی	احیاء	اموات
بشیر	الخالق	×	صراط مستقیم	ضلال۔ عدوان	عادل	ظالم
شہید	سمیع و بصیر	کاہن و ساحر	انفاق۔ اتحاد و عفت	نفاق و بخل	محسن۔ صالح	منافق و فاسق
امیر	حافظ	شیطان				
مجاہد	نصیر	لات۔ منات۔ عزیٰ	دفاع۔ صبر	کتمان بینات	اہل کتاب و علم	جاہل۔ متکبر
			امن	خوف (جنگ)	مومن	مفسد
خاتم النبیین	وارث	×	شجاعت و ثبات	نقض عہد	صابر	خائن
محسن	غفار	×	رحم و تالیف قلوب	قصاص و ظلم	صالح	قاتل
رحمۃ للعالمین	رحیم	×	عدالت و رحمت	قعود عن الجہاد	مقتصد	ظالم۔ جاہل
			اقامت کتب الٰہیہ	عبودیت غیر اللہ	مومن باللہ و یوم الآخر	عبد المال
			سوال السبیل			و منکر یوم البعث
			اقتصاد			

ھدی اللہ ملنے کے طریقے

اسلام یا ہدایت پانے کے دو ہی ذریعے ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ خدا ایسی فطرت عطا فرمائے کہ انسان خود بخود راہ راست، اسلام یا خدا بندگی کو پالے۔ اس طرح سے بہت سے مفکروں کو ہدایت ملی ہے ان میں سے چند صالحین کا ذکر سیرت کے سلسلہ میں کیا جائے گا۔ اسی زمرے میں جملہ انبیاء و اولیاء اللہ داخل ہیں (اَللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اللہ جسے چاہے اسلام پر ڈال دے۔

دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کوئی بتانے والا معلم ہو اور وہ اس سے ہدایت پالے اور خدا بندگی یا اسلام

اختیار کرلے (ان من قریۃ الّا قد خلت فیھا نذیر) کوئی قوم ایسی نہیں جہاں برائیوں سے ڈرانے والا نہ آیا ہو (اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَالھُدیٰ) اللہ کی راہ یعنی اسلام ہی اصلی ہدایت ہے۔

مسلم کے لئے کل انبیاء اللہ کا ماننا ضروری ہے

لہٰذا ہر مسلم کے لئے خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ اس بات کو بھی تسلیم کرے کہ ہر قوم میں خدا کا راستہ بتانے والے نبی و رسل آتے رہے ہیں۔ اور خواہ اُن کے نام معلوم ہوں یا نہ ہوں لیکن ان سب نبیوں، رسولوں اور ہادیوں کا ماننا ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ماننا ضروری ہے کہ اُن سب کی بنیادی تعلیم یہی تھی کہ اللہ کو اپنا آقا مانو اور شیطان سے بچو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ تعلیم کے اعتبار سے سب کی تعلیم ایک ہی تھی (لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ) البتہ بعض رسولوں کو ان کے کاموں کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت ہے (تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلیٰ بَعْضٍ)

کتب الٰہیہ

جس طرح ہر مسلم فوراً یہ تسلیم کرلے گا کہ ہر قوم میں اللہ کی راہ بتلانے والے آئے ہیں اُسی طرح یہ بھی مان لے گا کہ ان رسولوں کی تعلیمات میں ہدایت و نور (ھُدًی وَّنُوْرٌ) ہے قرآن جملہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرتا ہے اور جس طرح اسمیں سب رسولوں کے نام نہیں ہیں۔ اسی طرح سب کتابوں کے نام بھی نہیں ہیں۔ ان کتابوں کی تعلیمات پر نظر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ نیک عملی سکھاتی ہیں یا شیطنت اور بدراہی۔ یہاں یہ نوٹ کرلیجئے کہ عربی زبان میں کتاب کے معنی قانون یا علم کے ہیں جو زبانی بھی ہوسکتا ہے۔ تحریری صورت میں بھی ہوسکتا ہے۔ لوگوں نے کتاب کے معنی کاغذ سے بنی ہوئی کتاب کے کرلئے ہیں۔ یہ درست نہیں۔

اسلام یا خدا بندگی مقصود ہے یا ذریعہ مقصود ؟

اسلام کا مقصد فلاح دارین ہے یعنی کل نوع انسانی کا خوف، حزن اور جوع دور کرکے امن و مسرت و ترقی کی راہ پر لگانا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ دنیوی فارغ البالی مہیا کرکے انسان کو ذہنی و روحانی ترقی کی راہ پر ڈالنا مقصد اسلام ہے۔ گویا اسلام مقصود بھی ہے اور ذریعۂ مقصود بھی ؎

عشق ہم راہست و ہم خود منزلست

قیام اسلام کے ذرائع کیسے ہوں ؟

سوال یہ ہے کہ کیا قیام اسلام کے لئے اچھے بُرے ہر طرح کے ذریعے استعمال کئے جاسکتے ہیں؟ اس کا نفسیاتی

جواب صاف ہے کہ مقصود اور ذریعۂ مقصود کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ذریعہ کا ردِ عمل خود مقصود پر ہوتا ہے۔ اور اگر بُرے ذرائع اختیار کئے جائیں گے تو اُن کا اختیار کرنے والا دوسروں کو اور اکثر خود اپنے آپ کو اُن کی بُرائی سے محفوظ نہ رکھ سکے گا۔ لہٰذا اس فیصلہ میں ذرا بھی شک نہیں کہ اچھے مقصد کے لئے اچھے ہی ذریعے اختیار کئے جائیں۔ قرآن کہتا ہے (اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ) یعنی کسی شخص سے لڑ جھگڑ کر اُسے اللہ کا راستہ نہیں بتایا جا سکتا۔ نرمی و اخلاقی پاکیزگی ہی سے دوسرے کا دل موہا جا سکتا ہے۔

امیر و شوریٰ

البتہ بعض موقعے ایسے آسکتے ہیں کہ نیک و بد ذریعے کا جانچنا عام آدمی کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ اس صورت میں مجلسِ شوریٰ یا امیرِ جماعت کو اختیار رہے کہ کتاب اللہ (قانونِ الٰہیہ) کی روشنی میں فیصلہ کر دے کہ فلاں ذریعہ اختیار کیا جائے یعنی ڈاکٹر ہی یہ بتا سکتا ہے کہ مریض کا زخمی ہاتھ کاٹا جائے یا مریض کو بالجبر دوا دی جائے۔

ذرائعِ مقصود اور طالبانِ مقصود

گذشتہ بیان سے ظاہر ہے کہ اسلام کے سامنے ذرائعِ مقصود سے زیادہ طالبانِ مقصود کے اچھے ہونے اور اچھے بننے کا مسئلہ درپیش ہے یعنی اگر کوئی شخص واحد طاعتِ الٰہی (اسلام) کے لئے کوشاں ہوتا ہے اور براہ راست خدا سے ہدایت حاصل کرتا ہے اس مفہوم کے لئے قرآن نے متعدد لقب استعمال کئے ہیں مثلاً نذیر، بشیر، ہادی، نبی، امام، مرسل، موید بروح القدس، خلیفۃ اللہ وغیرہ۔ اس کا فکر و عمل کتبِ الٰہیہ کے مقصود کو ظاہر کرتا ہے اگر کوئی جماعت نفسانیت کو کفر (تاریکی) سے نکال کر نور (ایمان باللہ) کی طرف لانا چاہتی ہے تو کتبِ الٰہیہ پر خود عمل کرے گی اور اپنی جماعت کو حزب الشیطان پر غالب کر کے دنیا سے خوف و جوع، حزن و ذلت کو دور کر دے گی۔ یہ جماعت حق کے قیام اور باطل کی شکست کے لئے جبراً علم و دولت کو عام کر دے گی اور جہل و افلاس کا قلع قمع کرے گی اسے قرآن نے حزب اللہ کہا ہے۔

کفر و کافر، خوف و خائف

آپ نے دیکھا کہ اسلام یا خدا بندگی کا مقصد اللہ والوں (اولیاء اللہ) کی جماعت کو ترقی دینا اور نفس پرستوں (اولیاء الشیطان) کی شیطنیت کو ختم کرنا ہے۔ یاد رکھئے کہ اولیاء اللہ بنانے میں نفس پرستی ختم کی جاتی ہے نفس پرست یا کافر و خائف کو

ختم نہیں کیا جاتا اُس پر جو کفر (تاریکی) کی ذلت چھائی ہوتی ہے اُسے نور (روشنی وعلم) کی عزت سے بدلا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نڈر، معزز اور مومن بن جاتا ہے۔ پھر نہ تو اُسے اس صراط یا دین پر جان و مال کے لٹنے کا ڈر (خوف) رہ جاتا ہے، نہ اُسے بادشاہوں، ساحروں اور کاہنوں سے اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ وہ اس کی جسمانی وذہنی آزادی وشرف کو چھین کر اپنی غلامی" کے حزن وذلت میں ڈالیں گے۔ یاد رکھئے کہ عربی زبان میں حالت خوف، حالت جنگ کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ حالت جس میں جان، مال، عزت آبرو، ایمان وآزادی کے لٹنے کا ہر وقت خطرہ ہو، اور حُزن اس کیفیت دماغی کو کہتے ہیں جو ضیاع جان و مال، عزت وایمان کے صدمے سے پیدا ہو۔ اس کی ضد فرحت یا سُرور ہے۔ سواء السبیل (یا ہموار راستے) کے لحاظ سے اگر ایمان کو فرحت بخش کہا جائے، تو حَزُنٌ (بمعنی اَرضٌ غَلِیظَۃٌ (ناہموار زمین) کفر وضلال کا راستہ بن جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ والے ہو جاتے ہیں اُنھیں خوف وحزن نہیں ہوتا (اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاۤءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ) عربی میں "حُزَانَۃٌ" (یا بال بچوں) کو بھی اس لئے وجہ غم سمجھتے ہیں کہ اُن کی وجہ سے انسان رنج وغم میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن جب اللہ والوں کی منظم سوسائٹی ایک شورائی آمریت کی شکل میں قائم کر دی جاتی ہے تو اہل وعیال کا غم بھی ختم ہو جاتا ہے اور دولت کتابیہ کا بیت المال سب کی آسائش وترقی کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔

ذرائع مقصود: قیام حزب اللہ اور دولت کتابیہ شورائیہ

رسول عربی صلعم نے دُنیا سے خوف وجوع، کفر وحزن (دور کر کے سب کو کتابی (مہذب اور قانون خداوندی پر عامل) بنانے کے لئے مکہ میں خدا بندوں کی ایک جماعت بنائی جسے "حزب اللہ" بھی کہتے ہیں۔ اسی جماعت نے آنحضرت کی قیادت میں آخر کار قدیم مرکز خدا بندگی کو پھر اللہ کی مسجد بنایا اور دین قدیم یعنی دین ابراہیمؑ حنیف کو زندہ وقائم کیا۔ بیعت رضوان کے بعد پوری پارٹی انقلابی روح سے بھر گئی اور عالمی انقلاب کی علمبردار بن گئی۔ وفات نبوی کے بعد سابقون الاولون کی یہی جماعت متمم رسالت قرار پائی۔ اس جماعت کا یہ کام تھا کہ دنیا میں دولت کتابیہ شورائیہ قائم کرے۔

احیائے اسلام یعنی خدا بندگی کے سلسلہ میں آنحضرت کے طریق کار کو جو لوگ معلوم کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کا سیرت کے ساتھ ساتھ مطالعہ کریں۔

اسلام کی پہلی دعوت میں آخری اعلان شامل ہے

وحی اول | اگر آپ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتوں کا نظر غائر سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کے فلسفے کی حقیقت کو ان پانچ آیتوں میں نمایاں کر دیا گیا ہے۔ یہ پہلی وحی ہے اور پورے قرآن میں اسی وحی کی تفصیلات ہیں اسی میں بتایا ہے کہ :-

وجود | خالق کائنات ہی خالق انسان یا آدم ہے۔ وہی آقا (رب) ہے یعنی اُس خالق کو آقا مان کر اُس کے احکام پر چلنا چاہیے (اسی لئے ہم نے خدا پرستی کی جگہ اکثر "خدا بندگی" کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی آقا کی عبادت نہیں بلکہ عبودیت کی جاتی ہے اور عبودیت سے مراد اپنے رب یا آقا کے احکام کی تعمیل بحیثیت ایک ادنیٰ غلام کے ہے) وہ آقا جس نے خلق کیا ہے، اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی طرح ظالم نہیں وہ کریم ہی نہیں بلکہ اکرم ہے (اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ)

علم | سمع و بصر یعنی ہمارے حواس ہمارے علم کا ذریعہ ہیں۔ چونکہ ہم کو اور ہمارے جملہ حواس کو خالق انسان نے خلق کیا ہے، لہذا وہی ہمارا حقیقی معلّم ہے جو ہمیں قلم یعنی کلام، نطق و تجربہ کے ذریعے سے علم دیتا ہے۔ غیر اللہ خود مخلوق ہیں، لہذا وہ ہمیں علم نہیں دے سکتے۔ لہذا یہ سمجھنا کہ شیطانوں کے ذریعے کاہنوں اور ساحروں وغیرہ کو علم حاصل ہوتا ہے قطعی غلط ہے حقیقی علم دینے والا رب اکرم ہے (عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ)

وحی اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس آقا کی غلامی کرو جو اکرم ہے اور خالق و معلّم ہے۔ یہی اسلام ہے اب دیکھئے کہ اس پہلی دعوت کا ذکر آخری دعوت میں کس طرح ہے۔

اسلام کی آخری دعوت

اگر سورہ توبہ کو مسلمانوں کی قومی سیاست کا منشور کہا جا سکتا ہے تو سورہ المائدہ ان کی عالمی (بین المللی) سیاست کا سنگ میل ہے۔ آنحضرت کی روانگی حج کے زمانے میں یہ سورت نازل ہو رہی تھی۔ خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ الاسلام | سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرو۔ اسی کے بندے ہونے کا اعلان کرو۔ یہی اسلام ہے۔

۲۔ اہل کتاب سے دوستی پیدا کرو | اہل کتاب (یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس، صابی وغیرہ) میں بہت سے اچھے دیندار خدا پرست لوگ ہیں اور اپنے مذہب کی سچی تعلیم (توحید و بعث بعد الموت) کو مانتے ہیں

ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کرو۔ ان کے ساتھ کھاؤ پیو۔ ان کی عورتوں سے نکاح کرو (یعنی چھوت چھات نہ برتو، نہ انھیں ذلیل سمجھو) دشمن کے ساتھ بھی (خواہ وہ یہود و مشرک ہی کیوں نہ ہوں) انصاف کو ہاتھ سے نہ دو۔ بلکہ ان کی پچھلی حرکتوں کو معاف کر دو۔ اللہ کو معاف کرنا اور احسان کرنا بہت پسند ہے۔

نصاریٰ یہود سے بہتر ہیں یہود خدا کے احکام میں تحریف کرتے ہیں اور ایک احبار کی جماعت بن گئی ہے جو فرقہ پرستی پر زندہ ہے۔ نصاریٰ اتنے بے وقوف ہیں کہ عیسیٰ کو ابن اللہ سمجھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ خود حضرت عیسیٰ کے حواری بھی سادہ لوح تھے وہ ان سے کہتے تھے خدا سے دعا کرو کہ آسمان سے ہمارے کھانے کا خوان آجایا کرے (بھلا ایسے لوگ عیسیٰ کو جو نہ سمجھیں وہ تھوڑا ہے) بہر حال یہود سود خور خود غرض ہونے کی وجہ سے کنجوس ہو گئے ہیں اس لئے ان کے مقابلے میں نصاریٰ زیادہ محبتی ہیں۔

یہ ہے قرآن کی آخری تعلیم یعنی خدا بندگی، خدا پرستوں سے دوستی اور دشمنان خدا یعنی مشرکین تک سے عدل و وفائے عہد۔ مقصد یہ تھا کہ دنیا میں امن و اتحاد قائم ہو اور سب خوف و جوع سے نجات پاکر فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

آخری فرمان نبوی (در حجۃ الوداع)

اب آپ آنحضرت کے اس آخری اعلان کو پڑھئے جو قرآن اور دیگر کتب الٰہیہ کی تعلیم کا نچوڑ ہے اور جسے آپ نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ حجۃ الوداع میں بیان فرمایا۔ اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ خدا بندگی کا جو پیغام وحی اول میں دیا گیا تھا اس کا کیا مطلب ہے اور وہ کون سے بنیادی اعمال ہیں جن سے انسان کی مادی و روحانی ترقی ہو سکتی ہے اور ایسی کتابی سوسائٹی بن سکتی ہے جس میں افلاس و جہل، ظلم و بدعملی ناممکن ہو جائے۔ یعنی اصلی اسلام یا طاعت الٰہی مندرجہ ذیل احکام پر عمل کرنے کا نام ہے:۔

۱۔ جان و مال و عزت کی حرمت:۔ لوگو قصاص، سرقہ اور تہمت وغیرہ اسی طرح حرام کی جاتی ہیں جس طرح اس امن و امان کی سرزمین میں ہمیشہ سے یہ باتیں حرام تھیں۔ آج سب پرانے جھگڑے ختم کئے جاتے ہیں اور تم سب بھائی بھائی بنائے جاتے ہو۔

۲۔ نخوت جاہلیہ اور افتخار رنگ و نسل کا خاتمہ

۱۔ تم سب ایک ہی شخص کی اولاد ہو۔ آدمؑ کی اولاد ہونے کی وجہ سے تم سب برابر ہو کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ وہ معمولی کیچڑ سے پیدا کئے گئے تھے اس میں غرور کی کیا بات ہے۔

لہٰذا آج تک جتنی مقدس ذاتیں بنی ہیں اور کاہن و ساحر و شاعر تمہارے ذہنی آقا بنے ہوئے تھے اور بیچ کے سفارشی یا شفیع تھے وہ ختم کئے جاتے ہیں۔ تم براہ راست بغیر کسی شفیع کے خدا بندگی کرسکتے ہو۔ نخوت جاہلیہ (یعنی نسلی افتخار) آج سے ختم کیا جاتا ہے۔ یہ بات شیطانی ہے۔

۳۔ بے محنت کے کھانا حرام ہے

سود، جوا، اور لوٹ مار سے دولت کمانا (اکل مال بالباطل) حرام قرار دیا جاتا ہے۔ اور سب سود منسوخ کیا جاتا ہے۔

۴۔ عدالت

آج سے وحشی اقوام کا طریقۂ عدل یعنی انتقام و قصاص کا طریقہ ختم کیا جاتا ہے۔ قصاص لینے کا حق بجائے افراد کے اب دولت کتابیہ کا فریضہ ہوگا۔ اس کی نظر میں ہر کمزور مظلوم قوی سمجھا جائے گا خطاکار ہی کو سزا ملے گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ ایک قوم دوسری قوم کے چند قاتلوں کی وجہ سے پوری قوم کو قتل کر ڈالے۔ یا کسی کے گناہ کے عوض میں دوسرے شخص کو بطور کفارہ کے پیش کیا جاسکے۔ یہ باتیں عقل کے خلاف ہیں۔ (حضرت مسیحؑ کسی دوسرے کا گناہ اپنے اوپر اٹھا کر اسے جرم سے پاک نہیں کرسکتے بلکہ اگر کسی نے خطا کی ہو تو وہی سزا کا مستحق ہے۔)

۵۔ غلاموں کی آزادی یا مساوات ضروری ہے

مسلمانو! اَرِقَّاءَکُمْ اَرِقَّاءَکُمْ اپنے غلاموں کو وقت دو کہ وہ دوسری جگہ کام کرکے اپنی قیمت تمہیں ادا کردیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو جو تم کھاؤ انہیں کھلاؤ، جو تم پہنو انہیں پہناؤ اور ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لو۔ اپنی خطاؤں اور گناہوں کو خدا سے معاف کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ غلاموں کو آزاد کرو۔ اس کے علاوہ باندیوں کے بچے ہوتے ہی وہ آزاد سمجھی جائیں گی اس لئے کوئی بچہ غلام پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کا بدترین ظلم بند ہوگیا۔ یعنی اب آقا یہ نہیں کرسکتے تھے کہ بچے کو کسی ایک کے ہاتھ فروخت کریں۔ اور ماں کو کسی دوسرے ملک والے کے ہاتھ بیچ ڈالیں اور بیچاری مامتا کی ماری ماں اُف بھی نہ کرسکے۔ آج سے ہر بچے والی باندی، بچے سمیت آزاد ہے۔

مسلمانو! جب کوئی غلام تم پر امیر بنایا جائے تو یاد رکھو کہ خدا کے سامنے آزاد و غلام سب برابر ہیں۔ تمہارا

فرض ہے کہ جب تک وہ کتاب اللہ پر چلے تم اس کی اطاعت کرو۔

۶۔ **عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں** ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں لیکن عورت کا مزید حق یہ ہے کہ وہ مہر لے اور دستور کے مطابق کھانا کپڑا اور ضروری اخراجات بھی شوہر سے لے۔

۷۔ **جہاد برائے ترقی حزب اللہ** " اللہ والوں کے گروہ کو ترقی دینے کی کوشش کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ تمام دولتوں سے بہتر ہے " (حزب الشیطان کو نیچا دکھانا ہر اللہ والے کا فرض ہے)

آخر میں آپؐ نے فرمایا کہ ہر حاضر کا فرض ہے کہ وہ غائب کو میرا یہ پیغام پہنچا دے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ ان کے مطالب کو بہتر طریقہ پر سمجھ کر عملی جامہ پہنا سکے۔

دوسری فصل۔ دین، دینہ، دھرم

هُوَالْاَوَّلُ هُوَالْاٰخِرُ هُوَالظَّاهِرُ هُوَالْبَاطِنُ : وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ○
وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی پوشیدہ : وہی ہر شے پر چھایا ہوا ہے } قرآن

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ج اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل)
خدا نے فرمایا ہے کہ یزداں و اہرمن دونوں کو معبود نہ مانو اللہ تو ایک ہی ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

فرق است زآب خضر کہ ظلمات جائے اوست
تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است — حافظ

اوم: وِشْواِنِ دیو، سَوِتْرا دُرِہی تانی
حامیم اے خدائے کائنات سب برائیوں کو
پراسو یِد بھدرم تنہ آسو
پرے کردے جو کچھ بھی بھلائیاں ہیں وہ ہم پر نازل کر } وید

پاک از عدم آمدیم و ناپاک شدیم
آسودہ در آمدیم و غمناک شدیم
بودیم زآب دیدہ در آتش دل
دادیم بباد عمر و در خاک شدیم

اہرمن دور باش۔ اہورامزدا نزدیک شو
اے شیطان دور ہو۔ اے ہرمز قریب آ } دن دیوداست (وندیداد)

دین : دین ، مذہب ، طریق ، صراط ، سبیل ، ریت ، راہ ، مارگ ، دستور ، آئین ، ڈینہ، دھرم وغیرہ جتنے الفاظ ہیں ۔ سب راستہ یا قانون" کو بتاتے ہیں ۔ عربی لفظ دین (قانون) ہی کی مانند اوستا زبان کا قدیم آرین لفظ ڈینہ ہے ۔ اس کے معنی بھی دین یا آئین کے ہیں ۔ قرآن میں بھی دین بمعنی آئین وقانون استعمال ہوا ہے (مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِي دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ: سورہ یوسف۹) یہاں دین الملک کے معنی ہیں" شاہی قانون" کے ۔ سنسکرت میں یہ لفظ دَھرم اور پالی زبان میں دھم ہے ۔ ان کے معنی بھی قانون یا قانون زندگی کے ہیں ۔

ادیان کی دو بڑی قسمیں کی جا سکتی ہیں ایک تو وہ قانون زندگی جو انسان کو خدا بندگی سکھائے ۔ اسے دین اللہ ۔ دین قیم ۔ صراط مستقیم ، سوار السبیل یعنی اعتدال وقصد کی راہ بھی کہتے ہیں ۔ یہ طاعت الٰہی یا عبودیت الٰہی کا دوسرا نام ہے ۔ اوستا میں زرد اُشتر نے اسے" مزدہ یسنا" یا یزدان بندگی (دین اللہ) کہا ہے ۔ سنسکرت میں اسی دین اللہ کو" سناتن دھرم" (دین قدیم) اور پالی میں" آرین مارگ" (پرانا راستہ) بتایا ہے ۔ اسی دین قیم کو قرآن نے حضرت ابراہیم کی زبان سے اسلام یا خدا بندگی کہا ہے ۔ اس کے ماننے والے اصحاب میمنہ یا دست راستی اصحاب یمین یا مسلم کہلاتے ہیں ۔

دوسری بڑی قسم وہ ہے جو بجائے خدا بندگی کے نفس امارہ یا شیطان کی غلامی سکھائے اور خود غرضی و نفس پرستی میں پھنسائے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان یا نفس پرست عزت کی جگہ ذلت، امن کی جگہ خوف اور خوشحالی کی بجائے بھوک وافلاس میں مبتلا ہو جائے ۔ اسی دین کو قرآن نے کفر والحاد و شرک سے تعبیر کیا ہے ۔ اس دین کے پیرو اصحاب المشئمہ ۔ اصحاب الشمال ۔ دست چپی یا منکر و کافر کہلاتے ہیں ۔ بدعملی طمع اور تکبر سے صرف دین اللہ بچا سکتا ہے اور خدا چونکہ رحیم ہے ۔ اس لئے بغیر کفارہ کے توبہ قبول کر لیتا ہے ۔

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ادیان کی ابتدا مذہب ، فلسفہ اور سائنس انسانی تمدن کی تاریخ بتلاتے ہیں اور سب کی غرض و غایت ایک ہی ہے کہ انسان حیوانیت سے ترقی کر کے انسانیت کی طرف جائے یعنی شر کو چھوڑ کر

خیر کی طرف، منکر کو چھوڑ کر معروف کی طرف، اور کفر و ظلمت کو چھوڑ کر ایمان و روشنی کی طرف بڑھے اور توہمات کے جہنم سے نکل کر علم و عقل کی جنت میں داخل ہو جائے۔

یہ کرۂ ارض سورج سے نکلا تھا، یا سورج سے الگ پیدا ہوا تھا۔ اس مسئلہ پر اہل سائنس میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ دوسرے اجرام فلکی کی طرح پہلے یہ گیس کی شکل میں تھا، اس کی حرارت لاکھوں درجہ کی تھی۔ لاکھوں برس میں ٹھنڈا ہوا۔ آگ اور برف کے طوفان آتے جاتے رہے اور پھر لاکھوں برس کے بعد اس قابل ہوا کہ اس پر نباتات وہ حیوانات زندہ رہ سکے۔ لاکھوں برس پہلے انسان کا ظہور ہوا۔ اور اس کی معلومات میں اضافہ شروع ہوا۔ معلوم نہیں کب اور کہاں اسے آگ کا علم ہوا لیکن جب آگ جلانے کا فن معلوم ہو گیا تو مذہب اور تمدن کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔ پہلے سورج کو سب سے بڑا دیوتا سمجھا گیا اور چاند اس کی بیوی اور ستارے ان کے بچے مانے گئے۔ لیکن آگ کا علم ہوتے ہی لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اس دنیا میں صرف تاریکی کے بھوت اور اہرمن کے دیو ہی نہیں رہتے بلکہ آسمان کے علاوہ زمین پر بھی ایک سورج کی بیٹی رہتی ہے بھوت اور جنگلی جانور (جو اس زمانے میں اہرمنی ہستیاں مانے جاتے تھے) اگنی دیوی کی روشنی میں دور بھاگ گئے تھے۔ اور اس کے پجاریوں (اگنی ہوتری یا مجوس) کے ذریعے سے وہ دیوی سوختنی قربانی قبول کر لیتی تھی اور پوجا کرنے والوں کی منتیں بھی پوری کرتی تھی۔

ہزارہا برس کے بعد انسان کو لوہے کا علم ہوا، اور پتھر کے ہتھیاروں کی جگہ لوہے کے ہتھیار اور آلات بننے لگے۔ جانوروں کو سدھا کر خوراک کے زندہ گودام بھی مہیا ہو گئے اور چند رسمیں بھی متعین ہو گئیں۔ مثلاً اپنے قبیلے کے آدمی کو قتل کرنا درست نہیں، دوسرے قبیلوں کے مردوں کو قتل کر کے کھا جانا جائز ہے۔ اگر وہ بولتے چالتے جانوروں کی طرح کام کر سکیں تو ان کو غلام بنا لینا بھی مفید ہے۔ مفتوحہ عورتوں کو غلام بنا لیا جائے اور اپنے قبیلہ کے آدمی بڑھانے کے لئے کام میں لایا جائے۔ اس کے ہزارہا سال بعد بعض بہادر قوموں (جیسے ہند میں راجپوتوں) میں یہ رسم پڑ گئی کہ شکست کی صورت میں عورتیں چتا پر بیٹھ کر خود جل مریں اور بعض قوموں میں یہ رسم بھی قائم کر دی گئی کہ سردار یا بادشاہ کے بعد اس کی بیبیاں، لونڈی، غلام، جانور سب قتل کر کے اس کے ساتھ دفن کر دیئے جائیں تاکہ آئندہ زندگی میں اس کے کام آ سکیں۔ ہند کی اونچی ذاتوں میں بیوہ کے لئے یہ رسم ہو گئی کہ وہ شوہر کی لاش کے ساتھ جل مرے۔

پھر مردوں نے یہ قانون بنایا کہ عورت زنا کرے تو وہ سزا پائے۔ مرد کو کوئی سزا نہ دی جائے۔ بابل میں

یہ رسم مقرر ہوئی کہ شادی سے پہلے ہر عورت کسی اجنبی سے ضرور زنا کرلے لیکن اس کے بعد پھر نہ کرے۔

مردوں کی بھی دو جماعتیں بن گئیں یعنی پروہت اور سپاہی۔ یعنی وہ جو دیوتاؤں کو خوش کرنے یا شریر دیوں کو دشمنوں پر بھیجنے کے طریقے جانتے ہوں یا ان میں جسمانی طاقت ہو کہ دوسرے قبیلوں کو لوٹ سکیں اور اپنے قبیلوں کے پروہتوں کو مالا مال کر سکیں اور اتنے غلاموں اور جانوروں کو اگنی دیوی پر بھینٹ چڑھا سکیں کہ ہر قوم ان سے ڈرنے لگے۔

مختلف مذاہب والے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے رہتے یہ سمجھنے لگ گئے کہ سوائے ہمارے دین کے ہر دین جھوٹا ہے۔ ارباب سیاست و مذہب نے اپنی اپنی ٹولیاں بنالیں اور ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مسئلہ اقتصادی تھا لیکن اس کا حل ہر سیاسی و مذہبی گروہ یہ بتاتا تھا کہ دوسری جماعت یا قوم کو ناپاک اور ملیچھ یعنی بیگانہ (PAGAN) سمجھا جائے اور ان کو ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیا جائے۔

پجاریوں اور کاہنوں کی گروہ بندی

مختلف دینوں کے ماننے والوں کی نفرت کی بنیاد اُن پجاریوں اور کاہنوں وغیرہ نے ڈالی تھی جنھوں نے انسان کے جہل سے فائدہ اٹھا کر دولت کمانا اور دھوکے میں رکھنا اپنا پیشہ بنالیا تھا۔ قدیم زمانے میں سادہ لوح انسان نے اپنے آپ کو توہمات میں گھیر رکھا تھا۔ مثلاً ہر بیماری کو کسی شریر روح کا سایہ، ہر مصیبت کو کسی فتنہ پرداز شیطان کی شرارت، اور ہر منفعت کو کسی اچھے دیوتا یا روح کا کرشمہ سمجھتا تھا۔ مرورِ زمانہ نے ایسے پجاری بھی پیدا کردیئے تھے جو ان دیوتاؤں اور شیطانوں کو خوش کرنے کے طریقے بھی جانتے تھے۔ ان میں سے کوئی جانوروں کی قربانی سے خوش ہوتا تھا، کوئی انسانی قربانی پسند کرتا تھا اور اکثر ایسے تھے جو دوسری قوموں کے غلاموں کے خون سے خوش ہوتے تھے نتیجہ یہ تھا کہ پجاریوں نے دیوتاؤں اور شیطانوں کے نام پر مذہب کو توہمات کا ایک مجموعہ بنادیا تھا اور جو کچھ نذر نیاز ملتی تھی اُس پر بسر کرنے کا آسان طریقہ سیکھ لیا تھا۔

پجاریوں کے علاوہ ایسے کاہن یا جوتشی بھی تھے جو ستاروں کو دیکھ کر یا ہاتھ اور چہرے کی بناوٹ پر نظر ڈالکر ہر شخص کی قسمت کا حال بتایا کرتے تھے، وہ سفر کے دن مقرر کرتے تھے اور ہر دن کو ایک سیارے سے منسوب کرتے تھے۔ وہ کام کے شروع کرنے کا وقت بتاتے تھے وہ دشمن سے لڑنے کی تاریخوں کا تعین کرتے تھے۔ وہ عورتوں اور حاملہ جانوروں کو دیکھ کر بتاتے تھے کہ ان کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ۔ وہ بارش ہونے کے اوقات بھی اپنے جنوں یا شیطانوں اور دیوتاؤں سے پوچھ کر بتاتے تھے وہ اپنے منتروں کے ذریعے دشمن کی

فوجوں اور مویشیوں کو تباہ کرنے کے مدعی تھے ۔ وہ اپنے حجمانوں کو خوشحال بنانے کے لئے تعویذ گنڈے دیتے بھی تھے ۔اور چھپے ہوئے خزانوں کو معلوم کرنے یا تانبے کو سونا بنادینے کے گر بھی جاننے کے مدعی تھے ۔غرضکہ وہ اپنے نفع کے لئے پوری دنیا کو اپنا غلام بنائے ہوئے تھے ۔انسان کا دماغ غلام تھا اور وہ کوئی بات اپنے بھلے کی سوچتا تو اس کو لامذہب قرار دے کر پروہتوں اور کاہنوں یا ساحروں کی جماعت واجب القتل قرار دیتی تھی ۔

پجاری بادشاہ

ان چالاک پجاریوں نے رفتہ رفتہ اتنا اقتدار حاصل کر لیا کہ وہ مختلف ملکوں کے بادشاہ بن بیٹھے ۔ فرعون مصر میں پجاریوں کا سردار تھا ۔یہی حال بابل ، پیرو ، مکسیکو ، تبت میں تھا اور عرصہ دراز کے بعد جو رومی سامراج بنا تو شہنشاہی سردار کاہن یا سردار پجاری (PONTIFIX MAXIMUS) ہوتا تھا مگر ایران و ہند میں دستوروں اور برہمنوں نے اپنے آپ کو بادشاہ اور راجے بھی اونچا قرار دے دیا ۔ اور راجہ ان کے مشورہ کے بغیر کچھ نہ کر سکتا تھا ۔بعد کے زمانے میں یہودی حبر اور مسیحی کلیسا سلطنت کے ہر کام میں بالادستی رکھتے تھے حتیٰ کہ اس جماعت نے اپنی متوازی حکومت قائم کر لی تھی اور ہر شہری پر دوگونہ ٹکسوں کا بار پڑنے لگا تھا ۔ دین کے نام پر پجاری ٹیکس جمع کرتے اور مزے اڑاتے تھے ۔ دنیا کے نام پر راجہ اور بادشاہ ، امرا اور فوج اپنا الگ نظام رکھتے تھے اور اپنے اداروں کے چلانے کے لئے علیحدہ ٹیکس وصول کرتے تھے ۔غرضکہ دنیا بھر میں لوٹ مچی ہوئی تھی ۔ایک طرف عبادت ، سحر ، علاج اور علم کو دینی جماعت نے قبضہ کر کے دنیا کو علم و عقل سے محروم کر دیا تھا اور اسے اپنا ذریعہ معاش بنا لیا تھا ۔ دوسری طرف مذہبی گروہ کی حفاظت اور اُن کو اجنبی قوموں سے ممتاز رکھنے کے لئے بادشاہ اور امرا کی جماعت نہ صرف اپنی قوم کو لوٹتی تھی ، بلکہ دوسری قوموں پر جنگ کر کے ان کو پامال اور غلام بناتی رہتی تھی ۔ اور دنیا میں ہر جگہ مذہب کے نام پر ذہنی غلامی ، اور قومی مذہب کے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے جسمانی غلامی رائج تھی ۔ مذہب نے علم و عقل سے محروم کرنے کے بعد سیاست کو اپنا آلہ کار بنا لیا تھا اور جسمانی غلامی ، عورتوں کی پستی اور اقتصادی لوٹ عام کر دی تھی ۔عقل سے محروم ہو کر انسانی ذہن کی تخلیقی قوتیں مردہ ہو رہی تھیں ، اور آزادِ عمل سے محروم ہو کر ایک کے بعد دوسری قوم تباہی کے غار میں گرتی جاتی تھی ۔

دو بُرائیاں : نسلی و خاندانی تفوق اور قومی دیوتا

غرضکہ دیوتاؤں کے نام پر ہر ملک میں جو جماعتیں بن گئی تھیں ۔انھوں نے ذاتی لوٹ کھسوٹ اور خود غرضی کی بنا پر دنیا میں دو مستقل خرابیاں پیدا کر دی تھیں جو ہر سچے مذہب کو خدا پرستی اور محبت خلائق کے

مسلک سے ہٹاکر شیطان پرستی یعنی خودغرضی اور خودپرستی کو ترقی دے رہی تھیں۔

ایک خرابی یہ بھی کہ رفتہ رفتہ انھوں نے اپنے ناقص علم کو صرف اپنی اولاد تک محدود کردیا تھا اور سوائے اُن کے پروہتی یا کہانت کا کام کوئی دوسرا نہ کرسکتا تھا۔ اس جماعت نے لکھنا پڑھنا بھی ایجاد کرلیا تھا۔ مگر وہ بھی عرصہ دراز تک ایک قسم کا خفیہ رسم الخط یا راز کے اشارے تھے جنھیں کوئی دوسرا نہ تو سیکھ سکتا تھا نہ پڑھ سکتا تھا۔ اس کا یہ مقصد تھا کہ کل دنیا علم اور تنقید علم سے محروم رہے۔

دوسری بُرائی یہ تھی کہ اس جماعت نے نہ صرف اپنی قوم کے دیوتاؤں اور شیطانوں کو اپنا مخصوص سردار بنالیا تھا بلکہ ان کا دعویٰ تھا کہ دوسری قوموں کے دیوتا اور شیطان ہمارے دیوتاؤں اور شیطانوں کے مقابلہ میں کمزور اور مجبور ہیں حتیٰ کہ ایک زمانے میں جب آریہ قوم آپس میں لڑگئی تو انھوں نے ایک دوسرے کے دیوتاؤں کو گالیاں دینا شروع کردیں اور قدیم آرین دیوتا آہُر کو ہندی آرین شاخ نے شیطان (دیو) کہنا شروع کردیا اور اسی طرح اُن لوگوں سنے ہندیوں کے آسُر دیوتا کو شیطان (دیو) قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ لفظ یونانی آریوں کے ساتھ یورپ گئے تو وہاں خدا اور شیطان دونوں کے لئے دیو یا دیوس (DIEU) اور دیول (DEVIL) کے لفظ رائج ہوگئے اور آخرکار ایک قوم دوسری قوم ہی کو نہیں بلکہ اُن کے دیوتاؤں کو ذلیل اور کمزور سمجھنے لگی اور اپنی قوم اور اپنے دیوتاؤں کو زیادہ طاقتور اور عزیز ماننے لگی۔ اس طرح انسان انسان اور قوم قوم میں نفرت اور حقارت ترقی کرنے لگی۔

تیسری فصل ۔ مختلف اقوام کے ادیان

ہم نے اوپر دیکھا کہ دین اللہ یا یزدانی مذہب اُسے کہتے ہیں جو اللہ کو خالق کائنات اور علام الغیوب اور معلم جانتا ہو اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیتا ہو۔

بخلاف اس کے شیطانی مذہب وہ ہے جو کئی دیوتاؤں کو خالق اور علیم مانتا ہے۔ اور پروہتوں یا کاہنوں کی ایسی جماعت پیدا کر دیتا ہے جو لوگوں کو علم و عقل سے محروم کر کے توہمات میں اس لئے مبتلا رکھتا ہے کہ اُن دیکھی طاقتوں کے درمیان اپنے آپ کو یا اپنی جماعت کو ایک واسطہ قرار دے اور لوگوں سے ایسے اعمال کرائے جن میں اس کا یا اس کی جماعت کا فائدہ ہو۔

اس معیار پر مختلف مذاہب کو جانچا جا سکتا ہے اور معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون کون فلاح انسانیت کے حامی ہیں اور کون کون صرف اپنی غرض سے غرض رکھتے ہیں۔

سمیریہ : خالدیہ ۔ بابل

مسیح سے پچھے سات ہزار سال پہلے قدرت کی مختلف قوتوں کو دیوتا تسلیم کیا گیا تھا اور اچھے بُرے دیوتا پیدا ہو گئے تھے۔ یہ سب دیوتا خونی قربانی سے خوش ہوتے تھے۔ ایک پروہتوں کی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو جادو منتر، جوتش، قربانی سے ہر دیوتا کو خوش کرتی تھی۔ ہزار ہا زندہ انسان بعل کے آتش کدہ میں نذر آتش کر دیئے جاتے تھے اور بعل یعنی سورج دیوتا کا بُت ان کی سوختنی قربانی سونگھ کر خوش ہوتا اور لوگوں پر اپنی عنایتیں نازل کیا کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس مذہب میں شیطنت کے سوا کچھ نہ تھا۔ انسانی قربانی کے لئے مختلف قوموں کے آزاد انسان غلام بنائے جاتے تھے اور ان کا خون بہا کر دیوتاؤں سے مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ سمیریہ میں سال نو ماہ نیسان (اعتدال ربیعی) سے شروع ہوتا تھا اور گیارہ دن میلہ رہتا تھا جس میں بعل مردوک (سورج) کا ڈرامہ دکھایا جاتا تھا، کہ اس نے کس طرح کائنات کو

پیدا کیا۔ غالباً عرب میں حج اکبر کی رسم اسی زمانے سے قائم ہے۔ حضرت ابراہیم اسی جو تشی قوم سے تھے۔ انھوں نے ۲۱۹۱ ق م میں (بقول توراۃ) نجوم پرستی اور سحر سے توبہ کی اور کنعان ہجرت کر گئے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہی دین اللہ ہے کہ سحر و تنجیم اور خونی قربانی کو ترک کر کے ایسے خدا کی پرستش کی جائے جو گوشت اور خون نہیں مانگتا نہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ غلام بنائے جائیں اور پروہتوں اور ساحروں کا شکار بنیں۔

بابل میں دیوتاؤں کی کثرت کی وجہ سے پجاریوں کی بھی کثرت تھی اور ہر مندر میں ایک ایک سردار پجاری ہوتا تھا اور بادشاہ سب کا سردار پجاری تھا۔ وہی بعل کے قانون بنوا کے لوگوں کو دیتا تھا۔ سمیری اور بابلی ضابطے اسی طرح بنے تھے اور ان میں انسان کی پیدائش اور طوفان آبی کے قصے موجود تھے جن سے بعد میں یہودیوں نے یہ قصے اپنا لئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد سب روحیں زمین کے نیچے آریالُوؔ میں چلی جاتی ہیں اور وہیں انھیں اپنے اعمال کی جزا ملتی ہے۔

مصر

مسیح سے چھے سات ہزار سال پہلے مصر کے ہر شہر میں دیوتاؤں کی کثرت تھی اور ان کی پرستش پجاریوں کے ذریعے ہوتی تھی۔ ان پجاریوں کا سردار فرعون ہوتا تھا اور وہ خدا (را: سورج) کا اوتار مانا جاتا تھا۔ اس دیوتا کا نام عُزیرس (عُزیر) (OSIRIS) تھا۔ اس کا نام ایپس (بیل) بھی تھا۔ اس بیل دیوتا کی بیوی عیزز (ISIS) یا گلئے دیوی تھی۔ اسے ہلال شب یا ستارۂ سحر بھی کہتے تھے۔ عُزیرس کے مرتے ہی گلئے دیوی حاملہ ہو جاتی اور اس کا بچہ حورس (عقاب یا صبح صادق) پیدا ہو جاتا اور پھر یہی حورس اپنی ماں کا شوہر بن جاتا اور یہ تثلیث ہمیشہ قائم رہتی۔ یہ آسمانی دیوتا تھے۔ ان کے علاوہ ظلماتی دیوتا، شب تاریک، غول بیاباں اور بھوت وغیرہ تھے۔ ساعمُون ایک پوشیدہ خدا بھی تھا۔ اس کے علاوہ چاند، وقت کی پیمائش کا اور شیط (شیطان) بھی ایک شریر دیوتا تھا۔ غرضکہ اصل دیوتا فرعون تھا اور پجاریوں کے ذریعے سے انسانوں کے دماغ اور جسموں کو غلام بنائے ہوئے تھا۔

سحر ہر شخص کیلئے ضروری تھا اسکے ذریعے سے روحیں ایک برج آفتاب سے دوسرے تک پہنچتی تھیں اور اگر کوئی روح جادو نہ جانتی تھی تو کسی برج کی تاریکی میں پھنس کر رہ جاتی تھی۔ بہرحال وہ بقائے روح کے قائل تھے اور سحر و فرعون پرستی بھی کرتے تھے اور انسانی قربانی کے ذریعے دیوتاؤں کو خوش بھی کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے زمانے تک اُن میں یہ رسم جاری تھی کہ ایک دوشیزہ کو نیل میں غرق کر کے سیلاب کی دعا مانگتے تھے۔ یہ رسم حضرت عمرؓ کے حکم سے بند کی گئی۔ اس سے بہت پہلے حضرت موسیٰ نے سحر و ساحری اور فرعون پرستی کے خلاف بغاوت کی اور اپنی قوم کو

اس دوگونہ ذہنی اور جسمانی غلامی سے آزاد کرایا جس میں وہ دو سو برس سے مبتلا تھی۔

صحف ابراہیم یہ صحف یعنی قوانین ابراہیم، صحف موسیٰ سے قدیم تر ہیں (صحیفہ، کتاب وکلام سب کے معنی قانون کے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے صحف کا قرآن مجید میں ذکر موجود ہے۔ ان صحف یا قوانین الٰہیہ میں سے بعض عرصہ دراز تک رائج تھے۔ اور امثال سلیمان کی طرح موعظت وحکمت سکھاتے تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ ان میں خدا پرستی کی تعلیم تھی۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی تعلیم تھی کہ انسان کو اس کے اعمال کی جزا یقینی ملے گی اس دنیا میں ملے یا نہ ملے لیکن مرنے کے بعد جو زندگی ہوگی اس میں ضرور جزا ملے گی۔ نتیجہ اس تعلیم کا یہ ہے کہ مصیبت اور جہنم سے بچنے کے لئے موجودہ زندگی میں غیر اللہ کی پرستش نہ کرو۔ نہ انھیں خوش کرنے کے لئے غلاموں اور جانوروں کا خون بہاؤ۔

عبری قوم کی تاریخ اس قوم کی طویل تاریخ ہے۔ بقول توراۃ سنہ ۲۴۰۰ ق م میں طوفان نوح آیا اس سال خدا نے نوع انسانی سے وعدہ کیا کہ طوفان آبی سے نوع انسانی کو غارت نہ کروں گا اور قوس وقزح گویا اس معاہدے پر خدا کے دستخط ہیں جب تک یہ نکلتی رہے گی معاہدہ قائم رہے گا۔

سنہ ۱۹۲۱ ق م سے بطریق ابراہیم کا زمانہ شروع ہوا۔ اسمٰعیل سنہ ۱۹۱۱ ق م میں اور اسحٰق سنہ ۱۸۹۲ ق م میں پیدا ہوئے اور خدا ابراہیم پر ظاہر ہوا۔ یہ عہدنامۂ ابراہیمی، عہدنامۂ موسوی سے قدیم تر ہے اس کے بعض قوانین کو مثلاً اونٹ کے گوشت وغیرہ کو یہود نے حرام کرلیا تھا جسے قرآن نے بعد میں مثل قبلۂ ابراہیمی کے قائم کیا۔ خدا نے انھیں اطمینان دلایا کہ تیری اولاد بڑھے گی اور سرزمین موعود کی حاکم ہوگی۔ اس وعدے کی خوشی میں ابراہیم اور اس کی اولاد سے یہ وعدہ لے لیا کہ بجائے کسی لڑکے کی قربانی کے صرف ختنہ کرانا ہوگا اور تھوڑا سا خون اور اپنے جسم کا گوشت اپنے قومی خدا (یا دیوتا) پر چڑھانا ہوگا۔

قرآن اس معاہدہ کا ذکر نہیں کرتا بلکہ ختنہ کی رسم ہی کا ذکر نہیں کرتا۔ ہاں یہ کہتا ہے کہ انسانی قربانی ناجائز ہے، اور خود جانوروں کی قربانی کے مقابلے میں تقویٰ یا خدا پرستی کا حکم دیتا ہے (لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ)

اس کے بعد یعقوب بن اسحاق کی خدا سے کشتی کا ذکر ہے اور یعقوب کا نام اسرائیل (شہزادۂ خدا) قرار پاتا ہے۔ یوسف مصر میں سنہ ۱۷۱۶ ق م میں فروخت ہو جاتے ہیں، سنہ ۱۷۰۰ ق م میں وزیر فرعون بن جاتے ہیں۔ اور ۱۴۹۱ ق م تک جتنی اسرائیل کی اولاد (بنو اسرائیل) ہے وہ مصر میں بدترین غلامی کی حالت میں زندگی بسر کرتی ہے۔

آخر بابل کی قید میں یہ قوم اپنی تاریخ اور توراۃ مرتب کرتی ہے اور رفتہ رفتہ ایک جامد مذہب بنالیتی ہے اور پھر ۵۳۶ ق م میں اردشیر کے حکم سے دوبارہ بیت المقدس (دارالسلام) کی تعمیر ہوتی ہے۔ اور جو شمعیں اور تابوت سکینہ (توراۃ کا صندوق) بخت نصر لے گیا تھا اور داریوش کے حکم سے واپس ملا تھا وہ مقدس میں آ جاتا ہے۔ پھر نحمیہ ایرانی دربار میں ۴۳۱ ق م میں واپس جاتا ہے لیکن بعض اصلاحات کر جاتا ہے۔ اس کے بعد توراۃ میں مزید کسی تاریخ یا حکم کا اضافہ نہیں ہوتا اس کی تفسیریں اور تشریحیں ہونے لگتی ہیں۔ نحمیہ نے جو اصلاحیں کیں، وہ درحقیقت قدیم جاگیرداری اور پروہتی اجارہ داری کو زندہ کرنے والی چیزیں تھیں۔ اس کے بعد کئی دفعہ یہودی تباہ ہوئے لیکن نحمیہ کی اصلاحیں انھیں یاد رہیں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) زیادہ سود نہ لیا جائے (۲) مشرکوں سے شادی نہ کی جائے نہ اونچی ذات کا یہودی نیچی ذات کے یہودی سے شادی کرے (۳) ہر شخص مقدس کے لئے چندہ دے اور (۴) سبت کے دن کام بند رہے

حقیقی دین ابراہیم و موسیٰ

قرآن کہتا ہے کہ ابراہیم سے موسیٰ تک اور موسیٰ سے عیسیٰ تک جتنے نبی و مصلح آئے ہیں سب دو باتوں کی تعلیم دیتے ہیں کہ (۱) اللہ سب قوموں کا اللہ ہے کسی قوم کا مخصوص خدا نہیں (۲) جو شخص بھی بدعملی کرے وہ دوسرے کی قربانی سے بچ نہ سکے گا بلکہ خود سزا پائے گا۔ اور اگر اس دنیا میں بچ گیا تو مرنے کے بعد جو زندگی ہوگی اس میں سزا کا ملنا ناگزیر ہے۔ اسی طرح نیک عملی کی جزا موجودہ دنیا اور آئندہ زندگی میں ملے گی۔

تعجب ہے کہ مصر و بابل دونوں قوموں میں بعث بعد الموت اور جزا و سزا بعد الموت کا تصور موجود تھا لیکن موجودہ توراۃ اس ذکر سے یکسر خالی ہے۔ بار بار کی غلامی نے اتنا یاس پیدا کیا کہ یہودی اس تعلیم کو بھول گئے اسی لئے قرآن کہتا ہے جو باتیں خدا پرستی اور قانون مکافات (بعث بعد الموت) کے خلاف یہودی حبروں نے اپنی فقہ اور تفسیر میں خود لکھ لی ہیں ۔ یہ باتیں سب تحریفیں ہیں اصل توراۃ و انجیل کتاب اللہ ہے اور دنیا کے لئے نور و ہدایت ہے قرآن کوئی نئی بات نہیں بتاتا۔ البتہ جن باتوں میں اہل کتاب نے تحریفیں کی ہیں اور اختلاف پیدا کر دیا انھیں بتا دیتا ہے۔ یہودیوں کے صدوقی اور فریسی ۱۴۰ ق م کے قتل کے بعد یعنی آنحضرت کے زمانے سے چھ سات سو برس پہلے یہ جھگڑا پیدا کر چکے تھے کہ بعث بعد الموت ہے بھی یا نہیں؟ صدوقی کہتا تھا کہ توراۃ میں اس کا ذکر نہیں دوسرا فریق کہتا تھا کہ مرنے کے بعد یقینی زندگی ہے۔ یہ گروہ چھوٹے چھوٹے نبیوں کا تھا جو ہمیشہ مفلس یہودیوں کے طرفدار اور حمایتی بن کر اُن کو آئندہ زندگی کی امید افزا حالت پر بھروسہ کرنا سکھاتے تھے اور اپنی طرف سے بہت سے

مسائل بتاکر انھیں کتاب اللہ یا توراۃ کہتے تھے ۔

مشرکین مکہ اور بعث

بالکل یہی حالت مشرکین مکہ کی تھی جب آنحضرتؐ نے اُن کو بتایا کہ مرنے کے بعد موجودہ دنیا کے مظالم کا نتیجہ جہنم ہوگا تو وہ کہنے لگے کہ یہ جھوٹ ہے ۔ نہ کوئی آئندہ زندگی ہے اور نہ جزائے اعمال ۔ یہ جماعت بھی یہودی دولتمندوں کی طرح مکہ اور طائف کے دولتمندوں اور سود خوروں کی تھی ۔

ظہور اسلام تک یہودی پستی

(۱) دنیا میں صرف تھوڑے سے خدا کے بندے یعنی یہودی اس کے منتخب بندے ہیں ۔ باقی جتنے ہیں وہ جانور ہیں ۔ قرآن کہتا ہے کہ نسل و رنگ پر کسی انسان کی بزرگی کا انحصار نہیں ، نہ کوئی خدا کا برگزیدہ (اور بقول ابناء اللہ) ہے بلکہ جو شخص زیادہ متقی ہے وہی خدا کا پیارا ہے ۔

(۲) یہو (الوہہ) صرف اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا خدا ہے اور دوسری قوموں کے خداؤں سے زیادہ قوی ہے اور یہودیوں کی طرف سے دوسرے خداؤں کو لڑ لڑ کر شکست دیتا رہتا ہے (قرآن نے بتایا کہ جو یہوا یا اِلٰہ یہودیوں کا خدا ہے وہی سب کا خدا ہے ۔ یہودی اسکو تسلیم نہیں کرتے تھے اور جب آنحضرت نے فرمایا کہ آؤ ہم سب مل کر اسی خدا کی بندگی کا اعلان کریں جو ہمارا اور تمہارا دونوں کا خدا ہے (اِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ) تو انھوں نے انکار کر دیا ۔ بات یہ ہے کہ جو شخص یہ مان لے کہ سب کا ایک ہی خدا ہے تو پھر وہ مجبور ہے کہ سب انسانوں کو بندہ ہونے کی حیثیت سے برابر سمجھے اونچ نیچ کا فرق مٹا دے اور خدا تک پہنچنے کے لئے پروہتوں کی درمیانی کڑی (شفعاء) کو بھی نہ مانے (اس تعلیم مساوات و توحید انسانیت کو کوئی سود خور اور غلام ساز قوم پسند نہیں کر سکتی)

(۳) یہودیوں کی مذہبی جماعت ہی توراۃ کی تفسیر کر سکتی ہے اور یہی پروہتی کا پیشہ نسلاً بعد نسلٍ کرتی رہے گی (ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلام کے بنیادی اصول مساوات کے خلاف تھا ۔ اور مدینہ میں یہودی اس پر تیار نہیں ہوئے کہ خود آنحضرت سے توراۃ کے مطابق فیصلے حاصل کریں ۔ حالانکہ اُن سے پہلے ہی سال اس بات کا معاہدہ ہو چکا تھا کہ تنازعہ امور میں آخری فیصلہ آنحضرت کا ہوگا ۔ جو توراۃ یعنی کتاب اللہ کے مطابق کیا جائے گا ۔ چند دن تو وہ اس معاہدہ پر قائم رہے لیکن اُن کے احبار نے جلد اس معاہدہ کو ختم کر دیا لیکن آنحضرت نے نہایت فراخدلی سے کام لیا اور انھیں قتل کی جگہ جلاوطن کر دیا)

(۴) یہودیوں نے غلام رہتے رہتے یہ تصور پیدا کر لیا تھا اور عہد نامہ قدیم میں بھی اسے داخل کر دیا تھا کہ غلام یہودیوں کو عزت دلانے اور کنعان میں دوبارہ اُن کی سلطنت قائم کرنے کے لئے ایک بادشاہ (مسیح) پیدا ہوگا ۔

(۵) یہوا نے کل کائنات کو چھے دن میں بنایا اور اس کے بعد وہ تھک گیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ لہذا ہر یہودی کو سبت کے دن کوئی کام نہ کرنا چاہیئے (قرآن نے بتایا کہ خدا خالق کائنات ہے مگر وہ حی وقیوم ہے نہ وہ تھکتا ہے نہ آرام کی اُسے ضرورت ہے اور سبت وغیرہ کے متعلق جو باتیں تالمود میں پائی جاتی ہیں وہ کتاب اللہ توراۃ میں نہیں ہیں۔ یہودیوں کی بناوٹی باتیں ہیں)

(۶) غیر قوموں میں شادی بیاہ، یا اونچ نیچ میں ازدواجی تعلقات کو نحمیہ نے روکا (قرآن چونکہ مساوات انسانی کا قانون ہے۔ اس نے صرف شیطان پرستوں سے شادی بیاہ سے روکا ہے)

حضرت مسیحؑ بن مریم ناصری (سنہ قم تا سنہ ۳۳ء)

حضرت مسیحؑ بن مریم درصل یہودی تھے اور دین ابراہیم وموسیٰ یعنی اسلام کی تعلیم کو زندہ کرنے آئے تھے یہودیوں کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ خدائی سلطنت (KINGDOM OF HEAVEN) دنیا میں محبت ورواداری سے قائم ہوسکتی ہے۔ یہ دنیوی سلطنت نہیں بلکہ رحم وانسانیت کی سلطنت ہوگی اور میں وہ مسیح یا بادشاہ ہوں جس کے تم منتظر ہو۔ نفرت وعداوت کو چھوڑدو۔ پاکیزگی، محبت وانسانیت کو ترقی دو اور اس خدائے واحد کی بندگی کرو جس کا نام "رحمان" یا رحیم ہے وہ دلوں کی پاکیزگی کو دیکھتا ہے اور مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے۔

یہودیوں کو یہ انجیل (یعنی خوشخبری) پسند نہ آئی اور انھوں نے رومی گورنر سے شکایت کی کہ عیسیٰ بن مریم رومی شہنشاہیت کا باغی ہے وہ خود اپنے آپ کو بادشاہ (مسیح) کہتا ہے لہذا اُسے سولی دی جائے۔ اور آخر کار انھیں صلیب دلوا کر چھوڑی یہ واقعۂ ہائلہ (شہادت کبریٰ) سنہ ۳۳ء کا ہے

حضرت مسیحؑ بن مریم کی تعلیم یعنی خوشخبری کو دوسرے قصوں کے ساتھ ملا کر اُن کے ماننے والوں نے جمع کرلیا تھا۔ یہ قصے (یعنی انجیلیں)، سینکڑوں کی تعداد میں تھیں۔ جن میں سے صرف چار انجیلوں کو کلیسا نے مستند مانا ہے۔

حضرت مسیح کی شہادت کے بعد نصرانیوں کے سینکڑوں فرقے بن گئے اور ان کا بنیادی مسئلہ کفارہ قرار پایا۔ یعنی حضرت آدمؑ نے جو گناہ کیا تھا اس کا کفارہ صرف اس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک معصوم شخص بطور کفارے کے قربان کیا جائے اور پھر خدا اس قربانی کے بعد لوگوں کو بہشتی اور پیدائشی گناہ کی آلائش سے پاک کرے اس نظریے کے بنانے کے لئے ضروری تھا کہ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا مانا جائے تاکہ وہ معصوم ثابت ہوں۔ ہم آگے بتائیں گے کہ ابن اللہ کا ترجمہ خدا کا بیٹا کرنا محاورہ کی عدم فہمی کی دلیل ہے۔ ابن اللہ اچھے آدمی کو

یا اللہ والے آدمی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ابن الشیطان بُرے آدمی کو کہتے ہیں۔ قرآن حضرت مسیح کو عبداللہ اور انسان بتاتا ہے۔ ایسا انسان جسے موت آنا یقینی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو موت آئے وہ اللہ کیسے ہوسکتا ہے اللہ توحی وقیوم ہے۔ وہ نہ بوڑھا ہوتا ہے نہ اُسے نیند آتی ہے۔

قرآن یہ نہیں مانتا کہ ایک شخص کے گناہ کے لئے دوسرا شخص بطور کفارہ کے قتل کیا جاسکتا ہے (لاَ تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) بلکہ قرآنی تعلیم یہ ہے کہ بغیر کسی شفیع یا کفارہ کے جو شخص گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے وہ خدا قبول کرلیتا ہے اور معاف کردیتا ہے۔ نصرانیت کی تاریخ طویل ہے۔ اس میں سینکڑوں فرقے پیدا ہوگئے ہیں جو موحد بھی ہیں اور تثلیث کے بھی قائل ہیں۔ یعنی خدا، مسیح اور مریم یا باپ بیٹے اور روح القدس کی تثلیث کے قائل ہیں۔

بہرحال یہودیت اور نصرانیت کے سلسلے میں ہم سیرت نبویہ میں مختلف باتوں کو اپنے اپنے موقع پر درج کرتے رہیں گے اس لئے یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

آرین ادیان

مزدیسنائیت (خداپرستی)

دجلہ کے کنارے میدیوں نے ۶۱۲ ق م میں اپنا مرکز بنالیا تھا۔ اس قوم کے پجاری مُغ یا مگوش (مجوس) بمعنی عقلمند یا مددگار کہلاتے تھے انھوں نے اپنی الگ ذات بنالی تھی۔ وہ بُری روحوں، شیطانوں اور مرض کے بھوتوں کو جادو منتر سے اتارتے تھے یہ لوگ "نبو" کے مندر سے نبوت یا کہانت کرتے تھے اور یہ جماعت میدیوں کی فتح سے بہت پہلے قائم تھی۔ اسی مجوسی پروہتوں میں سے ایک زرداشتر کا باپ تھا اور اہورامزدا (اچھی روح) کی پرستش اور اہرمن (بری روح) سے نفرت کرتا تھا۔

زرداُشتر (۶۶۰ تا ۵۸۳ ق م)

زرداُشتر بڑے پروہت یا سردار پجاری کو کہتے ہیں۔ یہ ایک بلند پہاڑی پر مراقبے میں تھے کہ اہورمزدا برق و رعد کے درمیان ظاہر ہوا اور انھیں "اَوِستا" (یعنی قانون زندگی) عطا کیا: (اسی خیال کو یہودیوں نے توراۃ سازی کے وقت سامنے رکھا اور ظاہر کیا کہ خدا برق و رعد میں ظاہر ہوا اور یہودیوں کے لئے توراۃ (قانون زندگی) عطا کیا۔ پھر ہرمز نے زرداشتر سے کہا کہ "جا اور لوگوں کی اصلاح کر" اور زرداشتر نے لوگوں کو خداپرستی (مزدیسنائیت) سکھائی اور مختلف

دیوتاؤں مثلاً نہر، ناھید اور ہوم (شراب) کی پرستش سے روکا اور بتایا کہ کئی خدا نہیں بلکہ صرف ایک قادر و توانا ہرمز ہی خدا ہے۔ داریوش اول نے اس مذہب کو مان کر بت پرستی اور متعدد دیوتاؤں کی پرستش کو ختم کرنے کا عہد کر لیا۔

بعد کے زمانے میں قدیم مجوسی ثنویت پھر اُبھر آئی اور ہرمز کو خالق خیر و فرشتگاں اور اہرمن کو خالق شر و دیوان مان لیا گیا۔ ہرمز نور ہے اور آسمان پر ہے۔ اہرمن ظلمت ہے اور زمین پر ہے۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ اصلی خدا پرستی (مزدیسنائی) دین یہ ہے کہ خدا ہی کو خالق خیر و شر مانا جائے۔ اگر دو خدا مانے جائیں تو عالم میں فساد برپا ہو جائے گا۔

اَوِستا، یا دین کی تعلیم (قانون)

خدا ایک ہے وہ اچھی روح (آہورامزدا) ہے سب کو خدا پرستی کرنا چاہیئے اور ہرمز کے انصار (یعنی حزب اللہ یا انصار اللہ) بن کر بُری روح، شیطان (دیووں) کو شکست دے کر دنیا سے تاریکی کو دور اور روشنی کو لانا چاہیئے۔ افکار نیک، گفتار نیک اور کردار نیک کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔ دشمن کو دوست بنانا، بد کو نیک بنانا، جاہل کو علم دینا ہر خدا پرست کا دین (فرض) ہے۔ سب سے بڑی نیکی تقویٰ ہے اس کے بعد دیانت داری ہے۔

بعث بعد الموت یقینی ہے۔ اس لیے کہ روح لافانی ہے۔ ہرمز کی فتح اور اہرمن کی شکست کے بعد یہ دُنیا جنت بن جائے گی اور کل مُردے زندہ کر دیئے جائیں گے اور ایسا دور شروع ہو گا جس میں بیماری بڑھاپا اور موت کا وجود نہ ہو گا۔ دائمی مسرت ہو گی اور انصار اللہ جنت میں اور انصار الشیطان جہنم میں رہیں گے اور اپنے اعمال کی سزا پانے کے بعد اس قابل ہو سکیں گے کہ جنت کو جانے والے پل سے گذر جائیں اور سرزمین نغمہ میں پہنچ جائیں۔

تحریف اوستا

قانون خدا پرستی میں تحریف کرنے والی جماعت ان زردشتیوں میں بھی پیدا ہو گئی اور برہمنوں اور یہودیوں کی طرح انھوں نے پروہتی اور قربانی کرنے کے طریقوں کو صرف دستوروں تک محدود کر لیا حتیٰ کہ یہ ایک ایسی ذات بن گئی کہ سوائے ان کی اولاد کے کوئی دوسرا مزدیسنائی پروہتی نہ کر سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ ہرمز پرستی نے نور پرستی، پھر خورشید و آتش پرستی کی شکل اختیار کر لی، اور عوام نے دیوتاؤں کو قربانی اور نذرانوں کے ذریعے سے خوش کرنا سیکھ لیا اور سحر و ساحری بھی رائج ہو گئی۔ حالانکہ خود زردُشتر نے دیوؤں، دیو پرستوں اور سحر و ساحری پر لعنت بھیجی ہے (لیسنا ۱۲-۴) اور وندیداد (دیووں کو دور کرنے کی کتاب) کی تعلیم ہی یہ ہے کہ "دیو دور ہو اور خدا قریب ہو" گویا یہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ہے۔

اسلام اور مزدیسنائیت

سوائے پروہتی کے اسلام اور مزدیسنائی تعلیم میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں میں نماز پنجگانہ، خیرات اور عمل صالح کی یکساں تعلیم ہے۔ بعث بعد الموت

اور جنت و دوزخ۔ فرشتے اور شیطان کے یکساں تصورات ہیں اگر کسی مذہب کا نام نہ لکھا جائے اور صرف تعلیمات کا نقشہ کھینچا جائے تو کوئی نہیں بتا سکتا کہ دونوں دینوں میں کوئی اختلاف ہے۔ البتہ مزدیت میں روزہ رکھنے کا حکم نہیں۔ شاید یہ اس لئے کہ اس مذہب میں سنیاس نہیں ہے۔

مانی (۲۱۲ء تا ۲۷۷ء) برین کا قول ہے کہ مانویت درصل زردشتیت ہے جو نصرانی ہو گئی ہو مانی نے نصرانی اور بدھ مذاہب کی تعلیم سے اثر لے کر روزہ رکھنا جزو مذہب قرار دیا۔ وہ تینوں مذہبوں کو سچا سمجھتا تھا مسیح کے متعلق وہ کہتا تھا کہ اصلی مسیح صرف روح ہی روح تھے۔ اس لئے صلیب پر مر نہیں سکتے تھے۔ البتہ جسے سولی دی گئی وہ ایک بیوہ کا لڑکا تھا اور جس مسیح یا فارقلیط کا ذکر توراۃ میں ہے وہ میں ہوں۔ افسوس ہے لوگوں نے ان کی بات نہ سُنی اور وہ سلطنت قائم کر کے مسیح (بادشاہ) نہ بن سکا بلکہ شاپور نے اُسے جلاوطن کر دیا اور جب وہ ہرمز کے زمانہ میں واپس آیا تو پروہتوں کی سازش سے اُسے قتل کر دیا گیا۔ اس کا مذہب عام مذہبی رواداری اور روحانیت کی تعلیم دیتا تھا۔

مزدک (۴۸۷ء تا ۵۳۵ء) مانی کے بعد افلاطون کا معنوی شاگرد مزدک ایران میں پیدا ہوا۔ وہ افلاطون کی ملکیت مشترک کا قائل تھا اور زر۔ زمین زن سب کو مشترک بنا کر ان کی محبت سے لوگوں کو بچانا چاہتا تھا۔ وہ ترک لذات اور زہد و سنیاس کا قائل تھا۔ وہ مانی کے فلسفہ ثنویت (نور و ظلمت) کو درست سمجھتا تھا۔ یہ ایک صوفی تھا جو روحانیت کی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس کی تعلیمات پورے طور پر واضح نہیں ہوئیں اور وہ نوشیرواں کے حکم سے قبل از وقت مع اپنے ساتھیوں کے زندہ دفن کر دیا گیا۔

ہند کے خدا پرست آرین مصلح اور ہادی ہند کے آریہ وسط ایشیا سے ہند میں آئے تھے اور اپنے ساتھ وسط ایشیا کے دیوتاؤں اور شیطانوں کے تصور کو بھی لائے تھے۔ ان میں پہلے ذاتیں نہیں تھیں جو شخص جو پیشہ کرتا تھا اُس نام سے پکارا جاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہودیوں کی طرح اُن میں برہمن یا پروہتوں کی ذات پیدائش پر منحصر ہو گئی اور لڑنے والی یا محافظت کرنے والی ذات چھتری کہلائی۔ تجارت پیشہ اور مزدوروں کی بھی ذاتیں بن گئیں اور ہندی آریوں کی سوسائٹی کی ترقی محدود اور جامد ہو کر رہ گئی۔

خدا اور بعث بعد الموت دو ہزار سال قبل مسیح میں ہندی آریوں نے خدا کے متعلق بلند ترین تصورات

قائم کرلئے تھے۔ وہ روح کو غیر فانی مانتے تھے اور روح اعظم (پرماتما) کو خالق کائنات مانتے تھے لیکن اس ملک میں قدرت کی بخششیں عام تھیں۔ اس لئے مفکروں کی بھی کثرت ہوگئی تھی۔ اور روح اور روح اعظم کے متعلق وہ وہ بحثیں چھڑگئی تھیں کہ کسی ملک کا فلسفی یہاں کے ایک عامی کا مشکل سے مقابلہ کرسکتا تھا۔

بعث بعد الموت کے تصور کو انھوں نے منطقی طور پر تناسخ کے خیال سے ظاہر کیا تھا یعنی ہر عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ہونا ضروری ہے اور اس نتیجے کو حاصل کرنے کے لئے روح کا کسی نہ کسی شکل میں پیدا ہونا بھی ناگزیر ہے اچھے عمل کرنے والا بہتر انسان یا دیوتا کی صورت میں اپنے اعمال کی جزا پاتا ہے۔ بدعمل کو جانوروں کی شکل میں پیدا ہونا پڑتا ہے۔ غرضکہ جس تصور کو وسط ایشیا کے آریوں نے جنت دوزخ کے تصور کے ذریعے لوگوں کو سمجھایا تھا اُسے ہندی آریوں نے تناسخ اور کرم پھل (نتائج عمل) کے ذریعے سے سمجھایا۔ مقصد دونوں کا یہ تھا کہ نیک عملی کی زندگی بسر کی جائے (جو بغیر سوشل عدالت یعنی مساوات کے ناممکن ہے۔)

ان خدا پرستوں نے شرک سے اتنا اجتناب کیا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ حقیقی وجود سوائے باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے۔ گویا وہ "لاموجود الا اللہ" کے قائل تھے۔ ان میں سے بعض وحدت وجود کے علاوہ وحدت شہود کے بھی قائل تھے اور کہتے تھے کہ خالق مخلوق سے الگ ہے اور روح اور مادہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

رسالت

رسالت کا تصور قدیم آریوں میں موجود تھا اور جو شخص خدائی باتیں بتاتا تھا اُسے وہ خدا کا اوتار یا رسول مانتے تھے۔ ویدوں میں انھیں رشی یا مُنی کہا گیا ہے۔ یہ بزرگ برہم گیان یعنی خدا کی معرفت کا علم لوگوں میں پھیلاتے تھے اور آئندہ زندگی کی سزا سے ڈراکر موجودہ زندگی میں نیک عملی کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ تعلیم سری کرشن کی بھگوت گیتا (نغمۂ خداوندی) میں ایک جگہ جمع کردی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں "جو لوگ میری پرستش مجھے لاشریک مان کر کرتے ہیں، اُن متوازن اشخاص کو میں مکمل سلامتی بخشتا ہوں"۔ (مکالمہ ۹: شعر ۲۲)

تجدید یا احیائے اسلام کا ہندی تصور

ہند کے مذاہب اور فلسفوں کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ جب دنیا میں کفر و ظلمت (تاریکی) عام ہوجاتی ہے تو خدا اپنا ایک رسول (اوتار) بھیجتا ہے وہ سچے دین قدیم (آریہ دھرم) کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور تین راستوں میں سے کسی ایک راستے پر چلنے والا نجات، فراغت کاملہ، جنت، یا وصال الٰہی حاصل کرلیتا ہے۔ ایک راستہ نیک عملی کی زندگی کا ہے۔ دوسرا طریقہ معرفت نفس (آتما) اور معرفت روح اعظم (پرماتما) کا ہے اور تیسرا راستہ عشق و محبت (بھگتی) کا ہے۔ گویا چھتری، برہمن اور عوام تینوں اپنے عمل، علم یا محبت کے راستہ سے خدا تک

پہنچ کر جنت دوزخ کے چکّر سے نجات حاصل کرسکتے ہیں ۔

ظہورِ اسلام کے وقت تک سچے سناتن دھرم میں تحریفیں

اگرچہ آنحضرت کی تعلیم کا واسطہ براہِ راست آپ کی زندگی میں ہند کے ادیان سے نہیں پڑا تھا لیکن قرآن یہ بتا چکا تھا کہ ہر ملک میں خدا پرستی کا پیغام پہنچانے والے آتے رہے ہیں۔ لہٰذا جب مسلمان یہاں آئے تو انھوں نے دیکھا کہ خود غرض اور خود پرست پروہتوں نے اپنی ایک الگ ذات بنالی ہے وہ اپنے کو ابنار اللہ (برہما کے سر سے پیدا ہونے والے دیوتا) یا برہمن دیوتا سمجھتے ہیں اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ پرستش اور قربانی کے علم کو اپنی میراث سمجھتے ہیں یعنی بغیر اُن کی سفارش کے کوئی دیوتا یا خدا کسی کی دعا (پکار) نہیں سن سکتا۔ سچے آریہ دھرم (اسلام) کے مطابق یہ تحریفِ دینِ قدیم ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہے کہ غیر برہمن علم و عمل سے محروم ہوگئے اور جمہوری نظام جو آریہ قوم کا ایران، یونان اور دوسرے ملکوں میں طرۂ امتیاز تھا ختم ہوگیا۔ عورتوں کا درجہ نہایت پست ہوگیا حتیٰ کہ وہ اپنے مردہ شوہروں کے ساتھ جل مرنا (ستی ہونا) پسند کرنے لگیں۔ مساواتِ انسانی ختم ہوگئی اور کروڑوں انسان اچھوت یا پیدائشی غلام قرار پاگئے۔ سوسائٹی کی اس مردنی کو دور کرنے کے لئے بار بار ہند میں بدھ (عقلمند انسان) پیدا ہوئے۔ رام، کرشن، مہابیر، گوتم بدھ، شنکر آچاریہ، مسلمانوں کی آمد سے پہلے، اور داؤد (داؤدجی)، کبیر، گورونانک، تلسی داس، ملک محمد، الہجویری، خواجہ چشتی، فرید، خسرو، خانخانان، سرہندی، ولی اللہ اور بہت سے مصلح مسلمانوں کے عہد میں پیدا ہوئے۔ انگریزوں کے دور میں سید احمد بریلوی کی تجدیدی کوششیں ہندی ویدانت اور اسلامی تصوف کی آمیزش سے شروع ہوئی تھیں اور بالکل آخر میں مہاتما گاندھی کی دینی سیاست، غلام ہندوستان کا زرین کارنامہ ہے۔ یہ سب مصلح ہند کے باشندوں کو ذات پات کے بندھنوں سے نجات دلاکر مذہبِ انسانیت و محبت رائج کرنا چاہتے تھے۔ اور موعظت و حکمت سے لوگوں میں سماجی عدل اور اقتصادی مساوات کی روح پھونکنا چاہتے تھے سب کا یہ قول تھا کہ صرف برہمنوں تک سچائی کو محدود نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ مسلمان صوفی تو ہندو مصلحوں سے آگے بڑھ گئے تھے اور کہنے لگے تھے کہ "العلم حجاب الاکبر" یعنی وہ برہمن اور ملا جو فروعی کٹ حجتیوں کو اصل دین سمجھتے ہیں اور مندر یا مدرسہ میں بیٹھ کر فرقہ بندیاں کر رہے ہیں۔ وہ درحقیقت دینِ قدیم، سناتن دھرم یا اسلام کی حقیقت کو نہیں پہنچے۔ اسلام عام رواداری اور مساوات پر مبنی ہے۔

بقول شاعر ؎

یک چراغست دریں خانہ کہ از پرتو آن | ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند
درحقیقت نسب عاشق ومعشوق یکے ست | بوالفضولاں صنم و برہمنے ساختہ اند

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

رام اور کرشن مہابیر اور بدھ

رام اور کرشن، مہابیر اور بدھا یہ سب مصلح چھتری تھے اور برہمنوں کی خود ساختہ بندشوں سے دنیا کو آزاد کرانا چاہتے تھے۔ مہابیر اور بدھا سے پہلے رام اور کرشن مشہور مصلح اور ہادی پیدا ہوئے تھے۔ رام کی کہانی رامائن میں، اور کرشن کی تعلیم بھگوت گیتا میں پائی جاتی ہے۔ یہ مہابھارت کی کہانی کا ایک حصہ ہے۔ رام کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ جان جائے مگر جو عہد کیا ہے وہ نہ ٹوٹے۔ وفائے عہد ہی اُس زمانے کی سب سے بڑی تعلیم تھی۔ کرشن نے نجات اور وصال الٰہی کا سہ گانہ طریقہ بتایا اور علم وعمل محبت کے طریقوں سے انسانیت کا سبق پڑھایا۔ یہ دونوں چھتری تھے اور برہمنوں کی تنگ نظری اور ذات کی بندشوں اور عدم مساوات و بےعمل زندگی کے دشمن تھے۔ دنیا سے عدل وحقانیت اُٹھ گئی تھی۔ ان لوگوں نے خدا پرستی اور انسانی مساوات کو قائم کردیا۔ مگر مہابھارت کی لڑائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ چھتری جماعت، یعنی جن کا مذہب ہی شجاعت وہمدردی تھا، تباہ ہوگئی۔

مہابیر (۵۹۹ ق م تا ۵۲۷ ق م) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کے قائل نہ تھے لیکن جب وہ روح کے قائل تھے اور روحانی وحدت وجود کو مانتے تھے تو یہ کہنا کہ ملحد تھے صحیح نہیں۔ وہ فنافی الکائنات ہونے کو یا تناسخ ارواح سے نجات کا ذریعہ مانتے تھے۔ البتہ وہ ویدوں (یعنی قدیم برہمنوں کی تعلیم) کو الہامی نہیں مانتے تھے۔ نہ اُسے خدا کا کلام سمجھتے تھے۔ وہ سچائی اور محبت کے ذریعے سے نفس کشی اور روحانی ترقی کو ذریعہ نجات بتاتے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن میں ایسے زاہد اور سنیاسی (تارک لذات) پیدا ہوئے جنھوں نے دنیا کی ہر شے کو ترک کردیا حتیٰ کہ ننگے رہنے لگے اور فاقہ کرکے خودکشی کرنے کو ذریعہ نجات سمجھنے لگے۔ ہمارے خیال میں یہ تعلیم اصلی تعلیم محبت وایثار کے غلو سے پیدا ہوگئی ہے اور ناقابل عمل ہے۔ اعتدال سے ہٹ جانے کی وجہ سے ان راہبوں اور سنیاسیوں کی تعداد بہت ہی کم رہ گئی ہے۔

گوتم بدھ (۵۸۶ تا ۵۳۸ ق م)

گوتم بدھ کے زمانہ میں یہودی قوم بابل میں جلاوطنی اور قیدگی حالت میں بابلی مذہب سے اثر پذیر ہوکر اپنی فرضی تاریخ لکھ رہی تھی۔ ہند میں روح، خدا، الحاد، عیش پرستی، بام مارگی (دست چپی)، اور اسی طرح کی بہت سی

اختلافی باتوں کے متعلق ہزارہا فرقے بن گئے تھے۔ اسی لئے گوتم بدھا نے برہمنوں کی تعلیمات میں مندرجہ ذیل انقلابی اصلاحات کیں۔

(۱) ذات پات ختم چونکہ لوگ سمجھتے تھے کہ خونی قربانی سے دیوتا خوش ہوتے ہیں تو بدھا نے ایسے ظالم دیوتاؤں کا اور اسی طرح کی تعلیم دینے والے برہمنوں کا خاتمہ کرنا ضروری سمجھا انھوں نے بتایا کہ سب انسان برابر ہیں حتیٰ کہ شودر اور عورتیں بھی دھرم (دین) کے معاملے میں برابر ہیں۔ علم کا دروازہ سب پر کھلا ہے اور عقل کو قید کرنے کا کسی ذات (یعنی برہمن) کو حق نہیں لہٰذا جو شخص دھرم یعنی عقل کا راستہ اختیار کرتا ہے اس کی کوئی ذات نہ ہوگی۔ وہ خود سوچے کہ کس طرح تناسخ کے ابدی چکر سے نجات مل سکتی ہے اور روح کو سکون، فراغت کاملہ یا نروان حاصل ہو سکتا ہے۔

(۲) علمی بحثوں سے زیادہ عمل صالح ضروری ہے گوتم بدھا نے علم و عقل کا انفرادی دروازہ کھول دیا اور فرمایا کہ علمی کٹ حجتیوں سے عمل صالح بہتر ہے۔ ان کے نزدیک حق پرستی اور محبت ہی انسان کا دین ہے۔ اسی سے نجات مل سکتی ہے دھرم یا دین وہ ازلی وابدی قانون ہے جس سے پوری کائنات چل رہی ہے۔ یہی شہنشاہ ہے (انگت تارہ ۳) یہی عالمگیر عدل ہے۔ قدرت ہے، ویدوں کا برہما ہے۔ یونان کا لوگاس ہے۔ عربی کا کلمہ اور حق ہے۔ یہی خیر محض ہے۔ گویا بدھا نے خدا کے تصور کو عام لوگوں کی بولی میں حق اور دھرم کے لفظوں میں ادا کیا۔ اور صراط مستقیم (ہشت کلمۂ طریقت) پر چلنے کی تعلیم دی لیکن اس تعلیم میں عقل کو آزاد رکھا اور کہا کہ یہ نہ کہو کہ بدھا نے یہ بات کہی اس لئے سچ ہے بلکہ تمہاری عقل بھی اسے ٹھیک بتائے تو مانو ورنہ خود راستہ ڈھونڈو۔

(۳) اعتدال کا راستہ گوتم خود شہزادہ تھا اور نوجوانی تک ہر طرح کے عیش و آرام کو حاصل کر چکا تھا۔ اس عیش کو چھوڑ کر اس نے برہمنوں کے بتائے ہوئے زہد و سنیاس میں جان کھپائی تھی۔ آخر اس پر یہ راز کھلا کہ نہ تو بام مارگیوں (لذت پرستوں) کی طرح تعیش کی زندگی سے روحانی فراغت و سکون حاصل ہوتا ہے نہ زاہدوں کی ریاضتوں اور نفس کشیوں سے نجات کا دروازہ کھلتا ہے۔ لہٰذا بیچ کا راستہ یا اعتدال کی راہ ہی ایسی ہے جو انسان کو نجات یا فراغت کاملہ تک لے جا سکتی ہے۔

انسانی دل و دماغ ہر جگہ یکساں عمل کرتا ہے۔ بشرطیکہ اُس پر کسی فرد یا جماعت نے اپنے افکار کا غلام نہ بنا لیا ہو۔ اسی اعتدال کے رستہ کو سقراط نے یونان میں تلاش کیا۔ اور افلاطون نے "جمہوریہ" کے ذریعے اور

ارسطو نے اپنی ”اخلاقیات“ کے ذریعے عدل و ظلم کی توجیہ و تشریح کی۔ بہرحال افراط و تفریط سے بچ کر بیچ کی معتدل راہ یا میانہ روی کو گوتم بدھ نے سچائی اور محبت کا رستہ بتایا۔ ظاہر ہے کہ سچائی اور محبت میں سوائے خوبی کے اور کچھ نہیں۔ البتہ محبت کا وہ طریقہ جو جاہل ماں اپنے بچے کے لئے اختیار کرتی ہے اعتدال کا طریقہ نہیں ہے۔ اسی لئے گوتم بدھ نے ”سچائی اور محبت کیلئے ”معقول ہونے کی شرط لگا دی۔

تحریف ست دھرم

لیکن بعد کے بدھوں (عقل پرستوں) نے خود دینِ فکر و عمل کو محرف کر دیا۔ محبت کے معنے صرف یہ سمجھ لئے کہ کسی کی جان نہ ماری جائے اور بعض خواہشات کو فنا کر دینے کو استغنا سمجھنے لگے۔ حالانکہ کہا یہ گیا تھا کہ لذات و خواہشات کو اعتدال کے رستے پر ڈالو۔ اور نہ افراط میں پڑ کر بالکل سنیاسی بن جاؤ نہ تفریط اختیار کرو کہ بام مارگیوں کی طرح دن رات شراب خوری اور زنا اور گوشت خوری کو اپنا مقصد بنا لو۔ بہرحال یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ان کے بھکشو سنیاسی ہوتے ہیں حقیقت میں وہ معلمِ اخلاق و علم ہیں جو رضا کارانہ یہ کام کرتے ہیں اور صرف ایک وقت کھانا کھاتے ہیں۔

چوتھی فصل۔ تمدن عالم پر ایک نظر

بادشاہ حمورابی سے بہت پہلے لوگوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ قتل وغارتگری سے قابیل مردود قرار پایا ہے۔ پھر بھی حمورابی کے زمانے کے بعد تک بعل پرستی جاری رہی اور ہزاروں زندہ غلام دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے جلائے جاتے رہے۔ مصر کے تمدن نے تصویری خط، ہندسہ اور کیمسٹری کو عروج پر پہنچا دیا تھا لیکن سیلاب لانے کے لئے دریائے مصر کی دیوی کو مصر کی حسین ترین دوشیزہ پیش کی جاتی تھی۔ موسیٰ نے اپنی قوم کو ۱۲۲۰ قبل مسیح میں آزادی تو دلائی، مگر اس نے عزیر پرستی اور غلام سازی نہ چھوڑی، بلکہ چار سو سال کی غلامی سے صرف یہی سبق سیکھا کہ دشمن قوم کے مردوں کو قتل کرو اور عورتوں کو زندہ پکڑ لاؤ۔ ہند میں علم (وید) جمع ہونے لگا مگر وہ راز میں رکھا جانے لگا حتیٰ کہ ذاتیں پیدائشی قرار پاگئیں اور خود اپنی ہی قوم کے نصف سے زیادہ مرد اور تمام عورتیں علم اور براہ راست عمل سے محروم ہوگئے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ زردشت نے مسیح سے چھ سو سال پہلے یہ بتایا کہ نیکی وبدی دونوں کا ایک ہی خالق ہے۔ جو لوگ نیکی کے لئے کوشاں ہیں وہ یزداں کی فوج ہیں ۔ بداندیش وبدکار، وبدگو اہرمن کے ساتھی ہیں۔ اسی زمانہ میں لاؤتزو چین میں خوش معاملگی وسادگی کی تعلیم دے رہے تھے۔ ہند میں خونی قربانی اس قدر عام ہوگئی تھی کہ دیوتا انسانوں اور بچوں کے خون سے خوش ہونے لگے تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ انسان نفس کشی کرتے کرتے جسم کو سکھا دے تاکہ مادہ کے فنا ہوتے ہی روح ہی روح باقی رہ جائے۔ لاکھوں سنیاسی یہ منزل طے کرکے خدا بن جانا چاہتے تھے۔ دوسری طرف فلسفہ لذتیت کو عروج ہو رہا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ گوشت کھاؤ، شراب پیو اور اتنی عیش پرستی کرو کہ دل بھر جائے۔ نجات کے ان دو راستوں کے درمیان بھی ایک اعتدال کا راستہ ہوسکتا تھا۔ تجربے کے بعد مہابیر (۵۲۷ ق م) اور گوتم بدھ (۴۸۳ ق م) نے لوگوں کو یہ رستہ دکھایا۔ انھوں نے کہا کہ اگر خدا ہے تو وہ جانوروں اور انسانوں کے خون سے خوش نہیں ہوسکتا۔ نہ سنیاس سے۔ روح ترقی کرسکتی ہے۔ یہ دونوں چھتری تھے اور برہمنوں کی طرح نظری بحثوں میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ وہ عملی دنیا کو متوازن اور معتدل انسان کی طرح دیکھتے تھے اور جتنا جانتے تھے اتنا ہی لوگوں کو بتاتے تھے۔ باقی خود ان کی تلاش اور عقل کی رسائی کے حوالے کردیتے تھے۔ ہند میں جو

عدم مساوات پھیلی ہوئی تھی عورتوں اور اچھوتوں کی جو کچھ پامالی تھی وہ سب ختم ہوگئی اور اہنسا یعنی محبت پر سوسائٹی کی
بنیادیں قائم ہونے لگیں۔ ایشیائی یونان کا عظیم فلسفی فیثا غورث ۵۸۵ ق م میں پیدا ہو چکا تھا اور چین میں لاؤ تزے
(۵۱۷ ق م) اپنا فلسفۂ عمل لوگوں تک پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ شاہی کتب خانہ کا داروغہ تمدنی پابندیوں سے آزادی اور
فطری سادگی سکھاتا تھا۔ ایذا دہی کا جواب محبت و بردباری سے دینا چاہتا تھا۔ کے رُوش نے اسرائیلیوں کو بابلی غلامی سے
۵۳۶ ق م میں آزاد کر دیا تھا اور عزیر نے ۴۵۸ ق م میں گم شدہ توراۃ کو زبانی لکھوانا اور مختلف قوموں کے تجربوں کو خدائی
الہام کے نام سے مدون کرنا شروع کر دیا تھا۔ کنفوشے ۴۷۹ ق م میں اصول زرین اور خدا پرستی سکھا کر رخصت ہو چکا تھا۔
سکندر (۳۲۳ ق م) کی سکندری ختم ہو چکی تھی لیکن ہند سے مصر تک یونانی تمدن کی لہریں پہنچ گئی تھیں۔ اور
جو مزدیسنائی دساتیر اربیلا کی فتح کے بعد نذر آتش ہوئی تھیں وہ جمع کر کے اسکندریہ میں یونانی زبان کا جامہ پہن رہی تھیں۔
اشوک (۲۳۲ ق م) محب اللہ سے محب الخیر بن چکا تھا اور باختر سے جین، بدھ، یہودی اور مجوس سب ایک دوسرے کے
تصورات کو تجارتی مال کے ساتھ ساتھ سکندریہ روانہ کر رہے تھے۔ بلخ میں (۲۱۸ ق م) بدھوں کا نو وہار بن چکا ہے
جو بعد میں آتشکدہ نوبہار کہلاتا ہے۔ اب ایک دفعہ اور (۱۶۸ ق م) یروشلم کا مقدس ناپاک کیا جاتا ہے اور وہاں
یونانی دیوتا ذی اُس کی پوجا شروع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ (۶۳ ق م) فلسطین پر رومی قبضہ ہو جاتا ہے اور چالیس ہزار کتابوں
کے ساتھ ساتھ بروخیم کے کتب خانے میں توراۃ السبعین (۴۷ ق م) جل جاتی ہے۔ یہودیوں میں ایک نجات دہندہ
بادشاہ کا تصور اسی طرح پیدا ہوتا ہے۔ آخر ناصرہ کے گاؤں سے ایک یہودی ظاہر ہوتا ہے (۲۹ تا ۳۰ء) اور یہ
تعلیم دیتا ہے کہ یہودیوں کی تباہی کا دور صرف اس وقت ختم ہوگا جب دولت کی لالچ اور غریبوں کی ہمدردی کا تصور
اس قوم میں پیدا ہو جائے گا۔ دولت مند یہودی اس کو صلیب دینا چاہتے ہیں اور رومی گورنر کو مجبور کرتے ہیں۔
کہ اس نیک نفس آدمی کو باغی بادشاہ (مسیح) قرار دے کر صلیب پر چڑھا دے۔ غریبوں اور غلاموں کے اس سہارے
کے شہید ہوتے ہی یہودیوں نے اس کے ماننے والوں کی تخریب شروع کر دی۔ آخر مسیحیوں کی خفیہ سوسائٹی بن گئی۔ اور
مسیحی تعلیم کو مختلف غلاموں اور باغیوں نے اپنے اپنے رنگ میں بیان کرنا شروع کیا۔ لیکن سب کا ماحصل ایک ہی
خوشخبری (انجیل) تھی کہ ہمیں مصیبتوں سے نجات دلانے والا دوبارہ آنے والا ہے۔ پولس نے مسیحی تصور کو اپنے طور پر
بیان کیا۔ اور اس میں مصری تثلیث اور یونانی لوگاس (عقل اول) کو جمع کرنا چاہا۔ دوسروں نے معجزات و کرامات کو توراۃ
سے لا کر ملایا اور مانی نے مزدیسنائی تعلیم کو نظری تعلیمات سے ملا کر اصلاح حال کی کوشش کی۔ اتنے میں (۲۱۵ء) یہ قصہ
مشہور ہوا کہ توراۃ السبعین ایک پیپے میں اسی طرح مل گئی جس طرح اصلی توراۃ بابلی قید کے زمانہ میں ایک غار میں محفوظ

رہ گئی تھی اور بعد میں مل گئی تھی۔

تیسری صدی عیسوی میں بازنطینی اور ساسانی سلطنتیں پھر سکندر و دارا کا قصہ دہرا رہی تھیں اور ایک طرف خدا مسیح اور روح القدس اور خدا کی ماں کے متعلق بحثیں چھڑی ہوئی تھیں اور انسان کے قوائے عقل و عمل پر توہم پرست پادری چھا جانا چاہتے تھے اور قتل و کفر کا بازار گرم کر رہے تھے۔ دوسری طرف اردشیر نے آتشکدوں کو دوبارہ زندہ کر کے موبدوں اور دستوروں کی جماعت کو نصرانیت اور کفر کے خلاف تیار کر لیا تھا۔ مانی کو زردشتیوں نے نصرانی سمجھا اور نصرانیوں نے آتش پرست۔ اس ضد میں وہ بیچارہ ۲۷۶ء میں زندہ جلا دیا گیا۔

مانی نے بتایا تھا کہ نور و ظلمت درحقیقت خیر و شر کے تصور کو ظاہر کرتے ہیں۔ روح نور ہے اور مادہ ظلمت ہے پہلے نور ہی نور تھا۔ پھر ظلمت نور پر چھا گئی۔ اب پھر نور کی فتح ہونے والی ہے لیکن گو مانویت رومی سامراج کے آخری حدود تک پہنچ چکا تھا اور مشرق میں چین اور وسط ایشیا تک، لیکن اب سوائے فرقہ یزیدی کے اور کہیں نہیں پایا جاتا۔

۳۱۵ء میں قسطنطین نے جو ابھی تک نصرانی نہیں ہوا تھا، عیسائیوں کی کونسل کے صدر کی حیثیت سے اُن کے جھگڑے چکاتا ہے۔ اور اسی کے عہد میں نصرانی کلیسا یہ طے کرتا ہے کہ آریوس موحد نہیں کافر و ملعون ہے اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ خدا باپ خدا بیٹے سے پہلے تھا۔ اس کے بعد جولین ۳۶۱ء میں میتھرا (مہر) پرستی رائج کرنا چاہتا ہے اور ۳۶۵ء میں مشرقی و مغربی کلیسا الگ ہو جاتے ہیں۔ مشرق میں مانی اور افلاطون کا معنوی شاگرد مزدک پیدا ہوتا ہے اور نور و ظلمت کی تعلیم کے ساتھ افلاطون کا ملکیت مشترک کا تصور بھی دین میں داخل کرتا ہے اور آخر سرمایہ داروں کے اُکسانے سے شہزادہ نوشیرواں اس کو اور اس کے ساتھیوں کو ۵۳۰ء میں زندہ دفن کر دیتا ہے۔ اس سے ایک سال پہلے جسٹی نین نے فلسفہ یونان کے اُن مدرسوں کو جو ہزار سال سے مسلسل جاری تھے بند کر دیا اور سقراط و افلاطون، ارسطو و فرفوریوس کی حکمت و عدالت و شجاعت، خیر و شر، امید و بیم، رواقیت و لذتیت کی بحثوں کو مسلمانوں کی آمد کا انتظار کرنا پڑا۔

پاپائیت

غرض کہ دنیا بھر میں عوام کا ایک مذہب بنا دیا گیا تھا جس کی ہر جگہ یہ تعلیم تھی کہ مذہب ساز خواص کے حکموں پر چلو۔ اس لئے کہ یہ لوگ خداؤں، روحوں اور شیطانوں سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں، اور جو تعلیم دیتے ہیں اُن سے عوام کے دُکھ درد دور ہو جاتے ہیں۔ گویا عوام کی عقلوں کو خواص نے چند کھوٹے سکوں یعنی فریبوں کے ذریعے خرید رکھا تھا۔ اور جو لوگ مہاویرا اور بدھ یا سقراط و مانی کی طرح پیدا ہوتے تھے ان کو جسمانی اور ذہنی طور پر فنا کر دیا جاتا تھا۔

عورت اور غلام

آٹھ ہزار سال سے معاشرہ انسانی کا نصف ، جسے نصف بہتر کا لقب دیا گیا ہے مرد کی غلامی میں مبتلا ہے وہ صرف مردوں کی ہوسناکی کا آلہ ہے ۔ وہ دوسروں کے لئے تو کیا اپنے لئے بھی کوئی بھلائی کی بات نہیں سوچ سکتی ۔ وہ صرف غلام سازوں کی نسل کو غلام زادوں کے ذریعے بڑھاتی رہتی ہے اور بس ۔ وہ مردوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج (یا موجودہ زبان میں قانون) پر چلنے کے لئے مجبور ہے اس کے لئے جو چیز عیب ہے وہ مرد کے لئے نہیں ہے ۔ اس لئے کہ مرد میں روح ہے ۔ عورت میں روح ہی نہیں ۔ وہ صرف زندہ ہے ، جاندار ہے یعنی جانور ہے ۔ اس لئے نہ تو علم کی تلوار ان جانوروں کو دے کر جماعت انسانی کے لئے خطرہ مول لیا جا سکتا ہے نہ اُن کی "ناقص" عقلوں سے کسی بہتری کی امید کی جا سکتی ہے ۔ وہ مکر و دغا ، بے وفائی اور بزدلی کا مجسمہ ہیں ۔ لہٰذا اُن سے دور ہی رہنا بہتر ہے ۔ البتہ ان کے جسموں کو جس طرح چاہے استعمال کیا جا سکتا ہے اور دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے انھیں تبخانوں کے پجاریوں اور مالدار مسافروں کی خدمت کے لئے نذر کیا جا سکتا ہے ۔

ان ظالم پروہتوں ، ساحروں اور کاہنوں کا دوسرا ظلم خود اپنی صنف پر ہوا ۔ پہلے تو انھوں نے جانوروں کی طرح اپنی ایک گروہ بندی کی ۔ اس گروہ کا ایک سردار یا بادشاہ یا جنرل بنا اور پھر دوسرے معصوم انسانوں کا شکار کھیلنا شروع کیا اور اُن کو غلام بنا کر جانوروں سے بدتر کر دیا ۔ عورتوں کی طرح ان غلاموں کے لئے بھی ایسے قانون پروہتوں نے بنائے کہ وہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں اور جو کام کریں وہ اپنے آقاؤں کے نفع کے لئے کریں ۔ رفتہ رفتہ جتنے محنت کے کام تھے وہ سب ان غلاموں کے حصے میں آ گئے ۔ آقاؤں کا کام نئے نئے توہمات کا جال بچھانا رہ گیا ۔ مصر ہو یا عراق ، سندھ ہو یا ہند ، سامی ہو یا آریہ ، ہر جگہ اور ہر قوم میں غلام ساز پروہتوں نے یکساں قانون سازی کی ۔ ہر جگہ علم و دولت یعنی سیف و قلم کی سرمایہ داری اسی جماعت کے ہاتھ میں رہی اور ہر جگہ صرف عورتوں اور غلاموں کو باعصمت و وفاشعار رکھنے کے ہتھکنڈے اختیار کئے گئے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں کو نہ زندگی سے دلچسپی باقی رہی نہ انھوں نے علوم کی چاشنی چکھی ۔ البتہ فنون اور دستکاریوں کا کام مجبوری سے بے دلی سے کرتے رہے ، اس لئے کوئی نئی راہ نہ پیدا کر سکے یعنی حقیقی انسانی ترقی رک گئی ۔ پروہتوں اور قانون ساز فلسفیوں کا کام صرف یہ رہ گیا کہ عملی دنیا سے بے تعلق رہ کر جسمانی اور ذہنی عیاشیاں کرتے رہیں اور ہمیشہ قدامت پرستی کا راگ الاپتے رہیں ۔

مصر کی چار سو سال کی غلامی نے یہودیوں کو غلامی کی ذلت اور مجبوری سے نفرت کرنا سکھا دیا تھا ۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنے قانون کی کتاب یعنی توراۃ میں غلاموں کے لئے سخت قوانین بنائے اور غلامی کا رواج باقی رکھا ۔ انھوں نے مصر کی غلامی میں یہ بات بھی سیکھی کہ دشمن کو شکست دے کر پامال کرنے کا بہترین طریقہ وہی ہے جو اُن پر

مصر میں استعمال ہوا تھا۔ یعنی مصری پجاریوں نے یہ دیکھا تھا کہ بنو اسرائیل کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے تو وہ ڈر گئے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ یہ اُن عمالقہ (حی کسو چرواہے بادشاہ) کی نسل سے معلوم ہوتے ہیں جنھوں نے پانسو برس تک مصر پر نہایت جابرانہ حکومت کی تھی۔ اور وہ ڈرے کہ کہیں ان کی تعداد اتنی نہ ہو جائے کہ مصر کو پھر غلام بنا لیں۔ لہٰذا احکام جاری کر دیئے گئے جب کسی اسرائیلی عورت کے بچہ پیدا ہونے والا ہو تو مصری سپاہی اس کی جھونپڑی کے دروازے پر موجود رہے، اور اگر لڑکا ہو تو فوراً دریائے نیل کی نذر کر دے۔ اس طرح نئی نسل میں سوائے عورتوں کے اور کوئی باقی نہ رہے۔ غرضکہ اقتدار حاصل ہوتے ہی یہودیوں نے بھی یہ قانون توراۃ میں داخل کر لیا کہ دشمن پر فتح پانے کے بعد مردوں کو قتل اور اور عورتوں کو باندیاں بنا لیا کرو۔ بہرحال شرافت کے معنی ہی حریت کے تھے۔ غلامی اور ذلت ہم معنی لفظ تھے

عورتوں کو خاندان میں مردوں سے کمتر اور پست سمجھنا دُنیا بھر میں عام تھا۔ البتہ دنیا کے دو خطے ایسے ہیں جہاں عورتوں کی عزت ہی نہیں کی جاتی بلکہ عورت کا نام ہی عزت، حرمت، حلالہ، رفیقہ، دھرم پتنی ہے اور شرافت کا معیار ہی یہ تھا کہ انسان کسی کا غلام نہ ہو یا لونڈی کے بطن سے نہ ہو۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربستان کے عرب اور سندھ وہند کے راجپوت اور جاٹ غالباً ایک ہی نسل سے ہیں۔ اگر گبن وغیرہ کا بیان صحیح مانا جائے کہ عرب اور کنعانی قبائل کے اجداد آرمینیا کے پہاڑی علاقوں سے دجلہ کے کنارے آئے تھے اور پھر یمن میں قوم عاد کہلائے تھے، تو یہ ماننا پڑے گا کہ سیدیہ (SCYTHIA) کے شمس پرست قبائل جو ہندوستان میں شاکھا سورج بنسی راجپوت اور جاٹ کہلائے، وہ اور عرب ایک ہی نسل سے ہیں۔ بہرحال ان دونوں علاقوں کے باشندوں میں یہ دستور تھا کہ اپنی لڑکیوں کو بھوک اور غلامی کے خطرہ میں ڈالنے سے یہ بہتر سمجھتے تھے کہ انھیں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیں۔ سندھی اور ہندی عربوں سے ایک قدم آگے بڑھ گئے تھے کہ رئیسوں اور شریفوں کی بیویاں اپنے شوہر کی چتا پر جل مرتی تھیں اور ستی کہلاتی تھیں۔ وہ یہ نہیں پسند کرتی تھیں کہ عمر بھر بیوگی کی بے کیف زندگی میں پڑی رہیں یا شکست کے بعد وہ دشمن کی بیویاں بننے پر مجبور ہوں اور غلاموں کی نسل کو بڑھائیں۔ برہمنوں نے سیدی قوم کے اس تصور کو ہند سے جزائر بالی تک پہنچا دیا تھا کہ آقا کے ساتھ جو بیویاں اور غلام مر جاتے ہیں وہ آئندہ زندگی میں اُسی کے ساتھ رہیں گے۔ شکر ہے کہ بڑی حد تک یہ ظالمانہ رسم اب ختم ہو گئی ہے اور لوگ پروہتوں اور رئیسوں کے جھوٹے افتخار اور توہم کو توڑ چکے ہیں۔ اب بیواؤں کی شادی کو بہت بُرا نہیں سمجھا جاتا اور رسول عربی نے قانون بنا دیا کہ کوئی بچہ غلام نہیں پیدا ہو سکتا۔ بلکہ اگر ماں لونڈی ہو تو وہ بھی آزاد ہو جاتی ہے۔

شرافت کا دوسرا معیار یہ تھا کہ مہمان نوازی اور فیاضی سے منہ نہ موڑے اور اگر کوئی دشمن بھی پناہ مانگے

تو اُسے پناہ میں لے کر جان مال سے اُس کی مدد کرے۔ اور اگر قحط کا زمانہ ہو تو جوا کھیلنے کا اعلان کر دے۔ اونٹوں کے ٹکڑے ہارے یا جیتے، لیکن جیت کو اپنی ملکیت نہ سمجھے بلکہ جو لوگ جمع ہو گئے ہوں اُن کو کھلائے اور شراب اپنے میخانے سے مفت تقسیم کرے۔ مفاخرت و منافرت کے دوسرے طریقے بھی تھے لیکن سب سے شاندار طریقہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ دوسرے قبیلے کے لوگوں کو لوٹے، اور اگر اپنا ایک آدمی بھی قتل ہو گیا ہو تو دائمی طور پر اُس قبیلے سے قصاص لیتا رہے اور سر بلند رہے غرضکہ بات بات میں تلوار نکلتی تھی اور معمولی باتیں مستقل لڑائی کی وجہ بن جاتی تھیں۔ قبائلی اتحاد مٹ چکا تھا۔ اور تجارتی سفر ناممکن ہو گئے تھے لیکن شرافت کے دو معیار یعنی حریت اور اس پر فخر کرنا عرب کی گھٹی میں پڑ گیا تھا۔ اسی فخر کا دوسرا نام شجاعت، مروت اور دوسرے اخلاق حسنہ ہیں جن پر دنیا کی اخلاقیات کا انحصار ہو سکتا ہے۔

اسلام نے ان میں سے کسی چیز کو مٹایا نہیں، بلکہ ان جذبات کا رُخ بدل کر ان اصطلاحات کو انسانی اخوت و محبت کے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اب غلامی کی لعنت ہی باقی نہیں رہی اور آزادی کے فخر میں ہر بچہ پیدا ہوتے ہی داخل ہو گیا۔

پانچویں فصل - عرب جاہلیہ

جہل و جاہلیہ

اسلام سے پہلے عربوں کی تاریخ کا زمانہ، زمانۂ نخوت وجہل کہلاتا ہے، جاہل کے معنی ان پڑھ کے بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے حقیقی معنی نخوت وغرور اور اکھڑپن کے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں عربی کا لفظ حلم ہے۔ آنحضرت نے اسی جہل کو مٹا کر حلم وسلامت روی (اسلام) کا دور پیدا کیا تھا تاکہ اہل عرب، اہل کتاب (مہذب و حلیم) بن جائیں۔ اور اپنی امیت یعنی انارکی اور ان گھڑ سادگی سے نکل کر کتابی قانونی یا متمدن زندگی کی عادت ڈالیں۔ متمدن زندگی میں آزادی تو ہوتی ہے لیکن اپنے بہت سے فطری جذبات ورجحانات کو سوسائٹی کے عام فائدے کے لئے ایک قانونی سانچے میں ڈھالنا پڑتا ہے۔ اگر یہ سانچہ غیر فطری پابندیاں عائد کرتا ہے تو اسے انسانی تہذیب نہیں کہہ سکتے۔ انقلاب آتا ہے اور ایسی سوسائٹی کو جلد یا بدیر ختم کر دیتا ہے۔ ہاں وہ پابندیاں یا قانون ورواج کی غلامی جو انسان کو ترقی کی راہ پر ڈالتی ہیں ان کا قائم ہونا خود معاشرۂ انسانی کے لئے مفید ہوتا ہے اور زمانے کے اعتبار سے اس میں تبدیلیاں ناگزیر ہو جاتی ہیں۔ چونکہ ان باتوں کا تعلق امور دنیا سے ہوتا ہے۔ اس لئے رسول کریمؐ نے جس سوسائٹی کا نقشہ بنایا اس میں ارباب حل عقد کی رائے کو مشعل راہ قرار دے کر منظم سوسائٹی کو ترقی کے راستہ پر ڈالا۔

اُمّی و کتابی

قرآن نے ہر جگہ اُمّی کے مقابلہ میں اہل کتاب کا لفظ استعمال کیا ہے اور ہر امی انسان کو کتابی یعنی حلیم وبردبار بننے کی تعلیم دی ہے۔ درحقیقت اسلام نام ہی ہے اللہ کا بندہ یا اللہ والا بننے کا۔ اور اکھڑپن اور امیت کو چھوڑ کر ایک مہذب اور قانونی (کتابی) زندگی بسر کرنے کا۔ آنحضرت بھی اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جہاں کتابی یا قانونی زندگی نہ تھی بلکہ قبائلی سرداروں کی طاقت پر لوگوں کی زندگی کا مدار تھا۔ اس لاقانونی کو ختم کرنا ہر کتابی کا فرض ہے

سیاست عرب جاہلیہ

عرب سامی نسل کا گہوارہ ہے۔ قدیم عرب یعنی عرب عاربہ یا عاد وثمود کی نسل بابل، سندھ، حبشہ اور قرطاجنہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ حمورابی (۲۱۱۷ ق م)

اسی نسل سے تھا جس کا ضابطہ قوانین (دینیاتی مشرعم) توراۃ میں داخل کر لیا گیا ہے۔ مصر کے عمالیق (حی عکسو) بھی اسی نسل کے تھے دو سو سال تک (۱۸۰۰ - ۱۶۰۰ ق م) مصر پر حکمراں رہے اور بنو اسرائیل بھی اسی نسل سے تھے جنھوں نے مصر میں چار سو سال غلامی میں بسر کئے اور حضرت موسیٰ کے ذریعے آزادی حاصل کر کے بارہ سو قبل مسیح میں کنعان فتح کر سکے۔ ان کی چند روزہ سلطنت حضرت شاہ سلیمان کی وفات (۹۳۷ ق م) کے بعد ہی دو ٹکڑے ہو گئی یعنی اسرائیل اور یہوداہ میں پھوٹ پڑ گئی اور دو سو سال بعد اسرائیل کے دس قبیلے شاہ سرگون نے منتشر کر دیئے۔

ان ہی سامیوں کی فونیقی شاخ ایک تجارتی قوم تھی۔ وہ آشور یہ سے خلیج فارس اور وہاں سے یمن تک اور ایشیائے کوچک کے ساحل سے شمالی افریقہ تک تجارت و حکومت پھیلا چکی تھی اس قوم کا دنیا پر یہ احسان ہے کہ اس نے ابجدی رسم خط ایجاد کیا اور ایک ہزار قبل مسیح سے چار سو سال تک ان کا عہد زریں قائم رہا۔

معین۔ سبا۔ حمیر

مسیح سے ہزار سال پہلے جنوبی عرب میں جہاں بارش کی فراوانی تھی۔ ثمود کے بعد یمن میں بنو قحطان کی سلطنت تھی۔ بنو قحطان کی چار مہذب سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں۔ یہ معین، سبا، حضرموت اور کتبانی سلطنتیں تھیں۔ سبائی حکومت ۱۱۵ ق م میں ختم ہو گئی اور ان کی جگہ حمیری سلطنت نے لے لی۔ سبائی سلطنت کی تباہی دو وجہوں سے ہوئی اول تو وہ اپنی پڑوسی سلطنتوں سے برابر لڑتے رہتے تھے۔ دوسرے ۳۳۲ ق م میں یونان نے مصر فتح کر کے سکندریہ کا شہر آباد کر لیا تھا۔ پہلے ہند اور مصر کی تجارت بحر عرب کے ذریعے یمن جاتی تھی۔ اور پھر خشکی کے راستے مختلف اسواق سے ہوتی ہوئی ذوالمجنہ، مکہ اور عکاظ ہوتی ہوئی شام و مصر تک پہنچ جاتی تھی لیکن بطلیموسوں (یعنی مصر کے یونانی فاتحوں) نے ہند سے اسکندریہ تک خشکی کا راستہ محفوظ کر دیا اور یمن کی ساحلی تجارت ختم ہوتے ہی اہل سبا کا شمالی عربوں یعنی نبطیوں سے تعلق ختم ہو گیا اور سبائی قوم منتشر ہو گئی یعنی سلطنت اس سے پہلے ختم ہو چکی تھی۔

مسیح سے ۱۱۵ سال پہلے جو حمیری سلطنت قائم ہوئی تھی۔ اس پر رومی شہنشاہ گیلس نے ایک ناکام حملہ کیا تھا۔ اس کے بعد اہل حبشہ نے قسطنطنیہ کے نصرانی شہنشاہ کی مدد سے ۵۲۵ء میں یمن کی یہودی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس حکومت نے نصرانیت کو ترقی دینے کے لئے ایک بڑا گرجا تعمیر کرایا تھا۔ لیکن بنو کنانہ کے ایک شخص نے یہ سمجھا کہ اس کی وجہ سے نہ تو یمن کے تاجر مکہ جائیں گے، نہ مکہ کے پجاریوں کی آمدنی ہوگی، اس لئے اُسے نجس کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے بت خانہ کو ڈھانے کے لئے حبشی گورنر ابرہہ نے مکہ پر ۵۳۵ء میں حملہ کر دیا۔ لیکن فوج میں چیچک کی وبا پھیل گئی اور لشکر تباہ ہو کر ناکام واپس ہو گیا۔ اس زمانے میں رسول عربی کے دادا عبدالمطلب مکہ کے پنچایتی

راج کے صدر رہے۔ اسی سال خسرو نوشیرواں نے دعوت کے بہانے مزدک اور اس کے ساتھیوں کو بلاکر زندہ دفن کرادیا اور چالیس سال بعد ۵۷۰ء میں یمن کی نصرانی سلطنت کا بھی خاتمہ کر کے ایرانی گورنر مقرر کردیا۔

حیرہ۔ غسّان۔ کندہ

فرات اور ریگستان عرب کے درمیان بنولخم کی سلطنت قائم تھی۔ یہ عرب تھے اور موجودہ سے چند میل کے فاصلہ پر ان کا دارالسلطنت تھا۔ یہ شاہ فارس کے حلیف و معاون تھے اور ہمیشہ بنوغسان اور رومی سلطنت سے برسرپیکار رہتے تھے۔ ۶۰۲ء میں خسرو ثانی نے اس علاقہ کو فتح کرلیا۔

عرب کے شمال مغرب میں شرق اردن کے علاقہ حجر میں بنوغسان آباد تھے۔ رومی شہنشاہ جسٹی نی ان نے حارث کو اس علاقہ کا بادشاہ اور روم کا نواب مان لیا تھا۔ یہ قوم ہمیشہ حیرہ والوں سے لڑتی رہتی تھی۔ ۵۲۸ء میں حیرہ کے بادشاہ منذر کو شکست بھی دی تھی۔ چھٹی صدی کے آخر میں اس سلطنت کے کئی ٹکڑے ہوگئے تھے۔ بعض آزاد تھے اور بعض ایرانی سلطنت میں شامل کرلئے گئے تھے۔

پانچویں صدی مسیحی کے آخر میں آکل المرار نے وسط عرب میں بنوکندہ کی ایک حکومت قائم کرلی تھی۔ یہ یمنی حکومت کے حلیف و معاون تھے۔ ابرہہ نے جب مکہ پر حملہ کیا تھا تو اس کے سردار بھی ابرہہ کے ساتھ تھے۔ ان کی سلطنت بحرین و یمامہ تک پھیل گئی تھی۔ امرء القیس اسی قبیلہ سے تھا۔

اوس وخزرج

جس طرح یمن میں بنوقحطان کی سلطنتیں اور تجارتی منڈیاں قائم تھیں اسی طرح اسی نسل کے لوگ یثرب میں آکر آباد ہوگئے تھے اور آنحضرت کے زمانے میں اوس خزرج کے نام سے مشہور تھے۔

چھٹی فصل - مکّہ

تمدنی زندگی میں مرکزی شہروں اور تجارتی گزرگاہوں کا بڑا درجہ ہے۔ ایتھنز، روما، انطاکیہ، بلخ، رے، بغداد، دمشق، یزد، غزنی، ٹکسلا، دہلی اور کاشی وہ چند نام ہیں جو عرصہ تک مرکز علوم رہ چکے ہیں ان میں سے ہم مختصر طور پر سکندریہ اور کاشی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد مکہ کے مرکزیت پر روشنی ڈالیں گے۔

سکندریہ

سکندراعظم نے ۳۳۲ ق م میں سکندریہ کو آباد کیا تھا اور سکندر کے بعد ہی سلیوکس نے شام میں انطاکیہ بسایا تھا۔ یہ دونوں شہر تجارت اور تجارت کی وجہ سے یونانی و یہودی کلچر کے مرکز بن گئے تھے۔ سکندریہ میں یروشلم کے وہ یہودی آباد تھے جنھیں بطلیموس نے یروشلم ۳۲۰ء میں فتح کرکے شہر بدر کردیا تھا۔ غالباً اسی زمانے میں کتاب ایوب لکھی گئی تھی۔ کتاب ایوبؑ سے قرآن کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ شیطان ایک فرشتہ تھا اور خدا سے سوال جواب کیا کرتا تھا۔ یونانی فلسفہ نے یہودیوں میں جس تشکیک کی ابتدا کی تھی وہ یہی زمانہ ہے۔ اسی زمانہ میں یہودیوں نے یونانی زبان سیکھی اور عہدنامہ قدیم کا یونانی میں ترجمہ بطلیموس ثانی کے زمانے میں ۲۴۶ ق م تک ہوا۔ اسی کو توراۃ السبعین کہتے ہیں اور سکندریہ میں اپنی سب سے بڑی آبادی قائم کرلی۔ یہیں فیلو نے یہودی علم کلام کی بنیاد رکھی اور یونانی فلسفہ کو توراۃ سے ملاکر انسان اور خدا کی ماہیت سے بحث شروع کی۔ لوگاس (جس سے عربی لفظ "لغت" بمعنی نطق یا عقل ہے) کے ذریعے سے خدا اور مادہ کا تعلق ظاہر کیا۔ پھر یہ فلسفہ ایک قسم کا تصوف بن گیا۔ اس کے علاوہ بیگلنے (یعنی غیر PAGAN) مذاہب تصوف میں نوافلاطونیت، اور نوفیثاغورثیت بھی پیدا ہوگئیں۔ یہ مذاہب فلسفہ اپنے کو گیانی (GNOSTIC) یا الہامی کہتے تھے مسیحیت کے پیدا ہونے کے بعد یہ تصوف مسیحیت میں جذب ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ زرتشتیت، مانویت اور بدھ مذہب کے اثرات سے مل جل کر ایک معجون مرکب تیار ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تشکیک (SKEPTI CISM) عام ہوگئی اور ہر فلسفی اپنے خیال کو الہامی

قرار دینے لگا۔

سنہء میں سکندریہ رومی قبضہ میں باضابطہ چلا گیا۔ اس سے پہلے اگرچہ یونانی شاعروں نے یہاں کافی نشوونما حاصل کی لیکن وہ قدیم رزم نگاروں ڈرامہ نویسوں اور مرثیہ اور غزل لکھنے والوں سے بہتر نہ تھے۔ البتہ سائنس کی دنیا میں وہ اپنا نام چھوڑ گئے اور اب تک سکندریہ کے نحوی، لغوی، مورخ، جغرافیہ نویس، نجومی (بطلیموس)، ریاضی داں (اقلیدس) طبیب طبیعیاتی (ارشمیدس) ان کے ساتھ فیلو (PHilo) کی تمثیلی موشگافیاں اب تک دنیا کے لئے حرز جان بنی ہوئی ہیں۔ اس نے یہوا کو فلسفیوں کا تصور مطلق قرار دیا۔ افلاطون کے افکار مجردہ کو فرشتے بنایا اور توراۃ کے "کلام الہیٰ" (WORd of God) کو سٹوئک (کلبی) (STOIC) فلسفیوں کا لوگاس (لفظ، عقل) بنا دیا اور پھر لوگاس یا عقل اول کو خدائے ثانی، خدا کا اکلوتا بیٹا، خدا کا عکس اور نہ جانے کیا کیا بنایا۔ یہی تصور انجیل کے مصنفوں تک پہنچا جو لوگاس کو خدا کا شفیع ماننے لگے اور اس کے ذریعے سے نجات کا راستہ ڈھونڈھنے لگے، پھر یہی تصور یہودیوں کا مسیحا بن گیا اور نصرانیوں میں آ کر کرائسٹ بنا۔ آخر کار یہ فلسفی مسیح بن گئے اور جو لوگاس (عقل) فلسفیوں کو دنیا کے افکار سے نجات دلاتی تھی اور مایوسوں کی پناہ تھی، وہ اب نئی شکل میں رومی غلامی سے نجات دلانے والا مسیح یا بادشاہ بن گئی۔

اس طرح سکندریہ نہ صرف یہودیت کا بلکہ نصرانی فلسفہ و سیاست کا مرکز بن گیا اور یہاں کے غلاموں اور دل برداشتہ یہودیوں نے نجات دہندہ کے تصور کو مصری دیوتاؤں کی تثلیث سے ملا جلا کر ایک نیا مذہب مسیح کے نام پر جاری کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ اسکندریہ میں سنٹرل ایشیا کی طرف سے اور مکہ کے راستہ سے جو ہندی تاجر گئے انھوں نے بدھ دھرم کو سکندریہ والوں سے روشناس کرایا اور رحم و صداقت کا بدھ تصور بھی مسیحی مظلوموں کی تاریخی ضرورت کو پورا کرنے لگا اور انھوں نے رحم و شفقت کو اپنے دین کا جز بنا لیا۔

اب مکہ سے ہوتی ہوئی یہ تصوراتی اشیا کاشی (بنارس) پہنچیں اور دریائے نیل کے پانی نے زمزم سے اور زمزم کے پانی نے گنگا سے مل جل کر جو توحید بنائی وہ توحید وجودی کہلاتی ہے۔ یعنی اس میں ہر مشروب کی کیفیت اور ہر پھول کی خوشبو ہے۔ اس اختلاط تصورات سے جو تصوف تیار ہوا اس میں وحدت وجود بھی ہے وحدت شہود بھی اور بے خودی و محبت کی وہ شراب بھی ہے جس نے ابوسعید ابوالخیر سے جو چوتھی صدی ہجری میں یہ کہلوایا تھا کہ

در راہ یگانگی نہ کفرست و نہ دین :: یک گام ز خود برون نہ و راہ ببیں

اے جانِ جہاں تو راہِ اسلام گزیں :: با مار سیہ نشیں و با خود منشیں

کاشی یا اتی مکتہ

ہند میں بدھ مذہب نے بہت سے تعلیمی اور کلچری مرکز بنا دیئے تھے اور اپنے بھکشوؤں کو حکم دیا تھا کہ سچائی اور محبت کا پیغام دنیا بھر میں پہنچاؤ۔ اس سے پہلے علم صرف برہمنوں کی جاگیر تھا اور عام لوگ اور عورتیں اس سے محروم تھیں۔

کاشی (موجودہ بنارس) ہند کے آریوں کا قدیم ترین اور مقدس شہر ہے اسی جگہ قدیم آریوں کے ترانے اور دوسرے علوم ویدوں اور شاستروں کی شکل میں مدون ہوئے تھے یہیں اُن کے مختلف فلسفے بنے تھے۔ اسی جگہ گوتم بدھ نے تعلیم پاکر دھرم چکر (قانون قدرت کی تعلیم) کو گردش دی تھی۔ پھر یہیں سے شنکرا چاریہ نے شیو پرستی کی فتح حاصل کرکے "ہمہ اوست" کے فلسفہ کو بدھ مت کے مقابلہ میں رائج کیا تھا یہیں سے شکتی پرستوں نے عیش و نشاط و لذت جسمانی کے فلسفہ کو پھیلایا تھا اور اسی جگہ سے جینیوں اور وشنووں نے اپنے خیالات عام کئے تھے یہاں نہ صرف درگا، گنیش، سوریہ، وشنو، رام اور پاس ناتھ کے مندر ہیں بلکہ ایسے عالم بھی موجود ہیں۔ جن کا فیصلہ کل ہند میں مانا جاتا ہے۔

اس شہر کا قدیم نام اتی مکتہ یا "نجات کی جگہ" ہے۔ ہندوں کا یہ بھی قول ہے کہ مکّہ (حجاز) بھی مُکتہ یا مکشہ بمعنیٰ نجات کی جگہ" ہے۔

مکّہ

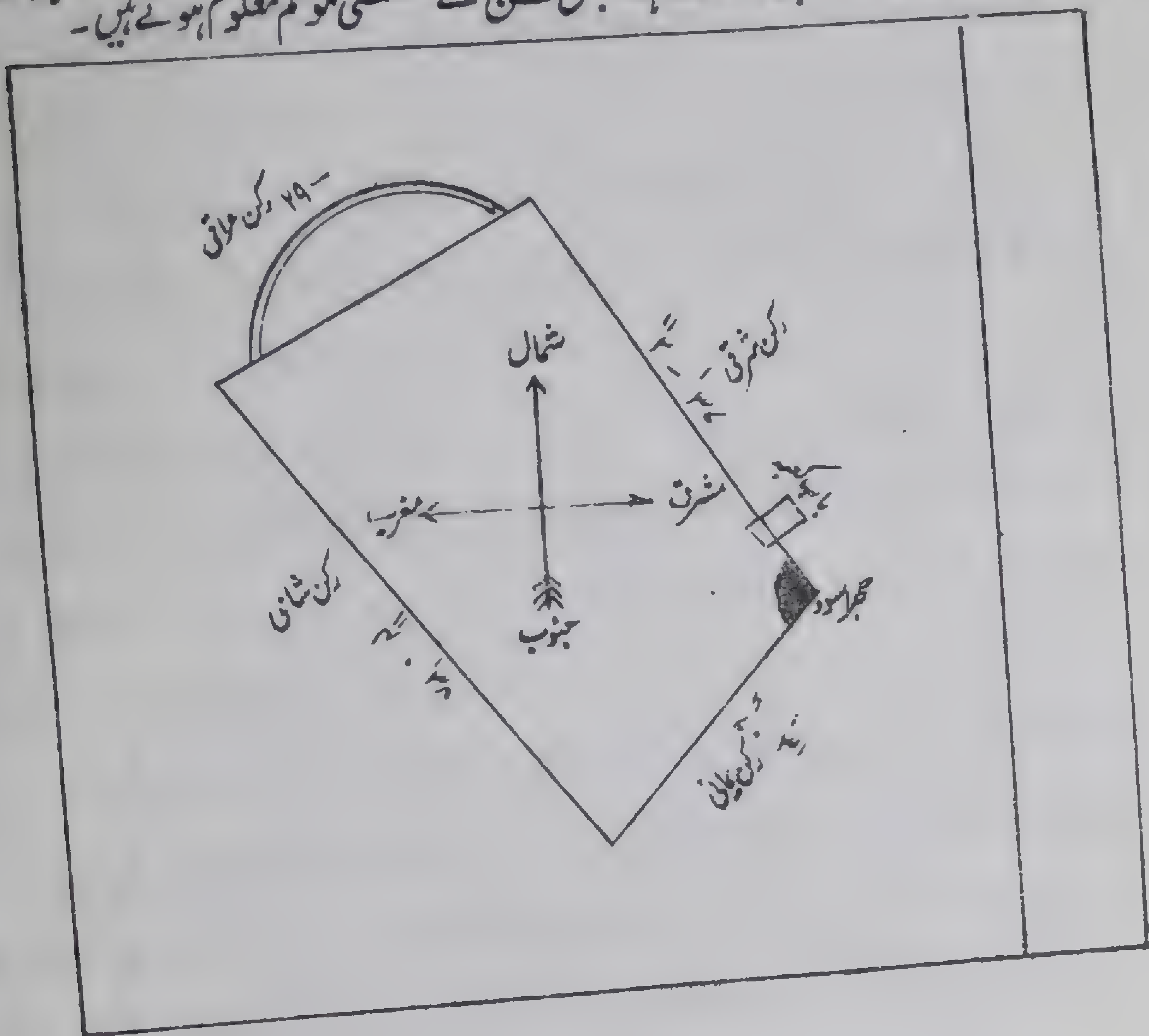
چھٹی صدی مسیحی تک دنیا میں جو مذاہب اور فلسفے پیدا ہو چکے تھے۔ مثلاً یہودیت، بدھ مذہب، مزدیت، نصرانیت اور مانویت اُن میں اکثر عرب کے سکندریہ یعنی مکہ میں آکر ایک دوسرے سے اپنے تصورات کی جنسوں کا مبادلہ کرکے دنیا میں پھیل رہے تھے۔

مکہ عربستان کا قدیم ترین شہر ہے۔ عربی میں اسے مکّہ اور بکّہ کہتے ہیں فارسی میں مہ گہ یعنی چاند کی جگہ اور سنسکرت میں مُکتہ یعنی نجات کی جگہ کہتے ہیں اس شہر کے بیچ میں ایک معبد ہے جس کی بناوٹ مکعب ہے اس لئے اسے کعبہ کہتے ہیں۔ شہرستانی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک زمانے میں یہ زحل (کیوان) (SATURN) کا مندر تھا۔ (ملل ونحل ۴۳۱)۔

عربوں کی روایت ہے کہ کعبہ کی عمارت حضرت ابراہیم اور اُن کے بیٹے حضرت اسماعیل نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی اس کی تصدیق قرآن سے ہوتی ہے۔ اور اس میں تو شبہ ہی نہیں کہ حجاز عرب پر آج تک کبھی کسی غیر عربی قوم کا قبضہ نہیں ہوا اور وہاں کی عبادت کا طریقہ ہزاروں برس سے مسلسل قائم ہے، اگرچہ اسلام نے اُن میں اصلاح کردی ہے لیکن یہ عبادت گاہ حضرت ابراہیم کی آمد سے پہلے قائم تھی اور اس کے آثار باقی تھے قرآن کہتا ہے کہ

(وَ اِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ) جب خدا نے ابراہیم کو بیت یا بیت اللہ کے مقام کو بتایا تو انھوں نے اس جگہ اس مکان کی تعمیر کی۔

حضرت ابراہیم نے بابلی بت پرستی اور کواکب پرستی سے منہ موڑ کر جب خدا پرستی اختیار کی تو وہ کنعان گئے۔ اور پھر حجاز آئے۔ مکہ کی وادی میں جو بیت اللہ، پرانے بیت کی جگہ پر آپ نے بنایا۔ اس کی بناوٹ عجیب قسم کی ہے علی بے نے جو حرم مکہ کا نقشہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق کی دیوار سینتیس۳۷ فٹ دو انچ کی ہے اور مغرب کی اڑتیس۳۸ فٹ چار انچ کی ہے۔ شمالی دیوار انتیس۲۹ فٹ کی ہے اور جنوبی دیوار اکتیس۳۱ فٹ سات انچ کی ہے۔ اس طرح جو چار پہلو کا مکان بنا ہے وہ مربع نہیں ہے۔ اگر چاروں دیواروں کی اوسط لمبائی نکالی جائے تو چونتیس فٹ ایک انچ ہوتی ہے۔ عمارت کی بلندی کی پیمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چونتیس فٹ چار انچ ہے۔ یعنی دیواروں کی اوسط لمبائی سے بقدر تین انچ زیادہ ہے۔ دو دیواروں کے ملنے کی جگہ پر حجر اسود اس طرح نصب ہے کہ اعتدال شمسی کے وقت (۲۱۔ مارچ اور ۲۱۔ ستمبر کو) سورج کی شعاعیں براہ راست حجر پر پڑتی ہیں۔ گویا یہ کعبہ ایک بابلی رصد گاہ ہے۔ جس سے حج کے شمسی موسم معلوم ہوتے ہیں۔ (نقشہ ملا کعبۃ اللہ)



روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے کعبہ کو ایک قدیم ترنبیاد پر تعمیر کیا تھا۔ یہ بنیاد اس زمانے کی ہو سکتی ہے جب کہ سام بن نوح سے سامی نسل عرب میں پیدا ہوئی تھی اور اس نے پہلی عبادت گاہ بنائی تھی۔ اس میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ کعبہ کے طواف کا طریقۂ عبادت ہند میں ہزار ہا سال پرانا موجود ہے۔ بابل میں حضرت ابراہیم کے زمانے سے بہت پہلے بعل پرستی یعنی شمس پرستی رائج تھی۔ یہی حال ہند کا اب تک ہے را یا روی یا ربی (یعنی سورج، سوریہ، خور، خورشید) اب تک پوجا جاتا ہے۔ اس لئے کعبہ بھی کسی زمانے میں سورج پرستی کا مرکز بن گیا ہوگا۔ اس نظریہ میں ایک اور چیز مدد دیتی ہے کہ بنو جرہم سے جب قصی بن کلاب مدنانی نے کعبہ کی تولیت حاصل کی تو خود قصی کے پوتے عبد شمس بن عبد الدار کا نام سورج پرستی کی بنا پر رکھا گیا اور قصی نے اپنے دو بیٹوں کا نام عزّی اور مناف دیویوں کی بندگی کی نسبت سے رکھا تھا اور پانچویں صدی مسیحی میں عرب کے اندر بت پرستی اور جن یا زیور پرستی عام ہو گئی تھی

مکہ اور خالدیہ حضرت ابراہیم کے باپ آذر تھے، جو اس مندر کے پجاری تھے جس میں خالدیہ (عراق) کے باشندے ہزاروں سال پہلے سورج چاند اور ستاروں کی نقل وحرکت کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ علوم نجوم میں اس زمانے کے پجاریوں نے کمال حاصل کر لیا تھا۔ اور وہیں سے یہ فن یونان اور کل دنیا میں پھیلا ہے۔ مسیح سے ہزار ہا سال پہلے ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اٹھارہ سال گیارہ ماہ کے بعد چاند پھر آسمان میں اسی جگہ آجاتا ہے جہاں سے وہ چلا تھا۔ اس طریقہ کو وہ "سروس" کہتے تھے اور اس علم کے ذریعے وقوع سے بہت پہلے مختلف گرہنوں کو بتا دیتے تھے۔ مسیح سے تین ہزار آٹھ سو سال پہلے کے جو شستی کتب خانے عراق میں نکلے ہیں اُن سے سمیریوں اور بابلیوں اور خالدیوں کی نجومی معلومات پر گہری روشنی پڑتی ہے۔ یہ لوگ سورج کو بعل یا آقا شوہر کہتے تھے اور اسی کو کائنات کا حیات بخش آقا اور قانون ساز مانتے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم نے سورج چاند ستاروں کو آقا یا رب ماننے سے انکار کر دیا اور اس خدا کی طرف متوجہ ہوئے جس نے ان اجرام فلکی کو پیدا کیا ہے۔ یقیناً وہ نجوم کی پوری معلومات رکھتے تھے، چونکہ اُن کے والد آذر اس معبد یا رصدگاہ کے ناظم اعلیٰ تھے۔ بعینہٖ یہی حالت بعد میں اُن کی اولاد کی ہوئی۔ یعنی حضرت موسیٰ نے مصری ساحروں اور پروہتوں کے کل علوم وفنون فرعون کے یہاں رہ کر سیکھے اور ان سب سے منہ موڑ کر خدا پرستی کو اپنا شعار بنایا اور سحر ونجوم پر لعنت بھیجی۔

ظاہر ہے کہ جب حضرت ابراہیم مکہ میں آکر بیت اللہ کی تعمیر کر رہے ہوں گے تو انھوں نے نجوم نافع سے تعمیر کعبہ میں ضرور مدد لی ہوگی اور عمارت کی دیواریں اس انداز سے بنائی ہوں گی کہ آفتاب و ماہتاب، دیگر ثوابت

وسیارگان کی گردش کا اندازہ رہے۔ بیت اللہ کے نقشے سے ایک چیز صاف ظاہر ہے کہ اس کا وہ زاویہ جس میں حجر اسود لگا ہوا ہے۔ مشرق کی طرف ہے اور عمارت کے سب زاویوں سے بڑا ہے۔ اس کا نتیجہ ایک غیر ماہر نجوم پر طلوع آفتاب کے وقت ظاہر ہو جاتا ہے۔ سخت جاڑوں کے زمانے میں رکن یمانی یعنی جنوبی دیوار پر آفتاب کی پہلی شعاعیں پڑتی ہیں اور سخت گرمیوں میں رکن شرقی یا مشرقی دیوار پر روشنی ہو جاتی ہے۔ اور جب اعتدال ربیعی ۲۱ مارچ کو اور اعتدال خریفی ۲۱ ستمبر کو ہوتا ہے تو آفتاب پہلے حجر اسود کو منور کرتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ دن بڑھنے یا گھٹنے لگتا ہے اگر بڑھتا ہے تو آفتاب مشرقی دیوار کی طرف اور گھٹتا ہے تو جنوبی دیوار کی طرف مائل ہوتا ہے۔

مکہ کے موسمی میلے حج اکبر و اصغر

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نہ صرف بابل و مصر میں بلکہ ہند میں بھی گرمی اور سردی کے اعتدال کے اوقات پر دو بڑے بڑے میلے یا تہوار ہوا کرتے تھے اور سال کی ابتدا بہار کے موسم میں اعتدال ربیعی یا ۲۱ مارچ کے قریب قریب ہوا کرتی تھی۔ چونکہ چاند سے مہینہ کا شمار ہوتا تھا اس لئے ۳۵۵ دن کا سال ہوتا تھا اور بعض قومیں ہر تیسرے سال ایک مہینہ بڑھا کر اس کمی کو پورا کر لیا کرتی تھیں، جو شمسی سال کے مقابلے میں دس گیارہ دن سالانہ کی کمی ہوتی تھی۔ عرب میں اسے نسی کہتے تھے۔ ہند میں اسے لمبت کا مہینہ کہتے ہیں بعض اقوام میں ہر سال چند دن بڑھا دیئے جاتے تھے۔ غرض ہر جگہ تہواروں اور میلوں کے لئے مذہب کے نام پر نجومی کام کیا کرتے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ بابل و خالدیہ کی روایات سے، یا یہودیوں کی عید فصح سے، یا قدیم ایرانیوں کے نوروز سے یا ہند کی ہولی سے عربوں نے اپنے نئے سال کو شروع کرنا سیکھا ہو۔ لیکن اس میں ذرا شبہ نہیں کہ ان کے ناسی الشہور یا نجومی خانہ کعبہ پر سورج کی کرنوں کا فیضان دیکھا کرتے تھے اور اس سے ٹھیک وقت اعتدال ربیعی یا اعتدال خریفی کا معلوم کر لیتے تھے۔ البتہ ابھی یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ کعبہ کے تین اور زاویوں سے کیا مراد تھی اور آیا وہ چاند کا رخ بتاتے تھے یا قطبین کا یا کسی اور ستارے کا۔

اعتدال ربیعی کے زمانے میں حج اکبر یعنی بڑا میلہ ہوتا تھا اور عرب کے بازاروں میں پھر پھرا کر سب مکہ کے قریب عرفات میں میلہ لگاتے تھے۔ اعتدال خریفی رجب کے مہینے میں ہوتی تھی۔ اس زمانے میں عمرہ یا حج اصغر ہوا کرتا تھا۔ ابن جبیر کے زمانے میں یہ پورا مہینہ نہایت دھوم دھام سے بسر ہوتا تھا۔ ویسے بھی نئے چاند کے دن اور پورے چاند کے دن عمرہ کرنے کا دستور تھا یعنی اماوس (ہلال) اور پورنما (بدر) کی رات کو ہندوستان میں اب تک پوجا اور میلہ ہوا کرتا ہے۔ مکہ میں رجب کی چاندرات عورتوں کی عبادت کے لئے

مخصوص تھی۔ جاہلیہ میں رحلۃ الصیف اسی موسم میں ہوتی تھی۔ غرض کہ نہ صرف مکہ میں بلکہ تمام دنیا میں ان دونوں موسموں میں میلے اور مذہبی مراسم ادا کئے جاتے تھے۔ ایران میں بہار کے زمانہ میں نوروز ہوتا تھا۔ ہند میں ہولی اور فلسطین میں عید فصح ہوتی تھی، اسی طرح نصف سال یعنی رجب کے موسم میں بھی ایران میں جشن نوسرہ اور ہند میں دسہرہ ہوتا ہے۔ یہودی اور بابلی بھی اس موسم میں تہوار منایا کرتے تھے اور عرب میں ہر تیسرے سال ایک مہینہ بڑھا کر شمسی سال بنا لیا جاتا تھا اسے نسی کہتے تھے۔

اب عبادت کے طریقے کو دیکھئے۔ خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف ہوتا تھا۔ اس کے بعد لوگ اپنا سر منڈاتے تھے اور بتوں پر جانوروں کی قربانیاں کرتے تھے۔ اسی طرح ہند میں بت خانوں، استادوں، شوہروں کا اب تک طواف یا "پری کرما" ہوتا ہے۔ سر منڈانے کے بعد دریا میں نہانا اور قربانی کرنا ایک عام دستور ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ہندو داہنے سے بائیں ہاتھ کی طرف جاتے ہیں اور آنحضرت نے یہ دستور بنا دیا کہ بائیں سے داہنے ہاتھ کی طرف جائیں۔ اسی لئے داہنے ہاتھ کو یُمین یعنی یمن و سعادت کی طرف لے جانے والی سمت کہتے ہیں۔ ممکن ہے عرب کے جنوبی حصہ کا نام یَمَن بمعنی سعادت (ARABIA FELIX) اسی مادہ راستی و سعادت سے بنا ہو۔ سنسکرت میں بھی دکھشن آچاری اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو دائیں بازو والے (RIGHTIST) ہوں۔ اور بام آچاری اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو قدیم علم سے روگردانی کر کے اُلٹے رستے والے (LEFTIST) بن گئے ہوں۔

مکہ اور ویدک دھرم

ہند قدیم کا ویدک مذہب مختلف عناصر قدرت کی پرستش کرنا بتاتا ہے۔ سندھ میں جو قدیم آثار ملے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی مذہب سامی مذہب تھا۔ وہاں مہامائی، سانپ اور بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ وہاں کی مہریں اور برتن بھی بابلی تہذیب کی یاد دلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جنوبی ہند میں شیو کی پوجا عام طور پر جاری ہے۔ جو شمالی ہند میں بھی پھیل گئی تھی۔ اور ویدوں کے زمانے کے دیوتا رُدرا (رعد) نے شیو دیوتا کی شکل اختیار کر لی تھی۔ توراۃ میں اس کا نام شیون (CHIUN) ہے (اموس ٥/٢٦-٢٥) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیو کی پرستش بھی مغربی ممالک سے یا سندھ سے ہند میں آئی تھی جس طرح بابل میں بعل کو سورج کا بت کہتے تھے اسی طرح ہند میں لنگم پتھر کو سورج کا بت سمجھتے تھے۔ کرنل ٹاڈ کا بیان ہے کہ راجستھان میں اسی طرح کے ہزاروں مہادیو یا بعل ہیں۔ شیو کے بہت سے نام ہیں۔ وہ سورج ہے زمانہ ہے اور وقت ہے۔ سورج کا نمائندہ زمین پر وہ گول پتھر ہوتا ہے جو مہادیو یا الیشور کہلاتا ہے اور عرب میں حجر اسود کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہند کے وہ تاجر جو مسیح سے ہزار سال پہلے سے عرب آتے جاتے تھے انھوں نے حجر اسود

سے کے نمونے پر ہند میں لفظ "اسود" کو شیو بنا لیا ہو اور اس کی پرستش شروع کر دی ہو اور مکہ کی طرح اس دیوتا کے قریب سر منڈانا اور حج کے بعد قربانی کرنا سیکھ لیا ہو۔ مکہ میں حجر اسود پر پانی نہیں چڑھایا جاتا۔ بہت ممکن ہے کہ قدیم زمانے میں پانی جیسی قیمتی چیز کو اس پتھر پر ڈالنے کی رسم وہاں موجود ہو۔ ہند میں یہ رسم جاری ہے اور عام دستور ہے کہ شیو کے لنگم اور خود سورج کے سامنے پانی پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہند میں پانی ایسی نایاب چیز نہیں جس کے حاصل کرنے کے لئے پجاریوں نے یہ طریقہ رائج کیا ہو۔ لیکن قدیم زمانے میں بتوں پر قربانی کا خون چڑھانا عام بات تھی۔ عرب اور ہند دونوں جگہ انسانی قربانی بھی رائج تھی۔

سنسکرت میں سورج کو ربی بھی کہتے ہیں، اگرچہ یہ سامی لفظ ہے۔ اصل سنسکرت کا لفظ سوریہ ہے جو خوریہ یا خورشید سے بنا ہے۔ لیکن عربی میں رب دیوتا اور آقا دونوں کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ بھی عرب سے ہند آیا ہے۔ وہ لوگ حجر اسود اور دوسرے دیوتاؤں کو رب کہا کرتے تھے۔ ہند کے تاجروں نے وہی لفظ اور طریقۂ عبادت یعنی طواف (پری کرما)، خونی قربانی، اور زمزم کے پانی کی طرح دریاؤں کے پانی کی قدر و منزلت ہند میں بھی شروع کر دی۔

یہود اور مکہ

ڈوزی کی تحقیق ہے کہ حضرت داؤد کے وقت سے یہودی مکہ میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ وہ یمن اور دوسری تجارتی بندرگاہوں میں بھی کاروبار کرتے تھے (مکہ اور اسرائیل جرمن ترجمہ لائپزگ ۱۸۶۴) پھر مسلسل ان لوگوں پر عذاب الٰہی نازل ہوتا رہا۔ کبھی بخت نصر نے، کبھی ایرانیوں نے اور بعد میں سکندر اور رومی سامراج نے ان کو تباہ کیا اور یہ لوگ یمن، مدینہ، خیبر، افغانستان اور دوسرے ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ نسلی طور پر بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل دونوں ابراہیم کی اولاد سے تھے اور دونوں سامی النسل تھے اور اسماعیلی عربوں کا شجرہ نسب حضرت ابراہیم تک پہنچتا تھا۔ اس واسطے اُن میں صحیح ابراہیمی اور اسماعیلی روایات زبان زد تھیں۔ بخلاف اس کے بنو اسرائیل زیادہ تر غلامی اور پریشانی میں مبتلا رہے انھیں کیروس نے آزادی دی اور اسی زمانہ میں انھیں اپنی زبانی روایات کو بابلی نقشے میں ڈھالنے اور دوبارہ آزاد اور حکمران قوم بننے کا شوق پیدا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن بھی بار بار اس قوم کے افسانوں کو دہراتا ہے اور بنو اسماعیل کو خبردار کرتا ہے کہ تم اپنے بھائیوں (بنو اسرائیل) کی تاریخ سے سبق لو۔ دیکھو وہ چار سو سال تک مصر میں غلام رہے۔ پھر موسیٰ نے مصر سے ہجرت کر کے غیر مصریوں میں زندگی گذاری اور فرعون کے مرنے کے بعد دوسرے فرعون کے زمانے میں مصر واپس آئے اور بنو اسرائیل کو آزاد بنا کر اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اسی لئے حضرت موسیٰ کو اولوالعزم اور صاحب شریعت نبیوں میں

مانا گیا۔ پھر حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کی نبوت و بادشاہت کی یاد دلائی گئی۔ کہ وہ دور بھی بنو اسرائیل کی سیاسی آزادی اور دنیوی سربلندی کا زمانہ تھا۔ قرآن بار بار کہتا ہے کہ جب انھوں نے قوانین الٰہیہ میں تحریف شروع کی یعنی یکجہتی اور اخوت انسانی کی جگہ بنی یہوداہ اور بنی اسرائیل ایک دوسرے سے لڑنے لگ گئے اور اللہ کو بھول کر طاغوت پرستی اختیار کی۔ سود خوری نے ان کی جماعت میں گھن لگا دیا۔ صدوقی اور فریسی ایک دوسرے کو کافر بنانے لگے تو ان کو پھر غلامی کا مزہ چکھنا پڑا۔ بابل والوں کو خوش کرنے کے لئے ان میں بعل پرستی آگئی۔ مصریوں کو ہموار کرنے کے لئے وہ عزیر (OSIRIS) کو ابن اللہ کہنے لگے۔ ان کی قومی روایات اور آزادی کی محبت ختم ہو گئی۔ وہ دولت کے بندے بن گئے اور زر پرستی نے ان کی جماعتی زندگی کی ترقی روک کر شخصی ترقی کی طرف لگا دیا جس کا لازمی نتیجہ تباہی تھا۔

قرآن نہ صرف آزاد یہودی حکومت اور تورانی سیاست کی تعریف کرتا ہے بلکہ اس بادشاہ کو بھی قابل تعریف ٹھیراتا ہے جس نے انھیں ۵۳۸ ق م میں مذہبی اور سیاسی آزادی بخشی۔ قرآن اُسے ذوالقرنین کہتا ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد نے تاریخی شواہد سے یہ بتایا ہے کہ قرآن کا ذوالقرنین کا ئرُوس یا کورش ہے (ثقافۃ الہند ج ۱-۲-۳) اس عظیم الشان فاتح کی عام مذہبی و سیاسی رواداری اور عدل گستری کے دشمن تک مداح ہیں اور جو لوگ سکندر کو ذوالقرنین کہتے ہیں وہ شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ اس سے زیادہ بے رحم اور خونخوار شاید ہی کوئی فاتح پیدا ہوا ہو۔ یہ اتنا محسن کش تھا کہ نہ صرف اپنے باپ کو قتل کرایا بلکہ اپنے استاد ارسطو کے ساتھ بھی بہت بُری طرح پیش آیا۔ اور اپنے رفیق اور مداح فلسفی کلستھینز کو بلا وجہ قتل کر دیا۔ مصر میں آکر اتنا مغرور ہو گیا کہ اپنے کو فرعونوں کی طرح خدا سمجھنے لگا۔

یہودی شمس پرستی

"خدا کے گھر (بیت اللہ) کا دروازہ شمال کی طرف تھا (جیسا کہ کعبہ میں ہے) اور وہاں عورتیں تموز (سورج دیوتا) کو رو رہی تھیں (حزقیل : ۶ - ۱۴) " اور دروازہ پر پچیس آدمی بیت اللہ کی طرف پیٹھ کئے ہوئے کھڑے تھے اور وہ مشرق کی طرف منہ کئے ہوئے سورج کو پوج رہے تھے۔" حزقیل ۸ : ۱۶)

بہر حال قرآن کہتا ہے کہ دنیا والے بنو اسرائیل سے سبق لیں۔ ان کی طرح سیاسی ترقی کریں لیکن قوانین الٰہیہ کو محرف کر کے غلامی کے گڑھے میں نہ گریں۔ اس غلامی کو قرآن نے ذلت و مسکنت کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے اور یہودیوں کو ابھارا ہے کہ وہ اس ذلت کے خلاف بغاوت کریں۔

مکہ اور جین و بدھ مذاہب

جین اور بدھ مذہب کے بانی چھتری تھے۔ انھوں نے مسیح سے پانسو برس پہلے برہمنوں کو یہ بتانا شروع کیا تھا کہ دیوتاؤں کو خون اور گوشت سے خوش کرنا سراسر عقل کے خلاف ہے اور اس سے بڑا کوئی جھوٹ نہیں کہ دیوتا جان مار کر خوش ہوتے ہیں۔ مکہ کے پجاری بھی ایک قسم کے برہمن تھے۔ وہ بھی بتوں پر قربانیاں کراتے تھے۔ اس کے علاوہ عام طور پر عربوں میں قتل غارت گری قصاص و خونریزی کا رواج تھا۔ بلکہ وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ مسیح سے پہلے ہی اشوک کے زمانے میں یونان و اسکندریہ تک بدھ اور جین مذہب کے خیالات پہنچ چکے تھے اور لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو چلا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنا اور جانوروں کی قربانیاں کرنا سخت ناسمجھی ہے۔ ممکن ہے کہ اسی تصور نے حضرت مسیح پر اثر ڈالا ہو اور انھوں نے قربانی بند کرنے کی عام تعلیم دی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسیحیوں نے کفارہ کا مسئلہ قائم کر کے مسیح کو آخری قربانی قرار دیا ہو اور اس طرح جانوروں تک پر رحم کرنا سکھایا ہو۔ مگر جہاں تک مکہ کے پجاریوں کا تعلق ہے انھوں نے قربانی بند نہیں کی۔ اس میں ان کا ذاتی نقصان تھا۔ البتہ وہاں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو قطعی طور پر دیوتاؤں (الہوں) اور ال الہ (اللہ) کے منکر تھے۔ اس لئے اگر جین اور بدھ مذاہب کو ملحدانہ مانا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انکار و الحاد کا یہ تصور ہند سے عرب کے مرکز یعنی مکہ میں گیا۔ (اگرچہ ہم "دھرم" اور قانون کو اللہ اور واجب الوجود کا مترادف مانتے ہیں اور مہاویر اور بدھ کو ملحد تسلیم نہیں کرتے)

جین اور بدھ مذہب میں سچائی پر بہت زور دیا گیا۔ اور اسے بھی اہنسا (جان نہ لینے) کے ساتھ ساتھ ہندوالوں کو بتایا ہے۔ حجاز میں جانوروں کو مار کے کھانا تو ضروری ہی تھا۔ اس لئے وہاں زراعت کی بہت گنجائش نہ تھی اور طعام یا کھلانے کے معنی ہی گوشت کے ہو گئے تھے۔ البتہ جھوٹ بولنا یعنی کسی کے خوف سے سچی بات اس کے منہ پر نہ کہنا اتنا ذلیل اور پست سمجھا جاتا تھا، کہ کوئی عرب جان کے مقابلے میں بھی جھوٹ بولنا گوارا نہ کرتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی بہادر اور شجاع قوم کبھی جھوٹ بول ہی نہیں سکتی۔ عربوں کے نزدیک جھوٹ اور بزدلی دونوں ہم معنی لفظ تھے۔ عرب بہادر تھے۔ جانباز تھے۔ ڈاکو تھے۔ فیاض تھے۔ قاتل تھے اور قصاص لینا فرض سمجھتے تھے۔ اس لئے قول و فعل میں کبھی تضاد نہ ہوتا تھا۔ وہ بات کے دھنی تھے اور جان چلی جائے مگر آن نہ جائے پر عمل کرنے کی وجہ سے شجاعت و مہمان نوازی میں یکتائے زمانہ تھے۔ ان سے اگر کوئی یہ کہتا کہ جھوٹ نہ بولو، تو اس سے زیادہ انکی توہین نہ تھی۔ لہذا اس منفی حکم یا ممانعت کی عربوں کو ضرورت ہی نہ تھی۔

البتہ وہ دو باتوں میں جھوٹ بولتے تھے اور حد سے زیادہ بولتے تھے۔ وہ مبالغہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ

غلو کرنے پر فخر کرتے تھے۔ یہ دو چیزیں شاعری اور جنگ سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھوں نے جنگ کا دوسرا نام مکاری اور فریب کاری رکھ لیا تھا " الحرب خدعۃ" ان کی کارگذاری کا موٹو تھا۔ اور شاعری میں عشق و جنگ، حزن و فخر، مدح و ہجو میں بات کا بتنگڑ بنا دینا ان کے نزدیک نہ صرف جائز تھا بلکہ مستحسن تھا۔ لیکن یہ جھوٹ ایسا تھا جس میں بزدلی کا شائبہ بھی نہ تھا۔ وہ کھلے خزانے جھوٹ کی بھرمار کرتے تھے اور جنگ میں دشمن، اور شاعری میں مخاطب دونوں اس فریب اور مبالغہ کو جانتے ہوئے اُن کی چرب زبانی سے دھوکے میں پڑ جاتے تھے۔

چار مقدس مہینے

البتہ ایک بات قابل ذکر ہے کہ عربوں کا نہایت ہی قدیم دستور تھا کہ سال میں چار مہینے قتل و غارت گری ناجائز سمجھی جاتی تھی اور کل عرب کے راستے محفوظ ہو جاتے تھے۔ حج اکبر کے تین مہینے ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم اور سال کا درمیانی مہینہ رجب، جبکہ ۲۱ ستمبر کو اعتدال شمسی کے بعد جاڑا شروع ہونے لگتا ہے۔ ان چار مہینوں میں پورے عرب میں امن عام ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ پورے سال بھر مکہ کی وادی میں خونریزی اور قصاص لینے یا لوٹ مار کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اور یہ بھی رواج تھا کہ جو لوگ حج یا زیارت کرنے کی نیت کرلیں اور احرام باندھ لیں۔ وہ نہ صرف ایک دوسرے کو قتل نہ کریں بلکہ کسی جاندار کی جان نہ لیں حتیٰ کہ گھاس کا ایک پتا بھی نہ توڑیں۔ اہنسا کی یہ شدت قربانی پر ختم ہوتی تھی

مکہ اور مسیحیت

عرب اور خصوصیت سے حجاز میں یہودی اور نصرانی، زرتشتی اور ہندی پناہ گزینوں کی کمی نہ تھی، جب کبھی یہودیوں، مانویوں، بدھ مذہب والوں اور نصرانیوں کو مذہب کے نام پر ہجرت کرنا پڑی تو انھیں سب سے امن کی جگہ حجاز اور حجاز کے وہ مذہبی مقامات نظر آئے جہاں سال بھر خون بہانا اور لڑنا جھگڑنا حرام تھا۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں اور خود مکہ میں نصرانی موجود تھے۔ بلکہ کفار نے یہ طعنہ بھی دیا تھا کہ غیر ملکی نصرانیوں یعنی جبر اور لیسار سے رسولؐ عربی کی دوستی ہے'۔ یہ نصرانی مکہ میں لہاری کا کام کرتے تھے اس کے علاوہ نجران میں، بنو عبد القیس اور بنو حارث عیسائی تھے۔ اور آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ جو رواداری برتی وہ تاریخ میں اپنی آپ نظیر ہے۔ ۵۲۰ء میں یہودیوں کی شرارت سے نجران کے ہزاروں راہب اور راہبائیں نذر آتش کردی گئی تھیں۔ قرآن نے ان کی ہمت کی داد دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نصرانیت کی اگرچہ پہلی صدی مسیحی میں ابتدا ہو چکی تھی۔ لیکن نائس کی مجلس یعنی ۳۲۵ء تک اس کا ایک متحدہ کلمہ بھی نہ بن سکا تھا اور یہ بھی طے نہ ہوا تھا کہ مسیح کون تھا اور خدا، مریم روح القدس سے اس کا کیا رشتہ تھا۔

اس طرح جو لوگ توہم پرست مسیحیوں کی بات نہ مانتے تھے وہ کافر گردان دیئے جاتے تھے۔ ان کا خون معاف تھا اور وہ لوگ عرب اور حبشہ میں پناہ لیتے تھے۔ عرب میں جو نصرانیت پہنچی تھی وہ تقریباً وہی ہے جس کو قرآن اصلی نصرانیت بتاتا ہے۔ یعنی مسیح اللہ کے بندے ہیں اور انسان ہیں۔ مانی کا بھی یہی خیال تھا کہ اُن کے جسم کو صلیب دی گئی لیکن اصلی مسیح تو روح ہی روح تھے، وہ اب تک زندہ ہیں۔ یہ عقیدہ ایک حد تک ڈوسیت (DOCETES) فرقے کا بھی تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یسوع مسیح بالکل خدائی نیچر رکھتے تھے محض ایک خیالی جسم کو یہودیوں نے صلیب دی اور مسیح کی صلیب دہی اور دوبارہ پیدا ہو جانا محض استعارۃً تھا۔ ویلین ٹائن اور دوسرے مصری پادریوں کا خیال تھا کہ مسیح محض ایک مصلح تھے اور یوسف اور مریم کے بیٹے تھے۔ یہی خیال ابیونی (EBONITES) کا بھی تھا اور موجودہ فلسطین کے موحد نصرانی بھی اس تصور کو غالباً اسلام کے اثر سے مانتے ہیں۔

شمالی عرب لخم، جذام اور غسان کے قبیلے رومی سیاوت قبول کر چکے تھے اور نصرانی ہو گئے تھے لیکن اسلام سے پہلے ایران و روم میں مسلسل جنگ و غارت گری جاری تھی اور وہ قبیلے جو ایرانی شہنشاہیت سے قریب تھے وہ زرتشتی تھے۔ غرضکہ شام کی طرف نصرانیت اور عراق کی طرف زرتشت کا زور تھا اور جنوبی عرب میں حبشہ سے مسیحیت آئی تھی۔ حبشہ چوتھی صدی میں نصرانی ہو چکا تھا۔ اور چھٹی صدی میں یمن کے یہودیوں کے مظالم سے بچانے کے لئے اس نے حملہ کیا تھا۔ اسی زمانہ میں یمن میں ابرہہ نصرانی گورنر تھا جہاں اس نے ۵۶۷ء میں ایک بڑا گرجا تعمیر کیا تھا اور کعبہ کی اہمیت کم کرنا چاہتا تھا۔ اسی ابرہہ نے مکہ پر اس غرض سے ۵۷۰ء میں حملہ کیا تھا کہ کعبہ کے بتخانہ کو ڈھا دے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ آنحضرت یمن اور بحرین اور شمالی عرب میں تجارتی سفر کر چکے تھے اور نصرانیوں کے عقائد سے واقف تھے۔ اسی لئے ۵ھ نبوی میں آپ نے مسلمانوں کو حبشہ جانے کا حکم دیا اور آپ نے عربی زبان میں یمن کا لفظ رحمان بھی داخل کر لیا۔ جو در اصل یمن اور حبشہ کے نصرانی اللہ کے لئے استعمال کرتے تھے (قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ : قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ) لیکن عام طور پر قریش نصرانیوں کے اس لئے مخالف تھے کہ اُنھوں نے ۵۷۰ء میں اُن کے معبد کو ڈھا دینے کا ارادہ کیا تھا۔

کعبہ کے بت

مکہ کی اس قدیم عبادت گاہ یعنی کعبہ میں جو بت تھے اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہایت ہی قدیم معبد تھا جس میں بعد کے آنے والے مذہبوں کے تصورات ملائے گئے تھے۔ ابن الکلبی کی کتاب الاصنام جو تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہے ان بتوں کی تفصیل دیتی ہے جو یاقوت کی

کتاب المسالک والممالک میں درج ہے۔ کعبہ میں ہُبل کو سب بتوں پر فضیلت حاصل تھی۔ وہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا اور انسانی شکل کا بنایا گیا تھا۔ اسی کو زمین آسمان کا خالق کہا جاتا تھا۔ یہی جنگ کا بھی دیوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ عمرو بن لحی نے جو عرب میں بت پرستی کا بانی تھا، یہ مورت سوریہ (شام) سے لاکر یہاں نصب کی تھی۔ شام میں بابل کی حکومت تھی اور ہر جگہ "بعل" کی پرستش ہوتی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ ہُبل کا نام شروع میں "ھُوَ بعل" رہا ہو اور مرورِ زمانہ سے ہُبل بن گیا ہو۔ لات منات اور عُزّیٰ دیویاں تھیں اور انھیں اللہ کی بیٹیاں کہا جاتا تھا۔ ان کا باپ اللہ تھا اور ماں جنیہّ یا شیطانتی تھی۔ گویا یہ دیویاں رحمان و شیطان دونوں کی رشتہ دار تھیں اور دونوں سے سفارش (شفاعت) کر سکتی تھیں۔ ان میں عزیٰ کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ وہی دیوی ہے جو بابل اور یونان میں ستارہ زہرہ یا اشتر (VENUS) کہلاتی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ عزیٰ وہی عزیریس (OSIRIS) ہو جس کی پرستش مصر میں ہوتی تھی اور جس کو عزیر کے نام سے یہودیوں نے پوجنا شروع کیا تھا۔

کعبہ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور مریم و ابن مریم کے بھی بت تھے۔ جو فتح مکہ کے بعد آنحضرت نے توڑ ڈالے بعض تصویریں بہت بعد تک باقی رہیں۔

مجوس اور مکہ

کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدیسنائی مذہب کے اثرات وہاں پہنچ چکے تھے، یا وہاں سے یہ تصورات سنٹرل ایشیا گئے تھے۔ بہرحال یہ ثابت ہے کہ زردشتیوں کے ہر دن کا نام الگ تھا اور وہ کسی فرشتہ سے منسوب تھا۔ فرشتہ کو اہل عرب ربّہ (دیوی) کہتے تھے اور مونث مانتے تھے۔ اس کے علاوہ دو خداؤں کی پرستش بھی عرب میں رائج تھی یعنی ایک نیکی کا خدا یزداں اور دوسرا بدی کا خدا اہرمن۔ قرآن نے اس مجوسی یا زردشتی تصور کے خلاف یہ کہا ہے کہ "الٰہین" یعنی دو خداؤں کا پوجنا غلط ہے، جو الٰہ (اللہ) ہے وہی خیر و شر دونوں کا خالق ہے۔

سکندر نے جب ۳۳۲ ق م میں ایران کو شکست دی اور زرتشتی مقدس کتابوں کو نذر آتش کر دیا اور بابلی بت پرستی کو پھر سے زندہ کیا تو اکثر مہر پرست اور یزداں پرست زردشتی عرب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بعد کے ساسانی زمانے میں عراق تک ایرانی اثر تھا۔ یمن میں نصرانیوں پر یہودیوں کے مظالم بڑھ رہے تھے اس لئے قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ نے نجاشی کو لکھا کہ یمن پر قبضہ کر لو۔ اب نصرانیوں نے مظالم شروع کئے تو ایک عرب شیخ ایرانی دربار میں پہنچا۔ ایرانی فوج نے حبشیوں کو نکال دیا۔ لیکن چند روز بعد پھر حبشی لشکر آ پہنچا اور دوبارہ ایران کو یمن فتح کرنا پڑا۔ اس طرح ایرانی، نصرانی اور یہودی مذاہب کے خیالات تاجروں کے ذریعہ سے مکّہ اور مکہ سے

اسکندریہ پہنچنے لگے۔ واپسی میں مکہ سے یمن اور یمن سے ہند تک یونانی اور یورپین خیالات پہنچتے رہتے تھے۔
غرضکہ مکہ ایسی مرکزی جگہ بن گئی تھی، جہاں سے نہ صرف تجارتی مال کے لئے مزدور اور اونٹ مہیا ہوتے تھے بلکہ تجارتی سامان کا مختلف حج کے موسموں میں تبادلہ بھی ہوتا تھا اور سب سے بڑا تبادلہ انسانی افکار و تصورات کا تھا۔ قلب و دماغ میں فرحت پیدا کرنے والے عجیب و غریب قصے اور مختلف قوموں کے رسم و رواج اور تمدن کی مکہ سے بڑی کوئی منڈی نہ تھی۔ اسی جگہ متمدن دنیا کے ہر قسم کے مذاہب، تہذیبیں اور فلسفے ایک دوسرے سے ملتے تھے اور اسی جگہ سے دور دور پھیل کر نئی نئی رنگینیاں پیدا کرتے تھے۔

یہ کلچرل تبادلہ زبانی ہوتا تھا۔ اس لئے ہند کا تاجر مکہ سے، اور اکثر یمن سے آگے نہیں بڑھتا تھا اور سکندریہ، انطاکیہ اور روما کا تاجر بھی مکہ ہی میں مال بیچ کر واپس ہو جاتا تھا یا زیادہ سے زیادہ یمن تک جاتا تھا۔ مکہ میں لکھنا پڑھنا غلاموں کا کام سمجھا جاتا تھا۔ بھلے آدمیوں کا پیشہ تجارت اور جنگجوئی تھا۔ اس لئے وہاں کے شعرا بھی لکھنے سے مدد نہیں لیتے تھے اور سننے اور سنانے والوں کے حافظے اتنے قوی تھے کہ جو بات ایک مرتبہ سُن لیتے تھے وہ پتھر کی لکیر ہو جاتی تھی۔ ہر شخص کو سینکڑوں نہیں ہزاروں اشعار یاد تھے۔ اس کے علاوہ قصہ گوئی اور بذلہ سنجی عام تھی۔ موعظت و حکمت کا جو زبانی لٹریچر وہاں کے ایک عامی شخص کے دماغ میں محفوظ ہوتا تھا وہ دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے عالموں کو بھی نصیب نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول عربیؐ کے زمانے سے بہت پہلے اُن کی شاعری اور خطابت یونان اور ایران دونوں کی مقلدانہ جکڑبندی سے بالکل آزاد تھی۔ تحریر نے جہاں علم کو محفوظ کرنے کا طریقہ سکھایا وہاں اس کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ معمولی پڑھا لکھا انسان تنقید کلام سے بے بہرہ ہو جاتا ہے اور خود شاعر و ادیب بھی مقلد بن کر جامد ہو جاتا ہے۔ قوت تخلیق باقی نہیں رہتی اور جو اسالیب بیان جاری ہوتے ہیں اُن ہی کی مقلدانہ تکرار میں پھنسا رہتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ سکندریہ اور انطاکیہ میں جو علوم و فنون پیدا ہوئے وہ کتابت کی وجہ سے جامد بن کر مردہ ہو گئے۔ بخلاف اس کے مکہ سے جو علوم کا عطر پیدا ہوا وہ صحرائے عرب کے پاک و صاف ذہنوں سے مل کر زیادہ لطیف خوشبوئیں پیدا کرتا رہا حتیٰ کہ رسول عربیؐ کا زمانہ آیا اور انھوں نے ادب کی ہمہ گیری سے پورا فائدہ اٹھایا اور اس کا رُخ اخلاقی سیاسی اور انسانی حقائق کی طرف پھیر دیا۔ اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ عربوں نے پہلی تین ہجری صدیوں میں علوم و فنون کو جتنی ترقی دی اور عام کیا اتنی اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

سیاست مکہ | جن لوگوں نے عرب کو اپنا وطن بنا لیا تھا وہ عرب مستعربہ کہلاتے تھے اور حضرت

اسماعیل بن ابراہیم کی اولاد تھے۔ ان کے بہت سے قبیلے ہو گئے تھے اور قدیم عربوں سے شادی بیاہ کر کے مل جل گئے تھے۔ حضرت اسماعیل کی شادی بنی جرہم میں ہوئی تھی۔ اور چونکہ مکہ چرواہوں کا ایک مرکزی گاؤں بن گیا تھا۔ اس لئے مسیح سے کئی ہزار سال پہلے یہاں ایک بیت اللہ یا دیو استھان اور پانی کا چشمہ موجود تھا۔ چرواہوں کا عام قاعدہ ہے کہ ایک چراگاہ سے دوسری تک پھرا کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں میں ان کی خانہ بدوش زندگی نے بہت سی خوبیاں پیدا کر دی تھیں۔ وہ موت سے ڈرنا نہیں جانتے تھے۔ وہ فیاض و مہمان نواز تھے اور پورا قبیلہ ایک فرد واحد کی طرح مشکلات کا مقابلہ کرتا تھا۔ لہٰذا عورت مرد، غلام آقا کا بہت کم امتیاز تھا۔ اور شیخ قبیلہ ہی ان کا سردار، قاضی، جرنیل اور باپ سمجھا جاتا تھا۔

حضرت اسماعیل کے دوسرے بیٹے قیدار تھے۔ ان کی پینتیس پشت کے بعد عدنان پیدا ہوا۔ لیکن اس کے بعد ہی بنو جرہم نے ۲۰۷ء میں پھر مکہ پر قبضہ کر لیا۔ اس سے پہلے مکہ۔ مدینہ۔ طائف اور حجاز کی دوسری آبادیوں پر کسی غیر قوم کا نہ تو حملہ ہوا تھا۔ نہ یہاں کوئی متحدہ اور منظم حکومت کا ڈھانچہ بنا تھا۔ قبائل کی زندگی چرواہوں کی زندگی تھی اور یہ لوگ مختلف تجارتی گذرگاہوں (صراطوں) پر سامان لے جانے کے لئے اونٹ اور مزدور بھی مہیا کرتے تھے اور خود بھی ملکی پیداوار مثلاً چمڑا، گھی، قہوہ، ہتھیار اور چاندی، سونے کے زیور وغیرہ باہر لے جاتے تھے۔ مسلسل سفر اور تجارتی تعلقات نے ان میں ہر قوم کے قصے کہانیوں کو عام کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ یہودی اور دوسری قوموں کے عرب میں پناہ گزیں ہو جانے کی وجہ سے بھی ایک دوسرے کے تمدنی اور سوشل اثرات ایک دوسرے کو پہنچ رہے تھے۔ ۷۰ء میں رومی یروشلم کو تباہ کر کے توراۃ کو روم بھیج چکے تھے۔ اصلی توراۃ السبعین جو عزیر نے لکھوائی تھی وہ ۱۶۸ قبل مسیح میں جل چکی تھی۔ لہٰذا معیاری توراۃ ہی سے ۱۲۸ء میں یونانی ترجمہ کیا جا رہا تھا۔ ۱۳۰ء میں ہیڈریان نے یروشلم کو دوبارہ تعمیر کر کے یونانی دیوتاؤں کی پرستش قائم کر دی تھی اور جو یہودی یونانی تمدن سے بغاوت کرتے تھے وہ جلاوطن ہو کر عرب کے ریگستان میں پناہ لے رہے تھے۔

عدنان کا بیٹا معد تھا۔ اس زمانے میں کعبہ کی عبادت اور تجارت دونوں کافی ترقی کر چکی تھیں اور تین عہدے قائم ہو چکے تھے۔

(۱) نسائت :- یعنی قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنا۔ یہ چیز بابل، مصر، کنعان، ایران اور ہند ہر جگہ موسمی میلوں اور عبادت کے لئے جاری تھی۔ اسی طرح حج اکبر کا موسم اعتدال ربیعی، اور حج اکبر

کا موسم اعتدال خریفی میں دنیا بھر میں ہوتا تھا

(۲) اجازہ : یعنی حج اکبر کے بعد عرفات سے چلنے کی اجازت ، اور

(۳) افاضہ : یعنی مزدلفہ میں رات کے قیام کے بعد مکہ کی طرف روانگی ۔

قصیّ نے سنہ ۴۴۰ء میں مکہ پر دوبارہ اقتدار حاصل کرلیا۔ یہ عدنان کی پندرھویں پشت میں تھے۔ ان سے پہلے مکہ پر بنی جرہم قابض تھے ۔

قصیّ کے مرنے کے بعد مکہ کی حکومت اشراف (ARISTOCRACY) کے سب عہدے قصی کے بڑے بیٹے عبدالدار کو مل گئے تھے ۔ چھوٹا لڑکا عبد مناف محروم تھا ۔ عبد مناف ہی کے خاندان میں رسول اللہ پیدا ہوئے تھے ۔ ان کے اجداد کا یہ کارنامہ تھا کہ عبد مناف کے تین بیٹوں نے متصل سلطنتوں سے تجارتی معاہدے کئے اور قریش کے لئے یہ طے پا گیا کہ اگر وہ تنہا سفر کریں ، یا کسی قافلے کے ساتھ ہوں تو اس پر کوئی شخص یا قبیلہ کسی ایسے مہینہ میں بھی حملہ نہ کرے گا جو جنگ کے لئے حلال ہیں ۔ ہاشم (سنہ ۴۶۴ء - سنہ ۵۱۰ء) نے مشرقی رومی سلطنت اور حبشہ کے بادشاہ سے تجارتی سفروں کا معاہدہ کیا ۔ اس کے علاوہ اپنے چچا عبدالدار سے مکہ کے دو عہدے سقایہ (پانی پلانا) اور رفادہ (خوراک بہم پہنچانا) بھی چھین لئے ۔ المطلب بن عبد مناف نے یمن کے قبیلہ الحمیر سے معاہدہ کیا ۔ نوفل بن عبد مناف نے (جو ہاشم اور المطلب کا سوتیلا بھائی تھا) عراق و فارس کے بادشاہ سے تجارتی معاہدہ کیا اور ہاشمیوں کی نصاریٰ دوستی کے مقابلہ میں مجوس دوستی کا محاذ قائم کیا ۔ ہاشم کا بیٹا عبدالمطلب تھا ۔ اور کمسنی میں یثرب سے مکہ لایا گیا تھا ۔ اور ہاشم اور المطلب کے مرنے کے بعد یہ کمسن لڑکا سقایہ و رفادہ کا متولی تھا ۔

اس زمانے میں یعنی چھٹی صدی کی ابتدا میں کئی سو سال سے ہند و عرب کی تجارت عدن کی بندرگاہ سے جاری تھی ۔ عدن سے مکہ اور مکہ سے کلوپٹرس (موجودہ سویز) تک خشکی کے راستے کارواں آتے جاتے تھے ۔ بت خانہ کعبہ کے قریب کسی زمانہ میں ایک کنواں تھا ۔ اس کا نشان بھی لوگوں کو یاد نہ رہا تھا ۔ ایک دن عبدالمطلب نے خواب میں اس کے مقام کا پتہ پایا ۔ دوسرے دن وہاں کھودنا شروع کیا ۔ پانی نکل آیا ۔ اور عبدالمطلب نے اس خوشی میں نذر مانی کہ اس کے دس بیٹے ہو جائیں گے تو ایک کو بتوں کے نام پر قربان کردے گا ، یہ ذبیح اللہ ثانی ، عبداللہ بن مطلب تھے ۔ کنواں اتنا بڑا تھا کہ ہزاروں آدمی اور مویشی سیراب ہو سکتے تھے ۔ اس واقعہ سے عبدالمطلب کا وقار بہت بڑھ گیا تھا ! ور جب عبداللہ کو قربانی سے بچانے کے

لئے کاہنہ نے سو اونٹ کا خونبہا مانگا تو عبدالمطلب نے اتنی دولت آسانی سے دیدی۔ لیکن اس درمیان میں عبدالدار کا خاندان بھی بڑھ رہا تھا۔ عبدالمطلب کی وفات ۵۷۹ء میں ہوتے ہی حرب بن اُمیہ عبدری نے ہاشمیوں سے رفادہ چھین لیا۔ اور عبدالمطلب کے خاندان میں سوائے عباس اور عبدالعزیٰ (ابولہب) کے اور کوئی کھاتا پیتا شخص باقی نہ رہا۔ اور عباس کے پاس صرف سقایہ باقی رہ گیا۔

مکہ کا پنچایتی نظام حکومت

کعبہ کی پرستش اور موسمی میلوں سے متعلق جو نظام عبادت صدیوں پہلے بن چکا تھا، وہ نہایت سادہ تھا جس طرح بت خانوں کے پجاری اپنے بتوں اور کاہنوں کے ذریعہ جاتریوں سے روپیہ اینٹھتے تھے۔ وہی حال ان کا تھا اور چونکہ مفت کی دولت ہاتھ آتی تھی۔ اس لئے اسی بے دردی سے خرچ بھی ہوجاتی تھی۔ آنحضرت کے خاندان بنو ہاشم اور بنو المطلب نے تجارتی راستے کھولے تھے اور مکہ پھر ترقی کر رہا تھا۔ لیکن وہاں باہر کے آدمیوں کے لئے عدل و انصاف کا کوئی محکمہ نہ تھا۔ ہر قبیلہ اپنے آدمیوں کی حفاظت کر لیتا تھا۔ یا دوسرے قبیلوں سے مل کر ایک دوسرے کا حلیف بن کر ایک وفاق (FEDERATION) بنا لیتا تھا۔

فوجی نظام

اسی طرح ایک فوجی نظام بھی بن گیا تھا جس میں فوج کی سرداری قبیلہ امیہ میں ابوسفیان بن حرب کے پاس تھی۔ سواروں کی فوج کا ولید بن مغیرہ مخزومی سردار تھا۔ سفارت قبیلہ عدی میں عمر بن الخطاب کے پاس تھی۔ جنگ اور امن کے تمام مشورے بنو اسد کے خاندان سے متعلق تھے۔

عدالت یا حکومت

حکومت کے اصلی معنی مقدمہ سننے کے بعد فیصلہ کرنے کے ہیں۔ لیکن یہ مقدمے بین القبائلی ہوتے تھے اور بنو سہم اس کے مالک تھے اور خوں بہا یا جرمانہ کی رقم طے کرنا قبیلہ تیم سے متعلق تھا اور آنحضرت کے وقت میں عبدالکعبہ (یعنی مسلمان ہونے کے بعد کے ابوبکر) بن ابی قحافہ سے متعلق تھا۔

البتہ زمانہ جاہلیہ میں چند لوگوں نے مل کر ایک دادرسوں کی جماعت بنائی تھی اور باہر والوں اور اجنبیوں کیلئے انصاف دلوانے کا عہد کیا تھا۔ یہ جماعت حلف الفضول کہلاتی تھی لیکن عرصہ ہوا ختم ہوچکی تھی۔ آنحضرت کے بچپن میں اس جماعت کو عبداللہ بن جدعان کے گھر میں دوبارہ زندہ کیا گیا تھا۔ اس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنی اسد، بنی زہرہ اور بنی تیم شریک تھے۔ یہ مجلس دادرساں حرب فجار کے بعد قائم ہوئی جب آنحضرت کی عمر بیس اکیس سال کی تھی۔

دوسری کتاب۔ قرآن

حافظا می خور و رندی کن وخوش باش ولے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

پہلی فصل۔ اسلام کا حقیقی ماخذ قرآن ہے

ہم نے جن ادیان کا اوپر ذکر کیا ہے ان کی کمل تعلیمات ہمارے پاس بھی ہوئی موجود نہیں۔ بات یہ ہے کہ بعض تعلیمیں مرور زمانہ سے ضائع ہوگئیں اور بعض ایسی ہیں جن کی صحیح تعلیم میں لوگوں نے اپنی رائے داخل کر دی۔ پھر وہ زمانہ ایسا تھا کہ لوگ کاغذ بنانا نہیں جانتے تھے۔ یہ تو مسلمانوں کا دنیا پر احسان ہے کہ انھوں نے کاغذ بنانے کے فن کو دنیا میں عام کیا اور پروہتوں نے جن علوم کو چھپا رکھا تھا ان کو بھی شائع کر دیا۔ اسی لئے کہ رسول عربی نے یہ حکم دیا تھا کہ علم کا حاصل کرنا مردہی کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی فرض ہے۔ اس طرح دنیا میں علم عام ہو گیا اور لوگ پروہتوں اور پوپوں کی گرفت سے نکل گئے۔

صرف قرآن ہی ایسی مقدس کتاب ہے جو اپنے اصلی الفاظ میں باقی ہے۔ اس میں نہ صرف اسلام کی حقیقی تعلیم ہے بلکہ وہ طریقہ کار بھی ہے جو اسلام کے عربی پیغمبر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے اسلام کو زندہ اور قائم کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔

صحیح فکر قرآن حکیم نے، کتب الٰہیہ کی الہامی ترجمانی کے ذریعے جو وحی متلو پیش کی ہے۔ اس سے جملہ کتب الٰہیہ کی حکمت ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ یہی صحیح فکر ہے۔

صحیح عمل صحیح عمل وہ ہے جو کتب وحکم الٰہیہ کی پیروی میں رسول عربی نے اپنی نبوی زندگی میں عملاً کر کے دکھا دیا اس سلسلہ میں جملہ کتب الٰہیہ قبل قرآن کو سنت نبوی کا درجہ دینا ضروری ہے۔)

سنت کیا ہے؟ سنت یعنی عمل رسول، قرآن کے عالمگیر قانون سے مستنبط ہے۔ قرآنی اصول ناقابل تبدیل ہیں لیکن قرآن کے اصول کی عمومیت جب کسی خاص قوم کے اعمال کا جامہ

پہنچتی ہے تو اس کے احوال کے مطابق یہ عمومیت ایک خصوصیت کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے اور ہر قوم و زمانے کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے۔ یعنی اصل نہیں بدلتی لیکن فرع کی شکل میں وہ قابل تبدیل ہوتی ہے۔ فقہ اسلام کی اسی لچک نے قانون قرآن (دین۔ قانون۔ صراط۔ طریق) کو ہر زمانے اور ہر حال کے لئے سرچشمۂ ہدایت بنا دیا ہے۔ اسی لئے یہ زندہ اور ترقی کنان فکر ہے۔

منکرین حدیث بعض کمزور روایتوں کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت تمام حدیثوں کے ماننے سے انکار کرتی ہے لیکن ان کا یہ رویہ محض ناواقفیت اور کم علمی کی وجہ سے ہے۔ اگر اسی طرح بغیر جانچ پڑتال کئے کل تاریخ انسانی کا انکار کر دیا جائے تو سراسر نادانی ہے عقل و کتاب اللہ کے معیار پر ہر مقدس کتاب اور ہر حدیث نبوی کو جانچنے کے بعد ہی ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کی حقیقی تعلیم کیا ہے۔ قرآن نے خود بتا دیا ہے کہ وہ کل دنیا کے لئے علم کو عام کرنے اور عقل کو روشن کرنے کے لئے آیا ہے۔ اس لئے آپ ہرگز ان احادیث کو نہ مانئے جو کتاب اللہ اور عقل سلیم کے مطابق نہ ہوں۔

قرآن کا مقصد "قرآن کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کا حکم چلانے والی طاقتور حکومت پیدا کی جائے۔"

(امالئی عابدیہ ج ۴ ص ۲۲۳، ۲۲۴)

"قرآن کے سمجھنے کے معنی یہ نہیں کہ اس کا ترجمہ پڑھ لیا جائے اور اس کے قصے بیان کر دیئے جائیں۔ قرآن سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا قانون کس طرح نافذ ہو سکتا ہے یورپ نے ہماری اسلامی سلطنتوں کو تباہ کر دیا۔ اب اُسے یہ یقین دلانا آسان نہیں ہے کہ قرآن کا قانون چل سکتا ہے۔ ہمارا عالم قرآن جانتا تو یہ ہے کہ قرآن خدا کا قانون ہے اور عملی طور پر مانتا یہ ہے کہ انسانی قانون اس کے اوپر ہے۔" امالئی عبیدیہ ص ۲۵۸

زندہ فکر۔ جس فکر میں زندگی پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے وہ مردہ ہے۔ اس کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ صرف قرآن کا فکر ہی ایک زندہ فکر ہے۔ (امالئی عبیدیہ ص ۸۴)

نصب العین "اس طرح مطالعہ کرنے والے کی فکری ضرورت کا خیال رکھا جائے تو سب سے پہلے اس تحریک کا نصب العین مقرر ہونا چاہیئے جسے ہم ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ میں مضمر دیکھتے ہیں (ناظرین سے ہم سفارش کرتے ہیں کہ وہ اس آیت کی تفسیر "ازالۃ الخفاء" کی جلد اول کے ابتدائی صفحات میں ضرور مطالعہ کریں۔" (مولانا عبیداللہ سندھی بیش لفظ ترتیب نزول قرآن کریم)

نبی کا کام

نبی کو اللہ کی طرف سے امداد ملتی ہے وہ اجتماع انسانی میں ایسا دستور زندگی رائج کرتا ہے جس سے انسان ترقی کی راہیں تیزی سے طے کرنے لگتا ہے۔

رسولؐ عربی کی بعثت کی غرض

بقول امام ولی اللہ العمری دہلوی (۱۷۰۲-۱۷۶۲) آنحضرت کے مبعوث ہونے کی غرض یہ تھی کہ دنیا میں ان تمام ظالمانہ نظاموں کے خلاف جہاد کریں جو انسانی معاشرہ کو بربادی کی طرف لے جاتے ہیں" (امام ولی اللہؒ کارل مارکس سے سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے)

قرآن کریم کا انقلابی طرز خطاب

ہر مفکر سوچنے سے پہلے محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ نثر سے پہلے شعر وجود میں آیا ہے۔ شعر میں احساس وجذبات کی فراوانی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر فنکار خواہ وہ مصور ہو یا شاعر، مغنی ہو یا مہندس و بت تراش، اپنے لطیف جذبات کی تخلیق میں وہ کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ دوسرے بھی خود اس کی طرح متاثر ہوں۔ اس تخلیق میں نثر کی سی خشک منطق اور محض دماغ کی کارفرمائی نہیں ہوتی۔ شعر میں دل حاکم ہوتا ہے اور دماغ محکوم، "اور معنی" یعنی احساس دل، روحانیت کے اُفق سے طلوع ہو کر الفاظ و استدلال دماغ کی "صورت" کو اپنے نور سے معمور کر دیتا ہے۔

یہ حسین تخلیق اگر نثر کی شکل میں جلوہ فرما ہو تو اُسے خطابت کہتے ہیں۔ اس میں عقلی دلائل شاعرانہ معنویت کے ذریعہ سامعین کے دلوں کو موہ لیتے ہیں۔ لیکن اگر نثر کو محض منطق و عقل کا لباس پہنا دیا جائے تو اس میں شعر و خطابت کی سی اثر آفرینی نہیں رہتی۔

قرآنی طرز بیان میں نہ تو شاعری کی سی محض معنویت ہے نہ نثر کی سی کرخت منطق۔ اس میں مخاطب کے افکار و ماحول کے مطابق وہ جادو بیانی ہے کہ دل و دماغ دونوں کو مسحور کر لیتی ہے۔ یہی اس کے الہامی ہونے کا ثبوت ہے اس طرز بیان نے دنیائے ادب میں انقلاب پیدا کر دیا یعنی نثر کو نظم اور نظم کو نثر کے پیرایہ میں لا کر دونوں میں جوش حیات بھر دیا اور عقل و ہوش کی تیرگی کو محبت و شوق کی تابانی سے پُر نور کر دیا۔

کتابی انقلاب

وہ طریق فکر و عمل ہے جس کے ذریعہ انبیا نے شک و ظلمت سے نکال کر انسانی ذہن و روح کو نور سے روشناس کیا اور فکر انسانی میں یقین کی روشنی پیدا کی۔ ذہنی انقلاب کی راہ سے پروہتوں اور خود غرضیوں کے ہٹانے کے بعد انسانی فکر و عمل میں آزادی پیدا ہو جاتی ہے یہی آزادی نور ہے۔ غلام کماتا ہے تو اس کی کمائی آقا کی ملکیت بن جاتی ہے۔ خود اس کی اپنی کوئی ملکیت

نہیں ہے۔ قیدی بھی جیل کے اندر کسی چیز کا مالک نہیں ہے وہ جب تک جیل میں ہے ایک قسم کا غلام ہے۔
جب کسی سے کہدیا جائے کہ" یہ چیز تیری ہے" تو اس کے فکر میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اب وہ اپنی ملکیت کی حفاظت کرتا ہے اور ضرورت پڑے تو اس کے لئے جان تک دے سکتا ہے۔ اس تبدیلی کا نام انقلاب ہے (امالئی عبیدیہ ص ۴۰۳)

خلاصہ یہ کہ ذہنی انقلاب کے بعد اقتصادی انقلاب پیدا ہونا لازمی ہے۔
فاروق اعظم کے فیصلے کے مطابق سرمایہ پرستی کا قطعی استیصال اور ذرائع پیداوار پر قومی قبضہ انقلاب کی پہلی شرط ہے۔

عالمی انقلاب (فرد اور قوم)

جماعتی ترقی فرد کی ترقی ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس لئے وہی نظام جماعت بہتر ہوتا ہے جو فرد کی فطری استعدادوں کو ترقی کی راہ پر لگائے تاکہ فرد اور جماعت میں تضاد باقی نہ رہے لیکن کوئی جماعت یا قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ ایسی قوموں میں گھری ہوئی ہو جو جاہل و بے شعور ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک قطرے کو پاک رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے قطروں سے گھرا ہوا ہو جو طاہر و پاک ہوں۔ اس لئے قومی انقلاب و ترقی کا ہمیشہ یہ مقصد ہوتا ہے کہ اپنے نفع کے لئے عالمی انقلاب یا عالمی پاکیزگی کی کوشش کرے۔
"مسلمان قرآن حکیم کو انسانیت کیلئے آخری پیام ربانی مانتا ہے۔ اس عقیدے کو آج کی ذہنیت سے قریب لانے کے لئے یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن دنیا کو انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام دیتا ہے"
(مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ پیش لفظ ترتیب نزول قرآن کریم از مؤلف)

حزب اللہ یا مرکزی انقلابی پارٹی

اللہ والے انقلابی اپنی ایک مرکزی جماعت بناتے ہیں اس پارٹی کے اندر شوریٰ یعنی جمہوری نظام جاری ہوتا ہے اور اس کا طرز عمل کتاب اللہ کی روشنی میں آمرانہ ہوتا ہے جب تک کہ پوری سوسائٹی تعلیم و تربیت پاکر (جیسا کہ بیعت رضوان ۶ھ کے بعد ہوا) حق پرست نہ بن جائے۔ اس وقت قومی جمہوریت قائم ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ عالمی جمہوریت کی کتابی علمبردار بن کر، بین الملی جمہوریت ترتیب دیتی ہے۔
"انقلاب کے لئے ایک مرکزی جماعت مفکرین کی تشکیل ضروری ہوتی ہے اور جب یہ جماعت اس پروگرام کو چلانے کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہے تو اسے ہر نشیب و فراز میں مناسب تبدیلی کا پورا اختیار رہتا ہے

ہماری نظر میں " اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ " میں اسی جماعت کا اثبات مقصود ہے "

(مولانا عبید اللہ سندھیؒ پیش لفظ ترتیب نزول قرآن کریم)

حزب اللہ کا پارٹی پروگرام

" قرآن کی متعدد سورتوں میں حزب اللہ کے لئے ایک پارٹی پروگرام تفصیلی احکام دے کر مکمل کر دیا گیا ہے "

(مولانا عبید اللہؒ پیش لفظ ترتیب نزول قرآن کریم)

انقلابی سوسائٹی

" مرکزی پارٹی کے مفکرین کو دوسرے مرحلے میں ایسی سوسائٹی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو تمام انقلابی نظریات پر حاوی ہو۔ اس سوسائٹی کے کارکن جس وقت موقع دیکھتے ہیں انقلابی گورنمنٹ قائم کر لیتے ہیں جو پرانی حکومتوں کو توڑتی اور اپنے پروگرام میں نئی حکومت پیدا کرتی ہے۔ اسلامی عقائد و اخلاق (یعنی تعلیمات قرآن قبل ہجرت) اور اسلامی حکومت (بعد بیعت رضواں) کی درمیانی کڑی، یہی انقلابی سوسائٹی والے (یعنی موت پر بیعت کرنے والے رضوانی) ہوتے ہیں۔ اس سوسائٹی کے احکام مشتبہ رہنے سے تسلسل فکر قائم نہیں رہتا۔ لہذا قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق سمجھنا ضروری ہے "

(مولانا عبید اللہ سندھیؒ پیش لفظ ترتیب نزول قرآن کریم)

قرآنی جبر یا ڈکٹیٹر شپ

غلامی جب طبیعتوں کی عادت ہو جاتے تو انھیں جبراً آزادی دینا پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ربا کو بھی بجبر بند کر دیا جائے تو یہ دو قانون سرمایہ داری ختم کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ ہے اسلام کا انقلاب جسے امام ولی اللہ کا فلسفہ اپنی اساس قرار دیتا ہے "

(امالی مولانا عبید اللہ سندھیؒ ج ۴ ص ۱۸۷۵)

جمہوریت یعنی کتابی شورائیت (ری پبلک)

جمہوریت اس طرز حکومت کو کہتے ہیں جس میں کسی تصور کے ماتحت حکومت چلائی جائے۔ یعنی اس میں کسی تصور یا نصب العین کی آمریت ہو۔

اسلامی جمہوریت میں قرآن و عمل نبوی کی پابندی لازمی ہے۔ چونکہ قرآن حکیم دیگر کتب الہیہ کی تصدیق کرتا ہے اس لئے اسلامی جمہوریت کو کتابی شورائیت کہنا زیادہ موزوں ہے یا یوں کہا جائے کہ قرآن ایک کتابی پارٹی ڈکٹیٹر شپ کے ماتحت جمہوریت قائم کرنا بتاتا ہے۔

عوامی شورائیت (ڈیموکریسی) وہ پنچایتی حکومت جس میں سلطنت کا تمام کاروبار عوام کی کثرت رائے سے طے پاتا ہے اُسے عوامی شورائیت یا مجارٹی کی آمریت کہنا چاہیئے۔ اس طرز حکومت میں کثرت آراء سے جو بات طے ہو وہی حق سمجھی جاتی ہے۔ اور اگر حزب مخالف کا غلبہ ہو جائے تو وہ ناحق کو حق منوا دیتا ہے یعنی اصول کی جگہ کثرت آرائے انسانی کا فیصلہ ہی نافذ ہوتا ہے۔

اسلام کی نئی ترجمانی موجودہ عہد سائنٹیفک عہد ہے۔ اس عہد تک پہنچنے میں قرآن کی تعلیم کو بہت دخل ہے اس لئے کہ اسلامی تعلیم کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ ہر مسلم و مسلمہ کے لئے علم و شعور حاصل کرنا ضروری ہے۔

مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ دنیا کو امن و ترقی کے راستے پر ڈالنے کے لئے ایک ایسا عالمی نظام معاشرت پیدا کریں جس میں ہر انسان نیک عملی اور ترقی پر خوش دلی سے "مجبور" ہو۔

ہندوستان میں حجۃ اللہ علی الارض شاہ ولی اللہ دہلوی نے کتب الٰہیہ اور سنت انبیاء کی حکمت کو سوسائٹی کے اونچے طبقے کے لئے پیش کیا تھا۔ شاہ عبدالعزیز نے اس فکر کو ہند کے عام لوگوں تک پہنچایا اور امیر المومنین سید احمد رائے بریلوی نے اس فکر کو عملی جامہ پہنایا۔ ہمارے زمانے میں مولانا محمد قاسم، مولانا عبیداللہ سندھی (۲، ۱۸، ۱۹۴۴) اور مولانا ابوالکلام آزاد نے کتابی انقلاب کو تاریخ اسلام کے مثالی دور سے مستنبط کر کے عہد حاضر کی زبان میں پیش کیا ہے۔

انقلاب کی ابتدا انقلاب فکر سے ہوتی ہے اور معاشی و معاشرتی انقلاب اس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے انقلاب تقلید کے بندھنوں کو توڑ کر بجز اندھوں کو کنوئیں میں گرنے سے روکتا ہے اور ترقی اور تجدید کی راہ دکھاتا ہے۔ قرآنی یا کتابی انقلاب کی یہ خوبی ہے کہ وہ کتاب و حکمت کی روشنی میں تجدید کو بے راہ روی سے نہ صرف بچاتا ہے بلکہ تخریب کو تعمیر بنا دیتا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

قرآن حکیم نہ صرف پیغام انقلاب ہے بلکہ ذہنی اور معاشرتی انقلاب لانے کے مدارج بھی بتاتا ہے۔ مثلاً بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں غذا اور تحفظ جسم کے قوانین اگرچہ اپنی نوعیت بدلتے رہتے ہیں لیکن اصولی حیثیت سے ان سب کا مقصد جسمانی صحت کی ترقی ہوتی ہے۔

دوسری فصل = جمع قرآن

اسلامی فکر و عمل اگر کوئی قوم چاہتی ہے کہ دنیا میں امن و ترقی کی راہیں کھلیں تو وہ اسلامی فکر (قرآن) اور اسلامی عمل سیرت نبوی و عمل رفقائے نبوی کی روشنی میں پھر ایسا ہی عالمی پروگرام بنا سکتی ہے جس نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دنیا کو امن و ترقی کے راستے پر لگایا تھا لیکن خود مسلمان کیوں پستی کی طرف مائل ہوئے اس کی دو وجہیں ہیں :- (۱) فکر و عمل اسلام سے لاپرواہی (۲) اسلام میں نومسلموں کے خیالات کی آمیزش ۔

(۱) فکر و عمل اسلام (یعنی کتاب و سنت) سے لاپرواہی کی وجہ یہ تھی کہ نہ تو قرآن حکیم کی تدوین (سنہ ۳۰ھ) ترتیب تنزیل کے مطابق کی گئی نہ رسول اللہؐ کا طریق کار یا عمل۔ تاریخی ترتیب سے قرآن کے ساتھ نمایاں ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں آنے والوں کے لئے اسلام و قیام دولت کتابیہ کا تاریخی پروگرام مبہم ہو گیا ۔

(۲) دوسری وجہ وہ نومسلم تھے جو اپنے ساتھ اپنے فرسودہ عقائد لائے تھے ۔ تاریخ شاہد ہے کہ فکر و عمل اسلام کے دشمن، یعنی بنوامیہ بکراہت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کے برسر اقتدار آتے ہی مروان بن الحکم کی ریشہ دوانیوں نے نیک دل اور ضعیف خلیفہ کے نام پر ہر جگہ ان ہی امویوں کو برسر اقتدار کر دیا ۔ اسی مروان اور اس کے دوستوں (عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور ولید بن عقبہ بن ابی معیط وغیرہ) کی وجہ سے آخر کار حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔ اسی نے حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو تدوین مصحف عثمانی کی کمیٹی میں شریک نہ ہونے دیا۔ اور آخر کار جب اسے اقتدار حاصل ہو گیا تو جو قرآن ام المومنین رضؓ حضرت حفصہؓ کے پاس تھا اسے حاصل کرنے کی کوشش کی مگر انھوں نے نہیں دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ام المومنینؓ کے انتقال کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ مروان کے دھوکے میں آگئے وہ مصحف دیکھنے کے بہانے سے لے گیا اور اُسے ضائع کر دیا ۔

تاریخ قرآن قرآن اُس کلام کا مجموعہ ہے ۔ جو آنحضرت پر تیرہ سال تک مکہ میں اور دس سال تک ہجرت مدینہ کے بعد اللہ کی طرف سے نازل ہوتا رہا۔ اس کی مختلف سورتوں کی وہ ترتیب نہیں تھی جو موجودہ مصحف میں ہے ۔ پورے قرآن کے مختلف حصے مختلف مسلمانوں کے دلوں میں بھی محفوظ تھے اور لکھے ہوئے بھی موجود تھے۔ رسول اللہؐ کی وفات کے بعد جنگ یمامہ میں بہت سے قاریوں کے شہید ہو جانے پر حضرت عمرؓ نے توجہ دلائی

حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابت کو مقرر کیا جنھوں نے حافظوں اور لکھے ہوئے قرآن کی مدد سے مکمل قرآن ایک جگہ جمع کر دیا۔ حضرت زید نے ہر سورہ کو علیحدہ علیحدہ قرطاسوں پر لکھ لیا لیکن ان کی کوئی ترتیب نہیں دی۔ اسی لئے مختلف صحابیوں کی ترتیب سور مختلف تھی۔ یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ خود حضرت ابوبکر نے پہلے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے کی مخالفت کی تھی اور فرمایا تھا کہ جو کام رسول اللہؐ نے نہیں کیا وہ میں نہیں کرنا چاہتا۔

پھر حضرت عثمان نے ۲۵ھ سے ۳۰ھ تک صحابیوں کے مشورہ سے حضرت ابیؓ بن کعب (الانصاری) کی قرأت کے مطابق قرآن کی مختلف سورتوں کو مصحف میں مرتب کروایا۔ اس لئے کہ مدینہ میں سب سے پہلے ابیؓ بن کعب انصاری نے وحی لکھنا شروع کی تھی۔ یہ انصاری تھے اور چار بڑے قاریوں میں سے تھے۔ دوسرے انصاری قاری معاذؓ بن جبل کا انتقال ہو چکا تھا۔ مہاجرین میں سے حضرت سالمؓ یمامہ میں شہید ہو چکے تھے اور حضرت ابن مسعودؓ اپنی ترتیب بدلنے پر راضی نہیں ہوئے اور شریک نہیں کئے گئے۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ کی ترتیب اگرچہ ترتیب تنزیل کے مطابق تھی لیکن انھیں بھی اس کمیٹی میں شریک نہیں کیا گیا۔ اُبیؓ بن کعب اور زیدؓ بن ثابت انصاری کے مشورے سے جو ترتیب قرار پائی اسی کو دربار خلافت نے مفتوحہ علاقوں میں رائج کر دیا اور دوسری ترتیبوں کو ختم کر دینے کا مشورہ دیا۔ یہ کام ۳۰ھ میں ختم ہوا جمہور علما، جن میں قاضی باقلانی بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ ترتیب سُوَر باجتہاد صحابہ ہوئی ہے۔ توقیفی نہیں ہے یہی مسلک علمار مالکیہ حنفیہ اور شافعیہ کا ہے۔ غرضکہ یہ قرآن جو آنحضرت کی تیئیس سالہ تبلیغی زندگی میں وقتاً فوقتاً آپ کے قلب پر جبریل امین کے ذریعہ خدا کی طرف سے نازل ہوتا رہا۔ تمام لکھا ہوا موجود ہے اور اس کا ایک ایک کلمہ وہی ہے جو آنحضرت پر نازل ہوا تھا۔ اس میں نہ کسی طرح کی کمی ہوئی ہے نہ زیادتی کی گئی ہے بلکہ اتنی احتیاط کی گئی ہے کہ جس طرح پہلے قرآن کے حروف و کلمات لکھے گئے تھے۔ اسی طرح آج تک لکھے جاتے ہیں البتہ بنو اُمیہ کے زمانے میں جب غیر عربی ممالک میں قرآن پہنچا تو اُن کی سہولت کے لئے اعراب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور بعض جزئی اختلافات قرأت پیدا ہو گئے

تیسری فصل: قرآن کا طبعی نظام یعنی ترتیبِ نزول

علم الجمال کے جاننے والے جانتے ہیں کہ شعر یا تصویر میں زندہ تصورات و محسوسات کا ایک پرکیف خوبصورت اور منظم امتزاج ہی نہیں ہوتا بلکہ ایسی وحدت ہوتی ہے جو تاریخ و منطق وغیرہ کے خشک واقعات اور محسوسات کو زندہ و لرزاں تصوسات میں بدل کر الہام بنا دیتی ہے۔ اس الہامی کیفیت کا ظہور شعر یا تصویر کی صورت میں ہوتا ہے تو وہ مسحور ہو کر کیف و سرور سے معمور ہو جاتے ہیں۔ بقول حسرت سامع کا ساغرِ دل رنگِ بادۂ الہام سے پرنور ہو جاتا ہے ؎

دل کو خیالِ یار نے معمور کر دیا
ساغر کو رنگِ بادہ نے پرنور کر دیا

حق و صداقت کی خوبی، خیر و سعادت کا حسن اور خود حسن و جمال کی جمیل کیفیات، عالمگیر و بے پایاں علم، اتوں، رعنائیوں اور دلربائیوں کا مخزن ہوتی ہیں اور بقدر ذوق ناظر اُسے اپنی الہامی کیفیات سے متاثر کرتی ہیں۔ اسی لئے کسی فنی شاہکار کے سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے آپ کو نہ صرف پس منظر سامنے لانا پڑتا ہے بلکہ فن کار کے دل و دماغ کے تاثرات و وجدانات کی گہرائیوں میں اس طرح داخل ہونا پڑتا ہے جس طرح اور جس نظم و ترتیب سے خالق شاہکار نے اپنی تخلیق کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسی لئے اگر آپ قرآن کی خدائی ترتیب کو پیش نظر نہ رکھیں تو اس گلدستے کی حقیقی لطافت جمال سے محروم رہ جائیں گے اور صرف مختلف پھولوں کے غیر منظم مجموعے کو دیکھ کر ایک کیفیت طاری کرنے کی کوشش کریں گے۔ خدائی نظم و ترتیب ایک گلدستہ ہے۔ رسولی ترتیب آیات نے مختلف سورتوں اور رکوعوں کو گویا پھول بنا دیا ہے۔ صحابہ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان پھولوں کو مرتب کر لیا تھا۔ لیکن وہ سب جانتے تھے کہ خدائی نظم و ترتیب کیا تھی۔ ان میں سے اکثر اس کے ہیں نے ستر سورتیں رسول اللہ سے سیکھ کر محفوظ کی ہیں اور ان کی نظم و ترتیب کو بدلنے کے لئے تیار نہیں۔ سنہ ۳۰ھ تک قرآنی سورتوں کے مختلف گلدستوں سے کام لیا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور صحابیوں کے خون سے لت کر دوسرے مسلمانوں کا خون بہنے لگا حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک

یہ حالت ہوگئی کہ لوگ قرآن کے پس منظر (کلام جاہلیہ، معاشرت و ادیان جاہلیہ وغیرہ) کی تحقیق پر مجبور ہوئے تاکہ قرآن کی معنویت کو سمجھ سکیں۔ اس طرح قرآن کو سمجھنے کے لئے عظیم الشان لٹریچر تیار ہورہا تھا ۔

علم الجمال کے نقطۂ نظر سے پس منظر صورت ہے اور نظم و ترتیب نزول قرآن معنی ہے۔ ان دونوں کے بغیر قرآنی وحی سے وہ کیفیت و اثر پیدا نہیں ہوسکتا جو ہونا چاہیئے ۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے ہم نے اسے تاریخی ترتیب سے مرتب کرکے ۱۹۴۰ء میں شائع کردیا ہے اس کے پیش لفظ میں حضرت مولانا عبید اللہ بن اسلام سندھی ۱۹۴۲ء میں تحریر فرماتے ہیں :-

" مسلمان قرآن حکیم کو انسانیت کے لئے آخری پیام ربانی مانتا ہے۔ اس عقیدے کو آج کی ذہنیت سے قریب لانے کے لئے یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن دنیا کو انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام دیتا ہے ..... اس کا نصب العین ہے .. هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (اس کی تفسیر ازالۃ الخفاء از امام ولی اللہ کی جلد اول کے ابتدائی صفحات میں ہے ۔

... گورنمنٹ اور سوسائٹی کے احکام ممتاز کرنے کے لئے قرآن عظیم کی مکی اور مدنی سورتوں کا معین کرلینا ضروری ہے ۔

" قرآن عظیم کی ہر سورت کے متعلق مفسرین کے پاس روایتیں موجود ہیں ... بعض احکام کی تاریخ ان روایتوں کی تغلیط کرتی ہے محقق مفسرین اپنے مسلمہ نظریات کی مدد سے ان روایتوں کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ روایتی سلسلہ ناقابل اطمینان ہوگیا ہے

" مولانا محمد اجمل خاں .. کا ان مفسرین پر ہمیشہ احسان رہے گا۔ انھوں نے اندرونی شہادت کی مدد سے مکی سورتوں کے معین کرنے کا راستہ کھول دیا ہے اور روایات کے اختلاف سے جو اغلاق پیدا ہوا تھا اُسے دور کرنے کی پوری کامیاب کوشش کی ہے "

(پیش لفظ : ترتیب نزول قرآن کریم)

اگر ہم قرآن کو تاریخی ترتیب سے نہ پڑھیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلامی فکر کے تسلسل اور ترتیب کو دماغ اپنی گرفت میں نہیں لاسکتا ہے اور عہد نبوی کے متعلق سطحی اور بسا اوقات قیاسی باتیں بنانا پڑتی ہیں اور حقیقت نظر نہیں آتی تو فرقہ بندی اور انتشار پیدا ہوجاتا ہے ۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ　　چو ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بعض لوگ شان نزول اور ترتیب نزول کو ہم معنے سمجھتے ہیں۔ یہ درست نہیں ترتیب نزول قرآنی تعلیم کے پورے سیاق وسباق کو بتاتی ہے اور سیرت نبوی میں قرآن کا تاریخی مقام متعین کرتی ہے شان نزول کا تاریخی ترتیب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ترتیب سُوَر قرآن کے ہر سورہ میں آیات قرآنی کی ترتیب وہی تھی جو رسول اللہ صلعم نے حکم خداوندی سے دی تھی لیکن مختلف سورتوں کی کوئی خاص ترتیب نہیں دی گئی تھی۔ ہر قاری جس ترتیب سے چاہتا تھا ان سورتوں کو پڑھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جو مہاجر تھے۔ ان کے پاس مکی قرآن پہلے تھا اور اس کے بعد مدنی قرآن تھا۔ لیکن جب اہل کوفہ وشام کی ترتیب سُوَر میں اختلاف ہوا تو حضرت عثمانؓ نے پہلے کاتب قرآن یعنی حضرت زیدؓ بن ثابت ہی کے ذریعے اس مصحف کی نقل کرائی جو بعد شہادت عمرؓ ان کی بیٹی ام المومنین حفصہؓ کے پاس تھا۔ اس نقل میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی کہ پہلے لمبی سورتیں (طوال) پھر اوسط درجہ کی سورتیں (مئین) اور پھر مختصر سورتیں (مفصل یعنی جن میں جلدی جلدی فاصلہ دیا گیا تھا) لکھی گئیں اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا کہ وہ اس ترتیب سے لکھی جائیں جس ترتیب سے نازل ہوئی تھیں البتہ اس کا اہتمام تھا کہ تلفظ الفاظ میں قریش کے تلفظ پر املا کیا جائے اور تین قرشی یعنی عبداللہ بن زبیر۔ سعید بن العاص اور عبدالرحمان بن حارث بن ہشام کے مشورہ سے صحیح قرشی تلفظ کے مطابق لکھیں۔

چونکہ قرآن کا ہر رکوع ایک مضبوط ومحکم سورت کی حیثیت رکھتا ہے اور ان رکوعوں (پیراگرافوں) کا نزول نجماً نجماً اور ایک خاص تاریخی تسلسل کے ساتھ ہوا ہے۔ اس لئے مختلف سورتوں میں ان رکوعوں کی ترتیب تاریخی نہیں ہے۔ لہذا اگرچہ ترتیب آیات فی السور توقیفی ہے۔ لیکن بعض رکوعوں کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ روایات موجود ہیں اور قرآن کی داخلی شہادت بھی اس کے لئے کافی ہے کہ قرآن کی کون سی سورۃ یا آیت کس زمانے اور ماحول میں نازل ہوئی۔ اگر مصحف علیؓ بھی عام ہوا ہوتا تو تفسیر وتاریخ اسلام میں کوئی اشکال نہ ہوتا۔

خلافت راشدہ کے بعد بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ تدوین قرآن ۳۰ھ کے بعد ہی بنو امیہ کی سیادت اصلی اسلام پر چھا گئی اور تفاخر نسل وقصاص ونخوت جاہلیہ جسے آنحضرت نے حجۃ الوداع میں اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا سطح پر آگئی۔ اگرچہ اسلام نے اس خالص عربی ذہنیت کی برائیوں کو ایک حد تک کم اور خوبیوں کو اجاگر کر دیا تھا۔ لیکن

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق میں خالص عربی یا شافعی فقہ بنی اور عربی دنیا میں پھیل گئی۔ پھر یہ فقہ جنوبی ہند سے ہوتی ہوئی انڈونیشیا پہنچی اور بڑی حد تک مقامی رنگ میں رنگ گئی۔

عباسی خلافت کے دور میں عجمی (یعنی غیر عربی یا آرین) تصورات کے اثرات قدرتاً زائد ہو گئے۔ یونان و سکندریہ کے فلسفے اور ایران کے زرتشتی و مانوی تصوف نے قانون اسلام کے عربی رنگ پر عجمی رنگ چڑھا دیا جو فقہ حنفی کی شکل میں نمایاں ہوا اور بغداد سے جو مخلوط عربی و عجمی فقہ مامون الرشید کے زمانے میں شروع ہوئی تھی وہ عباسی خلافت کے زوال کے بعد بخارا سے غزنی اور وہاں سے دہلی پہنچ کر خالص عجمی رہ گئی۔

اسی طرح قرآن کی اساسی تعلیم، سنت نبوی کی تعبیروں سے گذرتی ہوئی مختلف ملکوں میں پہنچی اور نئے نئے لباسوں میں ظاہر ہوئی۔

خدائی ترتیب قرآن وہ ترتیب ہے جس ترتیب سے قلب رسول پر پہلے مکہ میں اور پھر مدینہ میں قرآن نازل ہوا اور آپؐ نے لوگوں کو سنایا۔ یا اگر وہ صرف آنحضرت کے لئے تھا تو اس کے مطابق آنحضرت نے عمل کر کے دکھایا۔

عام طور پر مسلمان اس مصحف کی ترتیل کرتے ہیں جو حضرت عثمان غنی نے ۳۰ھ میں مرتب کرایا تھا لیکن ۳۰ھ سے پہلے یعنی رسول اللہ کے زمانہ میں اور شیخین یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس جن میں خود حضرت عثمان غنیؓ بھی شامل تھے قرآن کریم مختلف ترتیبوں سے محفوظ تھا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے مومنوں کے لئے چار سورتوں کا جاننا ضروری قرار دے دیا تھا اور خصوصیت کے ساتھ مومنات کے لئے حکم دیا تھا کہ وہ سورۂ نور ضرور سیکھیں۔

جو صحابی مثل حضرت عبداللہ بن مسعود یا حضرت علیؓ بن ابی طالب کے آنحضرت کے دامن سے وابستہ تھے انہوں نے قرآن کو ترتیب نزول قرآن کے مطابق محفوظ کر رکھا تھا غرضکہ قرآن کی حقیقی ترتیب وہ ہے جس ترتیب سے خدا نے اس کو نازل کیا تھا۔ اُسے خدائی ترتیب کہتے ہیں۔

رسولی ترتیب قرآن اس کے بعد مختلف سورتوں میں رسول کریم نے خدا کے حکم سے بعض آیات و الفاظ کا اضافہ کیا اور آیت بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کو فصل کے لئے استعمال کیا۔ یہ رسولی ترتیب مضامین فی السور ہے۔

خدائی ترتیب اور رسولی ترتیب دونوں کے متعلق روایت و درایت (خصوصاً حدیث عائشہ) سے صاف

معلوم ہوجاتا ہے کہ کونسا قرآن کس زمانے میں نازل ہوا اور اس کا مخاطب کون تھا۔ ہمارے مفسرین وفقہائے پیش نظر رکھتے ہیں اور احکام کے بیان کرنے میں اس سے مدد لیتے ہیں لیکن سیرت نگاروں نے اس کا اہتمام نہیں کیا، اس لئے سیرت وتفسیر دو الگ الگ فن بن گئے۔ ان کا امتزاج سیرت نبوی کے ذریعہ بہت آسان ہے۔

عثمانی ترتیب موجودہ متداول ترتیب سور یعنی مصحف عثمانی اُن کے لئے ہے جو اسلام کی پوری تاریخ سے واقف ہیں یا کسی ایک امام فقہ کو مان لینے کے بعد اپنی زندگی ان کے بتائے ہوئے راستے پر ڈھال چکے ہیں۔ اس لئے ترتیل کے لئے مصحف عثمانی کی ترتیب سور صرف اُن مسلمانوں کے لئے موزوں ہے جو ایک مسلک فقہ پر قائم ہو چکے ہیں لیکن محدثین کی کثیر تعداد کی رائے ہے کہ ترتیب سور قرآنیہ توقیفی نہیں ہے۔ امام مالک رحؒ، قاضی ابو بکرؒ اور ابن فارس اسی گروہ سے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترتیب سور قرآنیہ صحابہ کے اجتہاد پر مبنی ہے مختلف صحابیوں نے اپنے اپنے اجتہاد سے دے رکھی تھیں۔ ان ہی میں سے ایک مصحف عثمانی بھی ہے۔ البتہ قرآن کی بہت سی سورتوں کو رسول کریم ایک خاص ترتیب سے تلاوت فرماتے تھے۔

(دیکھئے کتاب التبیان الجزائری)

مصحف علیؓ حضرت علی بن ابی طالب نے رسول اللہ کی وفات کے بعد سوائے نماز کے، چادر اوڑھنا ترک کر دیا تھا۔ یہ اس لئے تھا کہ گھر بیٹھ رہے تھے اور قرآن کو جمع کر رہے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن آنحضرت کے زمانے میں ایک جگہ جمع نہیں تھا۔ یہی بات اُس حدیث بخاری سے ثابت ہوتی ہے جس میں حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو یہ جواب دیا کہ وہ کام (یعنی جمع قرآن) جو رسول اللہ نے نہیں کیا میں بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

حضرت علی کا مصحف ترتیب تنزیل کے مطابق تھا اور جو روایات ابن عباسؓ اور حسنؒ وعکرمہ کی اتقان میں سیوطی سے منقول ہیں وہ غالباً اس ترتیب تنزیل کو ظاہر کرتی ہیں جو مصحف علی میں تھی، ابن الندیم کا قول ہے کہ "حضرت علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن میں نے ابی یعلی حمزۃ الحسینی کے پاس دیکھا ہے۔ یہ ترتیب تنزیل کے مطابق ہے اور امام حسن کے خاندان میں باپ سے بیٹے تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔" (الفہرست ۴۲)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے الاول فالاول کے مطابق قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا۔ (اتقان ص ۵۸)

چوتھی فصل ترتیب نزول قرآن کا نقشہ

قرآن حکیم نجماً نجماً تیئیس سال تک نازل ہوا ہے۔ اس میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ اس کی بڑی سورتیں مختلف رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ ان رکوعوں کے اوائل و اواخر پر نظر ڈالئے تو مکمل سورہ یعنی پیراگراف معلوم ہوتے ہیں یعض رکوع مسلسل مربوط ہیں۔ ایک ہی واقعہ کو بیان کرتے ہیں بعض منفرد ہیں۔ اور تاریخی طور پر اُن کا مقام دوسری جگہ ہے۔ بہرحال ہم نے مدنی سورتوں کے مختلف رکوعوں کو آنحضرت کی زندگی میں تاریخی ترتیب سے درج کر دیا ہے اور رکوعوں کے نمبروں کے ساتھ ساتھ آیات کے نمبروں کو بھی درج کر دیا ہے۔ سیرت کے سلسلے میں اسی ترتیب سے پورے قرآن کا خلاصہ درج ہے۔ جو حضرات پورے قرآن کو دیکھنا چاہیں وہ اسی ترتیب سے اصل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں (ہم نے "ترتیب نزول قرآن کریم" کے نام سے ۱۹۴۰ء میں ایک رسالہ شائع کر دیا ہے جس میں مختلف ترتیبوں اور تحقیقوں کا بھی تفصیل سے ذکر ہے۔)

اسم سورہ	مخصوصات	اسم سورہ	مخصوصات
فصل ۱۔ الاہام: دعوت سراً دور رب		۱۰۶۔ القریش	اللہ کی اطاعت سے جوع اور خوف جاتا رہتا ہے
۷ار رمضان سلہ نبوی تا ذی الحجہ سلہ نبوی		۹۲۔ واللیل	فیاضی تصدیق ہے۔ بخل تکذیب ہے
		۱۰۰۔ والعادیات	حب مال کی قیامت میں جوابدہی کرنا ہوگی
۹۶۔ العلق:	صرف ایک آقا ہے جو اکرم ہے خالق ہی اور علم دیتا ہے ۔	۹۹۔ زلزال	مرنے کے بعد اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی
		دوسری پکار	
		۱۰۳۔ والعصر	اللہ کو مان کر عمل صالح کرنے والی قومیں خسارہ میں نہیں۔
۹۳۔ والضحیٰ:	وہی آقا جہل افلاس سے نکالتا ہے		
۹۴۔ الانشراح	مشکلات سے خدا بچاتا ہے		
۱۱۳۔ الفلق	حسد سے اللہ محفوظ رکھے	۱۰۲۔ التکاثر	طامع لوگ آگ میں جلیں گے
۱۰۵۔ الفیل :	اللہ ہی محافظ اقوام ہے	۱۰۱۔ القارعہ	قیامت میں اچھے لوگ عیش کریں گے برے آگ میں جلیں گے ۔
۹۷۔ القدر	قرآن کو ملائکہ لاتے ہیں (الروح یعنی قرآن)		
فصل ۲۔ المنذر والمزکی۔ دعوت جہراً: الہ۔ اللہ۔ ملک قادر		۱۱۴۔ الناس	خدا برے وسوسوں سے بچائے ۔
محرم سلہ تا رجب سلہ نبوی۔ پہلی دعوت یا پکار		۹۱۔ والشمس	ثمود تکذیب رسول سے تباہ ہوئے

اسم سورہ	مخصوصات
۱۰۴۔ الھمزہ	کنجوس دولت مند جہنم میں جائیں گے
۷۰۔ المعارج	مال میں دوسروں کا بھی حق ہے۔ عہد وفا کرو۔ امانت وشہادت وحفظ فروج پر عمل کرو
۸۰۔ عبس	یہ نصیحت اگلے صحیفوں میں بھی آچکی ہے
۹۰۔ البلد	اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ کون کون ہیں۔ اطعام صبر۔ رحم کی تعلیم
۸۹۔ والفجر	اطعام۔ تکریم یتیم۔ بخل سے نفرت
۸۷۔ الاعلیٰ	فیاض مصلی اور بخیل شقی ہوتا ہے
تیسری پکار	
	یعنی فیاضی وخدا پرستی دونوں ضروری ہیں
۱۰۷۔ الماعون	صلوٰۃ (یعنی فرض) یہ ہے کہ یتیم کی مدد کرو اور یوم الدین سے ڈرو
۱۱۱۔ اللھب	بخل اور چغلخوری جہنم میں لے جائیگی
۸۶۔ الطارق	قیامت میں چھپے ہوئے سرائر کھل جائیں گے
۷۳۔ المزمل	دولت مند یوم حساب کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان پر صبر کرو۔ واھجرھم ھجرا جمیلا
۹۵۔ والتین	اللہ قیامت میں احکم الحاکمین ہوگا۔ لہذا عمل صالح کرو۔

اسم سورہ	مخصوصات
۸۴۔ انشقاق	ایمان وعمل صالح کرو
۸۲۔ انفطار	فاجر غرور کرتے ہیں اور یوم الدین کو جھٹلاتے ہیں۔
۷۷۔ والمرسلات	مجرم یوم الدین کو جھٹلاتے ہیں۔
۷۵۔ القیامہ	اللہ ہی مردہ ہڈیوں میں جان ڈالے گا لہذا تصدیق یوم الدین کرو۔
۵۶۔ الواقعہ	اصحاب الیمین والشمال کون ہیں۔ اللہ بعث بعد الموت پر قادر ہے۔
کفار قریش کا یہ پہلا وفد ابوطالب کے پاس آیا۔	
۷۱۔ نوح	بت پرست ظالم، کافر و فاجر ہیں
۷۹۔ والنازعات	بعد مرنے کے جنت وجحیم دونوں ہیں ایمان وعمل صالح کرو۔ تکذیب وفتنہ نہ کرو
۸۵۔ البروج	یوم الموعود ضرور آئے گا۔ اصحاب الاخدود کی طرح مسلمانوں کو فتنے میں نہ ڈالو۔
۷۴۔ المدثر	تکبر وتکذیب دین نہ کرو۔ صبر کرو ملائکہ وجنود اللہ نازل ہوں گے۔
۸۳۔ التطفیف	کم نہ تولو۔ آیات (دلائل) وجود باری وقیامت کو نہ جھٹلاؤ۔
۶۸۔ ن والقلم	آیات کو نہ جھٹلاؤ۔ یہ تذکرہ ہے۔ صبر کرو۔ بخل بری چیز ہے۔
۸۱۔ التکویر	یہ قول ملک ہے جسے میں نے دیکھا، یہ شیطان کا کلام نہیں۔

ابوطالب کے پاس دوسرا وفد قریش۔ آنحضرت کو اعراض کا حکم	
٥١۔ الذاریات	محروم کو نہ دینا جرم ہے۔ خدا بڑھیا کو بیٹا دے سکتا ہے۔
٦٩۔ الحاقہ	قرآن قول کاہن نہیں تَنْزِيْلٌ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ اگر میں جھوٹ کہتا تو تباہ کر دیا جاتا
٥٤۔ القمر	قیامت میں چاند شق ہو جائے گا۔ اور لوگ قبروں سے نکالے جائیں۔
فصل ۳۔ المبشر والهادی رجب ۵ نبوی تا محرم ۷ نبوی دور رحمان و دعوت نصاری	
٨٨۔ الغاشیہ	اے رسول تو اُن پر مصیطر (داروغہ) نہیں ہے۔
٧٨۔ النبأ	سب سے بڑی خبر یہ ہے کہ قیامت ضرور آئے گی۔
٧٦۔ الدھر	اطعام و ذکر رب کرو صبر کرو
٥٥۔ الرحمان	رحمان اللہ کو کہتے ہیں جنت و جہنم کا ذکر
٥٠۔ ق	مَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ بعث یقینی ہے صبر کرو
ہجرت حبشہ اولی۔ رجب ۵ نبوی	
٥٣۔ والنجم	یہ قول ملک ہے (دیکھیے ٨١۔ التکویر)

٦٧۔ الملک	غیب اللہ ہی جانتا ہے۔ شیطان کا وہاں گذر نہیں۔
٤٦۔ حم الاحقاف	یہ تنزیل من اللہ ہے۔ کفر، ظلم، تکبر سب گمراہی ہے۔
٤٤۔ حم الدخان	یہ قرآن امر الٰہی ہے۔
١١٢۔ الاخلاص	خدا کا کوئی رشتہ دار نہیں
٣٧۔ والصافات	اسلام کیا ہے؟ (رکوع ۳) ابراہیم و اسماعیل کا اللہ کی راہ میں گردن جھکانا اسلام ہے
٣٢۔ الم السجدہ	اللہ کو یاد کرنا اور انفاق کرنا اسلام ہے
١٩ کٓھٰیٰعٓصٓ مریم	رحمان کے بیٹا نہیں۔ مسیح کے معجزات
ہجرت حبشہ ثانیہ۔ محرم ۷ نبوی	
٥٢۔ الطور	میں شاعر کاہن مجنوں نہیں فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ قسم ہے توراۃ کی
٣٨۔ ص	یہ فصل خطاب قیامت کی خبر دیتا ہے تاکہ نیک عمل کرو
١٥۔ الحجر	استہزا نہ کرو۔ ورنہ اصحاب حجر کی طرح تباہ ہو جاؤ گے
١٨۔ الکہف	اصحاب کہف خدا کے وجود کی نشانیاں تھیں۔ استہزاء نہ کرو۔

اسم سورہ	مخصوصات
۲۰ - طٰہٰ - کلیم	یہ قرآن عربی ہے - آیات مثل موسیٰ کے کیوں نہیں لائے ؟ کُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعیٰ جواب ہے
۲۳ - المؤمنون	آیت اللہ انعام میں ہے - ولادت مسیح میں ہے - بارش میں ہے - یہ قرآن اساطیر الاولین نہیں حق بات ہے
۲۱ - الانبیاء	میں مفتری و شاعر نہیں - بشیر ہوں - اہل ذکر سے پوچھ لو کہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا
۳۶ - یٰسٓ	یہ شعر نہیں بلاغ مبین ہے کہ انفاق کرو اور کفر نہ کرو۔
۲۶ - طٰسٓمٓ الشعراء	یہ سحر و شعر نہیں - اس میں تو فساد کی جگہ اصلاح کا ذکر ہے

وفد قریش الی رسول اللہ بعد اسلام حمزہ

اسم سورہ	مخصوصات
۱۳ - المٓر - الرعد	هُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ - کوئی قوم جب تک خود نہ بدلے ، اللہ نہیں بدلتا
۲۵ - الفرقان	إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا قیامت میں آسمان شق ہو جائیگا وہ رحمان کو نہیں مانتے وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ

اسم سورہ	مخصوصات
۴۲ - حٰمٓ عٓسٓقٓ الشوریٰ	انفاق ، عفو ، مَوَدَّةً فِي الْقُرْبىٰ توحید دین و اتفاق
۳۴ - السبا	میں کافۃ الناس کے لئے رسول ہوں یہ قرآن سحر و افترا نہیں ۔
۴۰ - حٰمٓ المؤمن	اللہ کے وجود کے دلائل کو نہ ماننا کفر ہے حیات دنیا ہی نہیں ہے - اس پر غرور نہ کرو
۳۹ - الزمر	لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ توبہ کرو اللہ معاف کردے گا
۱۰۹ - الکافرون	لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

فصل ۴ - المرسل محرم ۷ھ تا ذی الحجہ ۹ھ
شعب ابی طالب

اسم سورہ	مخصوصات
۲ - البقرہ رکوع ۳۵	ذکر ابراہیم و احیاے موتیٰ
۳۱ - الٓمٓ - لقمان	صلوٰۃ - زکوٰۃ - احسان - بالوالدین صبر - شکر - نہی عن المنکر
۱۴ - ابراہیم الٓر	قَالَتْ رُسُلُهُمْ - نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ - اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۝
۱۲ - الٓر - یوسف	قصہ یوسف سے عبرت حاصل کرو کہ حق کہنے پر قید ملی اور پھر حکومت

اسم سورہ	مخصوصات
۲۸ - طسم القصص	اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَعْرَاض عَنِ الْجَاهِلِيْنَ - انفاق

فصل ۵ - رسول اللہ الی العالمین
محرم سنہ ۱۱ تا صفر سنہ ۱۳ نبوی

اسم سورہ	مخصوصات
۳۰ - الم ، روم	سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ تب معلوم ہوگا کہ قومیں کیوں تباہ ہوتی ہیں۔
۷ - المص - الاعراف (سوائے رکوع ۲۱ کے جو فصل نہم میں ہے)	خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ میں عالم غیب نہیں - میں اپنے آپ کو نفع وضرر نہیں پہنچا سکتا -
۲۹ - الم العنکبوت	لَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
۳۵ - الفاطر	فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ - وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ
	(شوال سنہ ۱۱ نبوی)
۴۱ - حم السجدہ (فصلت)	انا بشر مثلکم - جو لوگ اللہ کو اپنا آقا مانتے ہیں اور صبر کرتے ہیں اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور خوف وحزن دور ہو جاتا ہے -
۷۲ - الجن	جن بھی قرآن کو وحی الٰہی مانتے ہیں
۱ - الحمد نصف اول	اللہ رحمان ہے - قیامت کا جج ہے

اسم سورہ	مخصوصات
۴۵ - حم الجاثیہ	دہریوں کا ذکر - جو جیسا کرے گا وہ ویسا بدلہ پائے گا
۲۳ - ذی قعدہ سنہ ۱۰ نبوی	
۴۳ - حم الزخرف	یہ قرآن عربی ہے - کفار کو معاف کردے نرمی سے بات کر (عربی بصاف زبان)
۲۷ - طس النمل	صلوٰۃ - زکوٰۃ کی تعلیم - جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا - بنی اسرائیل کے اختلافات کا ذکر -
۱۷ - بنی اسرائیل	جن والنس ایسا کلام نہیں لا سکتے - بیان اسرار رویا ہے اور کفار کے لئے شجر ممنوعہ - سنۃ اللہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی - لہٰذا معجزات تاریخی پر غور کرو -
۱۱ - ھود	میں تو صرف ہود کی طرح اصلاح چاہتا ہوں - میں عالم غیب نہیں نہ معجزات دکھاتا ہوں - صرف دلائل وجود الٰہی بیان کرتا ہوں -
۱۰ - الر - یونس	تعجب ہے کہ اختلاف لیل ونہار وغیرہ کو کفار خدا کا معجزہ نہیں سمجھتے اور معجزہ مانگتے ہیں - اہل کتاب سے پوچھو کہ خدا ہے یا نہیں - ایسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ -

اسم سورہ	مخصوصات
۱۴- النحل	اگر ہم ایک آیت (دلیل) کو بدل کر دوسری دیتے ہیں تو کفار کہتے ہیں کہ یہ افترا ہے - یہ کلام روح القدس لاتا ہے - قرآن پڑھتے وقت استعاذہ کرلیا کرو - سبیل رب کی طرف حکمت و موعظت حسنہ سے بلاؤ -
۲۰- الانعام	سِيرُوا فِي الْأَرْضِ - لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ اے رسول تجھے کوئی معجزہ ظاہری نہ دیا جائے گا - صرف دلائل دیے جائینگے جیسا کہ اہل کتاب کو دیے گئے - یہ اُن سے پوچھ لیں -

ممکن ہے کہ وفد نجران پہلے مکہ میں آیا ہو - اسی طرح البقرہ کا تیسرا رکوع مکی ہے - اس لئے کہ تحدی قریش کے بلئے تھی اور بعد فتح اس تحدی میں زیادہ زور پیدا ہوگیا ہے - سورۃ الحج پوری مکی ہے اور اس کے آٹھویں رکوع کے اواخر مثل علی کبیر لطیف خبیر اور غنی حمید بالکل مکی سورتوں (الملک الشوری - فاطر - السبا اور المومن) کی طرح ہیں - اور بعض رکوع سفری ہیں - یعنی خیبر، مکہ، حنین وغیرہ کے راستوں کے ہیں -

فصل ۶- امیر العالمین - ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ تا رجب ۲ھ

عام الہجرت - ۱ھ

ترتیب قرآن بعد ہجرت

ہجرت مدینہ کے بعد جو قرآن نازل ہوا ہے اس میں بہت سے مکمل رکوع اور بعض آیات مکہ میں نازل ہوئے ہیں حدیبیہ کے بعد یہ سلسلہ یکبہ زیادہ ہے - ایسے رکوع جن میں آیات الٰہیہ، یا تحدی ہے وہ سب مکہ والوں کے لئے ہیں - سورہ البقرہ اور سورۃ آل عمران کے دونوں رکوع الف لام میم سے شروع ہوتے ہیں - اور دونوں کی عبارت ظاہر کرتی ہے کہ مکی ہیں بہت

اسم سورہ مع رکوع و آیات	مخصوصات
البقرہ - ۴ ع (۳۰-۳۹)	اے بنو اسرائیل شیطان نے آدم کو نافرمانی پر مائل کیا - لہٰذا آدم کی طرح توبہ کرو - معافی ملے گی -
البقرہ ۵ ع (۴۰-۴۶)	اے بنو اسرائیل قرآن کو بھی مانو - یہ توراۃ کا مصدق ہے
" ۶ ع (۴۷-۵۹)	انفاق کرنا نیکی ہے -

اسم سورہ مع رکوع آیات	مخصوصات
البقرہ ع (۶۰ - ۶۱)	انفاق کرنا نیکی ہے
″ ۹ع (۶۲ - ۱۷۲)	″
″ رکوع ۲	منافقین
″ ۳۲ع (۲۴۳ - ۲۴۸)	طالوت کے مانند اہل مدینہ کو ایک امیر کی ضرورت ہے
″ ۳۳ع (۲۴۹ - ۲۵۳)	آیت قتال در حدیث طالوت
عام القتال ۲ھ	
الجمعہ ۲ع (۹ - ۱۱)	نماز باجماعت
البقرہ ۳۴ع (۲۵۴ - ۲۵۷) (دیکھئے آل عمران: ابتلا	اللہ لا الٰہ الا ہو الحی القیوم شفاعت کوئی نہیں کر سکتا
البقرہ ۳۵ع (۲۵۸ - ۲۶۰) (پہلے فصل چہارم میں نازل ہوا)	قول ابراہیم کہ اللہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے بیان زندگی طائران
البقرہ ۳۶ع (۲۶۱ - ۲۶۶)	انفاق کرو ایک کے بدلے بہت پاؤ گے احسان رکھ کے یا ریاء کے ساتھ نہ دو
البقرہ ۳۷ع (۲۶۷ - ۲۷۳)	علانیہ اور خفیہ دونوں طرح صدقہ بہتر ہے اصحاب صفہ کو دو
النساء: ۱۴ع (۹۷ - ۱۰۰)	ہجرت کی تعریف

اسم سورہ مع رکوع آیات	مخصوصات
المائدہ: ۴ع (۲۲ - ۲۷)	ارض مقدس میں داخلہ ہمت سے فتح حاصل ہوتی ہے
المائدہ ۵ع (۲۸-۳۵)	ایک قتل کل عالم کا قتل ہے۔
فصل ۷، سید المجاہدین	رجب ۲ھ تا شوال ۳ھ
البقرہ ۲۷ع کی دو آیتیں (۲۱۷ و ۲۱۸) (بقیہ آیات ۲۱۹-۲۲۱ فصل دہم میں ہیں)	ماہ حرام میں اگرچہ قتال برا ہے لیکن فتنہ قتال سے بدتر ہے۔
البقرہ ۱۷ع (۱۴۲ - ۱۴۶)	تحویل قبلہ موسیٰ الیٰ قبلۂ ابراہیم
البقرہ ۱۸ع (۱۴۷ - ۱۵۱)	تحویل قبلہ
البقرہ ۲۲ع (۱۷۷ - ۱۸۲)	تحویل قبلہ قصاص
البقرہ ۲۱ع (۱۶۸ - ۱۷۶)	کتمان شہادت تورات نہ کرو۔
البقرہ ۹ع (۷۲ - ۸۲)	بنو اسرائیل تحریف معنوی کرتے تھے
البقرہ ۱۰ع (۸۳-۸۶)	جان بوجھ کر احکام تورات نہیں مانتے تھے
″ ۱۱ع (۸۷ - ۹۶)	قالوا سمعنا وعصینا حیات دنیوی کے حریص ہو قتل انبیاء کرتے ہو۔

البقرہ ۱۲ع (۹۷-۱۰۳)	جبریل نے قلب رسول پر وحی نازل کی۔ یہ پہلی کتابوں کی مصدق ہے
〃 ۱۳ع (۱۰۴-۱۱۲)	نسخ ونسیان آیات مومنو راعنا نہ کہو تحویل قبلہ بہتر حکم (آیت) ہے
〃 ۱۴ع (۱۱۳-۱۲۱)	یہودی چاہتے ہیں کہ احکام قرآن متعلق تحویل قبلہ نہ مانو
〃 ۱۵ع (۱۲۲-۱۲۹)	اصلی ملت ابراہیمی کو مانو۔ یعنی
〃 ۱۶ع (۱۳۰-۱۴۱)	خواہ یہودی ہو یا نصرانی
الجمعہ ۱ع (۱-۸)	یہودی توراۃ کو نہیں سمجھتے اُن پر گدھوں کی طرح کتاب لدی ہوئی ہے
البقرہ ۲۳ع (۱۸۳-۱۸۸)	روزہ اہل کتاب کی طرح فرض ہوا۔
یوم الفرقان - ۱۷۔ رمضان سنہ ۲ھ کے بعد	
الانفال ۵ع (۳۸-۴۴)	رسول کا خواب متعلق بدر بھی وحی الٰہی ہے خمس آیت قتال
الانفال ۲ع۔ (۱۱-۱۹)	تم نے نہیں مارا اللہ نے مارا

الانفال ۱ع (۱-۱۰)	ہزار ملائکہ کا ذکر بھی اسی طرح کا ہے اطمینان قلب کے لئے
آل عمران آیت ۱۳	بدر کا ذکر
الانفال ۱۰ع (۷۰-۷۵)	اسیروں کا حکم
〃 ۹ع (۶۵-۶۹)	صابروں کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے
〃 ۸ع (۵۹-۶۴)	اگر قریش صلح چاہیں تو تو بھی جھک جا
〃 ۷ع (۴۹-۵۸)	منافق یہودی ہمیشہ خیانت کرتے رہے۔ یہ قوم اپنی فطرت نہیں بدلتی۔
النساء ۱ع (۱-۱۰)	نکاح یتامی
〃 ۲ع (۱۱-۱۴)	وراثت
〃 ع ۳تا۶ (۱۵-۴۲)	عورتوں کے حقوق میراث۔ مہر۔ زنا سود۔ میراث ملکیت۔ جوا قتل
سورہ نساء جزء ع ۱۹	یتیم لڑکیوں کا نکاح صلوۃ وسطی ہے
〃 ۲۲ع (۱۵۳-۱۶۲) ۱۵۳-۱۷۲	یہودیوں کا مریم پر بہتان (۲) مسیح کو قتل نہ کر سکے بلکہ اللہ نے درجہ بلند کر دیا۔ (بذریعہ شہادت) الراسخون فی العلم منہم
غزوہ بنو قینقاع کے بعد	
آل عمران ۱۹ع (۱۸۱-۲۰۰)	یہود میں اچھے لوگ ہیں مگر کم برے یہودی کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے۔
النساء ۷ع (۴۳-۵۰)	یہود الفاظ کو الٹا کر بولتے ہیں کہ معنی بدل جائیں (احمد)

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
النساء ۱۰ع (۷۱-۷۶)	قتال کا ثواب
عام الامتحان ۳ھ : عراق کے راستہ پر توجہ	
النساء ۱۲ع (۸۸-۹۱)	منافق فتنہ انگیز ہیں
النساء ۱۳ع (۹۲-۹۷)	قتال منافقین
النساء ۱۴ع	ہجرت کی تعریف
" ۲۱ع (۱۴۲-۱۵۲)	سب رسولوں کو نہ ماننے والے حقیقی کافر ہیں
" ۱۶ع (۱۰۵-۱۱۲)	قرآن کے مطابق فیصلہ کرو
" ۱۷ع (۱۱۳-۱۱۵)	یہود رسول کو بھٹکانا چاہتے تھے۔
" ۱۸ع (۱۱۶-۱۲۶)	شرک نہیں بخشا جا سکتا
" ۱۹ع (۱۲۷-۱۳۴)	منافقوں سے پرہیز کرو۔
محمد ۱ع (۱-۱۱)	اللہ کی مدد کرو وہ تمہاری مدد کریگا غلام بنانا جائز نہیں
" ۲ع (۱۲-۱۹)	مکہ سے زیادہ طاقتور شہر تباہ ہو چکے ہیں
" ۳ع (۲۰-۲۸)	منافق حکم قتال سے ڈر گئے
" ۴ع (۲۹-۳۸)	أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ اللہ غنی ہے تم فقیر ہو
الصف ۱ع (۱-۹)	عیسیٰ نے کہا میرے بعد نبی احمد نامی آئے گا۔

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
الصف ۲ع (۱۰-۱۴)	هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
المائدہ ۶ع (۳۸-۴۶)	یہود تحریف کلمات کرتے ہیں
" ۷ع (۴۷-۵۳)	توراۃ وانجیل میں ہدایت ونور ہے۔ قرآن ان کی تصدیق کو آیا ہے
" ۸ع (۵۴-۵۹)	بعض یہود ونصاریٰ ایک دوسرے کے دوست ہیں
" ۹ع (۶۰-۶۹)	یہود خود جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں
" ۱۰ع (۷۰-۸۰)	اے اہل کتاب توراۃ۔انجیل اور قرآن کو مانو۔اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔
الانفال ۳ع (۲۰-۲۸)	أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ خیانت نہ کرو
" ۴ع (۲۹-۳۷)	رسول کو ایذا دینے کا مزہ مل گیا
" ۶ع (۴۵-۴۸)	اتحاد سے فتح ہوتی ہے۔
" ۱۰ع (۷۲-۷۵)	مہاجر وانصار کی تعریف
فصل ۸۔ خاتم النبیین: شوال ۳ھ تا ذی قعدہ ۶ھ	
آل عمران ۱۳ع (۱۲۱-۱۲۹)	احد کے فرشتوں کا ذکر اطمینان قلب کیلئے ایک بشارت تھی۔

اسم سورہ مع رکوع و آیات	مخصوصات	اسم سورہ مع رکوع و آیات	مخصوصات
آل عمران ۱۴ع (۱۳۰-۱۴۳)	بہت سود نہ کھاؤ۔ شکست سے صبر کا امتحان ہوتا ہے		
		عام التہنیت علی النکاح ۴ھ	
" ۱۵ع (۱۴۴-۱۴۸)	محمد صرف رسول ہیں۔ کیا وہ مرجاتے یا قتل ہوجاتے تو تم کافر ہوجاتے؟	نساء ۱۵ع (۱۰۱-۱۰۴)	قصر صلوٰۃ
		دعائے قنوت	جو بقول ابن مسعود جزو قرآن ہے
		ایک آیت جو بھلا دی گئی	بَلِّغُوا قَوْمَنَا عَنَّا۔ اَنَّا لَقِیْنَا رَبَّنَا۔ فَرَضِیَ عَنَّا وَ رَضِیْنَا عَنْہُ
" ۱۶ع (۱۴۹-۱۵۵)	احد میں بھاگنے والوں کو شیطان نے بہکایا۔ توبہ پر معافی ملی۔	سورۃ البینہ	صلوٰۃ و زکوٰۃ اساس ایمان ہے
" ۱۷ع (۱۵۶-۱۷۱)	اللہ کی راہ میں قتل ہونا نجات ہے۔ وہ زندہ رہتے ہیں۔ منافق گھر بیٹھ کر بھی موت سے نہیں بچ سکتے	آل عمران ۱۲ع (۱۱۰-۱۲۰)	ذلت و مسکنت یہود امر بالمعروف و نہی عن المنکر
		الحشر ۱ع (۱-۱۰)	اخراج یہود کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ
" ۱۸ع (۱۷۲-۱۸۰)	شیطان اپنے اولیاء کو ڈراتا ہے۔ بخل بری چیز ہے		
" ۱۹ع (۱۸۱-۱۸۹)	یہودی بخیل خدا کو فقیر کہتے ہیں اور قتل انبیاءؑ کے مجرم ہیں۔	الحشر ۲ع (۱۱-۱۷)	نفاق سے بزدلی پیدا ہوتی ہے
		" ۳ع (۱۸-۲۴)	لے یہود سب اچھے نام اللہ کے ہیں (خواہ کسی زبان میں ہوں)
" ۲۰ع (۱۹۰-۲۰۰)	خلق کائنات پر فکر کرو۔ کیا خدا نے یہ سب باطل بنایا ہے؟ اہل کتاب کے مومنوں کو بشارت	عام الزلزلہ ۵ھ	
		النساء ۷ع (آیت ۴۳) (بقیہ رکوع ۳ھ میں گزرا)	نشہ میں نماز نہ پڑھو تیمم
النساء ۲۴ع (۱۷۲-۱۷۶)	میراث کلالہ۔ تحریم مشرکہ		

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
النساء ۸ع (۵۰-۵۹)	منافق اور طاغوتی فیصلہ
،، ۹ع (۶۰-۷۰)	
المنافقون مکمل سورہ	بخل منافقت کی نشانی ہے
النور ۱ع (۱-۱۰)	قذف ولعان (بعد افک)
،، ۲ع (۱۱-۲۰)	مومنوں نے تہمت لگائی
،، ۳ع (۲۱-۲۶)	ابوبکر کو عفو کا حکم
،، ۴ع (۲۷-۳۴)	گھروں میں بلا اجازت نہ داخل ہو۔ عورتو بدن ڈھانکو
،، ۵ع (۳۵-۴۰)	اللہ نور ہے سب اسکی حمد کرتے ہیں
،، ۶ع (۴۱-۵۰)	ہر چیز قانون الٰہی کی پابند ہے۔
،، ۷ع (۵۱-۵۷)	اللہ کی بندگی خوف و جوع سے نجات کا باعث ہے۔ اسی سے سلطنت ارضی ملتی ہے
،، ۸ع (۵۸-۶۱)	چند آداب مجلس
،، ۹ع (۶۲-۶۴)	مجلس شوریٰ کے آداب
المجادلہ ۱ع (۱-۶)	طلاق ظہار۔ غیبت اللہ رسول کے دشمن حزب شیطانی ہیں

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
المجادلہ ۳ع (۱۴-۲۲)	مومن حزب اللہ میں سے ہیں وہ رسول کو دکھ نہیں پہنچاتے
،، ۳ع (۱۴-۲۲)	حزب الشیطان کا ذکر
حملۂ احزاب ذیقعدہ ۵ھ	
الاحزاب ۲ع (۹-۲۰)	جنود اللہ نے احزاب کو شکست دی
الاحزاب ۳ع (۲۱-۲۷)	یہود کی حالت زار
بقرہ ع ۲۶ (۲۱۱-۲۱۶)	بنو اسرائیل ناشکری کی وجہ سے غلامی میں پھنسے
نساء ع ۱۱ (۷۷-۸۴)	جب قتال فرض ہوئی تو لوگ ڈرتے تھے
عام السوال ۶ھ = ۶۲۷ء	
الاحزاب ۱ع (۱-۸)	طلاق ظہار منسوخ
الاحزاب ع ۵ (۳۵-۴۰) (خاتم النبیین)	محمد مصدق الرسل ہیں اسی لئے خدا نے حکم دیا کہ سنت ابراہیمی زندہ کرو اور متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کرو۔ ایں نہ شرماؤ یہ حکم خداوندی ہے۔
البقرہ ۲۸ع (۲۲۲-۲۲۸)	ایلاء۔ طلاق مساوات مرد و زن
،، ۲۹ع (۲۲۹-۲۳۱)	حلالہ (حرام)
الاحزاب ع ۴ (۲۶-۳۴)	ازواج نبوی کی پورش اور اُن کو نصیحت
،، ۳۰ع (۲۳۲-۲۳۵)	رجعت بعد طلاق
،، ۳۱ع (۲۳۶-۲۴۳)	صلوٰۃ۔ وسطیٰ۔ وصیت نفقہ مطلقات

(البقرہ)

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
استیصال بنو قریظہ کے بعد	
آل عمران ۸ ع (۷۲ - ۸۰)	اہل کتاب میں مومن بھی ہیں اور بدمعاش بھی
آل عمران ۹ ع (۸۱ - ۹۱)	اسلام یا خدا بندگی ہی سچا راستہ (دین حق) ہے
″ ۱۰ ع (۹۲ - ۱۰۸)	انفاق۔ بعض چیزیں بنو اسرائیل نے خود حرام کر لی تھیں
″ ۱۱ ع (۱۰۲ - ۱۰۹)	اتحاد میں فتح ہے۔ مومنوں کا کام امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے
احزاب ۴ ع [illegible]	ازواج نبوی کی [illegible]
البقرہ ۳۰ ع (۲۳۲ - ۲۳۵) ″ ۳۱ ع (۲۳۶ - ۲۴۲)	حکم رجعت طلاق کی تشریح صلاۃ وسطی یعنی طلاق کے بعد نفقہ
المائدہ ۵ : (آیات ۳۶ - ۳۷)	محاربین کی سزائیں
فصل ۹ محسن المفتوحین ذیقعدہ سنہ ۶ھ تا ذی الحجہ سنہ ۸ھ	
بیعت رضوان کے بعد	
الفتح ۱ ع (۱ - ۱۰)	بیعت ہی فتح ہے جو میری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کر رہے ہیں

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
″ ۲ ع (۱۱ - ۱۷)	مخلفین کا ذکر
″ ۳ ع (۱۸ - ۲۶)	بیعت کی وجہ سے نزول سکینہ علی الرسول والمومنین
″ ۴ ع (۲۷ - ۲۹)	رؤیا سچا ہو گیا سب کی مغفرت
الاعراف ۲۰ ع (۱۵۷ - ۱۶۲)	اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا
آل عمران ۷ ع (۶۴ - ۷۱)	یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ
البقرہ ۲۴ ع (۱۰۹ - ۱۹۶)	اسلام کا بنیادی چارٹر اللہ کے لئے لڑو فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہے۔
الاحزاب ۶ ع (۴۱ - ۵۲)	منافقین کی ایذا رسانی
″ ۷ ع (۵۳ - ۵۸)	آئندہ نکاح کی آنحضرت کو ممانعت
″ ۸ ع (۵۹ - ۶۸)	جلابیب بوجہ منافقین
″ ۹ ع (۶۹ - ۷۳)	منافقین ومشرکین کی برائی
نساء ۱۳ ع	جو سلامتی چاہے اس سے نہ لڑو

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
قرآن بعد فتح مکہ	
یوسف	لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ
بنی اسرائیل	جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ
الممتحنہ ۲ع	عورتوں کے اسلام کے شرائط
وحی غیر متلو	خطبہ نبوی در مکہ
البقرہ ۲۰ع (۱۶۳-۱۶۷)	آیات اللہ
الم البقرہ ۱ع (۱-۷)	در تعریف اصحاب بیعت رضوان
البقرہ ۲ع (۸-۲۰)	اسلام
″ ۳ع (۲۱-۲۹)	تحدی کا خاتمہ مکہ میں
سورۃ النصر	خدا کا شکر
سورۃ الحدید	حمد الٰہی
سورۃ التغابن	حمد الٰہی
البقرہ ۲۵ع (۱۹۷-۲۱۰)	حج
″ ۱۹ع (۱۵۳-۱۶۳)	صفا۔ مروہ
سورہ الحج (مکیہ) (رکوع ۱ تا رکوع ۶) (۱-۴۸)	اسلام کیا ہے مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ
رکوع ۷ اور رکوع ۸، ۹ (۴۹-۷۲)	پہلے بھی جو رسول تمنا ئیں کرتے تھے تو شیطان اُن کی آرزوؤں میں القا کر دیتا تھا۔

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
رکوع ۱۰ (۷۳-۷۸)	جَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ
النساء ۲۰ع (۱۳۵-۱۴۱)	قسط کا حکم: مومنو منافقوں کے پاس نہ بیٹھو حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ
″ ۲۳ع (۱۶۳-۱۷۱)	تین خداؤں کو نہ مانو
المائدہ (آیات ۳۶-۴۷)	وحی کی نوعیت
فصل ۱۰- رحمۃ للعلمین- محرم ۹ھ تا ربیع الاول ۱۱ھ	
عام البرأت ۹ھ	
الم: آل عمران ۱ع (۱-۹)	فصل ہفتم کے بعد پھر ذکر محکم متشابہ اور راسخون فی العلم (من اہل الکتاب)
″ ۲ع (۱۰-۲۰)	أُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (یعنی اہل کتاب) إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ
″ ۳ع (۲۱-۳۱)	قتل انبیاء بغیر قسط لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ
″ ۴ع (۳۲-۴۳)	مریم اگرچہ لڑکی تھی لیکن خدا نے بیت اللہ کی خدمت کے لئے قبول کر لی۔

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
آل عمران ۵ع (۴۴-۵۴)	مریم کو بشارت کلمۃ اللہ کی بغیر مس بشر کے آیات عیسیٰ بعض حرام کو حلال کرنے آیا ہوں إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ
" ۶ع (۵۵-۶۳)	إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ مباہلہ
" ۷ع (۶۴-۷۱)	(پہلے ذکر ہوا)
البقرہ ۲۶ع (۲۱۱-۲۱۶) (دیکھئے فصل ۸)	یہ رکوع دوبارہ ہے (انفاق کا ذکر)
" ۲۷ع (۲۱۹-۲۲۱)	یتامیٰ و مشرکہ کے متعلق
توبہ ۸ع (۶۰-۶۶)	مصارف زکوٰۃ و صدقات
سورۃ الحجرات	مساوات نسل و رنگ
سورۃ التحریم	عورتوں مردوں کے حدود (سیاست اور عورت)
توبہ ۶ع ۷ع (۳۸-۵۹) (بزدلوں کا چندہ قبول نہ کرو)	انفاق برائے جہاد روم (سکینہ و جنود اللہ)
سورۃ الطلاق	عورتوں کو یکبارگی طلاق دیکر نہ نکالو
توبہ ۹ع (۶۷-۷۲)	منافقوں کا استہزاء چندہ دہندگان پر

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
توبہ ۱۰ع (۷۳-۸۰)	چندہ سے انکار
توبہ ۱۱ع (۸۱-۸۹)	یرموک کے مخلفین پر عتاب
" ۱۲ع (۹۰-۹۹)	ضعفاء کا استثنیٰ جہاد سے
" ۱۳ع (۱۰۰-۱۱۰)	مسجد ضرار سازش کا گھر ہے۔
" ۱۴ع (۱۱۱-۱۱۸)	اللہ نے مومنوں کا جان و مال خرید لیا ہے۔
" ۱۵ع (۱۱۹-۱۲۲)	سب کا جہاد میں چلے جانا غیر ضروری ہے
" ۱۶ع (۱۲۳-۱۲۹)	جنگ میں نرمی نہ برتو
" ۱ع (۱-۶)	مشرکوں سے معاہدہ پورا کرو
" ۲ع (۷-۱۶)	بدعہد مشرکوں کے لئے تلوار یا اطاعت
" ۳ع (۱۷-۲۴)	اللہ کے گھر میں غیر اللہ کی پرستش نہیں ہوسکتی۔
غزوہ حنین کے بعد	
توبہ ۴ع (۲۵-۲۹)	سکینہ و جنود اللہ (اہل کتاب پر) جزیہ
" ۵ع (۳۰-۳۷) آیت نسی شہور	یہود و نصاریٰ اپنے بزرگوں کو ابناء اللہ کہتے ہیں نسی کفر میں زیادتی ہے
عام البلاغ یا عام الوداع ۱۰ھ	

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
البقرہ ۳۸ع (۲۷۴ – ۲۸۱)	انفاق خوف وحزن دور کرتا ہے
″ ۳۹ع	تحریری قرض ۔ رہن باقبضہ
المائدہ ۱ع (۱ – ۶)	مشرکوں سے معاہدہ پورا کیا جائے ۔
″ ۲ع (۷ – ۱۲)	دشمن سے بھی انصاف کرو وضو
″ ۳ع (۱۳ – ۲۱)	یہود کو بھی معاف کردو مسیح کی ہلاکت کا ذکر
المائدہ ع ۶ ۔ نصف اول	دیکھئے فصل ہفتم بھی
″ ۱۱ع (۸۷ – ۹۳)	وہ قریب الاسلام ہیں
″ ۱۲ع (۸۷ – ۹۳)	خمر ۔ میسر ۔ ازلام ۔ انصاب
″ ۱۳ع (۹۴ – ۱۰۰)	جھوٹی قسم
″ ۱۴ع (۱۰۱ – ۱۰۸)	احرام میں شکار کی ممانعت شہادت نہ چھپاؤ صید البحر حلال ہے

اسم سورہ مع رکوع وآیات	مخصوصات
المائدہ ۱۵ع (۱۰۹ – ۱۱۵)	اللہ کی عیسیٰ پر نعمتیں ۔ چڑیوں اور مُردوں کو زندہ کرنا اندھے اور مبروص کو صحت دینا یہودیوں سے اللہ نے بچایا
المائدہ ۱۶ع (۱۱۶ – ۱۲۰) (قول مسیح بعد شہادت)	عیسیٰ اور اس کی ماں کو معبود نہ بناؤ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ
حجۃ الوداع کے بعد کا قرآن	
توبہ ۵ع آیات نسی	نسی کرنا درست نہیں سال کے بارہ مہینے کرو
البقرہ ۴۰ع (۲۸۴ – ۲۸۶)	عالمی دعا
وحی غیر متلو	خطبۂ حج

تیسری کتاب

سیرت الامین

(سیدنا محمد عربی کی زندگی مبعوث ہونے سے پہلے)

ربیع الاول سنہ ۱ محمدی تا رمضان سنہ ۴۱ محمدی

جون سنہ ۵۷۰ مسیحی تا دسمبر سنہ ۶۱۰ مسیحی

" دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ جس انسان نے نسل انسانی پر اثر ڈالا وہ محمد تھے "

(ڈریپر - یورپ کی ذہنی ترقی ج ۱ ص ۳۲۹)

" اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد اپنی زندگی کی ابتدا سے ایسے عملی انسان تھے جو بدھ اور یسوع ہرگز نہ تھے "

(تاریخ ادبیات عرب - آر نیتھ نالٹ ص ۱۱۹)

لوگوں کو چاہیئے کہ اس گہرے دل والے انسان کے کلام کو سنیں - یہ کلام اس شخص کے دل کی گہرائیوں سے نکلا تھا جو صحرا کی پیداوار تھا "

(کارلائل - ہیرو بحیثیت نبی کے)

تاریخ میں یہ ایک تنہا مثال ہے کہ محمدؐ تین چیزوں کے بانی تھے یعنی ملت، مذہب اور سلطنت - ان کے متعلق سب سے حیرت میں ڈالنے والی چیز یہ ہے کہ انھوں نے کبھی معجزہ دکھانے کی طاقت کا دعویٰ نہیں کیا - اس سے زیادہ ان کے خلوص کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی لقب کا دعویٰ کیا جسے بلند ترین فلسفہ اور سچی علیسائیت ایک دن ضرور تسلیم کرے گی کہ وہ رسول تھے - یقیناً وہ اللہ کے خاص رسول تھے "

(باسورتھ سمتھ - محمدؐ اور محمدیت ص ۳۴۰)

قربانی

پہلا قانون

"بنو اسرائیل کے آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ جو نر ہو میرے لئے مخصوص کر دیا جائے "

خروج ۱۳/۲ ، ۱۳/۱۲

"فصل کے پہلے پکے پھل، شرابیں اور بیٹے میرے لئے ہیں " خروج ۲۳/۲۹

بعد کا حکم

"اے سدوم اور گمارہ کے باشندو، بے فائدہ قربانی کو بند کرو۔ ان سے گناہوں کا کفارہ نہیں ہوتا۔ میں تمہاری قربانیوں کی چربی اور خون سے نفرت کرنے لگا ہوں۔ تمہاری خوشبوئیں مجھے پسند نہیں۔ میں نوچندی کے قربانیوں سے عاجز آگیا ہوں" (عیسایہ ۱/۱)

حضرت ابراہیم نے یہ رسم قائم کردی تھی کہ بیٹے کی قربانی یہی ہے کہ وہ "بیت اللہ" کی خدمت کے لئے وقف کردیا جائے اور اس واقعہ کی یادگار میں بیٹے کا فدیہ ایک جانور ذبح کرکے ادا کردیا جائے لیکن بیٹیوں کو خداخانے کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی رسم نہیں تھی۔ البتہ بعض عورتیں مثل مادر مریم کے منت مان لیتی تھیں کہ لڑکا ہوا تو وہ خداخانے کی خدمت کے لئے وقف کردیا جائے گا اسی بنا پر جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو انھیں افسوس ہوا کہ لڑکا پیدا ہوتا تو بہتر ہوتا (لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ) اگرچہ بعض ملکوں میں بیٹیوں کو بھی خداخانے کی خدمت کے لئے وقف کردیا جاتا تھا اور انھیں رام جنی یا دیوداسی کہتے تھے۔

عبدالمطلب بن ہاشم نے زمزم کھودتے وقت محسوس کیا تھا کہ تنہا الحارث کی مدد سے کنواں کھودنا مشکل ہے۔ انھوں نے دعا کی اگر میرے دس بیٹے جوان ہوجائیں گے تو ان میں سے ایک کو رب کعبہ کے نام پر ذبح کردوں گا۔ آخر خدا نے دس بیٹے اور کئی بیٹیاں دیں اور ان کے جوان ہونے پر عبدالمطلب ان کو ساتھ لے کر قرعہ ڈالنے والے کاہن کے پاس آئے اور پوچھا کہ کسے قربان کروں۔ (یہاں یہ نوٹ کرلیجئے کہ مرور زمانہ نے قربانی کا مفہوم ہی بدل دیا تھا اور لڑکوں کو ذبح کرنے کی رسم جاری ہوگئی تھی)

ھبل کی مرضی بتانے والے کاہن نے سو درہم نذرانہ وصول کئے اور قربانی کے جانوروں کو اپنے شاگردوں کے حوالہ کیا۔ فال کے تیروں پر سب لڑکوں کے نام لکھے۔ قرعہ ڈالا تو سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ کا نام نکلا۔ یہ سب لڑکے کئی ماؤں سے تھے عبداللہ کے ماں جائے بھائیوں الزبیر اور ابوطالب کا رنگ فق ہوگیا۔ قربانگاہ دو بتوں کے درمیان تھی جنھیں اساف اور نائلہ کہتے تھے۔ ان میں سے ایک دیوتا تھا۔ اور دوسری دیوی۔ عبداللہ کو جب یہاں لائے تو اس کی پانچ سگی بہنیں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ آخر یہ طے ہوا کہ مدینہ کی عرافہ سے پوچھا جائے کہ کس طرح عبداللہ کی جان بچے۔ عرافہ نے پوچھا کہ قریش کے یہاں ایک انسان کا کتنا خونبہا ہوتا ہے۔ بتایا گیا کہ دس اونٹ۔ اس نے کہا کہ ایک طرف عبداللہ اور دوسری طرف دس اونٹ رکھو اور قرعہ ڈالو جب تک اونٹوں پر قرعہ نہ پڑے۔ دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔ آخر یہی کیا گیا اور جب تعداد سو تک پہنچ گئی تو قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ عبداللہ کی جان بچی اور سو اونٹوں کا گوشت مکہ کے

انسانوں اور جانوروں نے سیر ہو کے کھایا۔

عبداللہ کی شادی اور سفر تجارت

عبداللہ ذبیح اللہ کی جان دس گنے خونبہا کے عوض میں حاصل کی جا چکی تھی۔ اس لئے ان کی خانہ آبادی کے لئے سیدہ آمنہ کے چچا یعنی قبیلہ زہرہ کے سردار وُھیب سے گفتگو کی گئی وہ اس یتیم لڑکی کے سرپرست تھے اور عبدالمطلب کو ان کی لڑکی ھالہ بیاہی ہوئی تھیں جن سے حمزہ مقوم حجل اور صفیہ پیدا ہوئی تھیں۔ سیدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کا خاندان زہرہ بن کلاب سے تھا، اور جناب عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کا خاندان قصی بن کلاب سے تھا۔ یعنی دونوں قریش کے معزز اور آزاد خاندان سے متعلق تھے۔

دونوں کا نکاح رجب (دسمبر ۵۶۹ء) میں ہونا بتایا جاتا ہے۔ لیکن اس حساب سے آپ کی ولادت نویں مہینے میں ہو گئی ہو گی یا ممکن ہے کہ عام الفیل میں ایک مہینہ اوند کا بڑھایا گیا ہو اور آپ پورے دن کے ہو کر ربیع الاول میں پیدا ہوئے ہوں۔ بہرحال نکاح کے بعد پہلے ہی ہفتہ میں سیدہ آمنہ حاملہ ہو گئی تھیں بوڑھی عورتوں نے آپ کے گلے اور بازو میں لوہا پہنا دیا تاکہ ماں اور پیٹ کا بچہ آسیب سے بچے رہیں۔ کہتے ہیں کہ اس سال خوب بارش ہوئی قحط دور ہو گیا اور لوگوں نے اس سال کا نام عام الفتح والابتہاج رکھا۔ نکاح کے بعد جناب عبداللہ کو اپنا گھر بار سنبھالنا ضروری ہو گیا تھا، اس لئے آپ شام کی طرف ایک قافلہ میں سفر تجارت کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ واپسی میں کھجوریں خریدنے کے لئے مدینہ میں ٹھہرے۔ بیمار ہوئے اور شادی کے دو ہی مہینے بعد شعبان یا رمضان (نومبر، دسمبر ۵۶۹ء) میں انتقال کر گئے۔ غالباً بی بی آمنہ کو یہ خبر مدینہ کے اُن حاجیوں نے دی ہو گی جو ذی الحجہ کے قریب مکہ میں حج اور تجارت کے لئے آئے ہوں گے۔

ابرہہ کا حملہ

ولادت باسعادت سے پچپن دن پہلے یعنی ابتدائے محرم (اپریل ۵۷۰ء) میں ابرہہ گورنر یمن نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ بت خانہ کعبہ کو ڈھا دینے کی غرض سے حملہ کیا تھا۔ اور مکہ میں ایک ہنگامہ مچ گیا تھا۔ عبدالمطلب کے خاندان والوں کے نصرانی حکومتوں سے اچھے تعلقات تھے۔ اسی بنا پر حملہ آور نے اُن کے اونٹ واپس کر دیے تھے اور ان کے ساتھی جو مطیبین کہلاتے تھے، اور جن کا کعبہ کی پروہتی میں بہت تھوڑا حصہ تھا وہ بھی بڑی حد تک مطمئن تھے، البتہ عبدلیوں کا وہ جتھا جو خون چاٹنے والے (لعقۃ الدم) معاہدے کے پابند تھے، وہ زیادہ پریشان تھے۔

بی بی آمنہ کی نفسیاتی کیفیات

۱۔ حزن ۔ پہلوٹھی کا بچہ ہونے سے پہلے ہی اگر کوئی بی بی رانڈ ہو جائے تو اس سوگوار کے دل کی حالت کا نقشہ بڑے بڑے فن کار بھی نہیں کھینچ سکتے۔ سفر کو سدھارنے والے کے متعلق نئی دلھن کے دلوں میں کیا کیا امنگیں ہوں گی وہ کیا جانتی تھی کہ کارکنان قضا و قدر اس کے ہونے والے بچے کو پیدا ہونے سے پہلے لذت آشنائے درد کر رہے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگر بیٹا نہ ہوا تو اُس کی گود سونی کر دی جائے گی۔ وہ تصورات کی دنیا میں کھو گئی تھی۔ وہ آنے والی زندگی کے المناک نقشوں کو ذہن سے نکال ڈالنا چاہتی تھی۔ نوجوان شوہر نے اپنی زندگی کا پہلا ہی قدم اٹھایا تھا کہ موت نے مال و دولت حاصل کرنے کے خیال کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ گھر میں جو کچھ بچ رہا تھا وہ ایک بیوہ اور اس کے یتیم بچے کے لئے کوئی حقیقت نہ رکھتا تھا۔ پانچ اونٹ چند بکریاں اور ایک لونڈی برکت جسے ام ایمن بھی کہتے تھے۔ یہ تھا سرمایۂ حیات! شاید ابن پیدا ہو چکا تھا! اور اس قابل ہو گیا تھا کہ بکریوں کے دودھ پر زندہ رہ سکے۔ مگر باقی افراد کیا کریں۔

۲۔ خوف ۔ بیوگی کا دوسرا مہینہ تھا کہ مکہ پر حملہ کی خبر آتی ہے۔ خوفناک ہاتھیوں والا لشکر نہ صرف مردوں کو قتل کرے گا بلکہ عورتوں اور بچوں کو موت سے زیادہ تکلیف وہ حالت یعنی غلامی میں ڈال دے گا۔ غلامی کا یہ تصور ہر عورت کو بے چین اور خوف زدہ کئے ہوئے تھا۔ خیریت یہ ہوئی کہ عبدالمطلب کی پارٹی حملہ آوروں کی دشمن نہ تھی لیکن ہنگامہ کی صورت میں کون جانتا ہے کہ یگانہ و بیگانہ میں کس طرح تمیز ہو گی۔ بہر حال مکہ سے یہ بلا بھی ٹل چکی تھی لیکن ماہر نفسیات جانتے ہیں کہ دوران حمل میں ماں کی جو جسمانی و ذہنی کیفیتیں ہوتی ہیں وہ جنین پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ مختصر یہ کہ ولادت سے پہلے ہی آنحضرت کے قلب و دماغ پر امید و بیم کے بعد خوف و حزن کی جلوہ پاشی ہو چکی تھی بقول فانی بدایونی

غم کے ٹھوکے کچھ بھی ہوں لیکن آکے جگا تو جاتے ہیں

صبح ولادت

وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء وفی النور وسبل الرشاد نخترق

(العباس بن مطلب)

صبح صادق کا وقت تھا۔ ربیع الاول کا چاند تاروں کی جگمگاہٹ دیکھ کر عرصے سے غائب تھا۔ نورِ سحر تاروں کی ٹھنڈی روشنی پر فتح پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جون کے مہینے کی گرمی کو شب صحرا نے کامل شکست دے دی تھی جبل عرفات سے بوقبیس تک صحرا کی نرم خوشبوئیں نسیم سحر کے ساتھ محوِ خرام تھیں آفتاب عالمتاب کی کرنیں بحرالہادی میں نہا دھو کر کئی گھنٹے پہلے روانہ ہو چکی تھیں۔ وادی ہوانگ ہو میں لاؤ تزے کی سادہ زندگی، کنفوشس کی قدیم وضعداری اور گوتم بدھ کے آرین مارگ (صراط قدیم) سے ہم آغوش تھیں۔ یہاں سے گذر کر گنگ و جمن کی لہروں کا جائزہ لیتی ہوئی یہ کرنیں وادی زرافشاں میں رک گئی تھیں۔ اس لئے کہ سمرقند مشرق کا یونان بنا ہوا تھا۔ ذرا آگے یونانی و ساسانی غلاموں کی فوجیں اپنے آقاؤں کے لئے فارس سے افریقہ اور اطالیہ تک تباہی پھیلا رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ فارس میں یونان، شام، روما اور ہند کی بہترین کتابوں کا پہلوی ترجمہ بھی جاری تھا۔ اور وہ فلسفی جو جسٹی نین کے حکم سے اکتالیس سال پہلے اپنے مدرسوں کو بند کر چکے تھے۔ مختلف ملکوں میں بھیس کر اپنی قدیم بحثوں کو جاری کر رہے تھے۔ لیکن مذہب، جنگ اور تجارت نے پوری دنیا کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا جن میں سے ایک ظالم تھا۔ دوسرا مظلوم۔

مگر بیابان عرب کا وہ خطہ جسے اب بھی حجاز کہتے ہیں، نہ تو اب تک کسی سکندر کا محکوم بنا ہے۔ نہ اُدھر کسی فاتح کو رُخ کرنے کی جرأت ہوئی ہے۔ ہزاروں سال سے آفتاب و ماہتاب مکہ کا طواف کرتے رہے ہیں لیکن آج تک اُنھوں نے سوائے تجارتی سرگرمیوں اور مہمان نوازی کی محفلوں کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ ہزاروں سال سے حج اکبر کے موقع پر مذہب نے جو تجارت و امن کا فرمان جاری کر رکھا تھا وہی اب تک جاری ہے۔ حج اصغر یعنی اعتدال شمسی یا خریف میں بھی مذہب آڑے آتا ہے اور اعلان امن سے تجارت ترقی کرتی ہے۔ مقصد بہر حال تجارت و خوشحالی ہے۔ اس لئے مذہب کی کوئی راہ متعین نہیں الحاد سے بت پرستی تک جتنے طریقے ہو سکتے ہیں سب جاری ہیں۔ انکار و اقرار، کفر و ایمان کے جتنے نظریے ہو سکتے ہیں سب کے ہمنوا یہاں موجود ہیں۔ غرض کہ متمدن دنیا کا صرف حجاز ہی ایک ایسا خطہ ہے جہاں کل مذہبوں کو معاش کے لئے زندہ رکھا گیا ہے وہاں کسی ایک خیال یا ایک پارٹی یا شخص کی حکومت نہیں ہے لیکن اسی اختلاف اور نیرنگی نے ایک طرح کا اتحاد خیال پیدا کر دیا ہے اور اس وادی غیر ذی زرع میں انھیں اس ائتلاف و یکرنگی کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں نظر آتی۔

محرم میں ابرہہ کا لشکر فنا ہو چکا تھا جملہ کے دوران ہی میں سب حاجی رخت سفر باندھ چکے تھے۔ اور تاجروں کے قافلے عکاظ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ مکہ میں اس حملہ کے پچیس دن بعد سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ربیع الاول کی نویں یا بارھویں تاریخ تھی۔ صبح صادق کا نور ابھی پورے طور پر نہیں پھیلا تھا کہ سارا عالم ولادت محمدی سے پر نور ہو گیا۔ اور فاطمہؓ زوجہ ابوالعاص جو سیدہ آمنہ کے پاس موجود تھیں یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ اُس شب کو آسمان کے تارے زیادہ روشن اور قریب تر معلوم ہوتے تھے۔ گویا کل کائنات "دعائے خلیل اور نوید مسیحا" پر نچھاور ہو رہی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(دعائے خلیل در بقرہ)

خدایا ان ہی میں اُن کے درمیان ایک پیغمبر پیدا کر جو اُن کو تیرے احکام سنائے اور انھیں علم و حکمت سکھائے۔ ان کے اخلاق کو پاکیزہ کرے۔ تو ہی عزت و حکمت والا ہے۔

(حضرت ابراہیم کی دعا۔ سورہ بقرہ)

مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (نوید مسیحا سورہ الصف)

میں ایک ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام فارقلیط (احمد) ہوگا۔ (نوید مسیحا۔ سورہ الصف)

خاندان مُطلبی میں نومولود لڑکے کی خبر فوراً پھیل گئی۔ عبدالمطلب کی آنکھیں خوشی اور رنج کے جذبات نے پرنم کر دیں۔ مرحوم عبداللہ کی یاد اور نومولود یتیم کی خوشی نے انھیں اپنی یتیمی کا زمانہ یاد دلا دیا، جب وہ خود مدینہ میں اپنی ماں کے ساتھ رہتے تھے۔ سیدہ آمنہ کے گھر آئے۔ بچہ کو گود میں لے کر بیت اللہ کے قریب لائے اس کی عمر و اقبال کی دعا مانگی۔ ساتویں دن عقیقہ (سر منڈانے) کی رسم ادا کی اور محمدؐ نام رکھا۔

عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب (یعنی ابولہب) نے جب یہ خبر سنی تو خاندان میں ایک لڑکے کے اضافے سے اتنے خوش ہوئے کہ اپنی ایک لونڈی ثوبیہ کو آزاد کر دیا اور بچے کے دودھ پلانے پر مقرر کر دیا۔ سیدہ آمنہ نے دو تین دن دودھ پلایا تھا کہ ثوبیہ دودھ پلانے لگی۔

رضاعت اور ابتدائی تعلیم

خواتین قریش کا دستور تھا کہ اپنے بچوں کو دیہاتی دودھ پلانے والیوں کے سپرد کر دیتی تھیں تاکہ صاف آب و ہوا میں رہ کر آزاد زندگی کی جملہ صفات حاصل کر سکیں۔ چونکہ آپؐ یتیم تھے اس لئے دودھ پلانے والیوں کو آپ کی رضاعت سے

مالی نفع کی توقع نہ تھی۔ مالدار بچے دائیوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ اس لئے حلیمہ بنت زویب نے جو قبیلہ بنو سعد سے آئی تھی خالی ہاتھ جانے سے یہی بہتر سمجھا کہ یتیم محمد کو لیتی جائے۔ یہ قبیلہ طائف کے قریب کی چراگاہوں میں پھرا کرتا تھا اور بنی ہوازن کی ایک شاخ تھا اور یہ اور قریش دونوں مضر بن نزار بن معد بن عدنان کی نسل سے تھے۔ اس قبیلہ کی زبان پورے عرب کے لئے فصاحت و بلاغت کا نمونہ تھی۔ اسی لئے آپؐ نے فرمایا:۔

انا اعربکم۔ انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر

میں خالص عرب ہوں اس لئے کہ میں قریش سے ہوں اور میری زبان بھی خالص ترین ہے جو قبیلہ بنو سعد میں بولی جاتی ہے۔

حلیمہ سعدیہ رجب کے مہینے میں حج اصغر کے موقع پر مکہ آتی تھیں۔ اور ہر حج کے موقع پر یعنی ہر چھٹے مہینے ذی الحجہ اور رجب میں ننھے محمد کو مکہ لاکر سیدہ آمنہ اور خاندان والوں کو دکھا جایا کرتی تھیں۔

سوق عکاظ

قبیلہ بنو سعد طائف کے قریب رہتا تھا یہاں سے مکہ تک وہ تجارتی گذرگاہ تھی جس پر ہر سال دس میل لمبا ایک میلہ حج کے مہینوں میں لگا کرتا تھا۔ یہاں کل قوموں کے لوگ جمع ہوتے تھے اور یہیں بچپن میں آنحضرت کو پورے عرب اور اقوام عالم کے حالات کے مطالعہ کا موقع ملا تھا۔

شرح صدر

جب آپ دو سال کے ہوگئے اور پاؤں پاؤں چلنے لگے تو حلیمہ سعدیہ نے دودھ چھڑا دیا۔ اور آپ کا شرح صدر شروع ہو گیا۔ یعنی آپ نے سوچنا اور بات چیت کرنا شروع کر دیا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر سورہ الم نشرح میں چار بار شرح صدر ہونے کا ذکر کیا ہے (۱) حلیمہ سعدیہ کے یہاں جب آپ کمسن تھے (۲) دس سال کی عمر میں جبکہ طفلی کا زمانہ ختم ہوا اور آپ شام تک ابوطالب کے ہمراہ گئے (۳) نزول وحی سے قبل یعنی چالیس سال کی عمر سے پہلے جب آپ مکہ اور اس کے قرب و جوار کے لوگوں کو ہدایت کرنے والے تھے اور (۴) طائف سے واپسی کے بعد جبکہ سورۂ اسراء نازل ہوئی اور آپ کی توجہ تبلیغ اسلام فی الاقوام کی طرف ہوئی۔

خود اعتمادی یا خوف و حزن سے جنگ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت پیدائش سے پہلے نبی ہو چکے تھے اور اب تو علم النفس کے ماہروں نے تسلیم کر لیا ہے کہ جو احوال آپ پر بطن مادر میں طاری ہوئے وہ خدا کی طرف سے تھے۔ اور آنحضرت کی دماغی اور جذباتی ساخت پر سیدہ آمنہ کے امید و بیم کا گہرا اثر پڑ چکا تھا۔ آپ نے خوف و حزن

کا مقابلہ شروع کر دیا تھا اور آپ کا یہ نظریہ بن چکا تھا اِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

زبان و بیان کی تعلیم شروع ہی سے آپ کے کانوں میں عرب کی فصیح ترین بولی جو قبیلہ بنو سعد ہی میں بولی جاتی تھی، گونجی تھی۔ ہوازن اور بنو ثقیف کے میدان اور چراگاہیں طائف کے نواح میں تھے۔ مکہ اگرچہ وادی غیر ذی ذرع میں تھا لیکن طائف اس بیابان میں ایک جنت کا ٹکڑا تھا۔ یہ مقام مکہ سے جنوب کی طرف واقع ہے اور آج تک مکہ والوں اور حاجیوں کے لئے پھلوں اور ترکاریوں کی منڈی بنا ہوا ہے۔ اسی جگہ حضر موت کے راستے ہندوستان کا مال صنعاء یمن میں پہنچتا تھا۔ اور خود حضر موت کی کھجوریں، یمن کے قہوے اور اناج کے قافلوں کے ساتھ طائف پہنچتی تھیں۔ یمن ہی کے قریب سے سمندر پار کر کے سودان اور حبشہ کے تاجر آتے جاتے تھے اور کبھی کشتیوں پر اور زیادہ تر اونٹوں کے ذریعے طائف ہوتے ہوئے مکہ اور مکہ سے شام و عراق و مصر کا راستہ لیتے تھے۔ ان کاروانوں کی دو رحلتیں ہوتی تھیں۔ سردی یا شیت کی رحلۃ کو رحلۃ الشتاء اور گرمی کے تجارتی سفر کو رحلۃ الصیف کہتے تھے۔ ہر قوم اور ملک کے بسا فر عربوں کی سربراہی میں مختلف بازاروں میں جمع ہوتے ہوئے طائف اور مکہ سے ضرور گذرتے تھے۔ طائف میں لات دیوی کا مندر تھا۔ مکہ میں ہر قوم کے بت تھے۔ لہذا یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بچپن ہی سے آنحضرت نے رجب اور ذی الحجہ کے میلوں کو دیکھنا اور اُن مسافروں اور پروہتوں اور تاجروں کے حالات کو سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ یقیناً یہ صحیح ہے کہ دو سال کی عمر سے آپ کا شرح صدر ہونا شروع ہو گیا تھا اور آپ نے اپنے ابنائے جنس کے حالات کا مطالعہ شروع کر دیا تھا اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ طائف اور مکہ کے درمیان جو سوق عکاظ میں میلہ لگتا تھا۔ وہ کل عرب کے لوگوں کی تعلیم گاہ تھی۔

دو سال کے بعد حلیمہ سعدیہ نے آکر بچے کو ماں کے سپرد کر دیا۔ لیکن مکہ کی آب و ہوا درست نہ تھی۔ صحرا کی پاکیزہ آب و ہوا نے بچے کو تندرست و توانا بنا دیا تھا۔ اس لئے ماں نے واپس کر دیا اور آپ پانچ سال کی عمر تک بنو سعد ہی میں پرورش پاتے رہے۔

نقد شعر و خطابت اس زمانے کی شاعری کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں شاعروں نے اپنی فطری صلاحیتوں سے نہیں بلکہ جنوں کی مدد سے اشعار کہے ہیں۔ ان کا عشق۔ غزل یا تسیب یا تشبیب کی صورت میں ہمیشہ عورت سے ہوتا تھا۔ ان کی جنگی پکار بحر رجز میں نہایت مختصر اور زور دار لفظوں میں ہوتی تھی اور دشمن کے دل کو لرزا دیتی تھی۔ ان کے قصیدے

انتقام کی آگ کو اتنا بھڑکاتے تھے کہ کئی نسلوں تک قصاص کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ان کی مدح یا تو خود ستائی پر مبنی ہوتی تھی یا اپنے پورے قبیلہ کی عظمت کا ڈنکا بجاتی تھی۔ یہی حال ہجو کا تھا جس شخص یا قبیلہ کی ہجو لکھدی جاتی تھی اس کا نام ہی دنیا سے مٹ جاتا تھا۔ قصیدوں کی تشبیب میں عربی زندگی کی سادگی، ان کا سفر ان کے اونٹوں اور نیچرل حالتوں کا جس انداز سے ذکر ہوتا تھا وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ مرثیہ میں اگرچہ عورتوں کو کمال حاصل تھا لیکن مرد بھی اس میدان میں پیچھے نہ تھے اور گزرے ہوئے حالات اور احباب کا جس سوز و گداز سے ذکر کرتے تھے وہ دلوں میں تیر و نشتر بن کر پیوست ہو جاتا تھا۔

امراء القیس عمرو بن کلثوم، طرفہ، نابغہ، علقمہ، الاعشیٰ، لبید، کعب بن زہیر کے معلقات کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے۔ تأبط شرًا اور شنفرة العبسی کی شاعری نے شجاعت و حماسہ کے معیار مقرر کر دیئے تھے۔ فیاضی، شجاعت، غیرت و حمیت اور حکمت سکھانے والے شاعروں کی کمی نہ تھی۔ یہ شاعر بذلہ سنجی میں بھی کسی نثار سے کم نہ تھے۔

ان کے علاوہ ہر میلہ یا سوق میں لکچر دینے والے خطیب ہوتے تھے اور ان کے چند نمونے اب بھی باقی ہیں۔ خطیبوں کے علاوہ ہر آبادی یا قبیلہ میں داستان گوئی عام تھی اور داستان گو دسمیر، تقریباً اسی انداز سے ہر طرح کے قصے بیان کیا کرتا تھا جیسا کہ الف لیلہ و لیلہ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

اگر ہم امیہ بن ابی الصلت کے کلام کو واقعی اس کا کلام مانیں تو اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہت کچھ قرآن کی تعلیم سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ مکہ نہ صرف مذہب و تجارت کا مرکز تھا بلکہ شعر و شاعری، خطابت و داستان گوئی کا بھی مرکز اور معیار تھا۔

اس ادبی ماحول میں فطری اور خداداد صلاحیتوں نے مل جل کر جو دماغ بنایا تھا اس کا نتیجہ خود آنحضرت کا کلام ہے۔ اسلام سے پہلے کی شاعری و خطابت کے آپ بہترین نقاد تھے اور آپ کو شعراء عرب کے اشعار کثرت سے یاد تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس صنف بیان کو جو کاہنوں اور ساحروں کے ساتھ مخصوص تھی آپ نے ادبی واقعیت کے معیار پر جانچا تھا اور سب کو مہمل اور خرافات قرار دیا تھا۔ افسوس ہے کہ اس صنف کلام کے بہت کم نمونے باقی رہ گئے ہیں مگر جو کچھ ہیں وہ انسان کو خود اعتمادی نہیں سکھاتے۔ بلکہ شیاطین پر بھروسہ اور قسمت پر شاکر رہنا بتاتے ہیں۔ آپؐ کی پوری زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ ادبی ہو یا اخلاقی، دینی ہو یا سیاسی حق ہو یا باطل ہر کلام کے جانچنے کا آپؐ کے نزدیک یہ معیار تھا کہ اگر وہ ادب یا اخلاق،

خدا اعتمادی کے ساتھ خود اعتمادی سکھاتا ہے تو وہ حق ہے، وہ خدائی ہے، وہ اچھا ہے ورنہ باطل ہے شیطانی ہے اور بُرا ہے۔

سفر مدینہ کے تجربات

پانچ سال کے بعد حلیمہ سعدیہ آپ کو سیدہ آمنہ کے پاس پہنچا گئیں۔ بہت سی دعائیں دیں اور کہا کہ جب تک یہ بچہ ہمارے یہاں رہا خدا نے ہماری بکریوں اور اونٹوں میں برکت دی۔ پانی نے برس کر چراگاہوں کو سرسبز رکھا اور خود اس بچہ کے قریب نہ تو کوئی آسیب یا شیطان آیا۔ نہ ہمارے بچوں کو کبھی ستایا۔ میں نے ایسا مبارک بچہ آج تک نہیں دیکھا۔ ہاں جب یہ دو تین سال کا تھا تو میرے بچوں نے دیکھا تھا کہ دو سفید کپڑے والے آدمی آئے تھے اور اس کا سینہ چیر کر اس کا دل دیکھ رہے تھے۔ ممکن ہے کہ وہ جن یا شیطان ہوں۔ سیدہ آمنہ نے فرمایا کہ نہیں میرے بچے پر کبھی شیطان نظر نہیں ڈال سکتا۔ وہ فرشتے ہوں گے۔ بھلا اتنے خوبصورت بچے کو کون دکھ دے گا۔

حلیمہ کہنے لگی کہ ننھا محمد میرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جایا کرتا تھا اور اس کا اتنا رعب تھا کہ آج تک نہ تو کوئی بھیڑیا ہماری بکریوں میں آیا۔ نہ آسیب کا دخل ہوا۔ ہمارے جانوروں کا دودھ بڑھ گیا آنحضرت کو اپنے بچپن کے واقعات یاد تھے اور آپ بڑے ہو کر اپنے چرواہے ہونے پر فخر کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ مامن نبی الا وقد رعی الغنم یعنی آنحضرت کے زمانے تک جو نبی بھی گذرا ہے وہ بکریاں ضرور چرا چکا ہے۔ شاید اس کا یہ مطلب ہو گا کہ شہری زندگی والوں کو فطرت سے اتنا قریب ہونے کا موقع نہیں ملتا کہ اُن کے خیالات میں بلندی اور پاکیزگی پیدا ہو۔ وہ سوسائٹی کے بنائے ہوئے قوانین میں اتنے بندھ جاتے ہیں کہ ترقی اور آزادانہ تفکر کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔

جہاں تک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے پیغمبر مصلح فلسفی اور شاعر سب گاؤں کے رہنے والے یا فطرت کے قریب تربیت پانے والے ہوتے تھے۔ حضرت ابراہیم خود چرواہے تھے۔ حضرت موسیٰ نے بارہ سال بکریاں چرائیں۔ حضرت داؤد عرصہ تک یہی کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰ ایک گاؤں ناصرہ سے نکل کر شہریوں کو مواخات و محبت کا سبق دینے آئے اور اگلے زمانے کا کوئی قابل ذکر اور ترقی پسند شاعر و حکیم ایسا نہیں گذرا جس نے مدرسہ فطرت میں براہِ راست تعلیم نہ پائی ہو اسی لئے فیضی کہتا ہے:-

این جام کز و دو کونین سیراب کنند   این نیست کہ پُر ز بادۂ ناب کنند
جامے ست کہ ساقیان خمخانۂ نور   از چشمۂ خورشید در و آب کنند

سنہ ۶ نبوی کے حج کے بعد اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے سیدہ آمنہ نے حاجیوں کے قافلے کے ساتھ مدینہ کا سفر اختیار کرلیا۔ تاریخ خاموش ہے کہ آپؐ نے سوق عکاظ کا تماشا بھی دیکھا یا نہیں مدینہ پہنچ کر اپنے دادا عبدالمطلب کی ننھیال میں بنی عدی بن النجار کے یہاں ایک مہینہ ٹھہرے۔ آپ طائف کے میدانوں میں کشتی لڑنا، گوپھن چلانا اور اپنی حفاظت کرنا سیکھ چکے تھے۔ مدینہ آکر آپ نے چندہی روز میں تیرنا بھی سیکھ لیا۔ ایک مہینہ کے بعد وہاں سے واپسی ہوئی۔ لیکن دل شکستہ اور کمزور ماں کو ابواء کے مقام پر موت نے چھین لیا۔ اب آپ کو خود اعتمادی کا دوسرا سبق پڑھنا پڑا۔ اب صرف ام ایمن ساتھ تھیں اور یتیم و بے کس بچے کو لے کر مکہ جارہی تھیں۔ کارکنان قضا و قدر یعنی وہ معلمان ازل جو آپ کی تعلیم پر مامور تھے، چھے سال کے بچے کو دنیا کے پر پیچ و خم راستوں میں چلنا سکھا رہے تھے۔

کفالت عبدالمطلب دادا نے خندہ پیشانی سے بچے کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اور بیاسی سال کی عمر میں انتقال کے وقت یتیم پوتے کو ابوطالب کے سپرد کردیا۔ ابھی تک عبدالمطلب سردار تھے۔ انکے بعد حرب بن اُمیہ طاقتور رئیس بن گیا، اور اس نے عباس سے رفادہ یعنی حاجیوں کو کھانا کھلانے کی خدمت بھی لے لی۔ صرف زمزم یعنی سقایہ عباس بن مطلب کے پاس رہ گیا۔ چونکہ ابوطالب کثیر العیال تھے اور مکہ کی حکومت و سدانت سے ان کی کوئی آمدنی نہ تھی اس لئے تنگی ترشی سے بسر ہوتی تھی۔

ولایت ابوطالب اور سفر شام ابوطالب نے اس لڑکے کی خبر گیری اپنے لڑکوں کی طرح کی۔ آپ اُن کے لڑکوں کے ساتھ بکریاں بھی چراتے تھے۔ اور کبھی کبھی مکہ والوں کی بکریاں بھی اجرت لے کر چراتے تھے۔ گویا بچپن ہی سے اپنی روزی کے لئے کسی کے دست نگر نہ تھے۔

ابھی تک آپ نے طائف، منیٰ، مکہ اور عکاظ کے میلوں کو دیکھا تھا۔ ان میلوں میں نہ صرف کل عرب کا بلکہ پوری متمدن دنیا کا مال جمع ہوتا تھا اور ہند، ایران، شام، روم اور مصر کے تاجر اپنے اپنے ملک کی مصنوعات ایک دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتے تھے۔ یا قافلوں کے ساتھ مختلف ملکوں کو امن کے مہینوں میں لے جاتے تھے۔ بعض دفعہ جنگ کی وجہ سے مختلف راستے بند ہوجاتے تھے۔ اور اگر جنگ عرصہ دراز تک جاری رہتی تو بعض شہر بالکل تباہ ہوجاتے تھے۔

تاجروں کو خوب معلوم تھا کہ امن کے ذریعہ تجارت اور تمدن دونوں کی ترقی ہوتی ہے۔ حضرت یعقوب کے زمانہ سے نبطی قوم الحجر (پتھرا) میں تجارت کی واحد ٹھیکہ دار تھی۔ رومیوں کے زمانے

میں جو شاہ راہیں (صراطیں) بنیں وہ یمن اور فارس تک تاجروں اور فوجوں کی گذر گاہیں تھیں۔ یعنی ایک صراط عبیلہ (موجودہ عقبہ) سے پتھرا تک جاتی تھی اور وہاں سے اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ ایک غزہ (GAZA) جاتی تھی اور دوسری دمشق کو چلی جاتی تھی۔ ہاشم بن قصی کی وفات غزہ ہی میں ہوئی تھی۔ الحجر یا پتھرا کے جنوب میں بُصریٰ تھا اور سوق عکاظ کی تجارت کا رُخ اسی طرف ہوتا تھا۔ ابوطالب نے ۱۲ سنہ نبوی میں اسی شہر کا قصد کیا تھا آنحضرت کا سوائے ابوطالب کے اور کون پرسان حال تھا۔ جب وہ چلنے لگے تو یہ بھی چلنے پر مصر ہوئے۔ اور ابوطالب نے اس مستعد اور ہونہار لڑکے کو اپنے ساتھ لے لیا۔

حجاز میں تین شہر خاص اہمیت رکھتے تھے۔ طائف، مکہ اور مدینہ یہ تینوں شہر ان صراطوں (شاہ راہوں) پر واقع تھے جن سے عرب کی تجارت گذر کر مکہ تک پہنچتی تھی اور وہاں سے شام، مصر، عراق اور حبشہ تک خشکی و تری کے کارواں دو فصلوں میں آتے جاتے رہتے تھے۔ گرمی کی تجارت یعنی (رحلۃ الصیف) موسم بہار میں شروع ہوتی تھی اور اس موقع پر طائف اور مکہ کے درمیان ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔ اسے حج اکبر بھی کہتے تھے۔ تجارت کا بازار گرم ہوتا اور ہر ملک کا مال تبادلہ کے لئے موجود ہوتا تھا۔ ہند کے تاجر زائر اور مہاجر سمرقند و بخارا، ایران و عراق شام و روم، مصر و حبشہ کے تاجروں سے مل کر ایک دوسرے ملک کی داستانوں کو سنتے تھے۔ شاعروں اور خطیبوں افسانہ گوؤں اور جوتشیوں، پروہتوں اور ساحروں کو اس زمانہ میں مفت کی دولت ملتی تھی۔ آج بھی کسی مشرقی ملک کے میلوں میں یہی روایات دیکھی جا سکتی ہیں۔

طائف ایک پہاڑی زرخیز علاقہ میں واقع ہے۔ اس کی چار دیواری بہت مضبوط تھی۔ اس کی دیوی لات تھی۔ کعبہ کی طرح اس طاغیہ کی بھی پرستش طواف اور قربانی کے ذریعہ ہوتی تھی۔ یہ ہند و یمن کے کاروانوں کی گذر گاہ پر واقع ہونے کی وجہ سے تجارتی منڈی بن گئی تھی۔ دولت مند طبقہ سود خوری اور تجارت کی وجہ سے مالا مال تھا۔ یہاں سے آگے چل کر مکہ کے راستے میں ایک گاؤں نخلہ تھا وہاں عزیٰ دیوی کا مندر تھا۔ اس کے پجاری آنحضرت کے چچا ابوطالب کے دوست تھے اور طائف سے بے نیل مرام واپس ہونے کے بعد آنحضرت اسی گاؤں میں ٹھیرے تھے۔ نخلہ کے آگے مکہ تھا وہاں جو عمارت بتوں کے لئے بنی ہوئی تھی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے سے قائم تھی۔ اسے کعبہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کی شکل تقریباً مکعب ہے۔ اس کی ایک دیوار کے کونے میں ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جسے حضرت ابراہیم نے لگایا تھا اور اسی مقام سے طواف شروع ہوتا ہے۔

طائف زرخیز تھا لیکن مکہ ایک بنجر علاقہ میں واقع تھا۔ اس لئے اس کی آبادی کی زندگی کا انحصار کعبہ کی پروہتی اور مختلف ملکوں کی تجارت کی آمدنی پر تھا۔ اس قصبہ کی آبادی ان خاندانوں پر مشتمل تھی جو قریش کی اولاد سے تھے قریش بنو اسمٰعیل تھے۔ یعنی عرب کے قدیم باشندے نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیل کے زمانے سے انھوں نے عرب کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ احد کی لڑائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بڑا شہر نہ تھا۔ البتہ ایسی وادی میں جو بے آب وگیاہ ہو ہزار دو ہزار انسانوں کی بستی بھی کافی بڑی بستی کہی جاسکتی ہے۔

چوتھی صدی میں ایران و قسطنطنیہ کی جنگ آزمائیوں نے تجارتی راستوں کو غیر محفوظ بنادیا تھا۔ اسی لئے مکہ کی تجارت بھی سرد پڑگئی تھی۔ چھٹی صدی کے شروع میں آنحضرت کے حقیقی پرداداہاشم نے پھر کر بیطے کیا کہ جس قافلہ کے ساتھ قریش کا کوئی آدمی ہو وہ کسی مہینے میں بھی خواہ وہ حلال ہو یا حرام نہ لوٹا جائے۔ اس کے بعد اس نے قیصر و نجاشی سے تجارتی معاہدے کئے اور اپنے چچا عبدالدار سے کعبہ کی خدمت کے دو عہدے بھی اپنے خاندان کے لئے چھین لئے۔ اس وقت سے عبدریوں اور ہاشمیوں میں نفرت کی ابتدا ہوگئی اور بنو عبدالدار (خانہ کعبہ کے بندوں) اور ہاشمیوں میں آنحضرت کے وقت تک کشمکش جاری رہی۔

رسول اللہ کی ولادت سے چالیس سال پہلے ابرہہ گورنر یمن نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت رسول اللہ کے دادا عبدالمطلب بنو ہاشم کے سردار تھے۔ انھوں نے قدیم زمزم کنوئیں کا سراغ لگایا تھا اور کھود نکالا تھا۔ یہ کعبہ سے چند گز کے فاصلے پر ہے اور زائروں اور تاجروں کے لئے ایک نعمت ہے اس لئے ان کی دولت اور عزت بڑھ گئی تھی۔ ان کے دس لڑکے بھی پیدا ہوچکے تھے۔ اس لئے خیال یہ تھا کہ ابرہہ کو روکنے کی کوشش میں یہ بھی شریک ہوں گے۔ مگر چونکہ ان کے والد ہاشم نصرانیوں کے دوست تھے۔ انھوں نے بھی اس دوستی کو نبھایا اور کعبہ کو بچانے کے لئے ایک انگلی بھی نہ ہلائی بلکہ ابرہہ نے ان کے ضبط شدہ اونٹ واپس کردیئے۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ اس کی فوج میں چیچک پھیل گئی (دیکھئے طبری)

حج کے میلے حج کے زمانے میں امن عام رہتا تھا اور تجارتی گرم بازاری ہوتی تھی۔ وہاں مکہ کی چمڑے کی مصنوعات، خوشبوئیں، دوائیں، گوند اور مرہم کے لئے بلسان فروخت ہوتے تھے۔ وہاں شام کے خشک میوے اور ارغوانی رنگ کے کپڑے عراق کی تلواریں۔ بحرین کے موتی اور سیپ کی مصنوعات حبشہ کے برتن اور غلام ایران کے قالین اور چاندی کے برتن۔ شرابیں اور زیور بھی فروخت ہوتے تھے اس کے علاوہ سب کو خوش کرنے اور زندگی پیدا کرنے کا یہ بھی سامان تھا کہ شراب کی محفلوں میں رقص و سرود کے

ہنگامے بھی ہوتے تھے اور بہترین شعرا اپنے بلند خیموں کے سامنے اونٹ کے ممبر پر سوار ہو کر داد سخن بھی دیتے تھے۔ یہ فصل بہار کا زمانہ ہوتا تھا اور دوسرے ملکوں میں تو صرف ایک ماہ بسنت یا بہار کا میلہ لگتا تھا، جیسے ایران میں نوروز، فلسطین میں عید فصح اور ایسٹر کہتے تھے۔ لیکن عرب میں یہ میلے تین مہینے تک جاری رہتے تھے اور ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم خوشیوں اور میلوں کا زمانہ ہوتا تھا۔ امن وامان کا دور دورہ ہوتا تھا اور قتل و قصاص قطعاً بند ہو جاتا تھا۔

اس میلے میں نہ صرف سب ملکوں کے تاجر ہوتے تھے بلکہ سب مذہبوں کے پیرو بھی ہوتے تھے۔ ہندو صرف سبزی کھاتا تھا۔ یہودی سور اور اونٹ سے پرہیز کرتا تھا اور سبت کے دن کوئی کام نہ کرتا تھا۔ نصرانی سب کھا جاتا تھا۔ لیکن لونڈی غلام پر پہرا سخت گیر تھا۔ غلام فروش اکثر یہ کیا کرتا تھا کہ ماں کو ایک شخص کے ہاتھ بیچ ڈالتا اور بچے کو دوسرے ملک والے کے حوالہ کرتا اور جو لوگ اونٹوں کو کرایہ پر لیتے تھے وہ بھی اُن پر اس لئے رحم نہیں کرتے تھے کہ وہ اُن کا مال نہیں ہوتا تھا۔ جس تاجر کے پاس مال زیادہ ہوتا تھا وہ بہت سے سپاہی یا غلام جان مال کی حفاظت کے لئے رکھتا تھا اور حالت سفر میں غریب مسافروں یا ہم سفروں کا پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ غرض کہ یہ میلے اور یہ سفر ایک غائر نظر رکھنے والے کے لئے درس عبرت سے کم نہ تھے۔ یتیم محمدؐ میں اب اتنی فراست بڑھ چکی تھی کہ وہ مختلف قوموں اور ایک ہی قوم کے مختلف طبقات کی صحیح حالت کا اندازہ کر سکیں اور ان سے سبق لے سکیں۔ اس کی ضرورت نہ تھی کہ بحیرا راہب یا اور کوئی نصرانی یا زرتشتی انھیں یہ بتائے کہ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور غلاموں کی ایک ایسی جماعت ہے جس کی جان اور آبرو کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں۔ ان کی زندگی دوسروں کے لئے ہے اور ان کی موت ہی ان کی مصیبتوں کا واحد حل ہے۔

اس سفر میں آپؐ نے یہ بھی دیکھا کہ رستے میں بعض اجڑے ہوئے شہر پڑے ہیں۔ ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا ہے اس لئے یہ تباہ کر دیئے گئے ہیں۔ رومی، مصری، یونانی اور ایرانی طرز معاشرت اور ان کی مختلف زبانوں اور مذہبی سوشل رسموں کو بھی بنظر استعجاب دیکھا اور محسوس کیا کہ ان میں کچھ تو خدا کی نعمتوں سے فیض یاب ہیں اور بڑی تعداد ایسی ہے جو عرب کے تاجروں کی طرح محنت و مشقت کی زندگی میں مبتلا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسی سفر میں آپ پر بحیرا راہب کی سادگی اور خدا پرستی کا گہرا اثر پڑا۔ یہ ایک نسطوری موحد فرقہ کا نصرانی تھا اور اس زمانے میں آریوس اور نسطوریوس وغیرہ کے موحد ساتھیوں پر تثلیث پرستوں نے جو مظالم توڑ رکھے تھے۔ اُن کی داستان سناتا تھا۔ بہرحال یہ کہنا صحیح نہیں کہ کسی ایک راہب یا دستور یا غلام یا رومی افسر سے

آپ نے اس زمانے کی سوسائٹی کا صحیح نقشہ سیکھا حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ابتدائی سادہ اور فطری پرورش نے آپ میں یہ صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ جب آپ کا بازنطینی اور ایرانی تمدن سے سابقہ پڑا تو اس کی ظاہری چمک دمک سے آپ مرعوب نہیں ہوتے بلکہ آپ نے اس کے کھوکھلے پن کو ایک نظر میں بھانپ لیا۔ امیر ہو یا غریب۔ ہر شخص مکہ والوں کی طرح خوف اور بھوک میں گرفتار نظر آتا تھا۔ اس لئے کہ ہر شخص دولت جمع کرنے ہی کو مقصد زندگی سمجھے ہوئے تھا اور طمع مال نے ہر شخص کو اجتماعی طور پر سوچنے اور عام انسانی فلاح پر غور کرنے سے محروم کر دیا تھا۔

پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ چالیس سال کی عمر تک آپ نے مسلسل تجارت کا مشغلہ رکھا اور عرب کے ہر بازار اور میلے میں شرکت فرمائی اور عرب سے باہر بھی نصرانی و مجوسی ممالک میں گئے تو بحیرا راہب ہی کیا، سیکڑوں راہبوں، موبدوں، برہمنوں اور غیر عرب کاہنوں اور تاجروں سے ملاقات ہوئی ہوگی۔

حرب فجار

آپ کی عمر ۱۵ - ۱۶ سال کی تھی اور بقول ابن سعد بیس سال کی تھی کہ حرب فجار چھڑ گئی یہ لڑائی فجار یعنی ناجائز اس لئے تھی کہ محرم کے مہینہ میں ہوئی تھی جو لڑائی کے لئے حرام ہے۔ عکاظ کے میلے میں براض نے عروہ کو قتل کر دیا تھا۔ براض بنو کنانہ میں سے تھا۔ اور قریش اس قوم کے حلیف تھے۔ عروہ بنی ہوازن سے تھا۔ اس لڑائی میں قریش و کنانہ کا سردار حرب بن امیہ تھا۔ اور آپؐ نے اس لڑائی میں اس طرح شرکت کی تھی، کہ مخالفوں کے جو تیر ان کے چچاؤں پر آتے تھے، انھیں یہ روکتے تھے۔ آخر سخت لڑائی کے بعد فریقین میں صلح ہو گئی۔ اس لڑائی کے سلسلے میں سہیلی کا قول ہے کہ اگرچہ آپ سن قتال کو پہنچ گئے تھے لیکن آپؐ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ اس لڑائی میں قتال نہیں کیا۔ . . . اس لئے کہ فریقین کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم خدا نے صرف اس لئے دیا کہ خدا کا بول بالا ہو (شبلی ص ۱۷۰) لیکن اس وقت اسلام اور اسلام کے اصول کہاں تھے جو آپ کو قتال سے مانع آئے۔ بہر حال شبلی نے اس سے پہلے ابن ہشام کی یہ روایت بھی لکھی ہے کہ آپؐ نے اس لڑائی میں کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا (شبلی ص ۱۶۹) لیکن ہمیں سیرت ابن ہشام میں یہ بیان نہیں ملا۔ (دیکھئے سیرت النبی۔ جزء اول مطبوعہ محمد علی صبیح مصر)

اس ناجائز جنگ سے پہلے تین اور حروب فجار ہو چکی تھیں۔ فجار اول کے زمانے میں آپؐ کی عمر دس سال کی تھی۔ ان لڑائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجوہ جنگ اتنے رکیک تھے کہ ان پر ہنسی آتی ہے۔ ایک میں بدر بن غفار پیر پھیلائے بیٹھا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں عرب بھر سے زیادہ معزز ہوں اگر کسی کو مجھ سے زیادہ

شرافت کا گھمنڈ ہو تو میرے پیر پر تلوار مارے۔ یہ سنتے ہی ایک شخص نے جھپٹ کر تلوار رسید کی اور سوق عکاظ میں لڑائی چھڑ گئی۔

دوسری لڑائی کی وجہ یہ تھی کہ ایک عورت منہ پر گھونگھٹ ڈالے بیٹھی تھی۔ ایک اوباش آیا اور اس سے کہنے لگا کہ منہ دکھاؤ اس نے انکار کیا۔ آخر اس نے اس کے پیچھے بیٹھ کر اس کے چادر کے دامن کو کسی چیز سے باندھ دیا۔ وہ اٹھی تو چادر کے کھینچنے سے منہ کھل گیا۔ لوگ ہنسنے لگے۔ اس نے آل عامر کی دہائی دی اور نوجوانوں نے بنو کنانہ کی دہائی دی اور لڑائی چھڑ گئی۔ تیسری لڑائی دو قبیلوں کے قرضے کے سلسلے میں تھی۔

حلف الفضول بات بات پر لڑائی ہوتی تھی، اور مظلوم کا کوئی فریادرس نہ تھا۔ یعنی کوئی ایسی عدالت نہ تھی جو انصاف کر سکے اور کمزور کے سامنے طاقتور کو جھکا سکے۔ اس حلف یعنی آپس کے حلفی معاہدے کی وجہ سے مظلوموں کو بڑا سہارا مل گیا اور غاصب ڈرنے لگے۔ منجملہ اور وجوہ کے اس جماعت کے بننے میں اس بات نے بھی مدد دی کہ عاص بن وائل کے ہاتھ یمن کے باشندہ نے کچھ مال بیچا تھا۔ لیکن عاص اپنی سرداری کے گھمنڈ میں قیمت سے منکر تھا۔ یمنی نے اس ظلم کی فریاد چند شعروں میں ظاہر کی جس کو سن کر قبائل قریش عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور بنو ہاشم، بنو المطلب، اسد، زہرہ اور تیم نے یہ عہد کیا کہ

۱۔ ہم میں سے ہر ایک مظلوم کی حمایت اپنا فرض سمجھے گا جب تک کہ اس کا حق نہ مل جائے۔

۲۔ اور جب تک مظلوم کا حق اسے نہ مل جائے گا ہم میں کوئی چین نہ لے گا۔

جناب محمدؐ عربی اس معاہدے کے وقت موجود تھے اور بعد میں آپ نے فرمایا کہ اس جماعت کی کیفیت مجھے لال اونٹوں سے زیادہ محبوب تھی اور اب بھی اگرچہ اسلامی دور ہے۔ لیکن میں اس قسم کی انجمن کا دل سے حامی ہوں۔

اس معاہدہ (حلف) کا نام حلف الفضول اس لئے رکھا گیا تھا کہ انھوں نے معاہدہ کیا تھا کہ فضول (یعنی مال) اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے گا اور یہ اس حلف الفضول کے نام پر بنی تھی جو جرہم کے تین آدمیوں نے اس سے پہلے کی تھی اور ان میں سے ہر ایک کا نام "فضل" تھا (ابن ہشام ۸۴)

تعمیر کعبہ حلف الفضول کے بعد جناب محمدؐ عربی کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی تو آپ کی امانت و دیانت کا شہرہ دور دور پھیل چکا تھا۔ اس زمانہ میں کعبہ کی عمارت بوسیدہ ہو گئی تھی۔ اور چونکہ

نشیب میں واقع ہے۔ اس لئے اچانک بارش ہوجانے پر اردگرد کی پہاڑیوں کا پانی سیلاب کی شکل میں آجاتا ہے۔ اس کی دیواریں قدآدم تھیں اور چھت پر ہُبل تھا (ممکن ہے کہ ھُو بعل سے مشتق ہو جس کے بابلی معنی یہ ہوئے کہ وہ بعل یا شوہر یا آقا ہے) غرض کہ جب قریش نے ایک رومی معمار کی مدد سے دیواریں تعمیر کرلیں تو حجرِ اسود کے لگانے کا فخر ہر رئیس قبیلہ حاصل کرنا چاہتا تھا اور بعض نے خون کے پیالے میں ہاتھ ڈال کر عہد کرلیا تھا کہ اس فخر کے حاصل کرنے کے لئے جان تک دے دیں گے۔ آخر یہ طے ہوا کہ صبح کو جو پہلا شخص حرم میں آئے وہی پتھر لگائے۔ اتفاق سے محمد عربی ہی صبح کو دکھائی دیئے اور سب پکار اٹھے کہ الامین ہی اس کام کے لئے بہترین شخص ہے۔ آپ نے مصلحت اندیشی کا بہترین ثبوت دیا کہ ایک چادر بچھا کر وہ پتھر اس میں رکھدیا اور جملہ رؤسا سے کہا کہ چادر میں سہارا دے کر پتھر اٹھانے میں شریک ہو جائیں جب پتھر سینے تک اونچا ہوگیا تو آپ نے حجر اس مقام پر رکھدیا جہاں اب بھی نصب ہے۔ اس طرح سب خوش بھی ہوگئے اور کوئی کسی سے ہیٹا نہ رہا۔

یہاں یہ نوٹ کرلینا چاہیئے کہ خانہ کعبہ ابھی تک بت خانہ تھا اور حجرِ اسود بھی اس شیو پوجا کی یاد دلاتا تھا جو اب تک ہند میں قائم ہے لیکن اس مکان کی تعمیر میں رسول عربی نے بھی حصہ لیا تھا اور اس جوش اور انہماک کے ساتھ لیا تھا کہ گویا وہ طے کرچکے تھے کہ اس بت خانہ کو خدا کا خانہ بنا کر رہیں گے۔

نوروز، تجارت، حج

خطِ استواء سے شمال میں جتنے ملک ہیں اُن میں دو نوروز ہوتے ہیں۔ پہلا نوروز موسم بہار میں اور دوسرا موسم سرما کے شروع میں۔ بہ الفاظ دیگر اعتدال ربیعی یعنی ۲۱ مارچ کو ہر ملک میں بہار ہوتی ہے، اور ۲۱ ستمبر میں بھی موسم اعتدال پا کر جاڑوں کی آمد آمد کی خبر سناتا ہے۔ عرب اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھا اور ذی الحجہ میں بہار یعنی ربیع کا بہت بڑا میلہ ہوتا تھا۔ اس سے ایک مہینہ پہلے اور ایک مہینہ بعد حرام قرار دیا جاتا تھا یعنی قتل وغارت گری وقصاص حرام تھا۔ لوگ مرکزی بازاروں کی طرف چل کھڑے ہوتے تھے اور تین مہینے کے سفر میں تجارت وزیارت دونوں سے فارغ ہوکر اپنے اپنے وطن پہنچ جاتے تھے۔ رجب کا مہینہ درمیانی سال کا مہینہ ہوتا تھا جو ۲۱ ستمبر کے لگ بھگ ہوتا تھا۔ یہ مہینہ بھی تجارت وزیارت کے لئے محترم تھا۔ اگست کے مہینہ میں بحر عرب کی ہوائیں اب بھی ساکن ہوجاتی ہیں لہٰذا ہند کی بادبانی کشتیاں، اور مصر کی غلاموں سے کھینچے والی ڈونگیاں بحر احمر میں سیکڑوں کی تعداد میں نظر آتی تھیں اور ستمبر کے آواخر کی مغربی ہواؤں کے سہارے وطن لوٹ جاتی تھیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ جناب الامین نے نہ صرف شام کے بازار دیکھے تھے بلکہ یمن میں جرش اور عرب میں بحرین تک پہنچے تھے۔ یہاں ایرانی حاکم منذر بن ساوی حکمران تھا اور یہود و نصاریٰ کی کافی آبادی تھی۔ اسی طرح یمن میں ایران کی غلاموں کی فوج کی مدد سے ۵۷۵ء میں حبشی حکومت ختم کی جا چکی تھی۔ معدی کرب تخت پر بٹھایا گیا تھا اور پھر اُسے وہراز۔۔۔ قتل کر کے خود حاکم بن بیٹھا تھا۔ یہاں یہودی، نصرانیوں کی بھی عرصہ تک حکومت رہ چکی تھی اور اب تک مسیح سے بہت پہلے کے مختلف اقوام کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ بھی طے شدہ ہے کہ چھٹی صدی مسیح سے بہت پہلے بدھ مذہب سمرقند سے مصر و یونان تک پہنچ چکا تھا اور لا ادریت، الحاد اور انکار کا ہر تصور پوری شان کے ساتھ بدترین بت پرستی کے دوش بدوش چل رہا تھا۔

غرضکہ بین الملیت کی تعلیم آپؐ کو شام و عرب کے بازاروں، حج کے میلوں اور ہر قوم کے لوگوں کی ملاقاتوں سے ہوئی اور خود مکہ سے ہوئی جو تمام مذاہب کا سال میں دو مرتبہ مرکز بن جاتا تھا

بی بی خدیجہؓ سے نکاح

آپ فطرتاً دنیا کو دیکھنا چاہتے تھے اور اس کا ذریعہ تجارت ہی ہو سکتا تھا بی بی خدیجہؓ مکہ کی ایک مالدار بیوہ تھیں۔ انھوں نے آپ کی امانت و دیانت کا حال سُن کر اپنا میرِ تجارت بنا لیا۔ آپ کی وجہ سے انھیں تجارت میں بہت فائدہ ہوا اور آخر کار الامینؐ سے اُن کا نکاح ہو گیا۔ ان کا پہلا شوہر عتیق تھا جس سے کوئی اولاد نہ تھی۔ دوسرے شوہر ابو ہالہ تھے ہند سے تین لڑکے ھالہؓ، طاہرؓ اور ہندؓ تھے اور تینوں اسلام لائے تھے۔ سیدہ خدیجہ کے بھانجے ابوالعاص بن ربیع کو زینبؓ بنت محمدؐ ایام جاہلیہ بیاہی گئی تھیں اور یہ غزوہ بدر کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ سیدہ خدیجہ کے حقیقی بھتیجے الزبیرؓ بن العوام تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

الامینؐ کی نکاح کے وقت ۲۵ سال کی عمر تھی اور سیدہ خدیجہؓ چالیس سال کی تھیں اور مالدار تھیں وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (یعنی تم مفلس تھے خدا نے مالدار کر دیا) کی آیت آپؐ کی شادی اور تجارتی مالداری کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت خدیجہ نے ۶۵ سال کی عمر میں شعب ابی طالب کی قید سے نجات پانے کے بعد انتقال کیا۔

الامین سے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ اور دو بیٹے قاسم اور طیب پیدا ہوئے جو کم سنی میں وفات پا گئے۔ ہر بچہ کی ولادت میں ایک سال کا فاصلہ ہوتا تھا۔

خوف اور بھوک کے منظر

بچپن سے نکاح تک، نکاح سے بعثت تک آپ نے خوف اور بھوک میں پھنسی ہوئی انسانیت کے ہر طبقے اور ہر قوم کے آدمیوں کو دیکھا۔ کہیں دیوتاؤں اور ان دیکھی قوتوں کے خوف نے انسان کے سر کو پجاریوں اور کاہنوں کے ذریعہ سے بتوں اور نادیدہ بھوتوں اور جنوں کے آگے جھکا دیا تھا۔ کہیں مالدار یہودی نے قرض کے خوف میں انسان کو پھنسا رکھا تھا۔ کہیں سامراجی فوجیں آزاد انسانوں کو قتل اور غلامی کے خوف میں مبتلا کئے ہوئے تھیں کہیں جہل وکم علمی نے مریضوں کو تعویذ سازوں کی غلامی میں ڈال رکھا تھا۔ کہیں جھوٹی نخوت کے نام پر شاعر اپنی بھوک کو قصیدوں کے ذریعے دور کر رہے تھے۔ کہیں انسان افلاس اور بھوک سے مجبور ہو کر ظالموں اور جابروں کی چاپلوسی پر مجبور تھا حتیٰ کہ اپنی عزت بیچ کر پیٹ پالتا تھا۔ غرض کہ مذہب، سیاست اور معاشرت کا کوئی گوشہ ذہنی خوف اور جسمانی بھوک سے خالی نہ تھا۔

متلاشیانِ حق

ہر ملک اور ہر زمانہ اپنے کسی نہ کسی گوشے میں حق کی تلاش رکھنے والوں کا ایک گروہ ضرور رکھتا ہے۔ یورپ میں اگرچہ رومی کلیسا اور شہنشاہیت کے حکم سے عقل کا استعمال کرنا ممنوع قرار دیدیا گیا تھا لیکن پھر بھی ایسے لوگ تھے جو حقائق کی تلاش میں رہتے تھے۔ تعویذ کی جگہ علاج، اور انجیل کی جگہ یونانی فلسفہ کو پسند کرتے تھے اور ایسے متعدد نام ملتے ہیں جنھوں نے حق پرستی اور حقائق نوازی کے لئے اپنی جانیں دیدیں۔

ہندوستان، جہاں ہندو فلسفہ سانکھ نے بدھ فلسفہ کی عقلیت کی صورت میں ظہور کیا تھا وہاں بھی اگرچہ تانترک مذہب پھیل گیا تھا اور لوگوں نے جادو منتر، قربانی اور شہوت رانی کو صوفیانہ رنگ میں پیش کر کے عقل کو خارج البلد کر دیا تھا۔ پھر بھی پانچویں سے ساتویں صدی مسیحی تک تاریخ اہل علم کے کارناموں سے خالی نہیں۔ گو عام لوگوں کی زبان یعنی پالی ختم کر دی گئی تھی اور علم کو راز میں رکھنے کے لئے سنسکرت میں برہمنی مذہب اور برہمنی بدھ مت جاری کر دیا گیا تھا، تاہم بکرماجیت کے زمانے میں (پانچویں صدی عیسوی) اُجین نے جو نورتن پیدا کئے وہ شعر، لغت اور طب میں اب تک مشہور ہیں اور کالی داس، امر سنگھ اور دھن ونتری کے نام سے زندہ جاوید ہو گئے ہیں چھٹی صدی میں آریہ بھٹ، وراہمی ہیرا اور برہم گپت نجومی و ریاضی کے ماہر تھے اور ساتویں صدی میں اس زمانے کے جو حالات چینی سیاح ہیون سانگ نے لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ہرش نے شیو پرستی چھوڑ کر بدھ پرستی اختیار کر لی تھی۔ نالندہ یونیورسٹی میں برہمنوں اور بت پرستوں کے مذاہب کی سنسکرت

میں تعلیم جاری تھی جہاں فلسفہ، طب اور ریاضی کی تعلیم بھی ہوتی تھی اعلا و نچی ذاتوں کے لوگوں میں اچھے اچھے اہل علم پیدا ہو رہے تھے اگرچہ سب ذات کے بندھن اور پجاریوں اور برہمنوں کے بتلائے ہوئے اصولوں سے آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ قدامت پرستی انتہائی عروج پر تھی۔ مگر جو قدامت پرست تھے وہ سنسکرت لٹریچر سے محروم نہیں تھے۔

عرب اور خصوصاً مکہ کل قوموں کا تجارتی مرکز تھا مشرق مغرب، روم و ہند و ایران کے تاجر یہاں جمع ہوتے تھے اور جو لوگ اہل دل تھے وہ عوام کے مشرکانہ توہمات سے دل برداشتہ ہو چکے تھے۔ ساتویں صدی مسیحی کے بہت سے نام ایسے ملتے ہیں جنھوں نے بت پرستی ترک کر دی تھی۔ بتوں کے نام پر جو چڑھاوے چڑھتے تھے اور جو قربانیاں ہوتی تھیں اُن کو حرام سمجھتے تھے۔ لڑکیوں کو مار ڈالنا پاپ سمجھتے تھے اور قدیم سادگی اور ایمانداری جو فطری انسان کا فطری شیوہ تھا اور جو حضرت ابراہیم کے وقت میں خدا والے لوگوں نے جاری کی تھی اُسے تلاش کر رہے تھے اور اُسے زندہ کرنا چاہتے تھے۔ زید بن عمرو بت پرستی چھوڑ چکے تھے۔ ورقہ بن نوفل عیسائی ہو گئے تھے اور انجیل کا عربی ترجمہ کر رہے تھے۔ عبید اللہ بن جحش نے رسول عربی کے ابتدائی کلام کو سنا تو وہ مسلمان ہو کر حبشہ ہجرت کر گئے اور وہاں نصرانی زندگی بسر کرنے لگے۔ عثمان بن الحویرث قیصر روم کے پاس چلے گئے اور نصرانی ہو گئے۔ غرضکہ اس طرح بہت سے متلاشیان حق تھے جو مراسم شرک کو چھوڑ کر راہ حق کی تلاش میں تھے کہ رسول عربی محمد ن الامین نے خدا کی راستی اور اسی خود اعتمادی اور یقین کے ساتھ جو انھیں ورثہ میں ملی تھی اصلاح انسانیت کے لئے کام شروع کر دیا۔

یہاں سے آپؐ کی وہ تاریخی زندگی شروع ہوتی ہے جس کے متعلق پورا قرآن شاہد عدل ہے اور جس کے الٰہی کلام ہونے کی وجہ سے اس کا ایک ایک لفظ اسی حالت میں محفوظ ہے جس طرح رسول عربیؐ نے مسلمانوں کو بتایا تھا۔

سیرت قرآنیہ

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

پہلی فصل محمد الامام - دعوت سراً

۱۷ رمضان سنہ ۱ نبوی (دسمبر ۶۱۰ء) تا ذی الحجہ سنہ ۳ نبوی (فروری ۶۱۲ء)

دور رب

اے نور بے پایاں! تیری رحمت ہر جگہ جاری و ساری ہے
اسی رحمت و محبت سے انسان بنا۔
کاہنوں، ساحروں، پجاریوں اور شاعروں نے نفرت کے شیطان کی پرستش شروع کرا دی ہے۔
تو اپنی رحمت و شفقت سے دنیا والوں کے دلوں سے نفرت کو دور کر دے۔
پھر نہ انھیں خوف ستائے گا نہ بھوک!
نفرت کی تاریکی ہٹتے ہی انسان اُنس و محبت کا پتلا بن جائے گا
محبت کے نور سے دنیا ایک جنت بن جائے گی۔
اے چاند تاروں کو نور، پھولوں کو مہک دینے والے
نفرت کے دیو کو محبت کے فرشتے کے ذریعے شکست دے دے (ایک نہایت قدیم دعا)

ہر کہ را دیدہ رشد بروے تو باز	آمد از عشق خوبرویاں باز
وانکہ از جام عشق شد مدہوش	ہیچ گہے بہوش نامد باز
دوش خود را بخواب میدیدم	پیش دولت سرائے صفۂ راز
بر زوم تختہ درشس ناگاہ	از درونش بر آمد ایں آواز

کہ بجستان دل مبیں جز دوست
ہرچہ بینی بداں کہ مظہر اوست (وصالی خراسانی)

الامام : اسلام یعنی خدا بندگی، حلم و رحم و خود اعتمادی کو زندہ کرنے کی تیاری

یارب

خوف، جہل اور بھوک کو ختم کرنے کا پروگرام

لا رب الا ھو الخالق المعلم الاکرم

(نوٹ: اس دور کے قرآن میں اللہ کے لئے صرف رب یا ضمائر کا استعمال ہوا ہے)

پس منظر

آقاؤں کی قہرمانی دیکھتے دیکھتے دنیا والوں کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ ہر شخص، ہر مرد عورت، بچہ نفرت کا پتلا بنا ہوا تھا۔ امیر، تاجر، ساحر اور کاہن اس لئے پریشان تھے کہ ان کے حرص کے مطابق ناداروں اور جاہلوں سے دولت حاصل نہیں ہوتی تھی۔ غلام عورتیں اور عوام اس لئے بدحال تھے کہ مال اور عزت دے چکنے کے بعد دل میں خون کے جو چند قطرے اور دماغ میں دیوتاؤں کا جو کچھ خوف باقی رہ گیا تھا، وہ بھی جانے والا تھا۔ سوائے یاس اور تاریکی کے نہ ان کے سامنے کچھ تھا نہ ان کے۔ دونوں نفرت اور خوف کے دریا میں غوطہ کھا رہے تھے۔ نوبت یہ آگئی تھی کہ عقل کا استعمال جرم قرار پا چکا تھا اور دوا علاج کرنا یا طبیبوں سے مشورہ کرنا جان سے ہاتھ دھونا تھا۔ پوپ گریگری کے حکم سے ہر مرض کا علاج شہد، دودھ اور بپتسمہ کا پانی سمجھا جاتا تھا۔ اور طب، فلسفہ، نجوم، ریاضی کی تعلیم ممنوع تھی۔ اہل فن قتل۔ اور ان کی کتابیں نذر آتش کی جا رہی تھیں۔ پلیٹینیٹ (PIATINATE) کا کتب خانہ راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ ایشیا میں مانی (۲۷۶ء) کی کھال کھینچی جا چکی تھی۔ مزدک اور اس کے پیرو قتل ہو چکے تھے۔ گوتم بدھ کا عوامی (پالی زبان کا) فلسفہ برہمن (سنسکرت) ہو چکا تھا اور بام مارگیوں (عوامی انقلابیوں) نے ایپکیورس کی عیش پرستی کی تعلیم کو عام کر دیا تھا۔ عقل پر پردے پڑ چکے تھے۔ فلسفہ کٹ حجتی بن کے رہ گیا تھا اور سائنس یا علم حقیقی کو شعبدہ بازی، کہانت، سحر اور دیوتا پرستی نے موت کے قریب پہنچا دیا تھا۔ مذہب سیاست کا غلام بن چکا تھا اور سیاست نے جنگ، وبا، لوٹ اور غلامی کے ذریعے انسانیت کو زخموں سے چور چور کر دیا تھا۔

صرف حجاز کا خطہ ایسا تھا جہاں دنیا کے ہر ملک کے فلسفہ اور مذہب کو پناہ ملتی تھی۔ کسی ملک میں سیاسی اور مذہبی پناہ گزینوں کا اتنا بڑا مجمع نہ تھا جتنا کہ عرب میں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے آزادی پسند باشندوں نے

کسی غیر ملکی فاتح کو کبھی ادھر آنے کا موقع نہ دیا تھا۔ مکہ میں ہر مذہب کے تاجر کو قطعی مذہبی آزادی تھی اور حج کے زمانے میں امن عام کی وجہ سے قتل و غارت گری بھی بند رہتی تھی۔ اسی لئے ہزاروں سال کی تجارتی زندگی نے یہاں ایک عام رواداری کا مذہب پیدا کر دیا تھا۔ یہاں مشرک و بت پرست بھی تھے۔ نصرانی تثلیث کے ماننے والے بھی۔ اور نسطوری موحد بھی تھے۔ یہودیوں نے اپنے قبیلوں کے مخصوص خدا الوہہ یا یہوا کی پرستش بھی جاری کر رکھی تھی اور دو خداؤں کے ماننے والے، مجوس و مانوی خیر و شر نور و ظلمت کا فلسفہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہاں اہمسا کے تصور کو اتنی ترقی دی گئی تھی کہ حج کے زمانے میں جان مارنا تو درکنار کسی پودے یا گھاس کے پتے کو توڑنا بھی گناہ تھا۔ اور اگر اتفاقیہ یا غلطی سے یہ خطا ہو جائے تو اس کا بھی جرمانہ دینا پڑتا تھا۔ یہاں ایسے بھی لوگ تھے جو بت پرستی سے نفرت کرتے تھے اور تلاش حق میں سرگرداں تھے۔ بہت سے موحد تھے اور ملحدوں اور منکروں کی بھی کمی نہ تھی۔

لیکن سب قدیم رسم و رواج اور شرافت کے مروجہ اصولوں کی سختی سے پابند تھے۔ عزت کے لئے جان دے دینا بہت آسان سمجھتے تھے۔ فیاضی، جوئے، شراب خوری اور قصاص پر فخر کرتے تھے۔ غلام کو انسانیت سے خارج سمجھتے تھے۔ لیکن غلام رکھنے اور غلام بنانے کو برا نہیں سمجھتے تھے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کو اس لئے بہتر سمجھتے تھے کہ مفلسی کی وجہ سے اسے غلامی کی زندگی نہ بسر کرنا پڑے۔

الامامؑ کی خانگی زندگی

یہ زمانہ تھا کہ آنحضرت نے پچیس سال کی عمر میں ۵۹۵ء میں حضرت خدیجہ سے نکاح کیا (ابن سعد ۸۲-۸۴) یہ سال ایک خلفشار کا سال تھا۔

۵۹۶ء میں بی بی زینب پیدا ہوئیں۔ جن کا نکاح ابوالعاص بن الربیع سے ہوا۔ یہ ابوالعاص ۶۲۳ء میں جنگ بدر میں گرفتار ہوئے اور حضرت زینب کو آنحضرت کے پاس مدینہ بھیج دیا۔ ان سے ایک لڑکا علی پیدا ہوا جو بچپن میں انتقال کر گیا۔ ایک لڑکی امامہ تھیں جن سے حضرت علیؓ نے بعد وفات فاطمہؓ بنت رسول نکاح کیا۔ پھر علیؓ کے بعد مغیرہ بن نوفل کے نکاح میں آئیں جن سے یحییٰ پیدا ہوا

اس زمانے میں آنحضرت برابر اپنی تجارتی مشغولیتوں میں مصروف رہے جحبشہ کا آپ سفر کر چکے تھے۔ (سیرۃ ابن سید الناس)۔ یمن میں جرش کا دو مرتبہ سفر کیا (الحاکم فی المستدرک و ذہبی) اس سے ایک سال پہلے (۵۹۵ء) خسرو پرویز نے عراق، شام و فلسطین کو دوبارہ رومیوں سے چھین لیا تھا اور اس طرف کا سفر تجارت خطرناک ہو گیا تھا۔ پرویز نے جو لوٹ مار کی تھی اس میں اسے یروشلم کی صلیب مقدس بھی ملی تھی۔ اس کے بعد وہ ایشیائے کوچک

سے قسطنطنیہ تک بڑھتا چلا گیا اور مصر کو بھی فتح کر لیا۔ غرض ایک خلفشار اور بدامنی کا زمانہ تھا۔

۵۹۷ء میں آپ کی دوسری لڑکی رقیہؓ پیدا ہوئیں اور جوان ہونے پر ان کا بیاہ عتبہ بن ابی لہب یعنی آنحضرت کے چچا زاد بھائی سے ہوا۔ پھر حضرت عثمان سے نکاح ہوا اور فتح بدر کے دن کافی عرصہ بیمار رہ کر وفات پائی۔ ان کا ایک لڑکا زید بن عثمان پیدا ہوا۔ اسی سال آپ نے بحرین کا سفر کیا۔ ہجرت کے بعد جب عرب میں اسلام پھیلا تو بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا۔ آپ نے اُس سے بحرین کے ایک ایک مقام کا حال پوچھا۔ لوگوں نے تعجب سے کہا کہ آپ ہمارے ملک کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔ (مسند امام حنبل صفحہ ۲۰۶)

(بحرین میں مجوس، یہود و نصاریٰ کی کافی آبادی تھی۔ یہاں قبائل عبدالقیس، بن وائل اور تمیم آباد تھے۔ منذر بن ساوی یہاں کا حاکم تھا۔ ہجر کا مرزبان دحاکم اسی بخت تھا۔ ۸ھ میں رسول اللہ نے علا بن عبداللہ کو اس علاقے میں بھیجا۔ وہاں کے کل عرب اور بعض عجم مسلمان ہو گئے۔ مجوس اور یہود اپنے مذہب پر باقی رہے اور انھوں نے جزیہ دینا قبول کیا)

اسی سال یعنی ۵۹۷ء میں وہراز نے حبشیوں کا قطعی استیصال کر دیا اور یمن پر ایرانی شہنشاہیت کا تسلط ہو گیا۔ آخر باذان مسلمان ہوا۔ اور ملوک حمیر کی اولاد میں سے حارث نعیم، نعمان، وہمدان وغیرہ بھی مسلمان ہو گئے اور جو مجوس یا یہود اسلام نہیں لائے اُن پر جزیہ لگایا گیا۔

۵۹۹ء میں حضرت ام کلثومؓ پیدا ہوئیں اور جوان ہونے پر ان کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے ہوا بدقسمتی سے عتبہ اور عتیبہ دونوں کی ماں ام جمیل نہایت لڑاکا عورت تھی۔ یہ بنو ہاشم کے دشمن حرب ابن امیہ کی بیٹی تھی یعنی ابو سفیان کی بہن تھی۔ نہایت بدطینت تھی اور آنحضرت کی دونوں لڑکیوں کو سخت تکلیفیں دیتی تھی چغل خوری اور لڑائی کی آگ بھڑکانا اس کا شیوہ تھا۔ قرآن نے اُسے "حمالۃ الحطب" کہا ہے۔ آنحضرت کی خانگی زندگی اپنی لڑکیوں کی تکلیف دہی سے تلخ ہو گئی تھی۔ حتیٰ کہ ابو لہب کے دونوں لڑکوں نے اپنی ماں کے کہنے سے ان لڑکیوں کو طلاق دے دی اور یکے بعد دیگرے وہ حضرت عثمان کے نکاح میں آئی تھیں۔

وفات حضرت رقیہؓ کے بعد حضرت ام کلثوم کا نکاح

حضرت عثمانؓ سے ہوا اور آپ کا انتقال شعبان ۱۱ھ میں ہوا۔

۶۰۱ء میں آپ کی چوتھی لڑکی فاطمۃ الزہرا پیدا ہوئیں۔ ان کا نکاح حضرت علیؓ بن ابی طالب سے

ہوا۔ ان سے تین لڑکے حسن، حسین، محسن اور تین لڑکیاں رقیہ اور زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ محسن و رقیہ نے بچپن میں وفات پائی۔ زینب سے عبداللہ بن جعفر نے نکاح کیا اور ام کلثوم سے حضرت عمر نے نکاح کیا۔ جن کا بیٹا زید بن عمر ہوا۔ حضرت عمر کے بعد عون بن جعفر نے نکاح کیا۔ ان کے بعد محمد بن جعفر نے اور ان کے بعد عبداللہ بن جعفر نے کیا۔

آنحضرت کی ان چار لڑکیوں کے بعد تین لڑکوں کی ولادت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یعنی طیب۔ طاہر اور قاسم، یہ تینوں قبل بعثت انتقال کر گئے۔ یہ سب حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ طیب و طاہر دونوں قاسم کے لقب تھے۔

مدینہ میں جناب ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوئے اور چند مہینوں کے ہو کر انتقال کر گئے۔ ایک قول میں سات مہینے کے اور بقول اٹھارہ مہینے کے ہوئے۔ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ کی وفات کے چھ مہینے بعد وفات پائی۔

اسی زمانے یعنی ۶۱۰ء میں خسرو پرویز خالسی دان میں یہ عہد کرتا ہے کہ وہ سورج دیوتا کے ایک مصلوب اوتار (مسیح) کی پرستش اور ہر قسم کی بت پرستی کو قطعاً مٹا دے گا اور مشرقی رومن سامراج کو ختم کر کے چھوڑے گا۔ اسی سال ہرقل (HERACLES) بائزنطین کا شہنشاہ بنتا ہے۔

غارِ حرا پر تحنّث

کئی سال سے شام و عراق و مصر کی تجارت بند ہو چکی تھی۔ روم اور ایران کی کشمکش نے مشرق وسطیٰ کو تباہ کر رکھا تھا جناب محمدؐ عربی کی تجارتی سرگرمیاں جنوبی و مشرقی عرب تک محدود ہو گئی تھیں اور آپ انسانیت کی اس تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ نجات کی راہ کی تلاش تھی لیکن راستہ ابھی ملا نہیں تھا۔ احباب خاص بھی عالمی صورت حال سے پریشان تھے کعبہ کے پجاری اور کاہن بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ ان حالات میں آپ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ دسمبر (رمضان) میں مکہ سے تین چار میل باہر پہاڑی پر چلے جاتے اور رمضان کا پورا مہینہ غور و فکر اور تحنّث یا عبرت پذیری میں بسر کرتے تھے۔

یہاں یہ نوٹ کرنا نہایت اہم ہے کہ نصاریٰ بھی ۱۵ر نومبر سے ولادت مسیح کے دن یعنی ۲۵ر دسمبر تک چالیس دن کے روزے رکھا کرتے تھے، اور حضرت مسیح کی ولادت کی خوشی میں زہد و تنسک اختیار کرتے تھے۔

یہ پہاڑی ایک ریتیلے میدان کے بیچ میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف میلوں تک نگاہ کو روکنے والی کوئی چیز نہیں۔ اس کے اوپر قدرت نے کئی چٹانوں کو اس طرح قائم کیا ہے کہ مختصر سا کمرہ بن گیا ہے۔ اس میں دو آدمی آرام سے لیٹ سکتے ہیں اور میلوں تک ریت کے سمندر کو موجزن دیکھ سکتے ہیں۔ رات ہو یا دن یہاں ہر وقت خاموشی اور سکون رہتا ہے اور بے اختیار انسان زبان حال سے کہنے لگتا ہے کہ ؎

یارب رہ فضل آشکارا بنمائے   یک جلوہ ازاں حسن دل آرا بنمائے
آن حرف کہ خواندنی ست در دل بنگار   واں نقش کہ دیدنی ست مارا بنمائے

(فیضی ہندی)

جو لوگ اسرار غیب کے محرم ہیں انھیں معلوم ہے کہ ہر متلاشی اور ہر طالب کو ایک ہی راستے کی ہدایت ہوتی ہے کہ ؎

سر دفتر عالم معانی عشق است　　　سر بیت قصیدۂ جوانی عشق است
اے آنکہ خبر نداری از عالم عشق　　　ایں نکتہ بداں کہ زندگانی عشق است (خیام)

آپ کو تعجب ہے کہ صرف متلاشیان حق پر یہ روحانی عالم باوجدانی کیفیت کیوں طاری ہوتی ہے۔ بے طلب سب کو کیوں نہیں ملتی۔ ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ یہ سعادت زور بازو سے کیوں حاصل نہیں ہوتی، اور سوزدل پروانہ مگس کو کیوں نہیں عطا ہوتا۔ یا کوئی خار اسی آب و گل سے پرورش پاکر کیوں گل نہیں بن جاتا۔ بہرحال واقعہ یہ ہے کہ کروڑوں انسانوں میں سے ایک ہی کی نظر بھاپ یا بجلی کی قوت کو پہچانتی ہے اور اربوں انسانوں میں شاید ایک ہی اس قابل بنتا ہے کہ ظلم جور کو دور کرنے کا رستہ پاسکے اور رستہ پانے کے بعد دوسروں کو اس راہ پر چلاسکے۔

عمر ہا چرخ بگردد کہ جگر سوختۂ　　　چوں من از دودۂ آذر نفساں برخیزد

پہلی خدائی آواز

۱۷ رمضان سنہ ۱ نبوی یا دسمبر ۶۱۰ء مسیحی کی چاندنی ڈھل چکی تھی۔ حرا کی چوٹی پر جناب محمد عربی نہ عالم بیداری میں تھے نہ عالم خواب میں۔ یکایک اس لیلۃ القدر میں علم لدنی یا روح القدس نے آپ کو ڈھانپ لیا اور آپ نے محسوس کیا کہ سلامتی اور سکون، حیات و نجات و فراغت کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف ایک آقا۔ ایک مالک ایک رب کی بندگی کی جائے۔ دوسرے آقاؤں، ربوں، مالکوں سے بغاوت کی جائے اور ان کو مٹا دیا جائے۔ ان ہی کو نہیں بلکہ ان کے ایجنٹوں یعنی　　　ساحروں، کاہنوں، پروہتوں، بادشاہوں اور مغرور امیروں کے ماتولیا سے غرور و نفرت کا خاتمہ کر دیا جائے اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ سب آدمی جب ہی انسان کہلا سکتے ہیں کہ وہ محبت کے پتلے بن جائیں اور یہ محسوس کریں کہ وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے کہ ان کا رب جس نے انھیں بنایا ہے اور جس نے انھیں علم و عقل دی ہے وہ نہایت ہی کریم ہے۔ خود غرض نہیں ہے۔ یعنی خود غرضی اور فریب، ظلم و جہالت شیطانی فعل ہے۔

وحی اول یعنی سورۃ العلق

رسول عربی کے قلب پر جو سب سے پہلی وحی من جانب اللہ نازل ہوئی۔ وہ مندرجہ ذیل پانچ آیتیں تھیں:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ ان میں وجود اور علم کے دو بنیادی

سوالوں کا مکمل جواب موجود ہے۔

پس منظر ان پانچ آیتوں میں زمانہ جاہلیہ کا پورا ذہنی پس منظر موجود ہے اس لئے کہ جب سے انسانی سوچ بچار کی ابتدا ہوئی۔ یہی دو مسئلے تھے۔ اور اب بھی ہیں جن کا آخری فیصلہ ہر فلسفی اور مفکر کا مقصد عظیم ہے البتہ جن پر اللہ کا نام ولہ یا حیرت طاری کر دیتا ہے، وہ ایسے بے خود او رمحو ہو جاتے ہیں کہ آئینہ کی طرح منہ تکتے رہ جاتے ہیں اور خاموش ہو جاتے ہیں۔

حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا　　　منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا

یعنی

کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

فکر انسانی کے نظریے ہر قوم کا بلکہ ہر انسان کا کچھ نہ کچھ فلسفہ ہوتا ہے اور یہ فلسفہ مختلف تاریخی و تعلیمی احوال سے بدلتا رہتا ہے۔ عربی میں فلسفہ کو حکمت کہتے ہیں اور قرآن میں جا بجا یہ کہا گیا ہے کہ قرآن کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ قرآن نے "کتاب" علم وقانون حیات کو کہا ہے اور حکمت اس فلسفۂ حیات کو جس پر قانون کی بنیاد ہوتی ہے ان دونوں چیزوں یعنی علم و فلسفۂ حیات کا فیضان خدا کی طرف سے ہوتا ہے کسی اور ہستی کی طرف سے نہیں ہوتا "یُعَلِّمُہُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ"

فلسفہ (حکمت) کا پہلا کام یہ ہے کہ انسان نے وجود وعلم کے متعلق جو نظریات وعقائد قائم کر لئے ہیں ان کی جانچ کرے اور انھیں مرتب کرے۔

فلسفے کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ یہ عقائد کیوں پیدا ہوتے ہیں اور ایک زمانے میں کیوں ایک نظریہ مقبول ہوتا ہے اور دوسرے زمانے میں دوسرا نظریہ کیوں پسند کیا جاتا ہے؛ یعنی مختلف زمانوں میں مختلف عقیدے کیوں اور کس طرح بدلتے رہتے ہیں؟

پہلا کام یعنی عقائد کی جانچ اور ان کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش سقراط کے زمانے میں یونان میں شروع ہو گئی تھی۔ ہند اور چین میں یہ کام سقراط سے بھی پہلے شروع ہو گیا تھا اور چونکہ عرب سے مختلف قوموں کی تجارت گذرتی تھی اس لئے ہند، ایران، یونان اور روم کے فلسفے (حکمت) اور کتاب (قانون) کے متعلق ہر طرح کے خیالات مکہ میں عام ہو گئے تھے۔ مکہ اگرچہ بلخ و سکندریہ کی طرح دنیا کی قوموں کا سنگم تھا۔ لیکن جیسا کہ قرآن کہتا ہے وہاں رسول عربیؐ سے پہلے کوئی ایسا مفکر یا نبی نہیں پیدا ہوا جو اس کو ایک قوم بنا دیتا اور ایک فلسفہ

زندگی اُن کی زبان میں ان کے سامنے رکھتا۔

دوسرا کام یعنی عقائدِ انسانی کیوں بدلتے رہتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی قرآن نے قدیم اقوام عاد، ثمود، بنواسرائیل، مصری قوم اور دوسری قوموں کی ترقی اور زوال کا فلسفیانہ مطالعہ پیش کیا ہے اور ہر قوم کی ترقی یا تباہی کو نتیجہ بتایا ہے۔ ان کے فلسفہ اور عمل کا یہ سب توجیہ ابتدائے آدم سے رومن سامراج اور ایرانی شہنشاہیت کے آخری دور تک کی قرآن میں تاریخی تسلسل کے ساتھ خطابی رنگ میں پوری پوری پائی جاتی ہے۔ ترتیب نزول قرآن سے فلسفہ اور تاریخ کا یہ پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ انسان فلسفہ یا حکمت کے ذریعے سے اپنے کل علوم (ہیئت، ریاضی، سائنس، حیاتیات وغیرہ) کی مدد سے ماہیت اشیا، ماہیت علم، اور وہ اصول یا اسباب معلوم کرنا چاہتا ہے جو بنیادی ہوں۔ مثلاً سچائی کی کیا حقیقت ہے، حسن وجمال کسے کہتے ہیں۔ خیر و شر کے کیا معنی ہیں۔ عدل و ظلم کا انسانی سوسائٹی اور اس کی ذاتی زندگی میں کیا درجہ ہے۔ ان سوالات نے الٰہیات، نفسیات، منطق اور علم الاخلاق کو پیدا کر دیا ہے۔

فلسفے کے دو بنیادی مسئلے

غرضکہ جب سے دنیا قائم ہے سوچنے والوں نے بیسیوں نظریئے بنائے۔ اور ان نظریات کی روشنی میں زندگی کا حل ڈھونڈھا۔ اس طرح فلسفے یا حکمت کے دو بنیادی مسئلے بن گئے (۱) یہ کائنات کیا ہے اور (۲) علم انسانی کیا ہے اور کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ پہلے کو نظریۂ وجود یا نظریہ ہستی (وجودیات) کہتے ہیں اور دوسرے کو نظریہ معرفت یا نظریۂ علم (علمیات)۔ مگر ہیں دونوں نظریئے۔ یعنی سیکڑوں سال پہلے جس جگہ ہم تھے آج بھی ان ہی گتھیوں میں الجھے ہوئے ہیں ؎

اسرارِ خدا نہ تو دانی و نہ من | ویں حرف معمانہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو | چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

قرآن کی پہلی وحی ان ہی دو مسئلوں سے شروع ہوتی ہے اور ان کی بنیاد پر جو فلسفہ عمل بناتی ہے وہ اسلام ہے۔

ہم ذیل میں فلسفہ ہستی و فلسفۂ علم کے متعلق ایک خلاصہ درج کرتے ہیں۔ تاکہ سورۃ العلق کا فیصلہ نمایاں ہو سکے۔

۱۔ فلسفہ ہستی یا نظریۂ وجود

وجود یا ہستی کی حقیقت کے متعلق مختلف مفکروں نے مختلف نظریئے بنائے ہیں۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ یہ کائنات کیا ہے، وجود کی حقیقت کیا ہے

وجود کی حقیقت، یا دوسرے لفظوں میں جو کچھ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہے، وہ حقیقت ہے یا صرف دھوکا ہے؟

(الف) روحانیت کوئی کہتا تھا کہ دنیا میں ہر چیز جان دار ہے۔ پھول اور درخت ایک دوسرے سے اسی طرح باتیں کرتے ہیں جس طرح پرندا اور جانور ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھاتے ہیں۔ انسان ہی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ وہ سوچتا سمجھتا اور بولتا ہے۔ بلکہ ہر شے کسی نہ کسی پیرائے میں اپنے "خیالات" دوسرے کو پہنچاتی رہتی ہے۔

پھر ایک زمانہ آیا کہ جاندار اور بے جان کی تقسیم اس طرح کی گئی کہ پرندے جانور اور انسان وغیرہ جو اپنے ارادے سے حرکت کر سکتے ہیں وہ تو جاندار ہیں اور بقیہ کائنات میں درخت پودے یا گھاس وغیرہ نہ تو بالکل بے جان ہیں نہ پورے طور پر جاندار۔ اور جو چیزیں بالکل حرکت نہیں کر سکتیں وہ بے جان ہیں۔

اس کے بعد انسان کی روح کو حیوانات اور نباتات کی روحوں سے اونچا درجہ دیدیا گیا اور کہا گیا کہ حقیقت میں انسان کی روح ہی اس قابل ہے کہ اسے روح کہا جائے۔ یعنی انسان ہی ایسی روح (یا نفس) رکھتا ہے کہ بھلے بُرے میں تمیز کر سکے۔ اور دو راستوں میں سے اچھی راہ اختیار کر سکے یا بُری راہ۔ اس کے بعد یہ تصور پیدا ہوا کہ دنیا میں روح ہی روح ہے مادہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ مادہ بھی روحانی تصور کا ایک کرشمہ ہے۔ یا مادہ بھی خدا کی ایک شان ہے (وحدت وجود)

اختیار اس طرح صرف انسان اعمال کا ذمہ دار قرار پایا اور یہ تسلیم کر لیا گیا کہ صرف انسان میں اس درجہ کی روح موجود ہے کہ وہ اپنے اختیاری اعمال کا ذمہ دار اور جوابدہ ہو۔

روح اعظم روح سے روح اعظم کا تصور پیدا ہوا جس کے متعلق بھی دو نظریے بنے۔ یعنی (۱) دنیا میں روح ہی روح ہے یا روح مادہ سے الگ ہے اور مادہ پر حکمراں ہے۔ روحانیت کا نتیجہ اقرار قدرت یا اختیار ہے۔

(ب) مادیت بعض سوچنے والوں نے روح کا انکار کر دیا اور کہا کہ مادہ ہی سے ہر چیز بنتی ہے یعنی جس طرح ستار کے تار سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جسے ہم جاندار کہتے ہیں اس کی جان (روح) اس کی آواز کی مانند ہے جو لوہے کی اس شکل سے پیدا ہوتی ہے جسے ہم تار کہتے ہیں۔ جب عناصر کی یہ ترتیب مٹ جاتی ہے تو جان بھی باقی نہیں رہتی۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں مادہ ہی مادہ ہے اور جسے ہم روح یا جان کہتے ہیں وہ بھی مادہ کی ایک قسم ہے۔

جبر اس نظریے کے ماننے والے کہتے ہیں کہ جس طرح حیوانات و نباتات فطری طور پر اپنے مخصوص اعمال

کرنے پر مجبور ہیں۔ اسی طرح انسان بھی مجبور محض ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے ان مادی اجزائے ترکیبی کی وجہ سے کرتا ہے جو اس کے جسم و دماغ میں ایک مخصوص انداز کے ساتھ ہیں اور مخصوص اعمال کے محرک ہوتے ہیں۔ گویا انسان بھی مادی چیزوں کی طرح اپنے اعمال میں مجبور محض ہے۔ یہ مادیت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔

الحاد چونکہ مادیت کسی قادر روح (یا مدبر) کو تسلیم نہیں کرتی اس لئے مادیت کا نتیجہ الحاد و انکار قدرت و اختیار ہے۔

(ج)، امتزاج مادیت و روحانیت لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ مادہ اور روح دونوں الگ الگ وجود رکھتے ہیں۔ روح مادہ کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور طاقتور ہے۔ بغیر روح کے مادہ میں حرکت و ترقی کا وجود نہیں پایا جا سکتا۔ جب روح کسی مادی جسم سے ملتی ہے تو اس میں مادہ کی صورت کے مطابق حرکت نمودار ہوتی ہے۔ حرکت کے ساتھ ساتھ ارادہ بھی پیدا ہوتا ہے وہ ارادہ اپنے مادی جسم کی حدبندیوں سے محدود یا مجبور ہوتا ہے یعنی ایک خاص حد تک ہی عمل کر سکتا ہے لیکن ارادہ روح ہی میں پیدا ہوتا اور اسی لئے روح مادہ پر غالب ہے یا مادہ کی محرک ہے۔

امتزاج جبر و اختیار اس طرح روح میں ایک خاص حد تک اختیار بھی ہوتا ہے اور ایک حد تک اپنے مادی جسم کی وجہ سے مجبوری بھی ہوتی ہے لیکن روح کا جسم پر غلبہ ہوتا ہے۔ گویا روح سوار ہے اور جسم گھوڑا ہے اسے ہر اس قسم کے عمل کا اختیار ہے جو گھوڑا اپنے قوٰی کے ساتھ کر سکتا ہے لیکن وہ چاہے کہ گھوڑا آسمان پر اڑنے لگے تو چونکہ گھوڑا مجبور ہے اس لئے اس کا سوار اس سے یہ عمل نہیں کرا سکتا۔ اس طرح روحانیت اور مادیت کے ملانے والے جبر و اختیار کی بھی حدبندی کر دیتے ہیں اور روح کو اس کے اعمال اختیاری کا جواب دہ مانتے ہیں لیکن اسی حد تک جہاں تک کہ اس کی طاقت و بساط یا ارادہ سے کوئی فعل ہوا ہو۔

خالق کا تصور روح اور مادہ دونوں کو ماننے والے ایک ایسی روح کو بھی مانتے ہیں جو روح اور مادہ دونوں کی خالق ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور یہی خالق و قادر ہونے کی وجہ سے مختار کل بھی ہے۔ وہ جو چیز جس طرح کی چاہے بنائے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تصور ہے کہ اس نے کسی غرض و غایت سے ہر اچھی بُری چیز بنائی ہے۔ اچھائی یا برائی اس شے کے مقصد سے متعلق ہوتی ہے۔ کوئی چیز فی نفسہٖ بُری یا اچھی نہیں ہوتی۔ چونکہ وہ خالق و قادر ہے اور نہایت ہی رحیم، حکیم، عادل و کارساز ہے اس لئے وہ جو کچھ پیدا کرتا ہے اُسے کسی نہ کسی بہتر مقصد کے لئے بناتا ہے۔ (نوٹ: قرآنی خدا رحمت پر مجبور ہے: دیکھئے آخر کتاب: اللہ)

۲۔ فلسفہ علم یا نظریہ معرفت حکمت و فلسفہ کا دوسرا مسئلہ ہمارے علم سے متعلق ہے یعنی خود علم

کیا ہے اور کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ وجود کی ماہیت کے مسئلے سے زیادہ گہرا ہے۔ اس سلسلہ میں جان لیوس اپنی کتاب مقدمہ فلسفہ کے صفحہ ۱۱ پر کہتا ہے کہ کسی عقیدہ کو لے لیجئے اور تحقیق کیجئے کیونکر آپ نے اسے مانا ہے۔

(۱) "کیا محض اس لئے مان لیا کہ ہر شخص اسے مانتا ہے اور عام طور پر یہی مانا جاتا ہے؟

(۲) کیا پروپاگنڈا کرنے والوں نے آپ کو یہ بات منوادی ہے۔ اور مذہبی سند کی وجہ سے آپ نے یہ بات مان لی ہے؟

(۳) کیا اس کے متعلق دل میں خود بخود یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ضرور سچ ہے، یعنی یہ عقیدہ حدس (INTUITION) پر مبنی ہے؟

(۴) کیا آپ اس پر اس لئے یقین رکھتے ہیں کہ اس طرح ماننے میں کام چل جاتا ہے اور انسان کی بھلائی کے لئے یہ عقیدہ ضروری معلوم ہوتا ہے؟

(۵) کیا یہ عقل (یعنی تجربہ) کی بنیادوں پر قائم ہے؟"

کاغذ کی ایجاد اور علم کو عام کرنے کی جو تحریک مسلمانوں نے شروع کی تھی اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کی ہسپانوی سلطنت کے ذریعے سے یورپ میں روشن خیالی شروع ہوئی اور پادریوں ہی نے عوام کو علم سے آشنا کرنا شروع کر دیا حتی کہ یورپ میں لاک، ہیوم اور کانٹ پیدا ہوئے جو کہتے تھے کہ کل علم تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کے ہمعصر بشپ بارکلے اور سیل برانش یہ دعویٰ کرتے رہے کہ علم مافوق الفطرت طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔ مذہب کا یہ اثر تھا کہ "دے کارت کے پیروؤں کے نزدیک صداقت کا معیار صرف یہ تھا کہ وہ اسے بلا دلیل سچ مانتے تھے۔ درحقیقت جس چیز کو وہ "عقل یا دلیل" کہتے تھے وہ صرف انجیل مقدس سے پوشیدہ قسم کی اپیل تھی۔ یعنی ان کا مقصد یہ تھا کہ پرانے عقائد کو کسی نہ کسی طرح نئے خیالات کے مطابق بنایا جائے"۔ (رابے۔ ڈبلو۔ بن کی ماڈرن فلاسفی)

ہم نے اوپر شق نمبر ۳ میں حدس کا ذکر کیا ہے لیکن سائنس کی دنیا میں جب تک عقل و تجربے کی کسوٹی پر کسی خیال کو نہ کسا جائے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے مسلمانوں نے افلاطون و ارسطو کے مدرسوں کو جنہیں نصرانی شہنشاہ جسٹی نی ان نے ہزار سال تک بند رکھا تھا دوبارہ کھولا۔ پھر ابن رشد نے ارسطو کے تجربی فلسفہ میں نئے سرے سے جان ڈالی۔ گو ارسطو (۳۸۴ - ۳۲۲ ق م) کا قول تھا کہ جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے وہ تجربے اور مشاہدے سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس نے جن مضامین پر قلم اٹھایا ہے وہ سب

اس کے تجربے پر مبنی تھے مثلاً اس کی ہئیت محض خیال آرائی ہے اور حیاتیات بھی رطب ویابس کا مجموعہ ہے اور چونکہ یونان میں غلامی کا عام رواج تھا اس لئے اس نے انسان کو آزاد و اقتصادی انسان کے طور پر نہیں پہچانا بلکہ سکندر کی شہنشاہیت کا معمار بن کر دنیا میں انفرادیت اور یونانی آمریت کو چھوڑ گیا۔ لیکن اس نے یہ بڑا کام کیا کہ افلاطون (۴۲۷-۳۴۷ ق م) کے عالم مثال یا عالم اشباح کے دھوکے سے سمجھدار لوگوں کو بچا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ افلاطون کے زمانے میں ایتھنز کی سلطنت دم توڑ چکی تھی، افلاطون کو انسانی معاشرہ میں جو نقص نظر آتا تھا وہ اسے عالم شہود میں بھی نظر آنے لگا تھا۔ لہٰذا اس نے یہ نظریہ بنایا تھا کہ عالم شہود کا کامل نقشہ ایک خیالی عالم میں ہے جسے وہ عالم مثال کہتا تھا اور محسوس دنیا کے نقص سے فرار ہو کر عالم مثال کے فرضی کمال میں پناہ لینا چاہتا تھا۔

سولھویں صدی مسیحی تک نصرانی کلیسا میں فلاطینوس (PLOTINUS) کا تصوف رائج ہو چکا تھا جسے نوافلاطونیت (افلاطونیۂ جدیدہ) بھی کہتے تھے اور عقل و تجربے کی جگہ ایک قسم کی روحانیت نے لے لی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ لوگ سمجھتے تھے کہ حدس اور الہام کے ذریعے سے یا روحانی طور پر کشف کے ذریعے سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن سب سے پہلے ابن رشد نے اور اس کے بعد سترھویں صدی میں لاک (۱۶۳۲-۱۷۰۴) نے "پیدائشی تصورات" کی مخالفت کی اور موجودہ سائنس نے علت و معلول کا لزوم انسان کے دل میں تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر راسخ کر دیا۔ اور یہ نظریہ پیش کیا کہ غیب یا باطن کا علم روحانیت یا روحوں کے ذریعے نہیں بلکہ مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے اور یہ بھی بتایا کہ جن تصورات کو ہم "پیدائشی تصورات" کہتے ہیں وہ بھی تجربے ہی کی پیداوار ہیں۔ یعنی ذریعۂ علم ہمارے حواس ہیں۔

یہ خیال کہ باطن یا غیب کا علم روحوں کو ہوتا ہے اور وہ ہمارے علم میں بذریعہ الہام لاتی ہیں۔ دنیا میں عام تھا اور اسلام کے ظہور کے وقت عرب اس خیال سے مستثنیٰ نہ تھا۔

امتزاج الہام و مشاہدہ

دنیا میں یہ خیال عام تھا کہ نجومیوں اور کاہنوں کو ستاروں اور جنوں سے تعلق ہے اور وہ چھپی باتیں معلوم کر کے لوگوں کو بتا سکتے ہیں۔ وحی اول سے آپ کو معلوم ہو گا کہ آنحضرت نے اس بات سے انکار نہیں کیا کہ چھپی ہوئی باتیں (غیب) کسی پر ظاہر ہو سکتی ہیں۔ البتہ آپ نے یہ فرمایا کہ نہ صرف علم غیب، بلکہ کل علم مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ علم خواہ محسوسات کا ہو (جو ہمارے ظاہری حواس سے حاصل ہوتا ہے) خواہ وہ غیر محسوس اور غیر معلوم باتوں سے متعلق ہو (جو ہمارے باطنی حواس سے ہمارے ادراک میں آتا ہے) یہ علم ظاہر و باطن اُن حواس و شعور سے حاصل ہوتا ہے جن کا خالق اللہ ہے۔

گویا حدس الہام یا وحی ایک قسم کے ذہنی یا روحانی مشاہدے کا نام ہے۔ موجودہ عہد کے سائنٹسٹ بھی مانتے ہیں کہ سائنس کی اکثر دریافتیں اسی قوت حدس یا الہام کی محتاج ہیں اور اکثر پاکیزہ روح والے انسانوں کو خواب (رویا) اور بیداری (رأی) میں ایسی باتیں قبل از وقت بذریعہ حدس معلوم ہو جاتی ہیں۔ جن کا تعلق ظاہری حواس کی کارفرمائی سے نہیں ہوتا۔

اس طرح آنحضرت صلعم نے ایک طرف تجربہ و مشاہدہ یعنی سائنس کی اہمیت کو زیادہ کیا۔ دوسری طرف خود وحی و الہام کو خواص کا طریقہ علم بتا کر اسے بھی مشاہدہ (یا سائنس) کی ایک شاخ بنا دیا البتہ معیار یہی رکھا کہ جس طرح سائنسی مشاہدہ حقیقت و صداقت کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی طرح الہامی مشاہدہ بھی حقیقت کو واضح کرتا ہو اگر ایسا نہ کرے تو وہ وسواس الخناس ہے یعنی القائے شیطانی اور غیر سائنسی ہے۔

نظریات ہستی و علم اور پہلی وحی

سترہ رمضان کی مبارک رات کو آپ صلعم نے عالم خواب میں محسوس کیا کہ آپ کا قلب ایک تصور سے منور ہو رہا ہے اور کوئی طاقت آپ صلعم سے کہہ رہی ہے کہ زندگی کی جتنی پیچیدگیاں ہیں وہ ان دو حقیقتوں کی روشنی میں رفع ہو جاتی ہیں۔

(۱) **حقیقتِ وجود** یہ ہے کہ ایک خالق ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے وہی تیرا رب (آقا) ہے۔ یعنی خالق و مخلوق الگ الگ وجود رکھتے ہیں اور روح و مادہ دونوں کا وجود خالق سے ہے۔

(۲) **حقیقتِ علم** یہ ہے کہ اس آقا نے قلم (یعنی تجربہ و مشاہدہ) کے ذریعے سے انسان (آدم) کو ان باتوں کا علم دیا جن کو وہ نہیں جانتا تھا (یعنی حیوان سے انسان بنا دیا اور عقل و ہوش عطا کیا تاکہ قلم سے اپنے علوم و تجربات کو ایک دوسرے تک پہنچائے اور ساحروں کی طرح شیطانی کام نہ کرے کہ ہر بات خفیہ اور راز ہو اور یہ اس کی انتہائی مہربانی ہے کہ اس نے عقل و شعور بخشا جو انسان کا ذریعہ علم بنا (وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا)

ان دو حقیقتوں کے دو سلبی پہلو بھی ہیں۔ یعنی:-

(۱) خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا یا آقا یا خالق نہیں ہے وہ یکتا و یگانہ و بے مثال ہے

(۲) خدا اکرم ہے۔ یعنی دوسرے آقاؤں کی طرح ظالم یا خود غرض نہیں ہے۔ اس کے کرم کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انسان کے نفع کے لئے اسے صاحب عقل و شعور بنایا اور اپنی بارگاہ سے علم عطا فرمایا۔ کوئی دوسری ہستی (مثل شیطان یا وسوسہ فاسدہ کے) ایسی نہیں ہے (جیسا کہ پروہت و کاہن کہتے ہیں)

جو سچا علم یا سچی خبر دے۔ سچے علم کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ علم راز میں نہ رکھا جائے اور اس کو ذاتی منفعت کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ بالفاظ دیگر سچا علم خدا کی طرف سے عام انسانی فلاح کے لئے دیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جو علم بھی ہے وہ فریب دہی اور ذاتی نفع کا ذریعہ ہے اور یقیناً وسوسہ شیطانی سے پیدا ہوتا ہے اور آخر کار معلم و شاگرد دونوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

نوٹ :۔ (۱) ابتدائی وحی میں جسے انسان کہا ہے اسی کو بعد میں آدم سے مخاطب کیا ہے۔

(۲) جس چیز کو اس وحی میں علم کہا ہے۔ اسی کو بعد میں کتاب و حکمت بھی بتایا ہے۔

(۳) عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا اور عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ سے ثابت ہے کہ خدا ہی نے انسان کو علم کا رستہ دکھایا۔ لہذا ہبوط آدم شجر علم کا پھل کھانے کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ قبل از وقت علم حاصل کرنے کی خواہش نفسانی نے یہ دن دکھایا۔

مختصر تحقیق الفاظ ان پانچ آیتوں میں جن الفاظ کے ذریعے سے فلسفے کے دو بنیادی مسئلوں کا حل کیا گیا ہے وہ محتاج تحقیق ہیں۔

اقرأ : سامی لفظ ہے۔ فونیقیوں کے ذریعے یورپ پہنچا۔ دیکھئے کرائی (CRY) انگریزی میں پکارنا یا چلاّنا ہے سنسکرت میں کیرتی (شہرت دینا) اور کارو (گلمنے والا) ہے۔ قرأ عربی میں بولنا ہے۔ نہ کہ لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا۔ جب مسلمانوں میں کتابت عام ہوئی تو لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے کے لئے بھی قرأت کہنے لگے۔ حالانکہ معنی صرف بولنے کے ہیں۔ حتیٰ کہ امام بخاری کے زمانے میں ایک حدیث میں بھی قرأت بمعنی لکھی ہوئی چیز کے پڑھنے کے درج ہو گیا۔ یعنی کہا گیا کہ باوجودیکہ خدا جانتا تھا کہ رسول عربی پڑھے لکھے نہیں لیکن فرشتہ نے انھیں حریر پر لکھی ہوئی چیز پڑھنے پر مجبور کیا۔ یہ خیال بھی کہ امی کے معنی ان پڑھ کے ہیں اسی زمانے میں رائج ہو گیا تھا۔ حالانکہ امی بمقابلہ کتابی کے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ ان پڑھ ہو یا نہ ہو۔ بہر حال قرأ کے معنی بولنے کے ہیں۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کے معنی نری ہیں جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ہیں۔ یعنی خدا کے نام سے ابتداء کر بولنے کی۔ اسیطرح بعض سورتوں میں قُل اور اُتل بمعنی بولنے کے ہیں

رب بمعنی آقا خواہ وہ اپنے بندہ کی صحیح پرورش کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔

خلق : پیدا کرنا عدم سے وجود میں لانا۔

انسان : انس و محبت کا پُتلا ۔ بنی نوع انسان آدم نہ کہ شیطان جو نفرت کا مجسمہ ہے ۔

علق : اُنس و محبت ۔ جونک (علوقہ) چمٹ جانا ، اٹک جانا ۔ لگاؤ ۔ وہ حیوان جو رحم مادر میں پرورش پا کر پیدا ہو (بخلاف جان یا سانپ وغیرہ کے (جو رحم مادر کے لگاؤ یا علق سے نہیں بلکہ انڈے سے پیدا ہوتے ہیں اور اُن میں نفرت کی آگ ہوتی ہے

الاکرم : نہایت ہی کریم اُس آقا (رب) کی صفت ہے جو خالق ہے ۔ دوسرے آقا کریم ہو سکتے ہیں اور ظالم تو عموماً ہوتے ہیں ۔ لیکن سوائے خدا کے الاکرم کوئی نہیں ہو سکتا یاد رکھئے کہ دنیا میں صرف عادل خدا کا تصور تھا اکرم کا نہ تھا

علم : حقیقی علم سائنس سچائی) صرف خدا دیتا ہے (نہ کہ اہرمن یا جن)

الانسان : یہی خیال لفظ آدم سے بھی ظاہر کیا گیا ہے یعنی حیوانیت سے نکل کر آدمی نے انسانیت کا جامہ پہنا ۔

قلم : ذریعۂ علم : عقل و تجربہ و مشاہدہ ۔ آیات الٰہیہ (حروف مقطعات یعنی حروف ابجد بھی (ذریعہ علم ہیں) یعنی حقیقی ذریعہ علم عقل یا قلم ہے ۔ (یونانی فلسفہ میں اسے لوگاس یا عقل اول کہتے ہیں)

سورۃ العلق کے عام ترجمے کا حقیقی مفہوم

اب اس پس منظر اور الفاظ کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد آپ دیکھیں کہ وحی اول نے انسان کا درجہ کتنا بلند کر دیا ہے اور خالق و معلم سے انسان کی کتنی قربت پیدا کر دی ہے ۔ پھر اُسے اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے کس لطیف پیرائے میں بغاوت پر آمادہ کیا ہے ۔

عام ترجمہ	حقیقی مفہوم
سورہ ۹۶ سورۃ العلق	وحی اول سورۃ المحبت ۔ سورہ الفاتحہ ۔ ام القرآن ۔ کنز
۱ ۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے	۱ ۔ اے محمد ! تو اپنے اس آقا کے نام سے نصیحت یا حمد شروع کر ۔ جو پیدا کرنے پر قادر ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے (اس کے سوا کوئی آقا ایسا نہیں جو خلق کر سکے)
۲ ۔ اُس نے بنایا آدمی جمے ہوئے لہو سے	۲ ۔ اُس آقا نے ایک ناچیز قطرۂ خون سے آدم محبت (عقل مردانگی و اخلاق والے) انسان کو پیدا کیا ہے ۔

حقیقی مفہوم	عام ترجمہ
وحی اول ۔ سورۃ الجنت ۔ سورۃ الفاتحہ ۔ ام القرآن ۔ کنز	سورہ ۹۶/۱ سورۃ العلق
۳۔ حمد و نصیحت شروع کر دے یقیناً تیرا آقا سب کریموں سے کرم میں زیادہ ہے (کہ اس نے تجھے نطق و علم دے کر ہدایت کرنے پر مامور کیا)	۳۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا اکریم ہے
۴۔ اپنے اُس آقا کے نام سے نصیحت و حمد شروع کر جو قلم (عقل و مشاہدہ کے ذریعہ سے علم دیتا ہے (جو سحر کی طرح راز نہیں بلکہ کتاب کی طرح ہر شخص کی عقل کے لئے عام ہوتا ہے)	۴۔ جس نے علم سکھایا قلم سے
(۵) اُس آقا نے (قلم کے ذریعے) ایسی باتیں انسان کو سکھائی ہیں جو وہ (حیوانی صورت میں) نہ جانتا تھا۔ (عقل و تمیز دے کر خدا نے انسان بنا دیا اور علم حاصل کرنے اور فائدہ حاصل کرنے کی صراط مستقیم کھولدی یہ کتنا بڑا اکرم ہے کہ اپنے نفع کے لئے غلام کی تربیت نہیں کی، بلکہ خود غلام کے فائدہ کے لئے اُسے عقل و علم دیا)	۵۔ اس نے آدمی کو سکھلایا جو وہ نہ جانتا تھا

ایزد کہ نگاشت خامۂ احسانش الواب کتاب عالم و ارکانش

برلوح وجود زد رقم فہرستے در آخر کار نام کرد انسانش

سیاسی اتحاد اور ثقافتی یکرنگی

اسلام یعنی صرف رب الخالق المعلم کی اطاعت کے متعلق اس پہلی وحی میں جو تعلیم ہے وہ فلسفہ کے دو بنیادی مسئلوں پر مشتمل ہے جنھیں نظریہ علم (یا نظریہ معرفت) اور نظریہ ہستی یا وجود کہتے ہیں یعنی کل کائنات کا ایک خالق ہے اور وہی علم کا سرچشمہ ہے۔ آج کل کی زبان میں اس وحی کا سادہ مفہوم یہ ہے کہ امن و امان، ترقی اور مسرت کے حصول کیلئے مختلف قوموں میں سیاسی اتحاد صرف اخلاقی بنیادوں پر ممکن ہے۔ اس کا حصول دو رنگی ثنویت یا دو دلے پن کی حالت میں نہیں ہو سکتا۔ اگر مقصد واحد ہے تو مقصد حاصل کرنے کا راستہ بھی ایک ہی مستقیم راستہ ہو گا ممکن ہے کہ دوسرے، یا کئی راستے بھی ہوں لیکن وہ بخط مستقیم مقصد تک یا براہِ راست منزل تک نہیں پہنچا سکتے۔ آنحضرتؐ کو جو پیغام دیا گیا وہ یہی تھا کہ دنیا بھر میں ثقافتی یکرنگی یا کلچری اتحاد اس بنیاد پر قائم کیا جائے کہ سب انسانوں کا، سب قوموں کا، آقا وہ آقا ہے۔ جو خالقِ کل ہے اور مخلوق ہونے کی حیثیت سے

سب انسان برابر ہیں۔ اگر کوئی ان کی عقلوں کو بھٹکاتا اور اپنے نفع کے لئے جہالت میں ڈالتا ہے۔ وہ شیطان ابن الشیطان ہے۔ جو سلطنت اس کے جسموں یا ذہنوں کو اپنے مفاد کے لئے غلام بناتی ہے اور ایسا دولی اتحاد قائم کرتی ہے جس سے اس کی آزادی صلب ہو وہ تاریکی، ظلم، ذلت اور بزدلی کی علمبردار ہے۔ مختصر یہ کہ خالق کائنات اور کائنات کی وحدت یعنی انسان کی عظمت کا احساس ہی نفرت و ظلم کو مٹا کر محبت و عدل کی دنیا پیدا کر سکتا ہے۔ اس ثقافتی تصور یا قانون خداوندی یا دین الحق کی بنیاد پر جو سوسائٹی بھی بنے گی وہ جسم و جان کے بے پایاں جوہروں کو سرگرم عمل بنا دے گی۔

غرض کہ کوئی سیاسی اتحاد اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک اخلاقی و ثقافتی یکرنگی پیدا نہ کی جائے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ اس پیغام کو جو بذریعہ وحی الٰہی جناب رسول اللہ کو دیا گیا۔ آپ نے کن مدارج عمل کے ذریعے دنیا تک پہنچایا اور کس طرح ایک ایسی دولت اسلامیہ قائم کی جس میں خوف و جدع اور بدعملی ناممکن بن گئی۔

مقصد الٰہ کی بندگی ہے آنحضرت پر چالیس سال کی عمر میں یہ امر بذریعہ وحی واضح کر دیا گیا کہ اسس رب کی بندگی سے جس نے کائنات کو خلق کیا ہے' انسانیت کا خوف و حزن و جدع دور ہو سکتا ہے۔ وہی اللہ خالق ہے اور وہی منبع علم و خیر و حسن و محبت ہے۔

وہ رب کیا ہے؟ خدا کی ماہیت تک پہنچنے کی بہت سے فلسفی کوشش کر چکے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ روح ہے۔ کوئی اسے مادہ سمجھتا ہے۔ کوئی ایک طاقت کا تصور کرتا ہے جو بجلی کی طرح کل کائنات میں پھیلی ہوئی ہے۔ قرآن ان بحثوں میں نہیں پڑا۔ اس نے بتایا کہ اس کے مانند کوئی چیز نہیں اور اس کا نور ہر جگہ زمین و آسمان میں جاری و ساری ہے۔ خیر و شر کے دیوتا الگ الگ نہیں ہیں نہ بہت سے خدا تقسیم عمل کے اصول پر اپنا اپنا کام الگ کرتے ہیں۔ غرضکہ قرآن کی تعلیم خدا کی ماہیت نہیں بتاتی بلکہ جن لوگوں کی طرف روئے سخن ہوتا ہے ان کے خیالات کی بنا پر انھیں سمجھاتی ہے کہ وہ ایک ہے اگر اس کی ذاتیں متعدد ہوتیں تو الگ الگ قانون چلاتیں اور دنیا میں اندھیر مچ جاتا۔

اگر کوئی ایسا شخص یا گروہ ہے جو کئی دیوتاؤں کو پوجتا ہے یا بتوں اور ستاروں اور ندوں سے مدد مانگتا ہے تو قرآن اُن سے کہتا ہے کہ اس الٰہ کو پوجو جس نے ان سب کو خلق کیا ہے یعنی ال الہ یا اللہ کو۔ یا اس رب کی اطاعت کرو جس نے ان آقاؤں کو بنایا ہے، جو خود محتاج ہیں لہذا اُس سے مدد مانگو جس کے یہ محتاج ہیں۔

اسی طرح اگر اُن خدا پرستوں سے گفتگو کی جاتی ہے جو نصرانیوں کی طرح خدا کی ذات یا جوہر میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں، یا دیوی دیوتاؤں، ولیوں کو خدا کا شریک و ہمسر یا کم از کم سفارشی مانتے ہیں اور رشتہ داری کے لحاظ سے ان مخلوقوں میں بھی خداوندی قدرت و طاقت کے وجود کو مانتے ہیں، تو قرآن اُن سے کہتا ہے کہ یہ بات بے عقلی کی ہے۔ کوئی کمزور مخلوق کس طرح ایک قادر و توانا ہستی کا ہمسر یا رشتہ دار ہو سکتا ہے۔ گویا خدا بھی مرنے والا ہے کہ اُسے وارث چھوڑ جانے اور اپنے بیٹے کو کام سپرد کر جانے کی ضرورت ہو یا وہ اتنا کمزور ہے کہ رشتہ داروں یا دوستوں کی مدد کے بغیر کچھ کر ہی نہ سکے۔ لہٰذا خدا کو مانتے ہو تو ایسے خدا کو مانو جو لا شریک ہو۔ حی و قیوم ہو اور قادر مطلق ہو۔ قادر مطلق کے یہ معنی ہیں کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن وہ ظلم نہ کریگا وہ اپنے قانونِ رحمت کا پابند ہے

اگر یہودیوں کی طرف روئے سخن ہوتا ہے تو اُن سے کہا جاتا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ الوہیہ یا یہوا صرف تمہاری قوم کا خدا ہے۔ وہ سب کا خدا ہے۔ کل قوموں کا ایک ہی خدا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ تمہارا خدا ہو کر وہ تمہاری جا و بے جا مدد کرے گا اور دوسری قوموں کو پامال کرے گا۔ اُس کے سب مخلوق ہیں اور اُس کو سب سے محبت ہے۔ تم ہی اس کے چہیتے بندے نہیں ہو اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کے یہی معنی ہیں۔

رب کی بندگی کی غایت

رب کی بندگی سے یہ مطلب نہیں کہ دن رات یا رب یا رب کرتے پھرو یا جو لوگ دوسرے الہوں کو مانتے ہیں اُن پر تشدد شروع کر دو۔ بلکہ اس کا یہ مقصد ہے کہ صرف اس رب کا حکم مانو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا حکم نہ مانو۔ یہ بھی سمجھو کہ جب تمہارا آقا اللہ خالق ایک ہی ہے تو بندہ یا مخلوق ہونے کی حیثیت سے تم سب برابر ہو۔ تم ایک ہی نسل آدم سے ہو اور وہ آدم بھی کیچڑ مٹی سے بنایا گیا ہے۔ لہٰذا نسلی غرور محض حماقت و جہالت ہے۔ اپنی نوع سے محبت کرنے کی جگہ نفرت کرنا اور اس کو نقصان پہنچانا یا فائدہ نہ کرنا کسی حال میں رب کو پسند نہیں ہو سکتا۔ کسی حال میں کوئی آقا یہ نہ چاہے گا کہ اُس کے غلام ایک دوسرے کو لوٹیں یا قتل کریں خصوصاً ایسا آقا جس نے ہوش و خرد، علم و عمل کے دروازے سب غلاموں پر کھول دیئے ہوں اور یہ بھی اذن عام دیدیا ہو کہ میری خوشنودی اسی میں ہے کہ محنت کرو۔ ترقی کرو۔ آنکھوں سے دیکھو کانوں سے سنو اور اس بات کا اعتراف کرو کہ ہر چیز تمہارے ہی بھلے کے لئے ایسے آقا نے پیدا کی ہے جس کی کوئی ذاتی غرض نہیں۔ وہ تمہاری محنت کا پھل خود نہیں لینا چاہتا۔ بلکہ ہر انسان کو اس کی سعی اور حسن عمل سے زیادہ دینا چاہتا ہے۔ وہ یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ ایک غلام دوسرے کی ترقی کو روکے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ بھائی بن کر ایک دوسرے کی مدد کرے

اگر کوئی اندھیرے میں ہے تو اُسے روشنی دکھلائے اگر کوئی دُکھی ہے تو اس کی پکار سنے اور یہ سمجھے کہ یہ کارخانہ قدرت اتنا وسیع ہے کہ اس میں محبت و یک جہتی رکھنے والوں کے لئے کسی طرح کی تنگی نہیں ہو سکتی - اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے - اُس رب یا اللہ کا کوئی فائدہ نہیں -

ابتدائی مُصدقین یا سابقون الاولون

اس وحی یا پیغام حیات کے بعد رسول اللہ حرا سے مکہ تشریف لائے اور اپنی تجربہ کار بیوی کو اس پیغام کا مقصد سمجھایا -

انھوں نے سنتے ہی کہا کہ بات نہایت معقول ہے - میں تسلیم کرتی ہوں کہ اگر ہماری قوم اس پیغام پر عمل کرنے لگے تو وہ دنیا میں سر بلند ہو جائے گی - اور ہماری تجارت اور شرافت کو چار چاند لگ جائیں گے - بہتر ہو کہ آپ اپنے احباب خاص سے بھی مشورہ کر لیں - آنحضرت نے سوچا کہ میری قوم کی حالت ظاہر ہے - آج کل ایرانیوں اور رومیوں کی جنگ نے ویسے بھی تجارت بند کر رکھی ہے - قریش کے سرداروں کی معاش کا سہارا صرف حج کے میلے اور تجارتی قافلے تھے اگر ان کو بت پرستی چھوڑنے کا مشورہ دیا جائے گا تو وہ سمجھیں گے کہ ان کی روزی کا آخری سہارا بھی ختم ہوا جاتا ہے لہٰذا چند روز تک خفیہ کام کیا جائے - اور جو دوست بھی انقلاب کے ہمنوا بنیں اُن سے ایک جماعت کی تشکیل کے بعد علانیہ کام شروع کیا جائے -

جناب ابوبکرؓ سے مشورہ ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پہلے ہی سے اس دشوار کام کے لئے ہراول بننے کو تیار بیٹھے تھے اور اس راہ میں ہر مصیبت اٹھانے کیلئے تیار تھے -

زیدؓ بن محمدؐ نے کہا کہ حضور میں تو آپ کا غلام ہوں - اگرچہ آپ نے مجھے آزاد کر دیا ہے - میں آپ کی زوجہ محترمہ بی بی خدیجہ کی طرح آپ کی زندگی کی جزئیات سے واقف ہوں - یہ کتنا بڑا شرف ہے کہ آپ اس جماعت میں مجھے شریک فرما رہے ہیں - جو دنیا سے غلامی کو مٹانے والی ہے - یقین فرمائیے کہ جب تک یہ دعوت خفیہ ہے - میں ایک حرف زبان سے نہ نکالوں گا - (خدمت اسلام میں آگے چل کر ان کا نام بہت بلند ہے)

اب جناب علیؓ ابن ابی طالب آگے بڑھے اور انھوں نے بھی پیمان وفا باندھا اور مصدق بن گئے - یہ ابھی نو عمر تھے - آنحضرت نے اپنے چچا ابوطالب کی ناداری کا خیال کر کے اپنے چچا عباس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ان کے بچوں کو آپس میں بانٹ لیں اور اُن کی پرورش کر کے چچا ابوطالب کا بوجھ ہلکا کر دیں - ابوطالب نے کہا تھا کہ عقیل کو چھوڑ دو اور باقی جسے چاہو لے جاؤ - غرض کہ علی بچپن سے آنحضرت کی تربیت میں تھے - ان سے بھی کہہ دیا گیا کہ ابھی کارروائی خفیہ ہو گی - جماعت کی ترقی کے بعد نہ صرف خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا جائیگا

بلکہ کل عالم میں صرف ایک رب کی غلامی رائج کی جائے گی۔ غیروں کی غلامی نے انسان کے وقار کو ختم اور اس کی محبت کو دفن کر دیا ہے۔ اب انسانی شرف بلند ہوگا اور محبت و عدل کی موجوں میں نفرت و ظلم خس کی طرح بہ جائیگا
جناب علیؑ تو پہلے سے اپنی گردن بتوں اور بت پرستوں کے آگے جھکانے پر تیار نہ تھے۔ اُن کی سخاوت و شجاعت کا معیار آنحضرت کی صحبت سے بہت بلند ہو چکا تھا لہذا وہ بھی خفیہ سوسائٹی کے رکن قرار پائے۔ آپ نے آئندہ زندگی میں اسلام کی بہت بڑی علمی خدمات انجام دی ہیں اور آپ مدینۃ العلم کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

ابو بکر عبد الکعبہ بن ابی قحافہ آنحضرت کے احباب خاص میں سے تھے۔ اپنی قوم کے سردار، اور مکہ کی حکومت کے ایک رکن تھے۔ خونبہا طے کرنا اور سفارت ان کے سپرد تھی۔ زبردست عالم انساب تھے۔ تجارت میں اکثر آنحضرت کے ساتھ رہ چکے تھے۔ مکہ میں آپ کی کپڑے کی دوکان تھی۔ آپ کو جب دعوت دی گئی تو آپ نے آنحضرت کی فوراً تصدیق کی کہ یہ وحی الہٰی ہے اور میں اس مقصد کے لئے اپنی جان مال وقف کرتا ہوں۔ آپ زندگی بھر آنحضرت کے ساتھ رہے اور بعد وفات ۱۳ھ آپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ نے ایک کمیٹی کے ذریعہ قرآن کو بعد وفات نبوی جمع کرایا۔

آپ نے سب سے پہلی بات یہ کی کہ آپ نے اپنا نام بدل کر عبد الکعبہ کی جگہ عبد اللہ رکھ لیا اور آنحضرت کی امامت میں ایک رب کی عبدیت اور اس کا نام بلند کرنے کا عہد کیا۔ پھر آنحضرت کے مشورہ سے تین سال تک مخصوص لوگوں کو خفیہ طریقہ پر رب خالق و معلم کی عبودیت کی دعوت دیتے رہے۔

خفیہ جماعت مصدقین

جناب ابو بکر عبد اللہ کی دعوت پر چند آزاد اور بعض غلام مصدقین کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ ابتدا میں مسلم یا مومن کی جگہ مصدق کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور اس کے یہ معنی تھے کہ وہ آنحضرت کی دعوت کی تصدیق کرتے تھے۔ وہ دعوت یہ تھی۔

(۱) کئی ربوں کی پرستش کی جگہ صرف ایک رب کی پرستش کی جائے اور ارباب من دون اللہ کی عبودیت اور غلامی کے خلاف بغاوت کر دی جائے یعنی شیطنیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔

(۲) جو لوگ اس بات کی تصدیق کریں کہ صرف رب خالق کی پرستش کرنا چاہیئے۔ انھیں چاہیئے کہ اپنے کو خطرہ میں ڈال کر دوسروں کو بھی شرک کی تاریکی (کفر) سے نکالیں تاکہ مساوات انسانی قائم ہو۔ سوائے ایک رب کے کوئی کسی کا غلام نہ رہے۔ سب آزاد ہو جائیں۔ سب شریف اور حر کہلائیں اور پھر اس مساوات کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ خود غرضی حسد اور نفرت کا خاتمہ ہو جائے اور محبت ہی سے خوف اور بھوک کا علاج ہو جائے

یعنی دنیا میں انس و محبت سے انسانیت کا جوہر اُبھر آئے، اور انسانی سوسائٹی نیک اور شریف بن جانے پر مجبور رہو۔

(۳) اس جماعت کے امام جناب محمدؐ ہیں۔ جو رب الخالق العلم کے پیامبر ہیں۔ یہ رحمانی پیغام ظلمت و کفر سے نکال کر نور و ایمان کی طرف، جہل سے نکال کر علم کی طرف اور دوسروں کی غلامی کی ذلت سے نکال کر صرف ایک آقا کی بندگی کے شرف کی طرف لے جاتا ہے۔ اور شیطانی گرگوں سے نجات دلاتا ہے۔

جن لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر کان دھرا اور خفیہ پارٹی کے رکن بنائے گئے وہ یہ تھے۔

۱۔ حضرت عثمان بن عفان۔ اُمیہ بن عبد شمس کے خاندان کے ایک سردار تھے۔ ۵ نبوی میں رقیہؓ بنت رسولؐ کے ساتھ حبشہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے بعد ۴ محرم ۲۴ھ کو امیر المومنین اور خلیفہ رسول اللہ چنے گئے اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں شہید کر دیئے گئے۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے جمع کردہ قرآن کی مختلف سورتوں کو ایک خاص ترتیب سے ۳۰ھ میں مرتب کرایا اور مختلف مفتوحہ ممالک میں اُس قرأت کو سرکاری طور پر رائج کیا۔ یہ ترتیب سُور نزولی نہیں ہے۔

۲۔ الزبیر بن العوام (اسدی) رسول اللہ کی پھوپھی کے بیٹے ۲۵ھ میں عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے تاجر تھے۔ تصدیق دین کے بعد ان کے چچا نے ان پر سخت مظالم کئے۔ آپ نے حبشہ ہجرت بھی کی۔ جنگ یرموک میں رومی فوج کو اس پار سے اُس پار چیر کر نکل گئے۔ انھیں ۳۶ھ میں عین سجدہ کی حالت میں دشمنوں نے شہید کر دیا۔

۳۔ عبدالعزیٰ بن عوف (زہری) مشرکین نے "رحمان" کے ملنے سے انکار کر دیا تو سب سے پہلے آپ ہی کا نام عبدالعزیٰ کی جگہ عبدالرحمان رکھا گیا۔ خلافت کے لئے آپ کا نام بھی حضرت عمرؓ نے چھے آدمیوں کی فہرست میں رکھا تھا لیکن آپ نے نام واپس لے لیا اور حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی۔ پچھتر سال کی عمر میں ۳۱ھ میں وفات پائی۔ خلافت عمرؓ کے بعد آپ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ البتہ حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن تھے۔

۴۔ طلحہ بن عبید اللہ (تمیمی) حضرت ابوبکرؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ جنگ احد میں رسول اللہ کو بچانے میں انگلیاں کٹ گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بھی خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ آپ کی تائید سے حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوتے اور ان کے بعد یہ خود خلافت چاہتے تھے لیکن پھر مجبوراً حضرت علیؓ کی امامت

قبول کرلی حضرت علی کے مقابلے میں میدان میں آئے تھے لیکن الزبیر کے الگ ہو جانے پر یہ بھی کنارہ کش ہو گئے۔ پھر شہید ہو گئے۔

۵۔ سعد بن وقاص (زہری) فاتح ایران اور ۶۔ عمیر بن ابی وقاص بھی ابتدائی مصدقین میں سے تھے، آپ رسول اللہ کے رشتہ میں ماموں تھے۔ جنگ احد میں آنحضرت انھیں تیر دیتے تھے اور یہ دشمنوں کو نشانہ بناتے تھے۔ کوفہ آپ ہی نے آباد کیا۔ یہ بھی حضرت عمر کے نامزدگان میں سے تھے۔ مگر خلافت سے دست بردار ہو گئے اور ۵۵ھ میں مدینہ سے باہر گوشہ نشینی کی حالت میں انتقال کر گئے۔ بعد کے ادن کرتے کے کفن میں بقیع میں دفن ہو گئے۔

۷۔ ابوعبیدہ عامر بن الجراح (فہری) امین اللامہ لقب تھا۔ اہل نجران کے لئے معلم دین بن کر گئے تھے۔ رسول اللہ کے بعد آپ کا نام حضرت ابوبکر نے خلافت کے لئے پیش کیا تھا۔ شام کی فوجوں کے سپہ سالار تھے۔ بیت المقدس کو صلح سے آپ ہی فتح کیا تھا۔ جابیہ میں سنہ ۱۸ھ میں وفات پائی۔

۸۔ ابوسلمہؓ عبداللہ بن عبدالاسد۔ رسول اللہ کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔ جنگ احد میں زخمی ہوئے اور سنہ ۴ھ میں وفات پائی۔

۹۔ ام سلمہؓ کو آنحضرت نے اپنے نکاح میں لے لیا۔ ام سلمہ ابوسلمہ کی بیوہ تھیں۔

۱۰۔ عثمان بن مظعون ان کا بیٹا ۱۱۔ سائبؓ ان کے دو بھائی ۱۲۔ قدامہ اور ۱۳۔ عبداللہ عم زاد بھائی۔ ۱۴۔ معمر بن الحارث سب یکے بعد دیگرے مصدق بن گئے۔ سنہ ۲ھ میں وفات پائی۔ یہ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔

۱۵۔ عامر بن فہیرہ (ازدی) حضرت عمر نے خرید کر آزاد کیا۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر غار ثور میں تھے تو یہی بکریاں چراتے ہوئے لاتے تھے اور دودھ پلا جاتے تھے۔ سنہ ۴ھ میں ستر قاریوں کا قتل ہوا۔ ان میں سے یہ بھی ایک تھے۔ جب سینے میں نیزہ لگا تو فرمایا فزت واللہ (واللہ میں مقصد کو پہنچ گیا۔)

۱۶۔ ابوحذیفہ بن عتبہ۔ عتبہ سخت مخالف اسلام تھا۔ لیکن یہ اسلام کے سخت حامی تھے۔ ۵۴ سال کی عمر میں مسیلمہ کذاب سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

۱۷۔ الارقم بن ابی ارقم اور ۱۸۔ ان کے والد ابوالارقمؓ (اسدی) کوہ صفا کے نیچے ان کا مکان تھا۔ ان کے مکان میں رسول اللہ نے پناہ لی تھی۔ سنہ ۱۴۰ھ میں خلیفہ منصور عباسی نے اس یادگار کو خرید لیا تھا۔

سنہ ۵۳ھ میں ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی ۔

غلاموں اور عورتوں کی تصدیق ۔۔ وقتاً فوقتاً چند غلام اور عورتیں بھی اس انقلابی برادری میں داخل ہوئے زیدؓ بن حارثہ کا ذکر تو گذر چکا ۔ باقی غلاموں میں سے عمارؓ بن یاسر سنہ ۲۱ھ میں والی کوفہ بنے ۔ خلیفہ عثمانؓ سے برابر کی ٹکر لی ۔ ایسی پر اثر تقریر کرتے تھے کہ نو دس ہزار کوفیوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت علیؓ کا حامی بنا دیا ۔ آخر اکانوے سال کی عمر میں جنگ جمل میں شہید ہوئے ۔

بلالؓ حبشی نے بدر میں امیہ بن خلف رئیس مکہ کو قتل کیا ۔ فتح مکہ کے بعد کعبہ کی چھت سے انھوں نے ہی اللہ کی بڑائی کا اعلان کیا ۔ شام کو اپنا وطن بنا لیا ۔ جب حضرت عمرؓ جابیہ سے گذرے تو سب کے اصرار پر آپ نے اذان دی ۔ موذن رسول کی آواز نے پرانی باتوں کو تازہ کر دیا ۔ لوگ اتنا روئے کہ حتیٰ کہ حضرت عمر بھی ہچکی بندھ گئی ۔ دمشق میں باب الصغیر کے قریب دفن ہیں ۔

صہیبؓ بن سنان (رومی) موصل کے رہنے والے تھے ۔ ہجرت مدینہ کے وقت مشرکین مکہ نے ان کی سب کمائی چھین لی ۔ شہادت عمر کے بعد خلافت کے فیصلے تک آپ خلیفہ رہے ۔ سنہ ۳۸ھ میں مدینہ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی ان کے علاوہ بہت سے غلام اس آزادی کی تحریک میں شریک ہو گئے تھے اور ہزاروں مصائب اٹھانے کے باوجود حق پر قائم رہے اور اسلامی دور میں ان کو جو شرف و عزت حاصل ہوئی وہ قابل تقلید ہے ۔

عورتوں میں ام الفضلؓ زوجہ عباس بی بی خدیجہ کے بعد ہی مسلمان ہو گئی تھیں ۔ یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ یہ اور بعض عورتیں اپنے شوہروں سے پہلے اس جماعت میں شریک ہو گئیں اور ہر طرح کی خاندانی مخالفت کو برداشت کیا ۔ رسول اللہ کی دو لڑکیاں بی بی رقیہؓ اور بی بی ام کلثومؓ بھی اس زمرہ میں ہیں جو اسلام لانے کی وجہ سے سخت اذیتوں میں مبتلا ہوئیں اسماؓ بنت عمیس نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ ہجرت حبشہ کی اور کئی سال جلاوطنی برداشت کرتی رہیں ۔ سنہ ۸ھ میں بیوہ ہو گئیں اور سنہ ۸ھ میں حضرت ابوبکر کے نکاح میں آئیں ۔ ان کی ہم نام اسماؓ بنت ابی بکر کا ایمان لانے والوں میں اٹھارواں نمبر ہے ۔ یہ عبداللہؓ بن الزبیر کی ماں تھیں جنھوں نے یزید کی خلافت سے انکار کیا اور شہید ہوئے ۔ ان کی بہن عائشہؓ بنت ابی بکر طلوع اسلام کے چند سال بعد پیدا ہوئیں یعنی پیدائشی مسلمان تھیں یہی ایک کنواری تھیں جن سے آنحضرت نے نکاح کیا تھا ۔ غزوات میں زخمیوں اور مجاہدین کی خدمت کیا کرتی تھیں ۔ سنہ ۱۱ھ میں آپ کے حجرہ میں رسول اللہ دفن ہوئے اور بیوگی کے اڑتالیس سال گزار کر سنہ ۵۸ھ ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ بڑی محدثہ تھیں ۔ فاطمہؓ بنت الخطاب حضرت عمرؓ کی بہن تھیں

اور اُن سے پہلے مصدقہ ہو چکی تھیں امینہ بنت خلف بھی ابتدائی مسلمات میں سے ہیں اور اپنے بھائی امیہ بن خلف کی مخالفت کی پروانہ کر کے مسلمان ہوئیں اور اپنے شوہر خالد بن سعید کے ساتھ ہجرت حبشہ کی۔

اس دور کے چند خدائی پیغامات جو صرف الامام کے لئے تھے | جسمانی بھوک اور غلامی، روحانی خوف اور پروہتوں سے آزادی کا پروگرام بن چکا تھا۔ آزاد و غلام، عورت و مرد سب مصدقین محمدؐ بن رہے تھے۔ اور رب الخالق الاکرم کی عبدیت و بندگی کی خفیہ تیاری جاری تھی۔ اس زمانے میں خدا کی طرف سے اُن کے دل کو تقویت دی جا رہی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ تمہارا شرح صدر کر دیا گیا ہے۔ اور یقیناً تمہارا بول بالا ہوگا۔ دکھ کے بعد سکھ ہونا ضروری ہے۔ دیکھو جس طرح یتیمی کی حالت میں پناہ ملی اور ضلالت کے بعد ہدایت ملی مفلسی کے بعد تونگری ملی۔ اسی طرح ہر آنے والا زمانہ پچھلے زمانے سے بہتر ہوتا جائیگا۔ رب الفلق تجھے ساحروں اور حاسدوں سے پناہ میں رکھے گا اور وہ اصحاب فیل کی طرح تباہ ہوں گے۔ ان ساحروں وغیرہ کا مقابلہ تو اس سلامتی کی تعلیم سے کر سکے گا جو الروح ہے یا قرآن ہے۔ اس کے ساتھ ملائکہ ہیں جو امن و سکون پیدا کرتے ہیں۔ (دیکھیے سورۃ العلق پہلی پانچ آیتیں اور والضحیٰ۔ الم نشرح۔ الفلق۔ الفیل۔ القدر)۔ ان وحیوں کو آپ نے علانیہ دعوت اسلام کے زمانے میں آئندہ دور میں سنایا)

خدائے اکرم و ارحم کا انوکھا تصور: | اب تک دنیا میں جتنے فلسفے بنے تھے اُن میں خدا یا خداؤں کا یہ تصور تھا کہ وہ عادل بادشاہوں کی طرح عادل ہوتے ہیں اور بعض دفعہ نذرانے قبول کر کے اپنے پرستاروں کی حمایت بھی کر دیتے ہیں اور اُن کے دشمنوں پر ظلم کرنے لگتے ہیں۔ قرآن نے یہ بتایا کہ اگرچہ مختلف قوموں کے تصورات کے مطابق خدائے قرآن بھی عادل خدا ہے مگر چونکہ اُس نے اپنے لئے قانون بنا لیا ہے کہ وہ رحم ہی کیا کرے گا لہٰذا توبہ کرنے والے گنہگاروں کو معاف کر دیتا ہے ظاہر ہے کہ عادل خدا یا بادشاہ کی یہ صفت نہیں ہو سکتی کہ وہ گنہگاروں کو سزا نہ دے بلکہ معاف کر دے۔ قرآن ایک مغفرت کرنے والے اور رحمت والے خدا کا قائل ہے (کتب علیٰ نفسہ الرحمہ)

آنحضرتؐ کو بچپن ہی سے خدا کی رحمت کا سبق مل رہا تھا۔ یتیم تھے پناہ ملی۔ شش و پنج میں تھے یقین اور ہدایت کا راستہ کھلا۔ مفلس تھے دولت مند بنا دیے گئے۔ یہ سوال بار بار آپؐ کے دل میں پیدا ہوتا تھا کہ ضرور کوئی رحمت والی طاقت میرے ساتھ ہے۔ آخر چالیس سال کی عمر میں آپ اس پختہ یقین کے ساتھ آگے بڑھے کہ عادل خدا کا یہودی تصور کمزور ہے میرا خدا اکرم و ارحم خدا ہے۔ لہٰذا مجھے بھی دنیا کو یتیمی کے خوف، مقصد زندگی کے جہل اور جسمانی غلامی اور بھوک سے نکالنا چاہیئے اور دنیا کو پیام سلامتی و رحمت دینا چاہیئے۔ (والضحیٰ)

دوسری فصل :- محمدؐ المنذر و المزکی دعوت جہراً

(دور رب ، الہ ، اللہ - ملک - قادر)

اولی النعمۃ کی کنجوسی اور پروہتوں کے جمود پر ضرب شدید

(محرم ۴ سنہ نبوی (مارچ ۶۱۲ء) تا رجب ۵ سنہ نبوی (اکتوبر ۶۱۴ء))

ہزاروں سال کی گہری نیند، تمہارے قوائے فکر و عمل کو بے کار کر چکی ہیں۔ یہ قانون الٰہی تمہارے دادا نوح کے وقت سے جاری ہے کہ نفس پرستی تباہی لاتی ہے۔ قوم نوح۔ قوم لوط۔ عاد و ثمود الایکہ اور عزیر پرست بنو اسرائیل، سب شیطانی وسوسوں میں گرفتار ہو کر زر پرستی کی خندق میں گر گئے۔ یہ نہ سمجھو کہ ظلم و ستم اور انتہائی کنجوسی کے بعد جب مر گئے تو چین کی نیند سو ؤ گے۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ موت کی نیند سے جگائے جاؤ گے۔

اور ایک ایک گمراہی کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

اس روز پوچھا جائے گا کہ ساحروں، کاہنوں اور شاعروں کے کہنے پر کیوں چلے تھے؟ یہ شیطان کیوں تمہاری عقلوں پر چھائے ہوئے تھے؟ خدا نے تمہیں عقل دی۔ عقل نے محبت سکھائی ... لیکن ــــ تم نفرت کی تاریکی میں جا پڑے۔ دولت کی طمع سے اندھے ہو گئے حتیٰ کہ یتیموں، مسکینوں۔ غلاموں، لڑکیوں اور کم زوروں کو زندہ درگور کر کے ــــ تم سمجھے کہ کوئی پرسش نہ ہوگی

آؤ: تمہارے لئے جہنم تیار ہے۔ اس کے شعلے تمہیں ہمیشہ جلاتے رہیں گے۔ تم موت کا مزہ چکھتے رہو گے لیکن موت نہ آئیگی۔

این نفس ستمگار ہمیں شیطان است ... پیوستہ عیاں بود مگر پنہان ست
ابلیس خودی، چرا بہ ابلیس بدی ... در پیش خیالات تو۔ او حیران ست

(سرمد شہید)

زر پرستا بحسرت زر و سیم ... بر لبت خندہ، آہ سرد رود
خاک در چشمت، ار ہمی بینی ... کز طمع آبروئے مرد رود

(فیضی ہندی)

المنذر والمزکی

باالٰہ۔ اللہ۔ الملک

اس دور کے اسمار الحسنیٰ : لا الٰہ الا اللہ - الملک - القادر - المطعم
المؤمن ، الاعلیٰ ، الخبیر الکریم ، العظیم ، العزیز ، الشہید ، الودود
الحمید - الغفور - الغفار - الحکیم ، العلیم - الرازق - ذوالقوۃ

ساڑھے تین سال کے قریب جو خفیہ کام ہوا وہ ورفعنالک ذکرک کی آیت سے ظاہر ہوتا ہے ۔ اس زمانے میں صرف ایسے لوگوں میں تبلیغ کی گئی تھی جو صحیح الدماغ تھے اور اُن میں انسانیت کی فلاح ونجات کے لئے قربانی کی صلاحیت اور کام کرنے کی استعداد تھی ۔

اب قریش کے سامنے علانیہ تبلیغ کا وقت آگیا تھا اور خدائی آواز نے یہ طریقے بتائے تھے کہ (۱) پہلے یہ بتایا جائے کہ جمع مال اور ظلم نے کس طرح پرانی قوموں کو تباہ کیا ہے اور پھر یہ کہا جائے کہ (۲) یہ نہ سمجھو کہ اگر ظلم کرتے رہے اور تباہی اور سزا سے بچ نکلے تو چین ہی چین ہے ۔ تم مر جاؤ گے تب بھی جواب دہی سے نہ بچو گے دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے اور سزا پاؤ گے ۔ اسی لئے اس دور کے قرآن میں آپ کو المنذر (بداعمالی کے نتائج سے ڈرانے والا) اور المزکّی (اخلاق و کردار کو پاکیزہ بنانے کی تعلیم دینے والا) کہا گیا ہے ۔

پہلی پکار اور جلسہ محرم سنہ نبوی میں جبکہ حج کی ہماہمی ختم ہو چکی تھی ، آپ نے ایک روز صفا کی پہاڑی سے پکارا : یامعشر قریش ، یامعشر قریش !! قاعدہ تھا کہ ایسی پکار سُن کر لوگ جمع ہو جاتے تھے ۔ لوگ جمع ہو گئے تو المنذر نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا : دوستو ! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر جرار تم پر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے ۔ تو کیا تم اس بات پر یقین کر لو گے ؟

لوگوں نے کہا کہ تم صادق اور امین ہو ۔ ہم کیوں نہ یقین کریں گے ۔ بتائیے معاملہ کیا ہے ؟

القریش : تباہی بخیلوں کی وجہ سے آتی ہے اب آپ نے اپنی خداداد بلاغت اور بنو سعد کی فصاحت کے ساتھ لوگوں کو اس طرح

مخاطب کیا: "دنیا کو جنگ نے تباہ کر رکھا ہے۔ تجارت ختم ہو چکی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے جو جاڑے اور گرمی کے سفر رجب اور ذی الحجہ کے بعد متعین کیے تھے جن کی وجہ سے بھوک اور خوف دور ہوتا تھا وہ بھی بند ہو رہے ہیں۔ روم وایران کی لڑائیوں نے رستے بند کر دیے ہیں۔ حاجی اور تاجر نہیں آتے۔ تمہاری یہ حالت ہے کہ تم زمانے کے ساتھ نہیں بدلتے۔ حاجیوں کی لوٹ کھسوٹ جاری ہے۔ وہ اگرچہ اپنا کھانا کپڑا لاتے ہیں لیکن تم نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ کھانا لیں تو تم سے خرید کر لیں اور طواف کعبہ کریں تو تم سے کپڑے کرائے پر مانگیں۔ ورنہ بھوکے رہیں اور ننگے رہ کر طواف کریں۔ دولتمندوں کی یہ حالت ہے کہ تکاثر کرتے کرتے قبر میں چلے جاتے ہیں اور نہ مسافروں کی مدد کرتے ہیں۔ نہ مفلسوں کو عاریتاً بھی کوئی چیز دینا پسند کرتے ہیں۔"

اتنے میں ام جمیل بنت حرب اموی پکاری، یہ تو عجیب بات ہے۔ ہم اپنی دولت غریبوں میں بانٹ دیں تو پھر ہم کیا کریں۔ ابولہب تو بیوی کا غلام تھا۔ وہ بھی پکار اٹھا۔ کہ ٹھیک کہتی ہے۔ کیا اسی لئے ہمیں بلایا تھا۔ بنو حرب نے سمجھا کہ شاید اس کی تہہ میں بنو ہاشم کا ہاتھ ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مکہ کی حکومت میں جو حصہ اُن سے چھن گیا ہے وہ پھر حاصل کرلیں۔ غرضکہ جلسہ میں ہنگامہ ہو گیا اور سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

جو لوگ بچ رہے تھے اُن سے المنذر نے فرمایا کہ جو بھوک اور خوف مکہ والوں پر طاری ہے۔ اس سے بچنے کا واحد علاج یہ ہے کہ بہت سے دیوتاؤں اور آقاؤں کی غلامی ختم کی جائے اور سب مل کر اس رب کی عبودیت (غلامی) کا اظہار کریں جس نے سب کو بنایا ہے۔ نہ دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں ہے کہ قربانی کے خون اور گوشت سے خوش ہوتا ہو نہ وہ آقاؤں کی طرح انسان کو غلام بنا کر اپنے نفع کے لئے اُس کی عقل و شعور کو مٹاتا ہے۔ اگر ہم سب میں اتحاد ہو جائے اور سب انسانوں کو برابر سمجھیں تو ذرا شک نہیں کہ ہم ترقی کریں گے اور ہمارے قوائے عقل و عمل آزاد ہو کر تخلیقی کاموں میں لگ جائیں گے۔ غلام اپنی زندگی سے مایوس ہیں۔ آقا اپنی تجارتی کساد بازاری سے پریشان ہیں۔ لیکن اگر وہ سب متحد ہو جائیں تو مایوسی امید سے بدل جائیگی اور وہ رب (آقا) جو ہمارا خالق ہے ہمیں ایسے راستے پر ڈال دے گا کہ ہم دنیا میں کسی قوم سے ہیٹے نہ رہیں گے۔

اس جلسہ کے بعد کی قرآنی تعلیم

اس جلسہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور المنذرؑ اور مصدقین سے سوالات ہونے لگے۔ کسی نے کہا کہ حاجیوں سے روپیہ وصول کرنا کونسا گناہ ہے۔ آخر ان کو ہم بہت سی غیب کی باتیں بتاتے ہیں جس سے اُن کی تجارت کو ترقی ہوتی ہے۔ کسی نے کہا ہم انھیں ایسا سحر سکھاتے ہیں یا تعویذ دیتے ہیں کہ اس کے دشمن تباہ ہو جاتے ہیں۔

اور اُس کے بہت سے بیٹے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بیماری دور کر دیتے ہیں جنوں اور شیطانوں سے اُن کے بچے اور مویشی محفوظ رہتے ہیں۔ اگر راستہ بھول جاتے ہیں تو انھیں شیطان الفلا کے فریب سے نکال دیتے ہیں کسی نے کہا کہ ظلم کرنا ہی شرافت کی نشانی ہے۔ غلام ہو یا اجنبی کسی سے حلم کے ساتھ پیش آنا اپنی کمزوری کا اعلان ہے ؎

وبعض الحلم عند الجهل للذلة اذعان

اور ہم ظلم اس لئے بھی کرتے ہیں کہ: من لا یظلم الناس یظلم (جو ظلم نہیں کر سکتا اس پر دوسرے ظلم کرتے ہیں۔)

سورہ۔ واللیل۔ والعادیات۔ ظالم دولتمندوں کیلئے جہنم

المزکی نے ان سب باتوں کو سُنا اور زبان وحی سے فرمایا: "یہ سب شرارتیں، مظالم، جہل، بغض، نفرت، لوٹ کھسوٹ۔ جو طبقہ کرتا ہے۔ وہ دولتمند طبقہ ہے۔ وہ گمراہ کرنے والے پروہتوں اور ساحروں کا فرقہ ہے یا جھوٹی تعریفیں کرنے والے شاعروں کا گروہ ہے۔ لہذا ان سب کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اگر اس زندگی میں نہیں تو مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤگے اور پھر وہ رب الخالق، جو سب الہوں کا الہ یعنی اللہ ہے۔ وہ انھیں دہکتی ہوئی آگ (نارًا تلظی) میں ڈالے گا۔ بخیلوں کو قیامت میں ان کے بخل کی سزا ملے گی۔

الزلزال۔ بعث بعد الموت

اہل مکہ بعث بعد الموت کے قائل نہ تھے۔ یہودیوں کا صرف ایک فرقہ اس کا قائل تھا۔ دوسرا کہتا تھا کہ توراۃ اس تصور سے خالی ہے۔ قدیم مصری اس تصور کو بابل والوں کی طرح معاد روحانی سمجھتے تھے۔ آریوں میں زرتشتی اسے مانتے ہیں اور ہندوستان کے آریہ بھی تناسخ کی صورت میں اس کے قائل ہیں۔ تناسخ کے نہ صرف یونان کے بعض فلسفی مثل فیثاغورث کے قائل تھے۔ بلکہ قدیم افریقی اقوام میں اب تک یہ تصور باقی ہے کہ مرنے کے بعد اُن کی روحیں جانوروں، درختوں یا پودوں کی شکل میں پھر ظاہر ہوتی ہیں۔

بہر حال اہل مکہ اس تصور کا مذاق اڑاتے تھے۔ المزکیؐ نے سب سے پہلے انھیں یہ تصور دیا کہ صرف اس رب کا حکم ماننا چاہیئے جو الہ ہے، خالق ہے اور اکرم ہے اس کے بعد یہ بتایا کہ مرنے کے بعد زندگی یقینی ہے۔ اسلام نے اس تصور کو دے کر انسانی عمل میں ایک ناقابل تسخیر طاقت بھر دی۔ اب اُس کے لئے موت ایک نئی فتح مندی کا دروازہ بن گئی۔

جبر و اختیار یہاں ایک ضمنی مسئلہ بھی حل کر دیا گیا کہ انسان اپنے اخلاقی اعمال کے لئے مجبور نہیں ہے خدا نے اُسے عقل و خرد اسی لئے دی ہے کہ جانوروں کی طرح اپنے طبعی رجحانات (انسٹنکٹ) ہی پر نہیں، بلکہ ان سے بالاتر قوائے عقل و شعور سے کام لے۔ یعنی وہ مختار ہے چاہے نیکی کرے چاہے گڑھے میں گر جائے۔

امید و بیم جو لوگ اپنے کو مجبور سمجھتے ہیں۔ اُن کے سامنے امید کی کوئی راہ نہیں۔ وہ مادہ پرست کہے جا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مادی موت کو انسانی زندگی کا آخری مرحلہ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ اپنے کو مختار سمجھتے ہیں وہ اپنے اعمال کا پھل پانے کا یقین رکھتے ہیں۔ وہ لوگ پر امید ہیں گو یا روحانیت کے قائل ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُن کی سعی مشکور ہو۔ وہ بہر حال کسی نہ کسی شکل میں بعث بعد الموت کے خواہش مند ہیں اور موت سے ڈرنے کی جگہ اُسے خوش آمدید کہتے ہیں اسی لئے ایک بہت بعد میں پیدا ہونے والے شاعر نے شہید محبت کے لئے کیا خوب کہا ہے کہ:-

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند   لاغر صفتان و زشت خو را نکشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز   مردار بود ہر آنکہ او را نکشند

قرآن نے مرنے کے بعد زندگی کا تسلسل قائم کر دیا اور نیکوکاروں کی موت بھی امید افزا بنا دی اور یہ بتا دیا گیا کہ بخیل اور ظالم موت کے بعد اس لئے زندگی نہیں چاہتا کہ اُسے بدعملی کی سزا نہ ملے۔

دوسری پکار ۵ نبوی کے رجب میں دنیا بھر میں نوسردہ یا دسہرہ کا تہوار منایا جا رہا تھا۔ اس زمانے میں آپ نے پھر ایک دفعہ لوگوں کو پکارا۔ بقول بعض بکری کا گوشت اور دودھ کھانے کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ اور المزکیؐ نے فرمایا کہ لوگو میں چاہتا ہوں کہ نہ صرف تمہیں اس دنیا میں عزت حاصل ہو بلکہ مرنے کے بعد جو زندگی ہو اس میں بھی عیش و راحت کا لامتناہی سلسلہ قائم ہو جائے۔ شکر ہے کہ ان لوگوں نے مخالفت نہیں کی۔ لیکن کوئی علانیہ حمایت پر بھی تیار نہیں ہوا۔ صرف علی ابن ابی طالب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اگرچہ میں کمسن ہوں اور میری ٹانگیں اس بار گراں کو نہ سنبھال سکیں گی لیکن آپؐ کے ساتھ میں ہر مصیبت اٹھانے کے لئے اور لوگوں کو قدامت پرستی سے نکالنے کے لئے تیار ہوں۔

جلسہ ختم ہو گیا۔ المزکیؐ نے حسب معمول تبلیغ شروع کر دی اور غلام ساز مالداروں کے مختلف گروہوں اور خاندانوں کو عذاب سعیر سے ڈرانا شروع کر دیا۔

والعصر۔ تاریخ اقوام سے استشہاد

دوسرے جلسے کے بعد المزکی نے لوگوں کو وحی الٰہی سے جو تعلیم دی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قدیم اقوام کی تاریخ پر نظر ڈالو وصاف ظاہر ہے کہ جب تک کہ ایک مقصد متعین نہ ہو (ایمان) اور اس کے حصول کے لئے عمل صالح نہ کیا جائے اس وقت تک مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ صرف ایمان یا صرف عمل جس کا کوئی مقصد نہ ہو بے کار ہے۔ جو قومیں ایمان وعمل صالح کو ساتھ ساتھ چلاتی رہتی ہیں وہ گھاٹے میں نہیں رہتیں۔ (والعصر)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقصد کیا ہے اس کا جواب پہلے دیا جاچکا ہے کہ ایک رب کی عبدیت کا اعلان کرنے کے بعد فلاح انسانیت کے لئے دین حق کا قیام۔

القارعۃ تا عبس۔ دین حق کا عملی پروگرام

دولت کی لالچ چھوڑو۔ مساوات مالی پیدا کرو۔ غلامی کا خاتمہ کردو۔ جو لوگ اس راہ سے بھٹکے ہیں وہ نفسانی وسوسوں کی وجہ سے اس پر پڑے ہیں۔ خدا ان شیطانی وسوسوں سے بچاتا ہے۔ جو لوگوں کا آقا اور بادشاہ ہے۔ وہی معبود حقیقی ہے۔ جن اور ساحر دھوکہ دیتے ہیں اور مقصد سے ہٹاکر تباہی لاتے ہیں۔ قوم ثمود کی تاریخ دیکھو۔ جو تباہی آئی وہ اُن کے مالدار پروہتوں کی وجہ سے آئی۔ مال جمع کرنے والے یہ سمجھتے تھے کہ ان کا مال ہمیشہ رہے گا۔ لیکن وہ اللہ کی جلتی ہوئی آگ میں ڈالے گئے (القارعہ۔ والناس۔ والشمس۔ الھمزہ۔ المعارج۔ عبس)

البلد تا اللھب۔ چند نیک کاموں کی تفصیل یہ ہے

انسان کا فرض ہے (صلاۃ) کہ وہ اپنے مال میں سے حقداروں کو دے۔ زنا نہ کرکے عورت کو ذلت میں نہ ڈالے بلکہ نکاح کرے۔ وعدہ وفا کرے اپنی شہادت پر قائم رہے اور اپنے فرائض سے چوکس رہے۔ غلام کو آزاد کرے مسکین کو یتیم کو اور قحط زدہ لوگوں کو کھلائے (البلد) ایک دوسرے پر رحم کرے۔ لیکن جو لوگ یوم الدین کو نہیں مانتے وہی فرض ناشناس ہیں۔ یتیموں کو دھکے دیتے ہیں اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے یہ کمینہ پن اور کنجوسی کی حد ہے کہ کسی استعمالی چیز کو بھی تھوڑی دیر کے لئے مانگے نہیں دیتے۔ یہ سن کر مشرکین نے آنحضرت کو جھٹلانا شروع کردیا۔ اول تو یہ کہا کہ ہم بہت سے خداؤں کو نہ چھوڑیں گے۔ دوسرے یہ کہ مرنے کے بعد نہ پیدا ہوں گے نہ کسی بات کی جواب دہی ہوگی۔ اس کا جواب المنذر نے یوں دینا شروع کیا۔ البلد، الفجر، الاعلیٰ، الکوثر، الماعون، اللھب

الانشقاق تا والمرسلات - مکذبین سے خطاب

لوگو میں جو کچھ کہتا ہوں (یعنی قرآن کی نصیحتیں) وہ سب سنجیدہ باتیں ہیں، بیہودہ ہزل نہیں ہیں (الطارق) یہی باتیں پرانی سے پرانی تعلیمات (کتب) میں موجود ہیں۔ خواہ وہ ابراہیم کی تعلیم ہو یا موسیٰ کی۔ لوگ کہتے ہیں کہ قیامت نہ ہوگی۔ نہ دوبارہ زندگی ہوگی۔ انھیں بکنے دو۔ اللہ انھیں سخت عذاب نار دے گا یہ مکذبین اولی النعمہ چند روز عیش کرلیں۔ پھر ہمیشہ جہنم میں جلیں گے (المزمل) زیتون کی پہاڑی سے مسیح نے، سینا کی پہاڑی سے موسیٰ نے اور مکہ کی پہاڑی سے میں نے ایک ہی تعلیم حاصل کی ہے کہ بے عملی کی ایمانداری، اور ایمان کے باوجود بے عملی دونوں بے معنی ہیں۔ جو مومنین صالح ہیں وہ مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی احکم الحاکمین کے سامنے کرنا پڑے گی (والتین) اور ہر عمل کی جزا ملے گی۔ جو لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے دنیوی اعمال کا محاسبہ کس طرح ہوگا۔ انھیں جان لینا چاہیئے کہ ہر شخص پر دو فرشتے نگراں ہیں وہی نیکی بدی کا حساب رکھتے ہیں اور خدا کے سامنے ہر عمل کا حساب بتائیں گے اور اس دن چھپے ہوئے بھید کھل جائیں گے (یوم تبلی السرائر) (انشقاق - انفطار - والمرسلات)

سورۃ القیامہ - بام مارگی - دست چپی یا اصحاب الشمال

جو لوگ راہ کج پر چلتے ہیں وہ اصحاب الشمال ہیں۔ وہ نہیں مانتے کہ مرنے کے بعد زندگی ہوگی۔ وہ جنت دوزخ کے قائل نہیں۔ ان سے پوچھو کہ مردہ زمین سے سبزی اور کھیتی اگانے والا خدا کے سوا کون ہے؟ اسی طرح وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور یوم الفصل کو نیکوکار جنت میں اور بدکار جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ (سورۃ القیامہ)

مکذبین قریش کا پہلا وفد ابو طالب کے پاس

قریش مکہ کی زندگی کا انحصار حج کے میلوں پر تھا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ذی الحجہ کے بڑے میلے اور رجب کے چھوٹے میلے میں تاجروں اور حاجیوں کی کمی ہو رہی ہے تو وہ یہی سمجھے کہ محمدؐ بن عبداللہ اور بنو ہاشم کی یہ سازش ہے وہ چاہتے ہیں کہ بت خانہ کعبہ کی عزت کم ہو جائے اور لوگ ادھر کا رُخ نہ کریں۔ وہ اپنی کم نظری کی وجہ سے یہ محسوس نہیں کر سکے کہ روم و ایران کی لڑائیوں نے تجارتی سفر خطرناک کر دیئے ہیں اور اسی لئے سوائے ہند اور بحرین یا یمن و حبشہ کے تاجروں کے کوئی مکہ کا رُخ نہیں کرتا۔ اسی لئے عرب کے حاجی بھی کم ہوگئے اور جو آتے بھی ہیں وہ خود مفلس ہوتے ہیں اور خود اپنے نفع کی امید میں آتے ہیں۔

انھوں نے بجائے ایک مضبوط سیاسی و اجتماعی وحدت بنانے کے یہ خیال کیا کہ ایک خدا کی پرستش اور غلام و آزاد کا فرق مٹا دینا، نہ صرف اُن کے دین کو خطرے میں ڈال دے گا بلکہ اُن کی سوشل برتری بھی ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا انھوں نے طے کر لیا کہ بنو ہاشم کا اس تحریک میں ہاتھ ہے اور اُن کی ہر طرح مخالفت کرنا چاہیئے۔ لیکن مصدقین محمدؐ کا خاتمہ کرنے سے پہلے انھوں نے یہ مصلحت سمجھی کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے سردار ابو طالب سے مل کر گفتگو کر لی جائے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی سیادت حاصل کرنے کے لئے یہ سازش کر رہا ہو۔

اس وفد میں بنو ہاشم کا سب سے بڑا دشمن ابو سفیان بن حرب پیش پیش تھا۔ یہ سردار قریش تھا۔ اس کے ساتھ ابو جہل بن ہشام (اموی)، ابو جہل بن ہشام (مخزومی) ولید بن مغیرہ (مخزومی) سپہ سالار فوج۔ عاص بن وائل (سہمی) اور دوسرے سرداران قریش تھے۔ عتبہ و شیبہ اور ابو البختری کو اگرچہ اس تحریک سے کوئی عناد نہ تھا۔ مگر رفع شر کے خیال سے وہ بھی ساتھ تھے۔ انھوں نے ابو طالب سے کہنا شروع کیا "بھائی ابو طالب تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارا بھتیجہ ہماری روزی کو ختم کر دینا چاہتا ہے وہ چاہتا ہو کہ ہم بہت سے خداؤں کی جگہ صرف ایک خدا کو پوجیں۔ آخر وہ یہ نہیں سمجھتا کہ ہم نے ایک خدا پر کل کاموں کا بوجھ نہیں ڈالا۔ ہم نے مجوس کا یہ مسلک اختیار کر لیا ہے کہ ہر دن کا ایک خدا (فرشتہ ایزد: یشتا) ہونا چاہیئے۔ پھر مسیحی دیوی مریم، ہمارے دادا ابراہیم اور بابل کے دیوتا بعل (ھُو بعل)۔ غرضکہ سب کو ہم نے دیوتا مان لیا ہے جس قوم کا شخص آئے بلا تامل یہاں پوجا کر سکتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اگر ایک دیوتا سے مراد پوری نہ ہو تو دوسرے سے مانگ لے۔ اس کے علاوہ ہم اپنی دیویوں کو خدا تو کہتے نہیں۔ انھیں صرف سفارشی (شفیع) مانتے ہیں۔ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ لات طائف میں ہے مناۃ سمندر کے کنارے۔ سومنات ہندی کے مقابلے میں ہے۔ عُزّیٰ نخلہ میں ہے۔ غرض کہ اس میں محمدؐ کا کیا نقصان ہے جتنے زیادہ دیوتا ہوں گے اتنا ہی نفع ہوگا۔

رہا یہ معاملہ کہ مرنے کے بعد زندگی ہوگی اور اگر ہم غلاموں یا عورتوں یا زائروں پر ظلم کریں گے یا قصاص لیں گے تو ہمیں وہاں سزا ملے گی۔ یہ سب باتیں محض لغو ہیں۔ کوئی بھی مر کے جیا ہے۔ اگر جی بھی سکتا تو تم محمدؐ سے کہو کہ وہ قصی بن کلاب یا ہاشم کو دوبارہ زندہ کرا دے۔ یہ لوگ کتنے فیاض اور شریف تھے اور ہم سب کے بزرگ تھے۔ پھر محمد ہمارے غلاموں اور کمزوروں میں بغاوت کی آگ بھڑکا رہا ہے اگر یہ لوگ ہاتھ

سے نکل گئے تو ہمارا آرام ختم اور زندگی وبال ہو جائے گی

ابوطالب نے ان لوگوں کی باتیں سنیں اور نرم جواب دے کر واپس کر دیا۔ شاید انھوں نے سوچا ہو گا کہ معاملہ کی نوعیت سمجھ لینے کے بعد کوئی قدم اٹھانا چاہیئے یا اپنے بھتیجے کو بنو حرب کی شرانگیزی سے بچنے کی ہدایت کر دینا چاہیئے۔ آنحضرت کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ خوش ہوئے کہ قریش، اب چونک رہے ہیں اور شاید جلد نیند سے بیدار ہو جائیں۔

۵ نبوی وفد قریش کی واپسی کے بعد

علانیہ تبلیغ دین کا دوسرا سال یعنی ۵ نبوی شروع ہو گیا اور المنذر و المزکّی نے اپنے کام میں زیادہ تیزی اور اپنے دلائل میں زیادہ وضاحت شروع کر دی اور مختلف سورتوں میں مشرکین مکہ کے اعتراضات کا جواب دینے لگے۔

سورہ نوح، والنازعات - غیر اللہ کی پرستش تباہی لاتی ہے

کتنے افسوس کی بات ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے وہ خالق اکبر کو چھوڑ کے خود اپنے بنائے ہوئے بتوں اور اپنی خواہشوں (ھوا) کی پرستش کرنے لگے۔ یہ بت پرستی انسان کے شرف کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ وہ خود اعتمادی کھو بیٹھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ پجاری اور کاہن اور نجومی اس کو بھوک اور خوف سے نجات دلا سکتے ہیں۔ وہ ان کے پھندے میں پھنس کر مختلف دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ظالم دیوتا خون اور گوشت کی رشوت لے کر انسان کا کام بنا دیں گے۔ افسوس وہ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ گوشت پجاریوں کے پیٹ میں جاتا ہے اور وہ خود شفیع بنے بیٹھے ہیں اور لات و عزیٰ کو خدا کی بیٹیاں بنا کر بیوقوفوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری قوم بے عملی اور بد عملی کی وجہ سے تباہ ہو رہی ہے۔ (سورہ نوح)

عراق کی سرزمین میں نوح کی قوم نے جب خدا پر بھروسہ چھوڑ دیا اور بت پرستی کے ساتھ ساتھ خود پرستی شروع کی تو نوح نے انھیں روکنا چاہا۔ مگر وہ کب ماننے والے تھے۔ اُن کی عقلوں پر نجومی چھائے ہوئے تھے۔ آخر تباہ ہوئے۔ اسی طرح مصر میں فرعون اپنے کو خدا "را" یا خدا کا بیٹا "زے را" (عزیر) کہلاتا تھا۔ اس کی قوم سحر و شعبدہ بازی جاننے والے پروہتوں کے ہاتھوں میں تھی جو لوگوں کو مرنے کے بعد سورج دیوتا تک پہنچنے کی تعلیم دیا کرتے تھے اور نیل کی دیوی پر ایک کنواری کو زندہ غرق کر کے سیلاب لاتے تھے۔ وہ بھی بت پرستی اور کواکب پرستی (شعریٰ (زے را؟) یا (SIRIUS) اور سورج پرستی میں اتنے پھنسے کہ سب کام غلاموں کے سپرد ہو گئے۔ پروہتوں کا کام صرف فرعون کی پرستش کے طریقے بتانا رہ گیا۔ بے عملی نے قوم کو بزدل بنا دیا۔ انھیں کبھی عمالقہ

(حی عکسوں) نے فتح کیا۔ کبھی یونان و روم و ایران نے، اور کبھی جہالت کے ہاتھوں خود خانہ جنگی کے نذر ہو گئے۔ یہی حال بنو اسرائیل کا رہا۔ جب تک اُن میں وحدت قومی باقی تھی اور وہ صرف اللہ پر بھروسہ کرتے تھے۔ اس وقت تک داؤد و سلیمان کی سلطنت قائم رہی۔ لیکن جب اُن میں صدوقی و فریسی، یہوداہ اور اسرائیل کی جنگ چھڑی اور غلامی عام طور پر رائج ہو گئی وہ بھی نہ بچ سکے۔ بعل و ملک کی پرستش اور سود کی دولت انھیں بار بار کی غلامی سے نہ بچا سکی (ردالنا معات)

البروج۔ مصدقوں کی ہمت افزائی کے لئے نصرانی حق پرستوں کا ذکر

مشرکین نے مصدقین سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی بلکہ بعض کمزوروں اور غلاموں کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ المنذرؐ نے بہ اشارہ وحی فرمایا: "یہ شریر النفس لوگ اپنے بھلے کی باتیں نہیں سننا چاہتے۔ اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی عیش سے رہو گے۔ بشرطیکہ لوگوں سے مہر و محبت سے پیش آؤ، تو یہ بھی انھیں پسند نہیں۔ کہتے ہیں کہ سڑی گلی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے۔ ہم تو ابنا ظلم کئے جائیں گے اور مومنوں اور مصدقوں کو زندہ جلا دیں گے۔ سن لو! ایک دفعہ اسی طرح نصرانی قوم کے مومنوں کو مشرکوں نے خدا پرستی اور رحم دلی سے روکنا چاہا تھا اور اپنی جماعت اور طاقت کے گھمنڈ میں ان کو زندہ جلا دیا تھا۔ یہ اصحاب الاخدود کھائیاں کھودنے والے بھی آخر اپنے اعمال کی سزا سے نہ بچ سکے۔ چند ہی دنوں میں قوم فرعون اور قوم ثمود کی طرح ذلیل کر دئے گئے (قُتِل بمعنی ذلّ) (البروج)

کتب اولین

میں تمہیں جو تعلیم دے رہا ہوں اسے پتھر کی لکیر سمجھو۔ یہ خدا کا نہ ٹلنے والا قانون ہے کہ ظالم تباہ ہوگا۔ جاہل کا سر جھکے گا اور غلام آخر آزاد ہوگا۔ یہ تعلیم ویسی ہی صاف اور واضح ہے جیسی کہ اگلے ہادیوں نے تعلیم دی ہے۔ یہ سحر و کہانت نہیں ہے کہ اس کے کوئی معنی نہ ہوں اور عام عقلوں سے اس کا مفہوم پوشیدہ ہو۔

سورہ المدثر۔ قول من عند اللہ

یہ شیطانی قول نہیں ہے۔ جیسا کہ عام طور پر تمہارے شاعر اور ساحر و کاہن جنوں اور شیطانوں سے علم حاصل کرنے کے مدعی ہیں۔ یہ علم اللہ کی طرف سے ہے۔ ذکری ہے اور الحدیث ہے یعنی حق ہے اور نیکی کی طرف لے جانے والی ہدایت ہے۔ نہ یہ گپ شپ ہے۔ نہ اس میں اساطیر الاولین ہیں۔ اس میں ہر قصہ، ہر مثل، ہر بات ایک مقصد ایک موعظت اور ایک ثبوت باری تعالیٰ و یوم الدین (آیت دلیل) ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا پرستی وحدت انسانی، اور اپنے اعمال کی ذمہ داری کا تصور ہی انسان کو شریف و عزیز بنا سکتا ہے (المدثر)

سورہ التطفیف ونون آیات یعنی دلائل

مکذبین کے سامنے جب تاریخی قصے بیان کئے جاتے تھے اور اُن کی بنا پر انھیں یہ بتایا جاتا تھا کہ ایک خدا کو نہ ماننے کا نتیجہ ہمیشہ قومی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ ان دلائل (آیات) کو ماننے سے قطعی انکار کردیتے تھے۔ اس دور میں ہر جگہ آیات یعنی دلائل استعمال ہوا ہے کَلَّآ اِنَّهٗ کَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا (المدثر) اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (التطفیف ون والقلم)

سورہ التکویر

یہ توانسانوں کے لئے نصیحت ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ، شعر و کہانت یا شعر نہیں ہے۔ (عالمین: انسان)

قریش کا دوسرا وفد ابو طالب کے پاس

محرم ۵ نبوی کے بعد قریش نے محسوس کیا کہ آنحضرت کی تحریک کا اثر نہ صرف مکہ والوں پر بلکہ باہر کے زائروں اور تاجروں پڑ رہا ہے تو پھر حج ۵ عام الفیل کے بعد ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے :۔

"آپ ہمارے شریف بزرگ ہیں۔ ہم نے چاہا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے کو ہم سے روک دیں۔ مگر آپ نے نہیں روکا۔ اب واللہ ہم زیادہ صبر نہیں کرسکتے کہ وہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دیتا رہے اور ہمارے دینی طریقوں کو بُرا کہتا رہے لہذا اُسے یا تو روکئے اور یا مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیے۔ تاکہ دو فریقوں میں سے ایک ہی باقی رہ جائے۔"

ابو طالب پر یہ معاملہ نہایت شاق گذرا۔ وہ نہ تو المنذر کو ان کے حوالے کرسکتے تھے اور نہ اُن کا ساتھ چھوڑ سکتے تھے۔ آپ نے رسول اللہ کو بلایا اور قریش کی باتیں دہرانے کے بعد کہا: "بھتیجے مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں نہ اٹھا سکوں۔"

"رسول اللہ نے سوچا کہ شاید اب میرے چچا میرا ساتھ چھوڑ دینے والے ہیں۔ یعنی اپنی اور اپنے قبیلے کی حمایت یا جوار سے محروم کرنے والے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قریش میرے ساتھ جو سلوک چاہیں گے کریں گے اور کوئی خاندان میری حمایت پر سینہ سپر نہ ہوگا یا یہ بات ہے کہ چچا میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اپنے قبیلے سے میری پوری حفاظت وحمایت کرسکیں۔

آپ نے فرمایا: "چچا جان! اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے،

تب بھی اس کام سے باز نہ آؤں گا۔ دو ہی صورتیں میرے سامنے ہیں۔ فتح یا موت! (حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللهُ اَوْ اَهْلِكَ فِيْهِ)"

یہ کہتے کہتے رسول اللہ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ آپ کھڑے ہوگئے اور جب چلنے کے لئے پھرنے لگے تو ابوطالب پکار اٹھے "بھتیجے واپس آؤ"۔ آپ پھرے تو انھوں نے کہا "جاؤ جو چاہو کہو۔ واللہ میں تم کو کسی چیز کے بدلے اُن کے حوالے نہ کروں گا"۔

قریش نے جب دیکھا کہ ابوطالب کسی طرح جناب محمدؐ المنذر والمزکی سے اپنی حمایت ہٹانے کو تیار نہیں تو انھوں نے عجیب حماقت آمیز تجویز پیش کی۔ وہ مکہ کے ایک نہایت وجیہ نوجوان عمارہ بن الولید کو اپنے ساتھ لائے اور کہنے لگے یہ لیجئے۔ ایک نہایت شجاع اور جمیل قریشی نوجوان آپ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اسے اپنا بیٹا بنا لیجئے اور اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیجئے تاکہ ہم اُسے قتل کر کے مصیبت سے نجات پائیں معاملہ صاف ہے۔ ایک کے بدلے ایک۔

ابوطالب نے کہا "کیا خوب! مجھے بھی تم نے کوئی ذلیل آدمی سمجھا ہے کہ اپنے قبیلے کے ایک شخص کو قتل کرا دوں اور اس پر یہ حماقت کروں کہ دشمنوں کے بچے کو پال پوس کے موٹا کروں! جاؤ اپنا کام کرو"۔ مطعم بن عدی نے بھی اس معاملہ کو منصفانہ قرار دیا۔ لیکن ابوطالب نے انھیں جھڑک دیا اور کہا جاؤ جو چاہو کرو۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا"۔

الذاریات۔ کفار مکہ سے اعراض کا حکم

اب المنذرؐ نے اپنا کام زیادہ جوش و خروش سے شروع کر دیا۔ لیکن جتنا آپ چاہتے تھے کہ مالدار ظالم راہ پر آئیں، اور ایک شریف و منظم قوم بن کر دنیا میں انقلاب پیدا کریں۔ اتنا ہی وہ لوگ نہ صرف اپنے غلاموں پر بلکہ مصدق پر سختی کرتے تھے۔ غرضکہ وہ اپنے نفع کی بات کو بھی سننا نہیں چاہتے تھے۔

رجعت پسندوں اور قابو یافتوں کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے جب تک اُن کو مجبوراً اپنے خود ساختہ حقوق سے دست بردار ہونا نہ پڑے۔ وہ اپنے بھلے کی بات کو بھی برا سمجھتے ہیں۔ بلکہ مصلح اور ہادی کے جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اب تک آنحضرتؐ صرف المنذر والمزکی تھے لیکن جب ان مشرک دولت مندوں نے آپ کی تکذیب شروع کر دی تو وحی الٰہی سے آپ کو حکم ہوا کہ ان سے منہ موڑ لو (فَتَوَلَّ عَنْهُمْ)

اور جن لوگوں میں حق کے قبول کرنے کی استعداد ہے اُن کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اسی دور کے بعد المزکی نے رجب ۵ نبوی میں اپنے چند مصدقین کو حبشہ روانہ کیا تاکہ وہاں نصرانی حکومت اور رعایا کو خدائی پیغام سنائیں اور قریش کے مظالم سے نجات پائیں۔ (الذاریات)

الحاقہ۔ مکذبوں کو جواب

"ہم وطنو! تم سمجھتے ہو کہ اس تعلیم سے میری یہ غرض ہے کہ تم سے کچھ اجر یا بدلہ پاؤں۔ تم مجھے ساحر و کاہن کہتے ہو۔ حالانکہ نہ تو ان کی طرح قربانی کا گوشت مانگتا ہوں۔ نہ غیبی باتیں بتانے کا دعوی کرتا ہوں اور جو کچھ بتاتا ہوں وہ سراسر تمہارے بھلے کی بات بتاتا ہوں۔ اس کی کوئی اجرت مثل کاہنوں وغیرہ کے نہیں مانگتا۔ اگر یہ نصیحت خدا کی طرف سے نہ ہوتی اور میں خدا پر جھوٹ باندھتا، تو تباہ کر دیا جاتا۔" (الحاقہ)

دیکھو! اگرچہ تمہارے اعمال حد درجہ خراب ہو گئے ہیں، لیکن اگر اب بھی باز آجاؤ گے تو نینوی والوں کی طرح تم بھی بچ سکتے ہو۔ ذوالنون (حضرت یونس) کا قصہ تم جانتے ہو۔ وہ اس شہر کو عذاب سنانے گئے تھے۔ مگر جب لوگوں نے غلط روی کو چھوڑ دیا تو عذاب الہی ٹل گیا۔ ان کی تجارت پھر چمک اٹھی اور غلام بھی آزاد ہو کر زیادہ محنت سے قومی دولت کو بڑھانے لگے۔" (القمر)

سورۃ القمر دلیل بعث بعد الموت

تم یہ دلیل مانگتے ہو کہ خالق کائنات کس طرح مردے کو زندہ کرے گا۔ یہ دلیل تو خود اپنے اندر ڈھونڈھ سکتے ہو۔ دیکھو ہر سال کس طرح کھیتی مرتی ہے اور دوبارہ خدا بارش برساتا ہے اور وہ زندہ ہو جاتی ہے۔" (القمر)

کلام اللہ اور القائے شیطانی کا فرق

یہ نہ سمجھو کہ نجومیوں اور کاہنوں کی طرح یہ کلام بھی خرافات و واہیات ہے۔ یہ میری گڑھی ہوئی باتیں نہیں ہیں اگر میں ان باتوں کو خود بناتا اور کہتا کہ خدا کی طرف سے ہیں تو خدا مجھے غارت کر دیتا۔ یہ باتیں تو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحتیں ہیں (اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ)

"اے المنذر و المذکر! یہ لوگ ایسی کھلی ہوئی پڑھنت کو سحر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ تعلیم غور کرنے والوں کے لئے نہایت آسان زبان (عربی) میں ہے۔ یہ واضح بیان پرانی قوموں کی تاریخ سے عبرت لینا بتاتا ہے کوئی ہے جو اس پر کان دھرے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ) سورہ القمر

اس تعلیم کے بعد آنحضرت کا روئے سخن زیادہ تر نصاری کی طرف ہو جاتا ہے۔

دورِ ثانی کی سورتیں بہ ترتیب نزول

القریش ۔ واللیل ۔ والعادیات ۔ الزلزال ۔ والعصر ۔ القارعہ ۔ والناس ۔ والشمس ۔ الھمزہ ۔ المعارج ۔ عبس ۔ البلد ۔ الاعلیٰ ۔ الکوثر ۔ الماعون ۔ اللھب ۔ الطارق ۔ المزمل ۔ والتین ۔ الانشقاق ۔ الانفطار ، والمرسلات ۔ القیامہ ۔ نوح ۔ والنازعات ۔ البروج ۔ المدثر ۔ التطفیف ۔ ن والقلم ۔ التکویر ۔ الذاریات ۔ الحاقہ ۔ القمر ۔

نوٹ

دورِ اول میں العلق کی پانچ آیتوں کے علاوہ جو سورتیں ہیں، وہ فترۃ الوحی کے بعد علانیہ سنائی گئی تھیں۔ اگرچہ ان کا روئے سخن صرف رسولؐ عربی کی طرف ہے۔ لیکن اسلام کے بنیادی مسائل ان میں ہو گئے ہیں ہمارے خیال میں العلق کے بعد جتنا قرآن نازل ہوا ہے وہ العلق کی تفصیل ہے۔ اور اگر رسول عربی کی وفات، اس تعلیم "عبودیت رب" کو عام کرنے کے بعد ہو جاتی یا بقول قرآن آپؐ قتل ہو جاتے (جیساکہ ہجرت سے پہلے کئی دفعہ کفار نے کوشش کی تھی۔ اور غزوۂ احد میں تو کفار نے یہ سمجھ ہی لیا تھا کہ آپؐ قتل ہو گئے)۔ تو سورۂ العلق کی پانچ آیتیں انسانی ہدایت کے لئے کافی تھیں (دیکھئے اَفَإِن مَاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ؟) دین کی تفصیلات کے لئے دوسری کتب الٰہیہ موجود تھیں (مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ)

تیسری فصل محمد المذکر و المبشر و الہادی یا قرآن نصاریٰ

(دور الرحمان والنصاریٰ)

رجب ۵ نبوی (اکتوبر ۶۱۴ء) تا محرم ۷ نبوی (مارچ ۶۱۶ء)

از ہجرت حبشہ تا شعب ابی طالب

اسماء اللہ اور قرآنی تعلیم :- لآ الٰہ الا الرحمان الاحد الوارث۔ الحی لم یکن لہ شریک فی الملک ولیحکم اہل الانجیل بمآ انزل اللہ فیہ ومن لم یحکم بمآ انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون ھم یکفرون بالرحمٰن قل ھو ربی وَاِذا قیل لھم اسجدوا للرّحمان قالُوْا ومن الرحمٰن۔

ھبل کی قسم محمد ساحر ہے دیکھو کیسے زمزمے تصنیف کرتا ہے۔ لیکن ساحروں کی طرح اس کے زمزمے بے معنی نہیں ہیں بلکہ صاف زبان (عربی) میں ہیں۔ وہ کاہن ہے؛ اور کاہن نہیں تو شاعر ہے : وہ غیب کی باتیں لاتا ہے : کبھی کہتا ہے کہ مرنیکے بعد زندہ کئے جاؤگے اور جہنم میں جلوگے۔ کبھی کہتا ہے کہ ایک بڑے دیوتا رحمان کے سامنے جوابدہی کرنا ہوگی۔ یہ بھی کہتا ہے کہ لڑکیوں کے معزز قاتلوں اور بہادر لٹیروں تک کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ توبہ توبہ ! کوئی بھی آج تک مرکر جیا ہے ؛

اس جھوٹے کاہن کا خوب مذاق اڑاؤ۔ پھر ابوطالب سے مانگ کر قتل کردو۔ اس کے غلام ساتھیوں کو زندہ جلادو۔ یا جلاوطن کردو۔ دیکھیں اس کا رحمان جیتتا ہے یا ہماری دیویاں۔

وہ ہماری دولت، ہمارا عیش نصرانیوں سے سازش کرکے چھیننا چاہتا ہے

وہ اراذل اور مساکین کو ہمارے برابر بنانا چاہتا ہے -

وہ چاہتا ہے کہ اُس کیطرح ہم بھی غلاموں کو آزاد کردیں -

یہی نہیں بلکہ زید کی طرح بیٹا بنالیں ! اور نصرانی حبشیوں کے دیوتا رحمان کو مان لیں -

اس کی سزا موت ہے یا جلا وطنی !! (مکذبین اولی النعمہ)

ازغم و درد گرنیائی تنگ دامن شادی آری اندر چنگ
بربساط بلا بسر بازی راست بازان نمی کنند درنگ
عشق خونریز دشنہ ایست کزو کفن کشتگاں نیا بد رنگ (وصالی خراسانی)

اندر رہ عشق خستہ جانی بہتر وز شرح غم تو بے زبانی بہتر (ضیاء الدین خالد ترک)

المبشر والہادی

یا رحمان

دور الرحمان کے اسمائے حسنیٰ

لا الٰہ الا الرحمان ، ذوالجلال والاکرام ، واسع المغفرہ ، الخبیر ، البصیر ، الاحد الصمد ، اللطیف ، القادر علی احیاے موتیٰ ، الرحیم ، السمیع ، الواحد ، الولی ، الشفیع ، عالم الغیب والشہادۃ ، برّ ، وہاب ، القہار ، الحافظ ، الوارث ، ذوالرحمہ ، المقتدر ، الملک ، القیوم ، الحی ، الحق ، احسن الخالقین ، خیر الراحمین ، خیر المنزلین ، خیر الرازقین ، الذی ذرأکم فی الارض بیدہ ملکوت کل شی ، عالم الغیب والشہادہ ، ما تخذ من ولد ما لکم من الٰہ غیرہ ، ارحم الراحمین ، سبحان ، الخلاق ، المحی ، المميت الساقی ، الشافی ، المتعال ، الکبیر ، الوال ، الواق ، شدید المحال ، مطمئن القلوب ، النصیر ، لم یکن لہ شریک فی الملک ، القوی الشکور ، العلی ، الفتاح ، العلام الغیوب ، القریب ، شدید العقاب ذوالطول ، غافر الذنب ، قابل التوب ، سریع الحساب ذوالانتقام فاطر السموات والارض ،

عباراتنا شتیٰ وحسنک واحد — وکل الی ذالک الجمال یشیر

اسم الرحمان سیدنا المنذرؐ والمزکیؐ کو علانیہ تبلیغ اسلام کرتے ہوئے ڈیڑھ سال کا زمانہ گذر چکا تھا۔ اب وہ دور آیا جس میں آپؐ نے نصاریٰ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اسی لئے اس زمانہ کے قرآن میں اللہ کا وہ نام جو نصاریٰ استعمال کرتے تھے زیادہ استعمال ہوا ہے یعنی

الرحمان، اور المنذر کو المبشر، البشیر بھی کہا گیا ہے۔ یہ لقب خصوصیت سے حضرت مسیح بن مریم کے لئے استعمال ہوتا تھا یعنی وہ لوگوں کو رحمان کی بادشاہت کی خوشخبری (انجیل والبشارت) دیتے تھے۔ اسی مناسبت سے قرآن نے المنذر کو المبشر کے لقب سے موسوم کیا ہے۔

"الرحمان" کے معنی رحم کرنے والا یا مہربان کے لئے جاتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ رحم سے مشتق ہے لہذا رحیم اور رحمان ایک ہی چیز ہیں صرف رحمت کے مدارج کا فرق ہے۔ حالانکہ جب مشرکین قریش سے قرآن نے یہ کہا کہ الرحمان نے قرآن آنحضرت کو سکھایا ہے۔ تو وہ اول تو یہ پوچھنے لگے کہ الرحمان کون ہے؟ کیا رحمان وہی شخص ہے جو یمامہ میں رہتا ہے (وَقَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ) تو آنحضرت نے زبان وحی سے فرمایا (قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ) یعنی رحمان دوسرا نام ہے اللہ کا۔ مشرکین نے کہا کیا خوب جس کسی کو تم دیوتا یا خدا بنا دو گے، کیا ہم اُسے مان لیں گے، انھوں نے رحمان کو خدا ماننے سے انکار کر دیا اور اس پر اتنا اصرار کیا کہ جب ہجرت کے بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر کاتب صلحنامہ نے (بسم اللہ الرحمان) لکھا تو فوراً قریش کی جماعت نے اعتراض کیا اور کہا پھر وہی لفظ لکھ رہے ہو یعنی الرحمان جسے ہم تسلیم نہیں کرتے اور جو ہماری اور تمہاری بنیادی مخالفت کا باعث ہے۔

اس قرآن کا یہ طرز رہا کہ اکثر سورتوں میں اللہ کی جگہ صرف رحمان کا لفظ استعمال کیا اور آنحضرت نے حکم دیدیا کہ جو شخص مسلمان ہو وہ اگر کسی بت کا عبد ہے جیسے عبد عمرو یا عبد عوف وغیرہ تو وہ اپنا نام عبد الرحمان رکھ لے اس لئے جتنی ضد مشرکین کو رحمان کے انکار پر تھی اتنا ہی اصرار آنحضرت اور مسلمانوں کو رحمان کے اقرار پر تھا حتیٰ کہ بدر میں مہاجرین کا لقب "بنی عبد الرحمان" مقرر ہوا تھا۔ اور قریش کو رحمان سے اتنی نفرت تھی کہ باوجودیکہ شکست بدر کے بعد امیہ بن خلف موت کے منہ میں تھا لیکن اُس نے عبد الرحمان بن عوف کا اسلامی نام لینا پسند نہ کیا بلکہ جاہلیہ کے نام عبد عمرو سے پکارا (دیکھئے غزوہ بدر۔ ابن ہشام) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمان ایسا لفظ تھا جس کو یا تو قریش نہ جانتے تھے۔ یا اُسے نصاریٰ کا خدا سمجھ کر نفرت کرتے تھے لیکن ایک قوم تھی جس میں وہ اللہ کا نام مانا جاتا تھا۔ وہ کون سی قوم تھی جو اللہ کو رحمان کہتی تھی؟

یمن کے کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جو نصرانی رہتے تھے وہ اللہ کو رحمان یا رحمانان کہتے تھے۔ کتبوں میں رحمانان، کرستوس اور مریم کا نام ایک ساتھ لکھا ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حبشی اور عربی زبانیں دونوں بہنیں ہیں۔ حبشی نہایت قدیم نصرانی تھے اور ممکن ہے کہ اُن کے اثر سے یا عبری زبان بولنے والے

یہودیوں کے اثر سے یمن اور حبشہ میں اللہ کو رحمان کہتے تھے۔ پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہجرت حبشہ ۵ھ نبوی میں ہوئی اس وقت قرآن کا روئے سخن نصاریٰ کی طرف تھا اور قرآن وہی الفاظ استعمال کر رہا تھا جو حبشہ یا یمن کے نصرانی سمجھتے تھے۔ مثلاً اللہ کے لئے رحمان اور سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ کا قصہ خود آنحضرت کے لئے مبشر یا البشیر کا لفظ بھی اسی مسیحی تصور کو ظاہر کرتا ہے، جو حضرت عیسیٰ کے متعلق نصرانیوں کا ہے کہ وہ مبشر یعنی خوشخبری یعنی انجیل سنانے والے (EVANGELIST) تھے۔ بہر حال رحمان کے معنی وہی ہیں جو قرآن بتاتا ہے یعنی رحمان اللہ کا نام ہے اور عیسائی اُسے رحمان کہتے ہیں تو ہم بھی رحمان کے بندے ہیں۔ یا مثلاً انگریز اُسے گاڈ یا ہندو اُسے پرماتما کہتے ہیں تو ہم بھی گاڈ یا پرماتما کو خدا مانتے ہیں اور اسی کے بندے ہیں ولہ الاسماء الحسنیٰ (خدا کے جتنے اچھے نام ہیں سب کو ہم مانتے ہیں) اس توحید کا تصور عربوں کے لئے خصوصاً قریش کے لئے بالکل نیا تھا۔ وہ بنو اسرائیل کی طرح یہ نہیں چاہتے تھے کہ دوسری قوم کے خدا کو اپنا الہ مانیں یا اللہ کی جگہ اس "عجمی" نام کو عربی سمجھیں۔ غرضکہ قرآن، حدیث اور مغازی سب سے ثابت ہے کہ رحمان عربی لفظ نہیں ہے، عبری، حمیری یا حبشی لفظ ہو سکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مصری سے رع امون (سورج دیوتا) سے رعمان یا رحمان بنا ہو یا سنسکرت کے کسی متشابہ الصوت لفظ سے یہ لفظ یمن ہوتا ہوا حجاز اور حجاز سے مصر و حبشہ پہنچا ہو۔ بہر حال یہ واقعہ ہے کہ قریش اس لفظ سے نفرت کرتے تھے اور کہتے تھے اَنَسْجُدُ لِمَا تَامُرُنَا (کیا آپ جس کسی کو کہیں کہ تم سجدہ کرو تو ہم سجدہ کرنے لگیں گے؟ یعنی ہم رحمان کو معبود نہیں مان سکتے۔

کشمکش حق و باطل

ڈیڑھ سال تک مشرکین قریش میں تبلیغ اسلام کرنے کے زمانے میں یہ چیز پورے طور پر واضح ہو گئی تھی کہ دنیا میں صرف دو تصورات کی کشمکش ہے۔ ایک جماعت خدا اور روحانیت پر اخلاق کی بنیاد کھڑی کرتی ہے اور بے غرضی کو اپنا شعار بناتی ہے۔ دوسری جماعت شیطان یا مادیت کی قائل ہے اور نفرت و خود غرضی کے ذریعے اپنا ذہنی اقتدار قائم کر کے لوٹ کھسوٹ سے دنیا کو غلام بنائے ہوئے ہے۔ اس نیکی و بدی، محبت و نفرت، بے غرضی و خود غرضی کی لڑائی میں مالداروں نے تو ایک منظم پارٹی بنا رکھی ہے لیکن ناداروں اور غلاموں کا کوئی پرسان حال نہیں۔

نور و ظلمت، محبت و نفرت کی کشمکش دور کرنے اور عام رواداری سے خوف اور بھوک کا علاج بتانے والے چند بزرگ پیدا ہو چکے تھے۔ ۲۷۲ء میں مانی یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے کہ روح نور ہے اور مادہ ظلمت ہے۔ ایک خیر ہے۔ دوسرا شر۔ ۵۳۵ء میں مزدک بھی یہ کہتے ہوئے مار ڈالے گئے تھے کہ اشتراکی

روحانیت میں دنیا کی نجات ہے اور آسمانی بادشاہ تدبر، عقل، حافظہ اور مسرت کے ذریعہ روحانی دنیا میں حکومت کرتا ہے۔ اس آسمانی خدا سے اسی دنیا میں قربت حاصل ہو سکتی ہے اور انسان تناسخ ارواح سے نجات پا جاتا ہے۔ غرضکہ یہ تصورات ایرانی علاقے میں اور نصرانی تصورات محبت و رحم رومی سلطنت میں پھیلے ہوئے تھے۔

آنحضرت نے محسوس کیا کہ یہود تو ایک مردہ قوم بن چکی ہے اور غلامی و جلاوطنی کی زندگی میں مبتلا ہے لہٰذا صرف مجوس و نصاریٰ سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ خدا کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنے میں مدد دیں۔ شمالی عرب میں بدامنی (فساد) اور فارس و بائزنطینہ کی کشمکش کی وجہ سے مجوس و نصاریٰ تک رسائی مشکل تھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ نصرانیوں اور مجوسیوں میں اتنی فرقہ بندی ہو چکی تھی کہ وہ حقیقت سے بہت دور ہو گئے تھے اگرچہ یہ سب خدا کا نام لیتے تھے لیکن خدا پرستی اور اس کا لازمی جز نیک عملی کو دونوں قومیں بھول چکی تھیں۔ ہاں ان سلطنتوں کی ہوس استعمار سے دور بعض نصرانی راہب، اور ایک نصرانی سلطنت باقی تھی۔ یہ سلطنت سمندر پار حبشہ میں تھی۔ اور یہاں وہ نصرانیت رائج تھی جو آریوس اور نسطوریس کی پیدا کردہ تھی یعنی وہ نہ تو مریمؑ کو خدا مانتے تھے اور نہ مسیح کو خدا کا وارث اور بیٹا سمجھتے تھے۔ ان کی زبان حبشی تھی اور اصل انجیل یعنی مسیحی تعلیم حب زبان میں تھی۔ اُس کو بڑی حد تک سمجھتی تھی، وہ ابن اللہ کو ایک استعارہ سمجھتی تھی اور اس کا ترجمہ خدا کا بیٹا نہیں بلکہ اللہ والا یا اچھا آدمی کرتی تھی۔

جب المنذرؐ اور ان کی تصدیق کرنے والوں پر اہل مکہ نے ظلم و ستم کی بارش شروع کی تو آپ نے نصاریٰ کی طرف رُخ کیا اور چاہا کہ کم از کم وہ لوگ جو خدا پرست ہیں ایک متحدہ محاذ بنا لیں اور اللہ کا بول بالا کریں۔

اب آنحضرتؐ کا روئے سخن نصاریٰ کی طرف ہو جاتا ہے اور اُن کے یہاں جو دینی اصطلاحات ہیں۔ اُن ہی اصطلاحوں میں اُن سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اس زمانے کا قرآن آنحضرت کو وہی تعلیم دیتا ہے تو نصرانی لپنے نبیوں کو اور خصوصیت سے حضرت مسیحؑ کو دیتے تھے۔ اب قرآن آپؐ کو بشیر، صدیق، صادق الوعد، شاہد مبشر، نبی امام، ہادی، عبدہٗ وغیرہ کے لقب دیتا ہے اور خود قرآن کو رحمت۔ امر فصل خطاب حق، الکتاب (تورات یا اوستا) ھدیٰ، ضیاء، ذکر مبارک، بلاغ مبین، کتاب مبین۔ فرقان، احسن الحدیث اور بشارت (انجیل) قرار دیتا ہے۔

کثرت لفظ الرحمان اس دور میں خصوصیت سے رحمان کا لفظ اللہ یا رب کی جگہ استعمال ہوا ہے اور بعض سورتوں میں جن میں مسیحی تعلیمات کا ذکر ہے۔ سوائے رحمان کے دوسرا

اسمِ الٰہی استعمال ہی نہیں ہوا۔ مثال کے طور پر سورہ مریم میں اللہ کا لفظ چھ مرتبہ اور رحمان کا سولہ مرتبہ ہے۔ الانبیاء میں سات مرتبہ از الشعراء میں بھی کثرت سے ہے۔ اس لفظ سے مشرکین مکہ کو سخت نفرت تھی یعنی وہ خدا کے لئے وہ نام بھی نہیں پسند کرتے تھے جو نصرانی عام طور سے یمن اور حبشہ میں استعمال کرتے تھے۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ نصرانی تصورات کو نصرانی اصطلاحات میں بیان کیا گیا ہے اور مشرکین مکہ سے اعراض کرنے کی کوشش جاری ہے۔ قرآن اُن کے بعض اعتراضات کا ضرور جواب دیتا ہے لیکن آنحضرت کو یقین ہو گیا ہے کہ اب یہ مادہ پرست خودغرض کسی طرح راہِ ہدایت نہ اختیار کریں گے۔

نصرانیت کی مجمل حالت اس سے پہلے کہ اس دور کی تعلیم قرآن اور آنحضرت کے طریقہ کار سے بحث کی جائے ضروری ہے کہ حقیقت نصرانیت کو سمجھ لیا جائے:۔

یوربین تنقید اور مسیح ناصری ۴ ق م تا ۳۰ء

آرچی بلڈ رابرٹسن نے اپنی کتاب "یسوع، تاریخی شخصیت تھی یا افسانہ" میں لکھا ہے "یسوع ایک فرضی شخصیت ہے۔ "خدائی انسان" کی کہانی ایک ادبی تخلیق ہے (اور جیسا کہ سیلوس نے دوسری صدی میں بتایا ہے) کہ اس کہانی کو تین مرتبہ چار مرتبہ بلکہ کئی مرتبہ بار بار نئی شکل دی گئی۔ تاکہ جس تحریک نے یہ کہانی گڑھی تھی اسکو ترقی ہو۔ انجیلوں کی قوت کا راز خدائی عظمت یا اس کے ہیرو کی انسانی عبقریت میں نہیں ہے بلکہ حقیقتاً پہلی اور دوسری صدیوں کے اُن آدمیوں میں اس راز کو تلاش کرنا چاہیئے جو غلام بنانے والے رومی سامراج کے بے ایمان، یاس انگیز اور نفرت پرور ماحول میں موجود تھے، اور یسوع کو خدا مان کر اپنے آزادی، مساوات اور اخوت کے پامال جذبات کے اظہار اور پورے ہونے کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ جو مذہب انھوں نے پیدا کیا تھا وہ ایک مردہ اور جامد عقیدہ بن کر رہ گیا۔ اور ہماری دنیا نے اس عقیدہ کو ایک حد تک توڑ کر —— دوسرے ذرائع پیدا کر لئے۔ اسی لئے رسوائے نہایت سخت دل فلسطیوں کے) یہ زمانۂ ماضی کی زندہ یادداشتیں دل پر چوٹ لگائے بغیر نہیں رہ سکتیں"۔

"لیکن یسوع کی حیثیت تاریخی بھی ہے۔ اگر ان کو محض ایک افسانہ سمجھ لیا جائے اور محض افسانے کے سوا کچھ نہ مانا جائے تو اس طرح مشکلات حل نہیں ہوتیں بلکہ زیادہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر ایک چیز فرض کی جائے تو اس سے جملہ واقعات ثابت ہو جانے چاہئیں۔ اور وہ سب باتیں نہایت آسانی سے حل ہو جاتی ہیں

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ایک واقعی لیسوع موجود تھا - جسے پلاطوس نے صلیب دی -
اس مصلوب لیسوع کے متعلق ہمیں جو معلومات ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے وہ کسی ایسی چیز کا بانی نہیں جسے ہم نصرانیت کہہ سکیں۔ وہ تاریخی تنقید کا صرف ایک مسئلہ بن کر رہ جاتا ہے وہ ایک شکست خوردہ مقصد کا حرف باطل ہو کر رہ جاتا ہے یعنی وہ ایسی ہستی رہ جاتا ہے جس کے متعلق کچھ موعظت کی باتیں منسوب کی جاسکیں یا اسکے متعلق ایک افسانہ گڑھ لیا جاسکے۔ اس نے "خدائی انسان" کی کہانی میں صرف ایک عنصر کا اضافہ کیا۔ اگر وہ پیدا نہ ہوا ہوتا تب بھی نصرانی مذہب تقریباً بالکل اسی طرح کا ضرور پیدا ہو جاتا جیسا کہ وہ موجود ہے۔ البتہ پلاطوس کا نام زندہ جاوید نہ بنتا۔ ہزار ہا مرد و عورت کے متعلق ہماری معلومات لیسوع سے زیادہ ہے۔ لیکن لاکھوں انسان ایسے ہیں جن کے متعلق ہمیں لیسوع سے بھی کم معلومات ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ یہی لاکھوں آدمی بنایا کرتے ہیں، جن کو کوئی نہیں جانتا۔" (صفحات ۱۰۶ - ۱۰۷)

حضرت لیسوع کے متعلق قرآن کا نقطۂ نظر

مسلمانوں کے ذریعہ یورپ میں جب تیرھویں صدی میں کاغذ پہنچا تو چند صدیوں میں وہاں اصلاح مذہب اور تجدید (Reformation & Renaissance) کے نام سے علم اور علمی تنقید کا دروازہ عام لوگوں کے لئے کھل گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوکہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں فرانس کے معارفین (Encyclopedists) اور جرمنی کے فلسفیوں نے تنقید اعلیٰ (High Criticism) سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ توہمات انسانی خصوصاً توریت وانجیل الہامی نہیں، بلکہ انسانی اور خصوصاً خود غرض کلیسا کی تصانیف ہیں اور تاریخ ہی سے نہیں بلکہ ان کتابوں کے اندرونی تضاد سے یہ دکھایا کہ حقیقت سے ان کا خیال قریب تر ہے۔

لیکن جس زمانے میں ظہور اسلام ہوا اسی زمانے میں مسلمانوں کو یہ بتایا گیا کہ توراۃ اور انجیل محرف نہیں ہیں بلکہ وہ بنیادی طور پر سچی ہیں اور خدا پرستی سکھاتی ہیں وہ ہدایت و نور ہیں۔

قرآن کا مقصد یہ نہیں تھا کہ فضول بحثوں میں پڑکر جن لوگوں کو اسلام کے زمرے میں داخل کرنا ہے انھیں داخل کرنے سے پہلے ہی اسلام (خدا پرستی) سے بدظن کر دے۔ جہاں موعظت کے لئے مختلف قصے اور تمثیلیں بیان کیں وہاں بطور دلیل و ثبوت کے یہ بھی بتایا کہ تم جن کتابوں پر ایمان رکھتے ہو ان میں بھی اکثر باتیں ایسی ہیں جنکی قرآن تصدیق کرتا ہے یعنی متشابہ آیتوں کو محکم آیتوں کی روشنی میں دیکھ کر تمہارے علماء جن کا علم پہاڑ ہے

(راسخین فی العلم) وہ قرآن کو اسی طرح من جانب اللہ مانتے ہیں۔ اگرچہ نصرانیوں وغیرہ کے وہ اہل ضیغ جو قرآن کو نہیں ماننا چاہتے وہ صرف آیات متشابہات کو فتنہ انگیزی کے لئے مانتے ہیں اور محکمات کے منکر ہیں۔

توریت اور انجیل وغیرہ روشنی دینے والی کتابیں ہیں

اس لئے ہم یہاں یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ توراۃ وانجیل اور دیگر بزرگوں، نبیوں اور حکیموں کا ذکر جو کچھ قرآن میں ہے۔ اُس سے قرآن کا منشا یہ نہیں ہے کہ تاریخی طور پر وہ سب موجود تھے یا نہیں، یا محض اُن کے نام سے مختلف مذاہب و فلسفے دنیا میں رائج ہو گئے تھے۔ قرآن کے سامنے صرف یہ نظریہ تھا کہ "انظر الی ما قال" وہ اس سے بحث کر کے تقریر کو طویل اور مقصد کو پیچیدگی میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا کہ "من قال" لہٰذا نہ صرف توریت وانجیل بلکہ دنیا کی سب مقدس تعلیمات الٰہیہ، اہل نظر اور متلاشی حق کے لئے اپنے اندر ہدایت اور روشنی رکھتی ہیں، صرف شرط یہ ہے کہ وہ شیطان کی پیروی کی جگہ خدا اور روحانیت کی طرف لے جاتی ہوں۔ البتہ ہم اس عہد میں پہنچ چکے ہیں کہ قرآن کی تعلیم کی روشنی میں بتا سکتے ہیں کہ مختلف مذاہب نے دین فطرت پر پردے ڈالنے کے لئے نہ صرف اپنی کتابوں کو کس کس طرح محرف کیا۔ بلکہ جن افراد کے نام پر انھوں نے اپنی تعلیمات کو رائج کیا۔ اُن کے کردار کو بھی غیر انسانی بلکہ پست اور ناموزوں کھانے میں اپنے قلبی جذبات اور اپنے ماحول کے غلط نظریات میں رنگ دیا۔

محرف کرنے سے یہ مطلب ہے کہ روحانیت اور خدا پرستی سے ہٹا کر اپنے مقاصد کے لئے خود نوشت تصانیف میں شیطانی باتیں لکھدیں، یا کسی فرد یا جماعت کے دنیوی نفع کو سامنے رکھکر عام انسانیت کے مفاد کو قربان کر دیا۔ اس کا ثبوت آئندہ سیرت کے صفحات سے مل سکتا ہے۔

کیا توریت وانجیل محرف ہیں

ایونز بل (Evans Bell) اپنی کتاب خدائے بائیبل The God of Bible میں کہتا ہے۔

"انجیل کی ستائیس کتابوں کے ماخذ اور تاریخ کے متعلق بھی اتنا ہی شک پایا جاتا ہے جتنا کہ اس سے زیادہ قدیم عبرانی کتابوں کے متعلق موجود ہے جنہیں "یہودی کتابیں" کہا جاتا ہے۔ نصاریٰ میں انجیل کی بہت سی کتابوں کے متعلق یہ بحث جاری ہے کہ وہ اصلی ہیں یا موضوع اور یہ کہ بہت سی رد شدہ کتابوں کا بھی دعویٰ ہے کہ وہ بھی اس مجموعہ میں شامل کئے جانے کے لائق ہیں اور تین سو سال (بعد مسیح) جب ایک کونسل نے انجیل کے مجموعہ کو متعین کیا اس وقت سے بہت سے مسیحی عالموں نے اناجیل کے بعض اجزا کو ان سے

نکال دینے کی تجویزیں کیں، اور اسی طرح کئی خطوں اور یوحنا کے الہاموں میں سے بھی بعض اجزا کو نکال دینا چاہا۔" (ص ۴۴)

سب سے پہلی انجیل، لوقا یعنی یسوع مسیح کی کہانی۔ مسیح کے تیس سال بعد لکھی گئی۔ لیکن اس سے بحث نہیں کہ وہ کب لکھی گئی۔ بحث صرف یہ ہے کہ وہ معمولی انسانوں نے بطور کہانی یا مسیح کے حالات زندگی کے طور پر لکھی ہے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مسیح پر الہام ہوا اور انھوں نے اسے لکھوایا، یہ خود نصاریٰ بھی مانتے ہیں یا نہیں؟ اس کا مفصل اور مدلل جواب طامس پین (Thomas Paine) (۱۷۳۷ - ۱۸۰۹) نے اپنی کتاب "زمانۂ عقل" (Age of reason) میں دیا ہے جو ۱۷۹۶ء میں چھپی تھی اور اب دوبارہ تھنکرز لائبریری میں چھپی ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"کہا جاتا ہے کہ ہر چیز بائیبل سے ثابت کی جا سکتی ہے لیکن بائیبل سے کسی چیز کو ثابت کرنے سے پہلے، خود بائیبل کا سچا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اگر بائیبل ہی اصلی نہ ہو یا اس کی اصلیت مشتبہ ہو تو اس کی سند ناقابل قبول ہو جاتی ہے اور اس سے کسی چیز کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔" (ص ۶۴)

اس کے بعد وہ خود بائیبل سے ثابت کرتا ہے کہ یہ الہامی نہیں ہے معمولی انسانوں کی تصنیف ہے اس میں تضاد ہے۔ پیشین گوئیاں اور معجزات خود تصنیف کر کے لکھے گئے ہیں یا جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ غلط معنوں پر محمول کئے گئے ہیں۔ اس نے خواب یا رویا کے ذریعہ سے جو الہامات پر بحث کی ہے اُس سے پہلے خواب کے نفسیاتی عناصر کو پورے طور پر واضح کیا ہے۔ خوابوں کی بنا پر قوانین قدرت اور خدا کی مرضی کا انکشاف ہونا معمولی انسان کا ایک دھوکا ہے۔ وہ بعض دفعہ نہایت سخت زبان استعمال کرنے لگتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے:۔

"بعض نصرانیوں کا وہم ہے کہ نصرانیت تلوار کے ذریعے سے نہیں پھیلائی گئی۔ لیکن ان سے پوچھئے کہ وہ کس زمانے کا ذکر کرتے ہیں؟ یہ ناممکن تھا کہ بارہ حواری تلوار سے یہ کام شروع کرتے . . . . نصرانیت اپنی کامیابی کا مدار بائیبل پر رکھتی ہے اور بائیبل سوائے تلوار کے اور کسی چیز سے قائم نہیں کی گئی۔ بائیبل کا اس سے بدتر استعمال ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ نہ صرف ڈرانے کے لئے استعمال کی گئی بلکہ فنا کر دینے کے لئے کام میں لائی گئی۔ یہودیوں نے کسی کو یہودی نہیں بنایا بلکہ سب کو قتل کر ڈالا . . . . .

ہمیں اس مصنوعی چیز سے جسے الہامی مذہب کہا جاتا ہے کیا حاصل ہوا؟ کوئی ایسی چیز نہیں حاصل ہوئی جو انسان کے لئے مفید ہو بلکہ ہر وہ چیز ملی جو اس کے خالق کے لئے باعث ننگ ہے۔ بائیبل ہمیں کیا تعلیم

دیتی ہے؟ لوٹ، ظلم اور قتل کی تعلیم، یہ عہد نامہ ہمیں کیا سکھاتا ہے؟ یہ کہ قادر مطلق نے ایک ایسی عورت کے ساتھ عیاشی کی جو ایک شخص کی منگیتر تھی، اور اس عیاشی پر عقیدہ رکھنے کا نام ایمان ہے۔ (نعوذ باللہ۔ نقل کفر کفر نباشد) .... جہاں تک اخلاقیات کا تعلق ہے اس کی کوئی تعلیم نئی نہیں، ... انتقام نہ لینے کا ذکر "امثال سلیمان" میں زیادہ بہتر طریقہ پر بیان کیا گیا ہے، جو ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں یہودی اور غیر یہودی دونوں کے اقوال موجود ہیں .... اس میں تحریر ہے کہ "اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلا اور اگر وہ پیاسا ہو تو اسے پانی پلا" (امثال ۱۲۵) لیکن جب انجیل میں یہ کہا جاتا ہے کہ "اگر کوئی تیرے ایک گال پر تماچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دے" تو گویا یہ کہا جاتا ہے کہ عفو و درگزر کرنے کے وقار کو خاک میں ملا دے اور انسان کو بزدل کتے

(Forbearance and sinking man into a spaniel" (Pp 161-2))

کے درجے پر پہنچا دے"۔ (ص ص ۲-۱۶۱)

اسی نوعیت سے وہ "دشمنوں سے محبت کرنے" اور تثلیث کو ماننے کا سخت لفظوں میں ذکر کرتا ہے اور نصرانیت کو خدا کی اہانت کرنے والا مذہب بتاتا ہے۔

نصرانیت کی تعلیم | بہرحال نصرانیت کی جو بھی تعلیم ہے وہ اپنے زمانے کی پیداوار ہے اور یہودیت سے اس لئے بہتر ہے کہ اگرچہ مسیح خود یہودی تھے اور اس یہودی عقیدے کی تعلیم دیتے تھے کہ ایک مسیح (بادشاہ) جو آنے والا تھا وہ میں ہی ہوں اور دنیا میں خدائی سلطنت قائم کر دوں گا، اس میں بے کسوں، غلاموں، کس مپرسوں، بیماروں، اچھوتوں اور غریبوں کے لئے ایک امید افزا، اور خوف اور غم سے نکالنے والا پیغام تھا اور بخلاف یہودیت کے۔ اس مذہب میں لوگوں کو داخل ہونے کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی اس کی تعلیم کا خلاصہ جو انجیلوں سے لیا گیا درج ذیل ہے۔

(۱) ٹائبرس قیصر کے زمانے میں یسوع جو داؤد کی نسل سے یوسف نجار کے بیٹے تھے، روح القدس کے ذریعے شکم مادر میں آئے تھے ۳۰ سال کی عمر میں سال نو کے تہوار کے زمانے میں بیت المقدس میں آئے اور کہا (یا لوگوں نے کہا) کہ میں وہی مسیح (یعنی بادشاہ یہود) ہوں جس کی پیشین گوئی توریت میں ہے کہ وہ آکر یہودیوں کی سلطنت قائم کرے گا اور کل کافر (جنٹائل) قومیں یہود کی غلام بن جائیں گی۔

(۲) وہ دشمن تک سے محبت کی تعلیم دیتے تھے اور غیر ملکی حکومت یعنی رومیوں کے ٹیکس جمع کرنے والوں کی مخالفت سے منع کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بدی کا بدلہ نیکی سے دو۔

(۳) وہ معجزانہ طور پر پیدا بھی ہوئے تھے، اور کئی معجزے دکھاتے تھے۔ یعنی کبھی پانی کو شراب، کبھی بھوتوں کو سوروں پر سوار، کبھی مردے کو زندہ، کبھی بیمار کو اچھا، کبھی تھوڑے سے کھانے سے بہتوں کو شکم سیر کردیتے تھے۔ وہ پانی پر چلتے تھے اور ہوا کو حکم دیتے تھے تو طوفان تھم جاتا تھا۔ وہ انجیر کے درخت پر غصہ کرتے تو وہ سوکھ جاتا تھا۔ یہ سب باتیں اس لئے کرتے تھے کہ لوگ پہچان لیں کہ وہ خدا کے برگزیدہ ہیں۔

نوٹ:۔ مترجمین انجیل نے یہ غلطی کی کہ عبرانی محاورہ کا لفظی ترجمہ کر دیا اور دنیا میں یہ تصور پھیل گیا کہ وہ "خدا کے بیٹے" اسی طرح تھے جس طرح آدمی یا جانور اپنے باپ کا بیٹا ہوتا ہے۔ حالانکہ عبرانی میں "ابن اللہ" اچھے یا خدا والے انسان کو، اور "ابن الشیطان" شریر انسان کو "سانپ کا بچہ" مکار انسان کو کہتے ہیں اور بہت سی زبانوں میں یہ استعارہ پایا جاتا ہے۔

(۴) چونکہ اُس زمانے میں گناہوں کا کفارہ، گناہ کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف جانوروں کو (مقدس) قربان گاہ پر ذبح کر کے اور اس کو جلا کر اُس کی خوشبو آسمان کی طرف بھیجکر کیا جاتا تھا۔ اس لئے یہودیوں کے گناہ کا کفارہ عموماً اور حضرت آدم کی نافرمانی کا کفارہ خصوصاً اس طرح کیا گیا کہ خدا نے اپنے برگزیدہ ترین شخص (اپنے بیٹے کو بقول اناجیل) اس دنیا میں بھیجا اور اس کو سولی پر چڑھوا کر خوش ہوا اور آدم کا گناہ جو نسلاً بعد نسلٍ انسانیت کو داغدار بنائے ہوئے تھا اُسے معاف کر دیا۔ اس طرح خدا نے ایک بے گناہ انسان کے ذریعے کفارہ ادا کر دیا لیکن یہودیوں کا خیال ہے کہ مسیح معصوم نہ تھے۔ ورنہ انھیں خدا ہرگز سولی نہ دیتا۔

(۵) یہودی یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے دادا ابراہیم اور خدا کے درمیان یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ آخر کار خدا صرف یہودیوں کو دنیا کی قوموں میں سربلند کرے گا لیکن یسوع ناصری نے مزدوروں کی تمثیل سے بتایا کہ خدا صرف یہود کا خدا نہیں وہ کل مخلوق کا خدا ہے اور اچھے بُرے سب سے محبت کرتا ہے۔ خدا کی رحمت سب پر یکساں محیط ہے۔ اور (جیسا کہ یہودیوں نے زردشتیوں سے سیکھا تھا کہ خدا کی بادشاہت آسمان پر ہے اور زمین پر اہرمن کی حکومت ہے) یسوع نے فرمایا کہ اس دنیا میں بھی خدا کی بادشاہت آجائے گی بشرطیکہ کل انسانوں سے رواداری اور محبت کو کام میں لاؤ اور صرف ماں یا بیٹے اور خاندان ہی تک اپنی فیاضی و محبت کو محدود نہ رکھو۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں سے یہودیوں کے نسلی افتخار و برگزیدگی اور خاندانی یک جہتی کے تصور پر ضرب کاری لگتی تھی اور انھوں نے یسوع پر یہ الزام لگا کر کہ وہ رومی سلطنت کے باغی ہیں اور اپنے کو بادشاہ بنانا چاہتے ہیں انھیں سزا دلوانے میں کوتاہی نہیں کی۔

(۶) انھوں نے دولت اور دولت مندی دونوں کی بُرائی کی اور کہا کہ دولت مند کا جنت میں داخل ہونا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ کسی اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا۔ اسی بنا پر اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ دولت کی مساوی تقسیم کے حامی (یعنی سوشلسٹ) تھے۔

(۷) وہ یہودی تھے اور عہد قدیم پر پورا ایمان رکھتے تھے۔

نصرانیت کی شکست

موجودہ سائنٹیفک ترقی سے بہت پہلے نصرانیت کو اسی وقت شکست ہو چکی تھی، جب ایک بے دین بادشاہ قسطنطین کی سیادت میں یہ طے کیا جانے لگا کہ حقیقۃً اصلی نصرانیت اور نصرانیت کا اصول کیا ہے! اور لطف یہ ہے کہ وہ لوگ جو مذہب کی حقیقت سے آشنا تھے اور واحد خدا کے تصور کو عام کرنا چاہتے تھے مثلاً آریوس وغیرہ وہی مجلس نصاریٰ کی رائے میں ملحد و کافر قرار پائے اور توحید باری تعالےٰ کی جگہ ایک ایسی چیز نے لے لی جو عام لوگوں کی بھی سمجھ سے باہر تھی یعنی باپ اور بیٹا دونوں ایک ساتھ تھے اور ایک دوسرے سے زمانے کے لحاظ سے آگے پیچھے نہ تھے۔ یہ غلطی محض "ابن اللہ" کے محاورے کے نہ سمجھنے کی وجہ سے تھی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

نصرانیت کی یہ سب سے بڑی شکست تھی اس لئے اس کی وجہ سے نصرانیوں میں ایک مذہبی جماعت یعنی کلیسا نے علم و عقل کا اجارہ حاصل کر لیا اور رسول عربی کے زمانے تک (اور نصرانی ملکوں میں اب تک) وہ عقل سے دور لے جانے اور علم کو اپنے غیر عقلی طریقے پر چلانے پر مصر ہے اور خواہ کوئی شخص کتنا ہی خدا کو باپ مانتے، لیکن جب تک کلیسا کو ماں نہ تسلیم کرے اس کی نجات نہیں ہو سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شروع ہی سے نصرانیت میں ایک انتشار برپا ہو گیا۔ نسطوری، سامی قوم کے تھے یعقوبی مصری تھے اور رونانی بربر تھے۔ یہ سب تثلیث پرستوں کے نزدیک ملحد تھے۔

انیسویں صدی کے انکشافات نے مسیحی دنیا میں اور زیادہ خلفشار پیدا کر دیا۔ امریکہ کی دریافت نے یہ بتایا کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ گول ہے۔ مسلمانوں نے پہلے ہی کائنات کے لامتناہیت کو اپنے علوم ہندسہ و نجوم و ریاضی و طبیعیات سے عالم آشکارا کر دیا تھا۔ لیکن جب مثلثات و مخروطات، جبر و مقابلہ۔ مناظر و مرایا، جر ثقیل اور کیمیا کا علم یورپ پہنچا اور عربوں کی شیشہ گری نے دوربین و خردبین کی شکل میں ظہور کیا، اور کاغذ کی فراوانی نے عوام کو علم کے دروازے پر لا کر کھڑا کر دیا تو نصرانی انجیل نویسوں کے بہت سے معجزات اور معتقدات غلط ثابت ہونے لگے۔ کلیسا نے بہت زور لگایا کہ اس علمی اور عقلی رو کو روکے لیکن اب حال یہ ہے کہ بقول مارجوری بوون:-

"نصرانیت مردہ ہو چکی ہے۔ اب اس کی تنقید کرنا ایسا ہے کہ گویا مردہ گھوڑے پر چابک مارنا۔"
(کلیسا اور سوشل ترقی۔ دیباچہ۔ تھنکرز)

یہی مصنفہ اچ جی ولز کا ایک قول نقل کرتی ہے کہ اس سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں ہو سکتا کہ پیدا ہوتے ہی بچہ کی آنکھیں نکال لی جائیں۔ منشا اس کا یہ ہے کہ مدارس میں جو مذہب کے نام پر خرافات پڑھائی جاتی ہے وہ بچوں میں سوچنے کی صحیح صلاحیت پیدا کرنے کی جگہ اُن میں عقل ہی کی روشنی کو بجھا دیتی ہے اور یہ سب ایک منظم مذہبی جماعت کراتی ہے جسے "کلیسا" یا "چرچ" کہتے ہیں وہ آخر میں کہتی ہے

دنیا کے نقصان کے لئے نصرانیت پھر اسی طرح زندہ رہ گئی جیسا کہ وہ پہلے "اصلاح نصرانیت" اور انقلاب فرانس (۱۷۸۹ء) سے بچ گئی تھی۔ یہ نہ صرف سائنس کے حملہ سے بچ گئی بلکہ "تنقید اعلیٰ" سے بھی بچی رہی جس نے یہ ثابت کر دیا کہ بائبل اس سے زیادہ الہامی نہیں جتنا کہ شکسپیر شاعر یا بیٹ ہووِن موسیقار تھا۔ جب یہ علماء کے پیش کردہ حقائق کا انکار نہ کر سکی تو اس نے خندہ پیشانی سے سائنس اور علم کو تسلیم کر لیا تاکہ اس کا اقتدار باقی رہے۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم بھی یہ سب باتیں جانتے تھے۔ لہٰذا نصرانیت کی صداقت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"کلیساؤں کو استعارہ اور تمثیل پھر معین ثابت ہوئے یعنی کتاب پیدائش بہرحال "سچی" ہو سکتی ہے۔ سات دنوں سے مراد سات قرن ہو سکتے ہیں۔ اور آدم کی پسلی سے حوا کا پیدا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ عورت مرد کی مددگار ہوتی ہے۔ اور گویا وہ اُسی کا ایک جزو ہے۔ یہ دونوں جنت سے نکالے گئے یعنی علم سے مسرت ضائع ہو جاتی ہے اولین گناہ (پیدائشی گناہ) کا مطلب یہ ہے کہ انسان میں عالمگیر بدی کا تصور قدرتی طور پر موجود ہے اور کفارہ اور قربانی کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنی قسمت یا مقدر کو ہر حال میں درست کرنا چاہتا ہے۔ محبت (یعنی مسیح) اسے مصیبتوں سے بچا سکتی ہے . . . . خدا نے ان ابدی صداقتوں کو پرانی اساطیر کے مسالے سے تیار کر کے الہام کیا یعنی کنواری سے بچہ پیدا ہونا۔ اس کا مر جانے کے بعد زندہ ہونا، ستارہ، تین عقلمند آدمی معجزات، غضبناک خیر محض یا خدا کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے خیر محض یعنی مسیح ہی کو ایذا دینا، اسے قربانی کا بکرا بنا کر سولی دے دینا" (ص ۸۲)

نصرانیت اور یہودیت میں فرق

(۱) یہودیوں نے اپنے مخصوص خدا یہوواہ کو عام طور پر بائبل میں ایک خونخوار ظالم خدا دکھایا ہے جو سوائے یہودیوں کے کسی پر رحم نہیں کھاتا، بلکہ یہودیوں پر بھی خفا ہو کر قتل عام کا حکم دے دیتا ہے۔ لیکن نصرانی تصور ایک رحمت و محبت کا تصور

پیدا کرتا ہے اور صرف یہودی اقوام پر نہیں بلکہ وہ ہر قوم پر جو یسوع کو انسانی گناہ کا کفارہ سمجھے اپنی رحمت کے دامن میں لے لیتا ہے۔

(۲) یہودیت صرف یہودی نسل کے لوگوں کیلئے تھی لیکن نصرانیت رومن سامراج کی پیداوار تھی، اور غلاموں اور بے کسوں کی ہمدرد تھی جس میں نہ صرف مصری تصور ہے (کہ خدائے نجات دھندہ عزیر یا اوسی رس (OSIRIS) جو اگرچہ قتل کر دیا جاتا ہے۔ مگر پھر زراعت کی طرح پیدا ہو جاتا ہے، اور مُردوں پر حکومت کرتا اور انصاف پھیلاتا ہے) بلکہ یونانی تصور بھی شامل ہے کہ جس طرح دایونی سی اس کو دیوزادوں (TITANS) نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ لیکن وہ پھر جی اٹھا اور روحوں کی دنیا کا حاکم ہے۔ زرتشتی تصور بھی قریب قریب یہی تھا کہ جابروں کے ختم پر مہر منیر (متھرا) اپنے پرستاروں پر آب و تاب سے ظاہر ہوتا ہے اور قدرت کی ہر چیز کو زندگی عطا کرتا ہے اس پر افلاطون کے فلسفہ کا بھی اثر پڑا جو عالم مثال کو حقیقی عالم بتاتا تھا اور موجودہ دنیا میں غلاموں کی محنت و مشقت کو ایک سطحی چیز یعنی محض فریب تصور قرار دے کر ان بے چاروں کو غلامی پر قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اس میں رواقیوں (STOICS) کے فلسفہ کا بھی اثر تھا جو انسانی اخوت اور مساوات اقوام کا سبق دیتے تھے اور ترک لذات پر زور دے کر عقل اول (لوگاس نطق و عقل) یا دین فطرت کی پیروی کرنا سکھاتے تھے۔ فیلو (PHILO) یہودی تھا اور سکندریہ میں یونانی فلسفہ، اور مختلف مذاہب عالم کے سنگم پر رہنے کی وجہ سے اس تصور کو عام کرنے لگا تھا کہ لوگاس یا عقل اول ہی خدا کا عکس ہے۔ یہی خدا کا اکلوتا بیٹا ہے یعنی یہ ایک "دوسرا خدا" ہے جو انسان اور خدا کے درمیان کی شفاعت کرنے والی کڑی ہے اور علم و نیکی اسی عقل اول سے حاصل ہوتی ہے جو مادی دنیا سے نجات دے کر ابدی زندگی اور وصال الٰہی سے فیضیاب کرتی ہے۔

اور چونکہ رومی سلطنت کی سختیوں سے تنگ آکر یہودیوں میں یہ عام خیال پھر تازہ ہو گیا تھا کہ ایک بادشاہ (مسیح) پیدا ہو کر ہماری سلطنت قائم کر دے گا اور رومی غلامی سے نجات دلائے گا۔ اس لئے یہودی بھی پھر مسیح کے منتظر تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہودی سمجھتے تھے کہ مسیح اس دنیا میں بادشاہت دلانے کے بعد ایک ہزار سال تک امن و انصاف واقتدار یہود کو قائم رکھے گا اور زندہ رہے گا، لیکن نصاریٰ (جن میں اکثر پہلے یہودی تھے) جب انتظار کر کے تھک گئے اور مسیح کے حواریوں کی زندگی کے زمانے میں یسوع خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھ کر یہودی سلطنت قائم نہ کر سکے تو انھوں نے ایک ہزار سال تک دجال (Anti-christ) کا انتظار کیا۔ اور ۱۰۰۰ء میں دجال کی آمد کے خوف سے ہزاروں عیسائی آگ میں کود کر زندہ جل گئے لیکن دجال نہ آیا۔ اب یہ تصور ہے کہ

مسیح نے آسمانی بادشاہت قائم کی ہے۔ یہودی اس بات کو نہیں مانتے اور اپنی دنیاوی سلطنت کے قیام کے لئے اب تک مسیح کے منتظر ہیں۔

اس تصور کے ماتحت عیسائیوں نے ہر اس شخص کو جو دنیاوی مصائب سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا یہ دعوت دینا شروع کردی کہ نجات دہندہ (مسیح) آچکا ہے اور بخلاف نسلی یہودیت کے انھوں نے ہر شخص کو جو دکھ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو مسیحی بنانا شروع کیا۔ بدھ مذہب کے بعد دنیا میں یہ دوسرا مذہب تھا جس نے عام طور پر ہر انسان کو اپنے اندر ایک تصور کے ماتحت لوگوں کو داخل کرنا شروع کیا۔ یعنی یہ دوسرا تبلیغی مذہب تھا جو دنیا میں پیدا ہوا۔

(۳) یہودیوں میں ربیوں اور احبار کی ایک مخصوص جماعت ہوا کرتی تھی، جو نصرانی کلیسا یا مذہبی جماعت کی طرح یا ہند کے برہمنوں، اور ایران کے دستوروں اور موبدوں کی طرح مذہبی قانون کی رکھوالی کرتی تھی اور قانون موسوی کی شرح کیا کرتی تھی۔ مسیحیوں میں پہلے یہ جماعت نہ تھی۔ فولٹیر کہتا ہے۔

"یسوع قانون موسوی کے ماتحت پیدا ہوئے تھے اسی قانون کے ماتحت اُن کا ختنہ ہوا تھا۔ انھوں نے اپنے اوتار ہونے کا راز کبھی ظاہر نہیں کیا۔ انھوں نے یہودیوں سے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ کنواری سے پیدا ہوئے ہیں انھوں نے کسی کو بپتسمہ نہیں دیا۔ نہ انھوں نے اپنی زندگی میں کوئی مذہبی جماعت (کلیسا) قائم کی۔" (والٹیر کی لغت فلسفہ ۱۷۶۴ء)

(۴) یہودی قانون موسوی پر عمل کرتے تھے لیکن رومی کلیسا نے غیر یہودیوں (Gentiles) کو نصرانی بنانے کے لئے قانون موسیٰ کی پابندی ہٹادی تھی حقیقت میں خود یہودیوں پر یونانی فلسفہ اور رومی قانون و معاشرت کا ایک اثر پڑا تھا کہ اُن میں ایک جماعت قانون موسیٰ کو قطعی چھوڑ چکی تھی۔ عرصہ تک مقدس کی قربانگاہ پر سور کا ذبیحہ ہوتا رہا تھا اور لوگوں نے یونانی اکھاڑوں میں ورزش کرنے کے خیال سے ختنہ کرانے کو بھی معیوب سمجھنا شروع کردیا تھا۔ بہر حال نصرانی مذہب نے اپنی ترقی کا یہ ذریعہ قرار دیا کہ قانون موسیٰ کو ماننا بھی ضروری سمجھا اور مصلحت کی بنا پر سور کھانا اور ختنہ نہ کرانا بھی اختیار کرلیا۔

(۵) بعث بعد الموت کا تصور عہد نامہ قدیم میں قطعی نہیں ہے۔ اگر جزا و سزا کا ذکر ہے تو اسی دنیا میں گناہ گار کی اولاد کو جزا و سزا دینے کا ذکر ہے۔ مثلاً طور سینا پر خدا نے خود اپنی انگلی سے پتھر پر یہ قانون کندہ کیا تھا کہ "اے موسیٰ میں تیرا خدا ایک غیور خدا ہوں اور باپ کے گناہوں پر تیری چوتھی نسل تک بچوں کو سزا دوں گا۔۔۔"

البتہ اس میں مبہم الفاظ میں یہ ذکر ضرور ہے کہ چند مخصوص اور برگزیدہ بندوں کو آئندہ زندگی میں عام لوگوں سے بہتر زندگی کی آرزو ہے لیکن نصرانیت میں آئندہ زندگی اور جنت و دوزخ کا تصور بھی موجود ہے جو زرتشتیوں سے ماخوذ ہے۔

(۶) یہودیت میں جس طرح معجزات، بھوت پریت اور شعبدہ بازی کا ذکر ہے، وہ سب انجیل میں بھی ہے اور جس طرح بار بار یہودی بعل اور دوسرے بتوں کی پوجا کرنے لگتے تھے اور توحید کی طرف مائل کئے جاتے تھے۔ یہ بات نصرانیت میں کلیسا کی "وسیع المشربی" کی وجہ سے باقی نہ رہی۔ ساتویں صدی مسیحی تک ہر گرجے میں مسیح اور مریم کے علاوہ ولیوں اور بزرگوں کے بت رکھے جا چکے تھے اور بقول جے ام رابرٹسن:-

"پرانا مصری و رومی عقیدہ پھر عود کر آیا کہ جس ہستی کی تمثیل بنائی جاتی ہے اس کی روح اس میں آجاتی ہے اسی لئے بزرگوں سے جو دعائیں کی جاتی تھیں وہ سب اُن کے بتوں سے کی جاتی تھیں"۔ (مختصر تاریخ نصرانیت ص ۱۴۸)

مسیحیوں اور مجوسیوں کی عصری حالت

اس زمانے میں نصرانیوں میں سخت دینی انتشار پھیلا ہوا تھا اور ایک کونسل کے بعد دوسری کونسل مختلف عقائد پر فتوے صادر کر رہی تھی مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس دور کی پوری تاریخ میں نصرانی و مجوسی تصورات کی کشمکش کا صحیح جائزہ لیں۔ تب ہی یہ معلوم ہوگا کہ قرآن نے جو تعلیم دی ہے وہ دینی پس منظر کے اعتبار سے کتنی مکمل اور صاف ہے۔ مسیحی کفر سازیوں کی مجمل حالت یہ تھی۔

(۱) ۳۲۱ء میں نکائیہ کی کونسل نے آریوس کو کافر و ملعون قرار دیا۔ اس کا خیال تھا کہ مسیح خدا کا مثیل و ہمسر نہیں ہے۔ نہ خدا اور مسیح ایک ہی جوہر سے ہیں۔ نہ مسیح بیٹا ہونے کی حیثیت سے قدیم ہو سکتا ہے۔ لیکن کونسل نے فیصلہ کیا کہ مسیح بھی خدا ہے اور قدیم ہے، خدا سے الگ ہے۔ پھر بھی ایک ہی ذات ہے۔ دونوں ایک ایک ہی جوہر سے ہیں۔

(۲) ۳۸۱ء میں اپولی نے ایس کو قسطنطنیہ کی کونسل نے اس لئے کافر قرار دیا کہ وہ کہتا تھا کہ یسوع انسانی روح نہ تھی۔ صرف خدائی روح تھی اور مریم خدا کی ماں تھیں۔ یعنی مسیح خدا تھا۔ لیکن کونسل نے فیصلہ کیا کہ اگرچہ وہ خدا تھا مگر انسان بھی تھا (یعنی مریم یسوع انسان کی ماں تھیں)

(۳) ۴۳۱ء میں افیسس کی کونسل نے نسطوریس کو نہ صرف کافر بلکہ یہودا غدار سے بھی زیادہ ملعون قرار دیا۔ اس لئے کہ وہ کہتا تھا کہ مسیح کی فطرت انسانی تھی اور خدائی بھی۔ وہ کہتا تھا کہ مریم کو خدا کی ماں نہ کہو بلکہ یسوع کی ماں کہو اس لئے کہ یسوع انسان تھے۔ اگرچہ اُن میں خدائی روح بھی تھی۔ یہی نسطوری ساسانی حکومت کا دست راست

بن گئے اور ایشیا میں نصرانی کہلائے۔ کونسل نے نسطوریس کو کافر کرکے بتایا کہ مسیح کی دونوں فطرتیں ایک ہی ہیں۔

(۴) ۴۵۱ء میں خالسیدون (CHALSIDON) کی کونسل نے یوتی حنیس (EUTYCHES) کو کافر بنایا جو نمبر (۲) کی طرح یہ تعلیم دیتا تھا کہ مسیح میں صرف خدائی روح تھی۔ یہ یک جوہری (MONO PHYSICIST) کہلاتے تھے۔ مصر میں ان کی کثرت تھی۔ یہ قبطی کہلاتے تھے۔ اور مسیح میں خدا اور مسیح کی انسانی روح اس طرح ترکیب پائے جانے کے قائل تھے کہ "من تو شدم تو من شدی" کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بعد میں یہی جماعت یعقوبی کہلائی۔ بہر حال کونسل نے فیصلہ کیا کہ مسیح کی دونوں فطرتیں اگرچہ ایک ہی ہیں لیکن الگ الگ بھی ہیں۔

اب ان چاروں فیصلوں کو ملایئے تو نتیجہ انسانی سمجھ سے باہر ہے۔ یعنی (۱) مسیح واقعی خدا اور قدیم ہے (۲) وہ انسان بھی ہے (۳) خدا کی دونوں فطرتیں ایک ہی ہو گئی ہیں اور ایک ہی ہیں (۴) اگرچہ الگ بھی ہیں۔ غرضکہ اصلی نصرانیت نے عوام کے قدیم توہمات کا جامہ پہن کر ایک مخلوط عقیدہ بنا لیا تھا جس میں خدا یسوع اور مریم کی تثلیث بنا کر تین خداؤں کا مجموعہ تیار ہو گیا تھا بعض فرقے روح القدس یا لوگاس یا کلمہ (عقل اول) کو بھی خدا یا خدا کا جز مانتے تھے۔

ان کی نظری بحثوں اور خدا اور مسیح و مریم کے متعلق موشگافیوں نے عوام کے لئے موت کا دروازہ کھول دیا تھا۔ ذرا بھی کسی کو لغزش ہوئی تو وہ فنا کر دیا جاتا تھا۔

اس زمانے میں مجوسی دنیا کا بھی یہی حال تھا۔ مانی اور مزدک ختم کئے جا چکے تھے اور سرکاری ثنویت کے خلاف زبان کھولنا جرم تھا۔ ہند میں بھی انکار و اقرار، الحاد و ایمان کے جتنے اقسام ہو سکتے ہیں سب پیدا ہو چکے تھے اور دیوتاؤں کی پیدائش اور ان کے مجسم ہونے کے خیالات نے عوام کو ہزاروں فرقوں میں بانٹ دیا تھا۔

بہر حال مسیحی دنیا میں یہ تصور عام تھا کہ آدم کی موت اُن کے گناہ کا نتیجہ تھا اور ان کا گناہ نسلاً بعد نسل برابر منتقل ہوتا رہے گا۔ تا آنکہ کوئی شخص خدا کے بیٹے کی قربانی پر ایمان نہ لائے۔ حتیٰ کہ وہ بچے (اور نیکو کار انسان) جو بغیر بپتسمہ لئے مر جائیں وہ بھی دائمی جہنم میں جلیں گے۔ پھر اس سے بحث نہیں تھی کہ مقدمہ اولیٰ صحیح ہے یا نہیں۔ یہ تو مان ہی گیا تھا کہ مسیح ابن اللہ ہیں۔ بحث یہ تھی کہ بچہ ہونے کے بعد خدا کی ماں کنواری کیسے رہ سکتی ہے۔ لہٰذا جس نے اس میں شک کیا وہ کافر قرار دیا گیا اور جواب دینے والوں نے بالکل منطقی بات کہی کہ مسیح تو صرف نور تھے اس لئے جس طرح شیشے سے روشنی آ جاتی ہے اور شیشہ باقی رہتا ہے اسی طرح مسیح بھی پیدا ہو گئے اور ان کی ماں کنواری کی کنواری رہیں۔

غرض کہ مصری اور بابلی نسل کے لوگوں نے یونانی فلسفے اور لوگاس سے ٹکر کھا کر ایک عجیب خلفشار پیدا کر رکھا تھا اور مشکل یہ تھی کہ خدا کو واحد مانیں تو مسیح خدا نہیں رہتا اور اگر مسیح کو بھی خدا مانیں تو وہ توحید ختم ہو جاتی ہے جو توراہ کی بنیادی تعلیم تھی۔

شہادت مسیح ؑ

اس وقت قرآن کا فیصلہ جس صفائی کے ساتھ دیا گیا وہ نہایت موزوں اور حشو و زوائد سے پاک ہے۔ قرآن نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے نہ تھے۔ وہ انسان تھے اور مریم کے بیٹے تھے۔ مریم معصومہ تھیں اور جو یہودی اُن پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں وہ غلط ہے۔ خود حضرت علیسیٰ کا پیغام یہ تھا کہ خدا میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اس کا کوئی رشتہ دار نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ شاہ حبشہ نے اسلام کے اس تصور کو صحیح جانا اور اُن کو پناہ دی۔ مسیح قتل (یعنی ذلیل) نہیں ہوئے بلکہ رفع (یعنی بلند مرتبہ) کر دیئے گئے۔ یعنی اللہ نے اُنھیں شہادت کا درجہ دیا۔ اسی استعارہ کو قرآن نے کئی جگہ کہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مرتے ہیں وہ ہمیشہ کی زندگی پاتے ہیں اور گو بظاہر مردہ ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں اللہ ان کا درجہ بلند کر کے انھیں عام انسانوں کی طرح زندہ رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ کھاتے ہیں اور فرحت جسم و دماغ حاصل کرتے ہیں (وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ) اسی لئے یہ بھی کہا کہ یہودی شبہ میں ہیں کہ حضرت مسیح ؑ مر گئے وہ زندہ ہیں۔ جس طرح سب شہید زندہ جاوید ہیں۔

المدبّر اور عالمی معلومات

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صرف مکہ میں رہ کر بھی احوالِ عالم سے واقف ہو سکتے تھے۔ اس لئے کہ مکہ کل قوموں کی تجارتی گذرگاہ اور کل مذہبوں اور دینی تصورات کا مرکز بن گیا تھا۔ اس کے علاوہ آنحضرت نے اپنے تجارتی سفروں میں کل اقوام کے ادیان اور اُن کی معاشرت پر گہری نظر ڈالی تھی اس کا ثبوت اُن تجارتی سفروں سے بھی ملتا ہے جو آپ نے کئے تھے اور اُن مکتوبات سے بھی ملتا ہے جو آپ نے دولت مدینہ کے بانی اول کی حیثیت سے مختلف بادشاہوں اور سرداروں کو ۹ھ میں لکھے تھے۔ لہٰذا بعض ناواقفوں کا یہ کہنا کہ وہ صرف بحیرا راہب یا کسی نصرانی سے نصرانیت کو جان سکتے تھے غلط ہے۔ آپ نہ صرف نصرانیت سے واقف تھے، بلکہ یہودی، زرتشتی اور ہندی مذاہب پر ناقدانہ نظر رکھتے تھے۔

مصدقین یوم الدین پر مشرکین مکہ کا نرغہ

۶۱۱ء میں فارس والوں کا قیساریہ پر قبضہ ہو چکا تھا، اور مشرقی رومی سامراج کے بڑے بڑے شہروں پر

فارسی فوجیں قبضہ کر چکی تھیں۔ ہرقل نے اس سامراج کی فرسودہ عمارت کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن عام تعیش فرقہ بندی اور غلامی نے عوام کو بزدل اور کمزور کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹھیک اس وقت جبکہ مصدقین یوم الدین کو قریش یکہ پریشان کر رہے تھے۔ ۶۱۶ء میں بیت المقدس بھی فارسیوں کے قبضہ میں آچکا تھا صلیب مقدس اور بطریق اعظم دونوں تیسیفون Ctesiphon پہنچائے جا چکے تھے اور صلیب پرستوں کو ذلت و خواری کے کنارے پہنچا دیا گیا تھا۔ جو تجارت مکہ سے گذر کر ان ملکوں کو جاتی تھی وہ بند ہو گئی تھی۔

مکہ والوں نے دیکھا کہ المنذرؐ نے بھی انقلاب بپا کرنے کا وہ وقت چنا ہے جبکہ نہ صرف تجارت بلکہ زیارت و حج بھی بند ہو رہا ہے۔ اس لئے انھوں نے باغی غلاموں اور کمزور رشتہ داروں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ غلاموں کو زندہ داغا جانے لگا۔ بلال کو دھوپ میں وزنی پتھر کے نیچے لٹایا جاتا۔ عمارؓ بن یاسر کو گرم ریت پر لٹا کر کوڑے برسائے جاتے۔ ان کی ماں سمیہؓ کو ابوجہل نے برچھی مار کر ہلاک کر ڈالا۔ صہیب رومی کو مارتے مارتے پاگل بنا دیا۔ اور شیرب جاتے وقت سب مال چھین لیا۔ خبابؓ کو جلتے ہوئے کوئلوں پر بھونا۔ ابوفکیہہؓ کو رسی میں باندھ کر کوچہ و بازار میں گھسیٹا اور ایک گبریلے کیڑے کو لا کر کہا کہ یہ تیرا خدا ہے۔ زنیرہؓ کو ابوجہل نے مارتے مارتے اندھا کر دیا۔ اور اُم عبیسؓ اتنا پٹیں کہ زندگی بھر کے لئے بیکار ہو گئیں۔

آزاد شرفا بھی اس تعذیب سے نہ بچے۔ حضرت عثمانؓ کو اُن کے چچا نے رسی میں باندھ کر خوب پیٹا زبیرؓ بن العوام کو چٹائی میں لپیٹ کر اتنا دھوان دیا گیا کہ دم نکلتے نکلتے رہ گیا۔ ابوذرؓ بھی خوب پٹے اور سعید کو ان کے چچا عمر بن الخطاب نے جانوروں کی طرح رسی میں باندھ کر قید کر دیا۔

لیکن ان سب نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنی آزادی ضمیر کو کسی ایذا دہی کے مقابلے میں چھوڑ دیتے اور اللہ کی خواجگی سے انکار کر کے دوسرے آقاؤں یا دیوتاؤں کو اس کا شریک بناتے یا بعث بعد الموت کی تصدیق نہ کرتے۔

خود المبشرؐ کا استہزاء و تعذیب

ابولہب خاندان سے الگ ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی جان کی بھوکی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر شہر کے لفنگوں اور اوباشوں نے المنذرؐ کو بھی پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے لونڈوں کو ابھار دیا تھا کہ جب آپ نکلیں اُن پر پتھر برساؤ۔ راستہ میں کانٹے بچھاؤ اور موقع پا کر لیکن بنو ہاشم کی نظر بچا کر جسمانی ایذائیں پہنچاؤ۔ قرآن کی ہر بات کا مذاق اڑاؤ اور باہر سے آنے والوں سے کہہ دو کہ محمد مجنون ہے تاکہ کوئی ان کے قریب نہ جائے۔

ان حالات میں کوئی معمولی شخص ہوتا تو ہمت ہار جاتا لیکن المبشرؐ کے سامنے ایک مقصد تھا اور اس

مقصد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی ہیچ تھی۔ قرآن میں بار بار یہ حکم آرہا تھا کہ ان لوگوں سے منہ پھیر لو۔ اعراض کرو۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اسی لئے آپ نے نہایت متانت سے یہ مظالم برداشت کئے اور دوسرے ملکوں کے اللہ والوں سے رشتہ جوڑنا شروع کر دیا۔

یاد رہے کہ بعض مورخ یہ کہتے ہیں کہ عرب اس وقت تیار تھے۔ اور ان میں بحیثیت ایک قوم کے یہ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ انقلاب کر دیں۔ یہ سراسر نہیں تو بہت بڑی حد تک غلط ہے۔ میور نے کیا خوب کہا ہے کہ "مٹی تو ہر جگہ موجود ہے لیکن ضرورت ایک صناع کی ہے۔ ایک ایسے کوزہ گر کی تخلیقی قوت ہی اس مٹی میں جان ڈال سکتی ہے جس کا ایک مقصد ہو، جس میں ہمت و جوش ہو اور جو مٹی کی مختلف حالتوں سے واقف ہو کر اُن میں صنعت کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکے۔"

اسی لئے ہمارا یقین ہے کہ آنحضرت نے اس مردہ مٹی میں جان ڈالی ہے نہ کہ وہ مردہ مٹی خود بخود کوزہ بننے کو تیار بیٹھی تھی۔

مسئلہ شفاعت وکفارہ

اس زمانے میں یہ خیال عام تھا کہ ایک اللہ، جو کل کائنات کا خالق ہے، ضرور موجود ہے لیکن ہمارے دیوی دیوتا اور کاہن و پجاری اس اللہ سے سفارش کر سکتے ہیں۔ یہی خیال نصرانیوں میں بھی تھا کہ خدا اپنے بیٹے کی قربانی کر کے لوگوں کے پیدائشی گناہ کو معاف کر سکتا ہے۔ المبشر نے بذریعہ وحی فرمایا کہ رحمان کی اجازت کے بغیر نہ تو کوئی سفارش کر سکتا ہے اور نہ کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا کفارہ بن سکتا ہے۔ جو کرے گا وہ بھرے گا لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

۸۸۔ الغاشیہ۔ عدل واحسان

المبشر نے زبان قرآن سے فرمایا کہ لوگو ایک دن اللہ کے پاس جانا ہے۔ اور وہاں اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے قیامت (الغاشیہ) ضرور آئے گی لہٰذا عدل واحسان کرو اور ظلم و کنجوسی سے باز آؤ۔

۷۸۔ النباء: بڑی خبر

پھر فرمایا کہ سب سے بڑی خبر (النباء العظیم) یہی ہے کہ قیامت آنے والی ہے اس مسئلہ پر بہت سے لوگوں میں اختلاف ہے۔ بہت سے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ لہٰذا جتنا چاہو ظلم کرو۔

۷۶۔ الدھر

اچھوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ خدا کی محبت میں مسکینوں یتیموں اور اسیروں کی مدد کرتے ہیں اور یہ کام کسی بدلے کی امید میں نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو جنات نعیم ملیں گی اور خدا

ان سے خوش ہوگا"۔

جبر و اختیار لہٰذا اے لوگو تم وہ راستہ اختیار کرو جو نیکی کا راستہ ہے تمہیں اختیار دیا گیا ہے کہ اپنے حواس وعقل کا شکر ادا کرو اور اُسے صحیح طور پر کام میں لاؤ۔ اور یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ ناشکرے (کفور) بن جاؤ اور بت پرستی وخودستائی میں پڑ کر تاریکی (کفر) میں گر جاؤ۔ پہلا راستہ جنت کا ہے - دوسرا دوزخ کو لے جاتا ہے (۷۶ - الدھر)

۵۵ - الرحمان جنت - حوریں - شراب لوگو یہ کلام اس رحمان نے سکھایا ہے جو نصرانیوں کا ہی نہیں ہمارا بھی خدا ہے - جنت میں ایسا عیش ومسرت ہوگا جو خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتا - بس یوں سمجھ لو کہ شرمائی ہوئی عورتیں، بہار کا موسم، دور شراب اور سلام سلام کے نغمے جو لطف پیدا کر سکتے ہیں وہ اُن سے بھی بلند ہوگا - جو نہ آنکھ نے دیکھا ہے نہ کان نے سنا ہے - وہاں کوئی لغو اور بیہودہ گفتگو نہ ہوگی - نہ وہاں جھوٹ کا گذر ہوگا - (۵۵ - الرحمان)

سورہٴ ق - بعث ویوم الجزا "یاد رکھو کہ خدا کا قانون اٹل ہے (مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ) کہ ہر عمل کی جزا ہے - بروں کو یقیناً جہنم میں جانا ہوگا اور جس طرح سبزی مر جاتی ہے اور پھر پیدا کی جاتی ہے اسی طرح تم بھی مٹی میں مل کر پھر پیدا کئے جاؤ گے (كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ) میں تم سے زبردستی یوم جزا کو نہیں منوا سکتا - پہلے بھی ایسی قومیں مثل اصحاب الایکہ، قوم تبع، ثمود، عاد، قوم فرعون اور اخوان لوط کے گذری ہیں جو یوم جزا کی قائل نہیں تھیں - دیکھو وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے کیسی تباہ ہوئیں۔ وہ بھی کہتے تھے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد کون زندہ کر سکتا ہے (أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ) مجھے تو حکم ہے کہ جو کچھ تم مظالم کرو اس پر صبر کروں - لیکن یاد رکھو کہ میں تمہیں تاریخی مثالیں دے کر سمجھاتا ہوں اگر راہ راست پر نہ آئے تو ان ظالم قوموں کی طرح تم بھی مٹ جاؤ گے -

خدا ہمارے نہایت قریب ہے خدا ہماری رگ جان سے زیادہ قریب ہے - وہ دلوں کا حال جانتا ہے وہی قیامت میں جزا وسزا دے گا" (۵۰ - ق)

موذیوں کی جماعت آنحضرت کی دعوت کا ایک اچھا نتیجہ ضرور نکلا کہ خود کفار قریش یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ہماری حالت کیا ہے اور ہمیں کس طرح اسلامی تحریک کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ جب کبھی کوئی ہادی اور مصلح ایک اصلاحی پروگرام لاتا ہے تو ہمیشہ ارتجاعی ذہنیت والوں پر ایسی ہی ہذیانی

کیفیت طاری ہو جاتی ہے وہ اپنی برائیوں اور جکڑ بندیوں سے چھوٹنے کی بجائے اپنے مصلح کو جبر و زور سے فنا کر دینا چاہتے ہیں۔ آج بھی دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔

غرض کہ ابولہب کی صدارت میں ایک مجلس بیٹھی اور کعبہ کی پنچایت کے پچیس ارکان یا سردار غور کرنے لگے کہ کس طرح محمدؐ کو شکست دی جائے۔ ابھی ان کے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے اور حرب فجار وغیرہ میں جو کمزوری پیدا ہو گئی تھی وہ بھی اس خانہ جنگی سے روک رہی تھی۔ غرضکہ پروگرام یہ بنا کہ کمزوروں کو مار پیٹ کے ذریعے اپنی راہ پر ڈالا جائے اور خود آنحضرتؐ کا مذاق اڑایا جائے تاکہ لوگ یوم الدین کی جزا و سزا کی تصدیق سے باز آجائیں اور المبشر کو معمولی کاہن یا ساحر سمجھنے لگیں۔

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ میں نے بیسیوں کاہنوں کا کلام سنا ہے۔ لیکن کہاں ان کے زمزمے اور غیب دانی کے دعوے اور کہاں محمدؐ کی سیدھی سیدھی باتیں اور ایک نیا تصور۔ مرنے کے بعد یہ ہوگا۔ وہ یہ تو نہیں بتاتا کہ کل پانی برسے گا یا نہیں۔ اور سفر کے لئے یہ دن اچھا ہے یا نہیں، یا اونٹنی کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ یا انتقام لینے میں کس دیوتا سے مدد ملے گی۔ وہ تو ان سب باتوں کو من گھڑت اور شیطانی بتاتا ہے۔

لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم بھی اس کی پڑھنت (قرآن) کو سحر اور منگھڑت باتیں (افترا) بتائیں گے اور کہیں گے کہ یہ باتیں تو ویسی ہی ہیں جیسے ہمارے ساحر کہتے ہیں یا شاعر سناتے ہیں۔

ولید نے کہا وہ تو جادوگری کو بھی وسواس الخناس کہتا ہے اور کہتا ہے کہ رب الناس ان کو جہنم میں بھیجے گا اور شاعروں کی طرح وہ گپ شپ نہیں ہانکتا بلکہ پرانے قصے سنا کر کہتا ہے کہ سب کا مطلب یہ ہے کہ ساحروں اور شاعروں پر لعنت بھیجو اور صرف خدا کی غلامی پر سب متفق ہو جاؤ۔ اَرۡبَابٌ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ کی غلامی کو مٹا دو اور مفلسوں کو کھانا کھلاؤ۔ وہ نہ جادوگروں کی طرح بال الجھائے ہوئے گندگی میں رہتا ہے نہ اُن کی طرح اس کی صورت خوفناک ہے۔

تو ہم اُسے مجنون کہیں گے اور لوگوں سے کہیں گے کہ اُس کا جن اس پر ہر وقت سوار رہتا ہے وہ پاگل پن میں مختلف باتیں بکتا رہتا ہے۔ کوئی اس کی باتیں نہ سُنے۔ مگر ولید نے کہا کہ حاجیوں اور تاجروں کے سامنے یہ بات بھی نہ چلے گی۔ وہ محمدؐ کے کلام سے سمجھ لیں گے کہ یہ جن یا شیطان کی باتیں نہیں ہیں بلکہ صاف بولی (عربی) میں سمجھ میں آنے والی باتیں ہیں۔ آخر وہ لوگ حیران ہو گئے کہ کس طرح اس تحریک کو روکیں۔

دنیوی لالچ — عتبہ بن ربیعہ کی پیش کش

مشرکوں نے جب یہ دیکھا کہ المنذرؐ کے جہنم اور المبشر

کی جنت نے بہت سے لوگوں کو اُن کی طرف مائل کر دیا ہے تو انھوں نے عتبہ بن ربیعہ سردار قریش کو آپؐ کے پاس بھیجا۔ یہ ایک شریف آدمی تھا اور کلام عرب کا ماہر تھا اور کہا کہ: "اے محمدؐ اس ہنگامہ آرائی سے تمہارا کیا منشا ہے؟ اگر تم دولت چاہتے ہو تو ہم دولت جمع کر دیتے ہیں۔ اگر عزت چاہتے ہو تو مکہ بھر کے تاجروں اور بیوپاریوں کا سردار مان لیتے ہیں۔ اگر کسی حسینہ کو چاہتے ہو تو اس سے نکاح کرا دیتے ہیں۔ ورنہ اگر کسی جن یا آسیب نے ستا رکھا ہے اور اس کا اثر تمھارے دماغ پر ہے تو ہم اس کا علاج کرائیں تاکہ تم اچھے ہو جاؤ اور مکہ والوں کو بھی امن نصیب ہو۔"

المبشرؐ نے فرمایا کہ مجھے ان میں سے کسی چیز کی خواہش نہیں۔ نہ یہ کلام کسی جن یا شیطان کا ہے کہ کوئی مقصد نہ ہو، نہ کچھ سمجھ میں آئے۔

حٰمٓ ﴿﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
"كِتٰبٌ" فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ

اے انسان یہ اُس "رحمان" کی طرف سے دل پر نازل ہوا ہے جو نہایت مہربان ہے۔ "یہ علم" خفیہ نہیں ہے کہ سحر سمجھو بلکہ صاف صاف دلیلیں ہیں اور سمجھ میں آنے والی پڑھنت یا زبان ہے تاکہ تم اسکو سمجھ سکو اس پر عمل کرو۔ یہ کلام جنت کی بشارت اُن لوگوں کو دیتا ہے جو نیک عمل کریں اور بدعملی پر اصرار کرنے والوں کو جہنم اور تباہی سے ڈراتا ہے لیکن تم لوگ نہیں سننا چاہتے اور اس نصیحت سے منہ پھیر لیتے ہو۔

عتبہ نے پہلی مرتبہ براہِ راست یہ کلام آنحضرت سے سنا تھا۔ اس میں نہ تو پیشین گوئی تھی نہ غیب دانی کا دعویٰ تھا وہ سمجھ گیا کہ المبشرؐ نے جو تحریک شروع کی ہے اس میں مکہ والوں ہی کا فائدہ ہے۔ وہ یہ بھی مان گیا کہ جب تک کل قبیلوں میں اتحاد اور کل انسانوں میں مساوات کی روح نہ ہو۔ وہ بے غرضی سے ترقی کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتے۔ وہ واپس گیا اور حقیقت حال سے قریش کے سرداروں کو آگاہ کیا۔ اور کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ محمدؐ کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو ہماری سرخروئی ہوگی مارا گیا تو قصہ ختم ہو جائے گا۔ لوگوں نے یہ سُن کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی محمدؐ کا جادو چل گیا اور انھوں نے مصدقوں کو پہلے سے زیادہ ستانا شروع کر دیا۔

ملک حبشہ کے نصرانی اور بنو المطلب

چوتھی صدی مسیحی میں انتھاناسیوس (Athanaseus) سکندریہ کا بطریق تھا اس نے سنہ ۳۳۰ء میں حبشہ کے دارالسلطنت

آکسیوم (Auxume) میں پہلا بشپ بھیجا تھا۔ اس ملک کی نصرانیت کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مسیحی فرقہ پرستوں کی لڑائیوں سے دور رہی۔ یہاں قدیم زمانے سے یہودی تجارت کرتے تھے۔ اور حبشیوں کا قول ہے کہ ملکہ بلقیس جو حضرت سلیمان سے ملی تھی وہ حبشن تھی اور شاہان حبشہ اس کی اولاد سے ہیں۔ مسلمان مہاجرین جب ساتویں صدی مسیحی میں یہاں پہنچے تو آکسیوم کافی رونق پر تھا اور اس کا بندرگاہ ادولس (Adolis) تھا۔ پانچویں صدی مسیحی میں یہاں مسیحی راہبوں کی ایک جماعت نے بود و باش اختیار کر لی تھی اور ان کا اس ملک پر گہرا اثر قائم ہو گیا تھا۔ ورنہ نصرانیوں کے مختلف فرقوں میں ایک عجیب انتشار تھا۔ آریوس کو ۳۲۵ء میں محض اس لئے نکائیہ کی کونسل نے کافر قرار دیدیا تھا کہ وہ مسیح کو قدیم نہیں مانتا تھا بلکہ اُسے خدا کا پہلا مخلوق کہتا تھا جو عدم سے وجود میں لایا گیا ہے۔ اتھاناسیوس کے ہم خیال خدا اور مسیح کو ایک ہی جوہر سے ہم ذات سمجھتے تھے اور قدیم، غیر مخلوق، لوگاس یا کلام مانتے تھے۔ یعنی مسیح خدا کا اوتار تھے اور عدم سے وجود میں نہیں آئے تھے۔ یہ کلمہ ۳۲۵ء میں قبول کر لیا گیا تھا اور یونانی مشرقی کلیسا کا سنگ بنیاد بنا۔

شہنشاہ جسٹی نین اول (Justinian) کی درخواست پر ۵۲۵ء میں شاہ حبشہ نے یمن کے نصرانیوں کی مدد کے لئے یمن پر حملہ کیا اور فتح کر کے پچاس سال حکومت کی اور ان کا اس تجارتی راہ پر قبضہ ہو گیا جو سیلون اور ہند سے ہوتی ہوئی یمن تک آتی تھی۔ اسی زمانے میں ابرہہ حبشی گورنر نے مکہ پر حملہ کیا تھا تاکہ بت خانہ کعبہ کو ڈھا دے یا اُسے مسیحی گرجا بنا دے۔

عبدالمطلب بن ہاشم اور حملہ آور نصرانیوں سے دوستانہ گفتگو ہوئی تھی اور عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ نے واپس کر دیئے تھے۔ شاید اسی زمانہ سے بنو ہاشم کی تجارت یمن اور حبشہ سے جاری تھی اور نصرانی اقوام سے دوستی بھی اسی خاندان کے بزرگوں نے قائم کرائی تھی۔

ملک حبشہ کا نوروز یہاں یہ بھی نوٹ کر دینا کہ مسلمانوں نے رجب ۵ نبوی میں حج اصغر کے موقع پر ہجرت کی تھی۔ یہ مہینہ ہمیشہ ستمبر میں ہوا کرتا تھا۔ حبشہ میں جو سال جاری تھا وہ بھی رجب کے مہینہ میں یکم۔ مسکرم (۱۱ ستمبر) سے شروع ہوتا تھا۔ حبشہ کی جنتری میں ۱۲ مہینے تیس تیس دن کے ہوتے ہیں اور آخری مہینہ ۵ دن کا ہوتا ہے اور ہر چوتھے سال ایک دن بڑھانے کا بھی قاعدہ ہے۔ گویا ان کی جنتری شمسی ہے اور ان کی بہار اس وقت ہوتی ہے جب ایران میں نوسردہ اور ہند میں دسہرہ ہوتا ہے اور ملک بھر میں نوروز کا میلہ بہت شان سے منایا جاتا ہے۔ اس ملک میں باہر سے نمک اور یمن سے سوتی کپڑے اور چادریں

اور ملکہ سے چمڑا جایا کرتا تھا اور اس کے بدلے میں حبشی غلام ہونا، ہاتھی دانت حبشہ سے آتا تھا۔ غرضکہ عربوں کی رحلۃ الشتاء کا یمن اور حبشہ سے خاص تعلق تھا اور دونوں جگہ نصرانی اللہ کو رحمان یا رحمانان کہتے تھے جو اس زمانے کے مینی کتبوں سے اب پورے طور پر منکشف ہوگیا ہے۔

رحمان سے مکہ والوں کی نفرت

چونکہ ابرہہ کے حملے کے زمانے سے نصرانیوں کے اقتدار اور ان کے دیوتاؤں اور خداؤں سے ایک قسم کی نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اس لیے جب قرآن میں اللہ کے لئے رحمان کا لفظ استعمال ہوا تو مکہ کی مخالف نصاریٰ پارٹی نے فوراً یہ رائے قائم کرلی کہ اب المبشرؐ نصرانیوں سے ساز باز کر کے کعبہ کو گرجے میں تبدیل کرنے والے ہیں اسی لئے انھوں نے "رحمان" کو "اللہ" کا مترادف ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نہیں جانتے وہ کون ہے شاید وہ یمامہ کا ایک باشندہ ہے۔

رحمان اور اللہ

اسی زمانے میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے پہلی مرتبہ بلند آواز سے کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر سورہ رحمان کی تلاوت کی۔ مکذب پہلے تو سنتے رہے۔ آخر ان کے منہ پر طمانچے مارنا شروع کئے۔ ان کا چہرہ لہولہان ہوگیا۔ لیکن وہ پڑھنے سے باز نہ آئے اور پوری سورت ختم کر کے چھوڑی۔ مکذبوں کو خیال ہوا کہ نصرانیوں کا خدا رحمان اُن کے کعبہ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ لہذا انھوں نے اس کی سخت مخالفت شروع کر دی اور کہنے لگے کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے۔ (قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۲۵ الفرقان)

ہجرت حبشہ اولی

آخر المبشرؐ نے یہ اجازت دی کہ جو لوگ ترک وطن کر سکتے ہوں وہ خفیہ طور پر تیاری کر لیں اور رجب ۵ نبوی میں حج اصغر کے موقع پر حبشہ کے تاجروں کے ساتھ نکل جائیں اس وقت جن مصدقوں پر خاص طور پر مظالم ہو رہے تھے اُن میں صرف بارہ آدمیوں اور چار عورتوں کو نکل جانے کا موقع ملا۔ ان میں مختلف خاندانوں کے لوگ تھے اور یہ سب بعد میں اسلام کے سچے خدمت گذار ثابت ہوئے۔ عثمانؓ بن عفانؓ مع اپنی بیوی رقیہؓ بنت رسول کے اس قافلہ میں تھے۔ اسی عتبہ کا بیٹا ابوحذیفہؓ بھی ان مہاجروں میں تھا جس نے قریش کی طرف سے آکر آپ کو بادشاہت پیش کی تھی۔ اس میں زبیرؓ (المبشرؐ کے پھوپی زاد بھائی) اور مصعبؓ بن عمیر عبدری بھی تھے۔ (آخر الذکر وہی ہیں جو بدر میں مسلمانوں کی طرف سے بنو عبدالدار سے لڑنے نکلے تھے۔ گویا رحمان پرستوں کی طرف سے اسی قبیلہ کا ایک سردار لڑ رہا تھا جو اپنے کو خانۂ کعبہ کے بندے یا بنی عبدالدار کہتے تھے) عبدالرحمان بن عوف بھی تھے جنھوں نے رحمان کی بندگی اختیار کرلی تھی اور عشرہ مبشرہ میں تھے۔ ان کے علاوہ ابوسبرہؓ (آنحضرت کے پھوپی زاد بھائی) عبداللہ بن مسعود (آنحضرت کے خادم خاص)

اور دیگر چند بزرگ بھی تھے۔

غرضکہ بارہ مرد اور چار عورتیں، رجب کے پر امن مہینے میں غالباً تاجروں کا بھیس بنا کر یا تاجروں کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور شعیبہ کی بندرگاہ پر پہنچے۔ وہاں سے حبشہ جانے والی ایک کشتی میں سوار ہو کر حبشہ پہنچ گئے

(زاد المعاد ج ۱۔ ص ۲۴)

یہاں یہ یاد رکھئے کہ ماہ حرام رجب کا زمانہ تھا۔ اس میں حج اصغر ہوتا تھا اور قتل و غارتگری حرام تھی۔ قریش اسی زمانے میں رحلۃ الشتاء (سردی کا تجارتی سفر) کیا کرتے تھے۔

اسم رحمان اور استہزاء

مکذبین نے مار پیٹ ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُس سے سخت حربہ استعمال کرنا شروع کیا۔ کوئی کہنے لگا کہ محمدؐ شیطان کا رسول ہے اُس پر بھی ایک جن آتا ہے۔ وہ قرآن سکھاتا ہے۔ یہ بھی سحر یا کہانت ہے۔ آپ بذریعہ وحی جواب دیتے کہ یہ کلام شیطان کا نہیں اللہ کی طرف سے آتا ہے اور ایک پاکیزہ ہستی جسے مَلک، رسول یا فرشتہ کہتے ہیں وہ لاتا ہے۔ بلکہ میں نے اُسے اپنی آنکھوں سے جنت ماوی کے قریب اُفق پر صاف صاف دیکھا ہے۔ میں رسول اللہ (اللہ کا پیغام سُنانے والا) ہوں خدا پرستی سکھاتا ہوں۔

پھر کہنے لگے کہ یمامہ میں ایک شخص رحمان رہتا ہے۔ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ اس لئے رحمان نہ تو عربی لفظ ہے نہ ہم اللہ کو رحمان کہتے ہیں۔ یہ بات سورہ رحمان کے نازل ہونے کے بعد کہی جانے لگی۔ آنحضرت جواب دیتے اللہ کہو یا رحمان کہو بات ایک ہی ہے (سورہ بنی اسرائیل) جتنی قوموں میں، جتنی زبانوں میں اللہ کے مختلف اچھے اچھے نام ہیں وہ سب اللہ کے نام ہیں (طا۔ ہا۔ کلیم) اللہ دو نہیں ہیں۔ اگر نام بہت سے ہوں تو موسوم کئی نہیں ہو جاتے۔ وہ ایک ہی رہتا ہے۔ وہی اللہ ہے وہی رحمان ہے وہی خدا یا گاڈ ہے۔ لیکن قریش ان دونوں باتوں کے صلح حدیبیہ تک منکر رہے: ایک یہ کہ المبشرؐ اللہ کے رسول ہیں۔ دوسرے یہ کہ دوسری قوموں میں جو اللہ کے نام ہیں وہ عربی زبان میں رائج ہوں اور رحمٰن کو اللہ کا مترادف مانا جائے۔

المبشرؐ کا منشا یہ تھا کہ مختلف قومیں جو اللہ کو پوجتی ہیں۔ خواہ کسی نام سے پوجتی ہوں۔ وہ الحاد و شرک کے خلاف ایک محاذ بنالیں۔ اس لئے رحمان کا لفظ زیادہ تر نصاریٰ سے مخاطب ہو کر کہا گیا تھا اور اس کا اثر بھی اچھا ہوا اسلئے کہ شاہ حبشہ نے مہاجرین حبشہ کو رحمان پرست سمجھ کر پناہ دی اور اُن کو قریش کے حوالہ کرنے سے

انکار کر دیا۔

علم غیب عدل و احسان اور رحمان

جب مشرکوں نے یہ کہنا شروع کہ آپ کی تعلیم بھی شیطانی تعلیم ہے تو آپ نے فرمایا کہ شیطان یا جن کو علم غیب نہیں ہو سکتا یہ صرف رحمان کو ہے اور شیطانی ورحمانی تعلیم میں یہ فرق ہے کہ شیطان پرست ظلم و نفرت پھیلاتے ہیں جیسا کہ تم مصدقوں کے ساتھ کر رہے ہو، اور رحمان عدل و احسان کی تعلیم دیتا ہے اور خود قرآن امام و رحمت ہے۔

صبر و ثبات کے معنی

پھر آپ نے فرمایا: خواہ تم کتنے ہی مظالم کرو یا للچ دو، میں جانتا ہوں کہ مظالم سے دل برداشتہ ہونا الوالعزمی کے خلاف ہے۔ موسیٰ نے راہ حق میں کتنی مصیبتیں اٹھائیں اسی طرح میں اور میرے ساتھی ہر سختی کو برداشت کریں گے اور قدیم تعلیمات محبت و ایثار پر عمل کرتے رہیں گے۔ وہ تعلیمیں بھی ہمارے لئے نور و ہدایت ہیں۔ وہ تعلیمیں صحف ابراہیم و موسیٰ زبور و انجیل وغیرہ میں موجود ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف اللہ کو اپنا رب یا آقا مانو اور بندہ ہونے کی حیثیت سے سب انسانوں کو برابر سمجھو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر کام انسانی فلاح کے لئے ہوگا۔ خود غرضی کی جگہ محبت اور اجتماعی فلاح قائم ہوگی اور دنیا جنت بن جائے گی۔ اس لئے کہ غلام اور آقا کا فرق مٹ جائے گا اور انسان کی تخلیقی قوتیں آزاد ہو کر انسانیت کے بھلے کے لئے کام کرنے لگیں گی۔

تعذیب واستہزاء

غرضکہ مصدقوں کے سامنے یہ سخت ترین آزمائش کا زمانہ تھا۔ مشرکوں کی ایذا رسانی اور استہزا کی حد ہو گئی تھی۔ ابھی خدا پرستی کے پودے کی کونپلیں ہی نکلی تھیں کہ بادسموم کے جھونکوں نے اسے خشک کر دینے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ یاد رکھئے کہ جب کبھی ایسے دور سے کوئی بھی تحریک گذر رہی ہو تو اس کے لئے صحف قدیمہ کی تعلیم صبر و ثبات ہی کام دے سکتی ہے اور نفرت کی جگہ موعظت حسنہ یا بدرجہ مجبوری خاموشی سے مصیبتوں کو جھیل لینا ہی مفید ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کے اس دور میں بار بار المبشر کو الوالعزمی اور بردباری کے ساتھ اعراض عن الکفار اور انتظار کی تعلیم دی گئی ہے انتظار اس بات کا تھا کہ نصرانی یا دوسری خدا پرست قومیں کس حد تک آپ کے پیغام کو لبیک کہتی ہیں مشرکین نے تو حد کر دی تھی کہ نہ صرف مصدقین یوم الدین اور رسالت کو ایذا دی جا رہی تھی بلکہ خود یوم الدین اور رسول اللہ کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اور رحمان کے نام سے تو انھیں چڑ ہو گئی تھی۔

۵۳۔ والنجم | اس دور کا اہم ترین واقعہ۔ لات و عزیٰ کی شفاعت پر مکذبین کا اصرار

مکذبین نے جب یہ دیکھا کہ باوجود ظلم و ستم کے المبشر کی جماعت بڑھتی جا رہی ہے بلکہ ظلم و ستم ہی اس جماعت کی ترقی کا باعث ہے تو وہ کہنے لگے کہ آؤ سمجھوتہ کر لیں وہ آنحضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم ال الہ کو مانتے ہیں۔ جب سمندر میں ہمارے دیوتا ہمارے ساتھ نہیں ہوتے تو ہم اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ ہمارے دیوتاؤں میں خلق کرنے کی قوت نہیں۔ لیکن یہ ہماری روزی کا سہارا ہیں مختلف ملکوں کے لوگ آکر اپنے اپنے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کعبہ میں کر لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا رواداری ہو گی۔ ہم اس پر تیار ہیں کہ ہم ال إلہ کو مان لیں اور ان دیویوں کو صرف سفارشی سمجھیں کہ وہ اللہ سے سفارش کر کے دنیوی مصیبتوں کو دور کرا سکتی ہیں ۔ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ان کی ماں جنیہ ہے آنحضرت نے اس خرافات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ اپنے لئے تو تم لوگ بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہو۔ یہ عجب بیہودہ تصور ہے کہتے ہو کہ ایک طرف اللہ بھی خوش دوسری طرف جن اور شیطان بھی خوش یزدان و اہرمن دونوں کو پوجو آخر اس میں نقصان ہی کیا ہے، قرآن نے کہا کوئی سفارش کام نہیں دے سکتی اور ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ انسان جو کرے گا وہ پائے گا (لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ..... و النجم)

القائے شیطان یا نفس امارہ

بعض محدثوں کا خیال ہے کہ پہلے تو آنحضرت کی طبیعت اس طرف مائل ہوئی کہ ان دیویوں کو غرانیق علی اور شفاعت کرنے والیاں مان لیں۔ قرآن بھی کہتا ہے وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ (یعنی کفار چاہتے تھے کہ آپ وحی الٰہی کے خلاف اُن مکذبین کی طرف جھک جائیں (لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا) آپ کو شاید یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ رفتہ رفتہ وہ اس شرک کو چھوڑ دیں گے (والنجم) لیکن خدا نے انھیں اس سمجھوتہ سے محفوظ رکھا اور آپ کو شیطان منحرف نہ کر سکا (سورہ الحج مدنیہ) اس سے پہلے سورہ القیامہ میں آپ کو تاکید کر دی گئی تھی کہ وحی الٰہی کے بولنے میں جلدی نہ کیا کریں تاکہ جو بات منہ سے نکلے وہ محکم ہو۔ وحی کو قلب رسول میں جمع کرنے اور اس کو درست الفاظ میں بلوانے کا ذمہ خدا نے لے لیا تھا (اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ) پھر اس واقعہ کے بعد سورہ طٰہٰ کلیم میں فرمایا کہ وحی ختم ہونے سے پہلے بولنے کی جلدی نہ کرنا چاہیے (وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ رکوع)

تم اسے بھول نہیں سکتے۔ اسی جگہ حضرت آدم کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ جلد بازی میں وہ بھی شیطان کے وسوسے میں آگئے تھے اور بہک گئے تھے لیکن خدا نے معاف کر دیا (طٰہٰ رکوع ۷) (ابن سعد: ۱۳۷-۱۳۸)

سمجھوتہ کی خبر ۵ نبوی

لیکن مشرکین نے یہ خبر مشہور کر دی کہ آنحضرت سے سمجھوتہ ہو گیا اور شوال ۵ نبوی میں یہ خبر حبشہ پہنچ گئی اور تارکین وطن خوش خوش مکہ لوٹ آئے یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ مکذبین کی شرارت تھی۔ لہذا عبداللہؓ بن مسعود جو کسی کی حمایت میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے حبشہ واپس چلے گئے اور بقیہ اصحاب نے دوسروں کے جوار میں مکہ ہی میں رہنا شروع کر دیا۔ (طبقات ابن سعد ص ص ۱۳۷-۱۳۸)

والنجم: جیسی کرنی ویسی بھرنی: علت و معلول کا لزوم

مکذبوں اور نصرانیوں کے نظریہ شفاعت اور نظریہ کفارہ سے اسی زمانے میں بار بار انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی نہ تو کوئی دیوتا سفارش کر سکتا ہے نہ کوئی قربانی بد عملی کو اپنے خون سے دھو سکتی ہے۔ ہر عمل کی جزا لازمی و یقینی ہے۔ یہ دنیا دار المکافات ہے عمل صالح ہی سے ترقی ہو سکتی ہے ورنہ دوسروں کا عمل تمہارے لئے کارآمد نہیں ہو سکتا ہے۔ البتہ تم چاہو تو اپنا رستہ بنا سکتے ہو۔ اور سربلند ہو سکتے ہو (والنجم)

عمل سے زندگی سے بناؤ

اسلام پر یہ اتہام ہے کہ اس نے قسمت پر شاکر رہنا اور بے عملی کی زندگی سکھائی ہے۔ اس کا بنیادی پتھر ہی عمل صالح ہے جو ایک معین مقصد کے ماتحت ہو۔

نصرانی تعلیم کا اسلامی تصور تشابہات

المبشر نے اہل حبشہ کے ذریعے مختلف نصرانی فرقوں کو جو قرآنی تعلیم اس زمانے میں دی یا جو لوگ ہجرت حبشہ ثانیہ کرنے والے تھے ان کو دی گئی وہ یہ تھی۔ (دیکھئے سورہ کہف)

"اللہ کو بیٹے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ دنیا والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری ملکیت کا کون وارث ہوگا۔ اگر بیٹا نہ ہوا تو یہ دولت کس کے کام آئے گی۔ یا کسی سے لڑائی ہو تو بیٹے ساتھ دیتے ہیں۔ لیکن خدا کو موت نہیں وہ حی و قیوم ہے۔ اُسے وارث کی ضرورت نہیں۔ وہ قادر و توانا ہے اُسے مددگار کی ضرورت نہیں۔ وہ مریم کا شوہر نہیں۔ نہ مسیح ابن اللہ تھے اور اگر اللہ کا جز ہوتے تو انھیں موت نہ آتی۔ اللہ کا کوئی رشتہ دار یا ہمسر نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ مسیح بے باپ کے پیدا ہوئے تو یقیناً آپ کا باپ خدا ہوگا۔ اس کا یہ جواب دیا کہ وہ خدا جو مٹی سے آدم کو بے ماں باپ کے پیدا کر سکتا ہے جس نے زکریا جیسے بوڑھے اور اس کی بانجھ بیوی کو اولاد دی وہ اس پر قادر ہے کہ کسی عورت سے بے باپ کے بیٹا پیدا کر دے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔

خدا کی عظمت و قدرت کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ مردہ زمین سے کھیتی اور زندہ انسان سے مردہ بچہ پیدا کرتا ہے۔ وہ سبز درخت سے آگ پیدا کر دیتا ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ وہی مرنے کے بعد جب تم مٹی میں مل جاؤ گے اور نسیاً منسیا ہو جاؤ گے تو دوبارہ قیامت میں اٹھائے گا۔ دیکھو اس طرح کا قصہ خود تمہاری کتابوں میں اصحاب الکہف والرقیم کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ سیکڑوں سال مردہ رہنے کے بعد وہ زندہ ہو گئے (دیکھئے سورہ ۱۸۔ الکہف) تو ان چیزوں پر حیرت کی کیا بات ہے۔ خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے تو کیا یہ نہیں کر سکتا کہ کسی کو بے باپ کے پیدا کر دے۔ لہذا یہ کہنا کہ مسیح کے باپ کا نام قرآن میں مذکور نہیں اور اسی طرح کی مشابہ تعلیم انجیل میں بھی ہے تو تم اس متشابہ آیت کو مان کر یہ نتیجہ نکالتے ہو کہ مسیح کا باپ اللہ تھا۔ یہ کہنا سراسر غلط ہے۔ تم اس ملتی جلتی آیت کو تو مانتے ہو، مگر اس محکم آیت کو کیوں نہیں مانتے جس میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ خدا کسی سے پیدا ہوا نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ (سورہ ۱۱۳۔ الاخلاص مریم و آل عمران وغیرہ)

(دیکھئے بحث متشابہات فصل دہم سورہ الم۔ آل عمران)

یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ سیرت نگاروں نے عیسائیوں کے دو وفدوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک مکہ میں اور دوسرا مدینہ میں۔ بہت ممکن ہے کہ سورہ کہف کی وہ باتیں جو سورہ آل عمران میں ہیں، مدینہ میں دوبارہ دہرائی گئی ہوں۔

۶۷۔ الملک۔ غیب کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں

اب مشرکین قریش کو بھی بتایا گیا کہ غیب کا علم سوائے اللہ کے نہ تو تمہاری دیویوں کو ہے نہ اُن سے پوچھنے والے ساحروں اور شاعروں کو ہو سکتا ہے اگر تمہارے شیاطین اس کی کوشش بھی کریں تو اُن کو آگ کے شعلوں سے فنا کر دیا جائے اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ) لہذا دیویوں اور شیطان کے گرگوں کی بندگی چھوڑو (الملک)

یہ دیویاں کسی چیز کی خالق نہیں

لوگو جنہیں تم معبود سمجھ کر پکارتے ہو وہ سن تو سکتے نہیں، وہ تمہاری

پکار (دعا) کیا سنیں گے۔ تم خود جانتے ہو کہ وہ کسی چیز کے خالق نہیں

۴۶۔ حٰمٓ الاحقاف تحدی برائے تورات و قرآن

دیکھو یہ کلام اسی طرح خدا کی طرف سے ہے جیسا کہ توراۃ ہے۔ یہ نیکوں کے لئے بشارت (انجیل) ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اس طرح کی تعلیم بنا لاؤ۔ ہم نے پہلے بھی یہی تعلیم دی تھی (اِئْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝) (۴۶ حٰمٓ الاحقاف)

غیب کی خبر لانے والے جن اور فرشتے

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیب کی خبریں لانے والی ذی روح ہستیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک کو ملک یا فرشتہ کہتے ہیں جو سراسر نور ہوتا ہے اور اس میں حکم الٰہی سے انحراف کرنے کی قوت و صلاحیت نہیں ہوتی۔ دوسری قسم کو جن کہتے ہیں جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اور چونکہ اربع عناصر (آتش و باد و آب و خاک) میں سب سے اونچا درجہ رکھتی ہے لہذا اس میں بڑائی یعنی تکبر کا احساس بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان میں نیکی بدی دونوں کی صلاحیت ہوتی ہے یہ بھی فرشتوں کی طرح انسانی نظر سے اوجھل رہتی ہیں اور احکام شرعیہ کی مکلف ہوتی ہیں اور قیامت میں اپنے اعمال کی انسان کی طرح جوابدہ ہوں گی۔ یہ لوگ شعلہ خو ہونے کی وجہ سے متکبر و مغرور ہوتے ہیں۔

انسان (یعنی آدم) مٹی سے بنایا گیا ہے اس لئے اس میں فطرتاً حلم و بردباری پائی جاتی ہے اور اُسے انس و محبت کا پتلہ ہونا چاہیئے۔ شیطان جو جنوں کا سردار ہے انسان کا پشتینی دشمن ہے۔ اس نے ہمیشہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اللہ والے انسانوں پر اس کی دسترس نہیں ہوتی اور اگر بھولے سے کوئی انسان غلط روی اختیار کر لیتا ہے تو معافی مانگنے یعنی توبہ و انابت کے بعد خدا اُسے شیطنت کی راہ سے بچا لیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار قرآن کو کلام شیطان یعنی کلام ساحر و شاعر و کاہن کہتے تھے اور رسول اللہ اسے کلام فرشتہ (قَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ) من عند اللہ کہتے تھے اور اس کا ثبوت (آیت) یہ دیتے تھے کہ کلام من عند اللہ میں اچھی باتیں ہیں اور کلام من عند الشیطان میں بری باتیں۔ اس کے علاوہ یہ اچھی باتیں دیگر کتب الہیہ میں بھی ہیں۔

اس سورہ سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ جنوں کو علم غیب نہیں ہوتا وہ ادھوری باتیں چُرا لاتے ہیں۔

موجودہ سورہ حم الاحقاف میں کہا گیا ہے کہ جنوں نے قرآن سنا اور اس پر عمل کیا۔ مقصد یہ ہے کہ جب جن تک قائل ہیں کہ اچھا کلام خدا بھیجتا ہے تو ان شیطان پرستوں کو چاہیئے کہ وہ بھی کہانت و ساحری چھوڑ کر قرآن

اور دیگر کتب الٰہیہ کو منجانب اللہ مان لیں اور خود آنحضرت کو اس خدائی پیغام کا رسول مان لیں۔ آیات یہ ہیں۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْہُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِہِمْ مُّنْذِرِیْنَ ○ قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یَہْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوْا بِہٖ (احقاف ع ۴)

(اس سلسلہ میں سورۃ الجن، فصل پنجم بھی دیکھئے)

اور جب خدا نے رسول کی طرف جن کے لوگوں کو متوجہ کر دیا اور وہ قرآن خاموشی کے ساتھ سننے لگے اور اس کے ختم ہونے پر اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لئے واپس گئے۔ انھوں نے کہا اے ہماری قوم ہم نے ایسا کلام (قانون یا علم) سنا ہے جو موسیٰ کے بعد آیا ہے اور سب اگلی تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے وہ حق کی طرف اور سیدھی راہ (اسلام) کی طرف لے جاتی ہے۔ اے قوم اللہ کی طرف بلانے والے کو مان لو اور اسکی رسالت کو مانو (احقاف ع ۴)

مستہزئین قریش کے سامنے دو باتیں تھیں جن کی تکذیب کر کے وہ اپنے شیطانی مذہب کو بچانا چاہتے تھے۔ اول یہ کہ خدا یکتا و یگانہ نہیں ہے بلکہ اُس کی قدرت و مشیت میں شیطانوں جنوں اور دیوی دیوتاؤں کو بھی دخل ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا اپنے پیغامات شیطانوں اور جنوں ہی کے ذریعے سے بھیجتا ہے۔ اس لئے یہ اس کے رشتہ دار یا شریک مملکت و قدرت ہیں۔ لہذا قرآن بھی یا تو شیطانی کلام ہے یا خود ساختہ (افترا) ہے اسلئے آپ اللہ کے ایلچی نہیں بلکہ شیطان کے ایلچی ہو سکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہمارے شیاطین نے ہمیں ہمیشہ یہی بتایا کہ جو چاہو کرو، ظلم و قصاص و نسب وغیرہ پر فخر کرو۔ کوئی ایسی قوت نہیں جو دوبارہ پیدا کر سکے اور سزا دے سکے یعنی ہم کسی احکم الحاکمین اور یوم الدین کے تصور کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی ایسی طاقت ہے تو اس کا ثبوت (آیت) لائیے کہ اُس نے آپ کو بھیجا ہے۔

آنحضرت نے معترضین، مستہزئین و مکذبین کو بار بار قرآنی جواب دیئے ہیں اور بتایا ہے کہ:-

۱۔ اگر خدائے واحد اس کائنات کا خالق نہ ہوتا اور دو خدا یا کئی خدا ہوتے تو فساد (CHAOS) پیدا ہو جاتا ہے اور یہ کائنات کائنات (COSMOS) نہ رہتی۔

۲۔ جو ہستی خلق اولیٰ کر سکتی ہے وہی خلق جدید کرنے پر بھی قادر ہے۔ لہذا بعث بعد الموت یقینی ہے۔

۳۔ اگر شیطان کے ایلچی ساحر و کاہن ہو سکتے ہیں تو کون سی وجہ ہے کہ خدا کے ایلچی نبی و رسول نہ ہوں۔
۴۔ خدا کے وجود کا ثبوت یہی ہے کہ وہ خالق ہے اور ارباب من دون اللہ نے ایک شے بھی خلق نہیں کی حتیٰ کہ وہ سمع و بصر تک سے محروم ہیں۔ یہی خدا کے وجود کی آیت (نشان و معجزہ) ہے۔
۵۔ جس طرح کاہن و ساحر کا کلام اس کی بُری تعلیمات سے شیطانی ثابت ہوتا ہے اور یہی اس کی آیت (نشان) ہے اسی طرح اللہ کے رسولوں کا کلام اُن کی اچھی تعلیمات کی وجہ سے رحمانی ثابت ہو سکتا ہے۔ یہی کلام شیطان و کلام رحمان کی علامت (آیت) ہے اور اسی کسوٹی پر جانچا جا سکتا ہے کہ کون شیطان کا ایلچی ہے اور کون خدا کا۔

حم الدخان تا السجدہ

ہجرت حبشہ ثانیہ سے پہلے قرآنی زبان میں آنحضرت نے فرمایا:۔ اے مکذبو! اس قسم کے عذاب کا انتظار کرو جو فرعون پر آیا تھا (۴۴۔ الدخان) اے نصرانیو! خدا کا کسی کو شریک نہ بناؤ (الاخلاص) یہ قرآن حق ہے سحر نہیں ہے۔ المبشرؑ نہ شاعر ہے نہ آسیب زدہ مجنون؛ وہ اس دین ابراہیمی کی تعلیم دیتا ہے جس میں بت پرستی اور خود پرستی دونوں کفر ہیں (۳۷ والصافات) دیکھو جس طرح کتاب موسیٰ حق پرستی سکھاتی ہے اسی طرح اس قرآن میں بھی طاعت الٰہی اور خیرات کی تعلیم ہے (۳۲ الم السجدہ) اے نصاریٰ میں مسیح کی طرح المبشرؑ ہوں اور رحمان کو خدا مانتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ اللہ میں یہ قدرت ہے کہ نہ صرف عاقر کو بلکہ کنواری کو بھی بیٹا دیدے لیکن اس کے یہ معنی نہیں جو اس طرح پیدا ہو اس کا باپ خدا ہے (۱۹ مریم) (دیکھئے فصل دہم: سورہ آل عمران)، (متشابہات)

قصہ مختصر یہ کہ اللہ ہی میں سب قدرت ہے۔ شیطان اور اس کی ذریات میں کچھ قدرت نہیں سب مخلوق اور بے بس ہیں۔ علم صرف اللہ ہی دیتا ہے اور یقیناً اس کا قانون عدل و مجازات، ظالموں کو یہاں نہیں تو قیامت میں پیدا کر کے کیفر و کردار کو پہنچائے گا اور مصدقین یوم الدین کو اُن کے اچھے اعمال کی جزا دے گا (یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ اس زمانے کی سورتوں میں نصاریٰ کے عقائد کا زیادہ ذکر ہے اور روئے سخن مہاجرین حبشہ کے ذریعے نصاریٰ کی طرف ہو رہا ہے)

ہجرت حبشہ ثانیہ

مہاجرین حبشہ واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ نہ مکذبین رحمان اور یوم الدین کو مانتے ہیں۔ نہ آنحضرت کو رسول اللہ تسلیم کرتے ہیں نہ خود آنحضرت اُنکی دیویوں کو سفارشی مان سکتے ہیں۔ لہٰذا جب بڑے حج کا زمانہ ذی الحجہ ۵ نبوی میں آیا، تو

حبشہ والوں کے ساتھ، اوراُن کے کئی قافلوں میں محرم سنہ نبوی کے آخر تک تراسی ۸۳ مرد اور گیارہ عورتیں اور بچے حبشہ پہنچ گئے۔ اس مرتبہ اس جماعت کے سردار حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؓ تھے۔ ان لوگوں کو وہ سب قرآن یاد تھا جو اس زمانے میں نازل ہوا تھا۔ اس میں زیادہ تر سچی مسیحی تعلیم کا وہ تصور تھا جو قرآن نے بتایا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن نے یہ بھی بتایا تھا کہ توراۃ وانجیل بھی نور وہدایت ہیں اور قرآن اُن کا مصدق یعنی خاتم ہے۔ یعنی ان پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

مصدقوں کے خلاف مکذبوں کی سفارت

قریش نے جب یہ دیکھا کہ مصدقین محمدؐ نے اب پھر اُن نصرانیوں سے سازباز شروع کیا ہے جو پنتالیس سال پہلے کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے آئے تھے تو انھوں نے فوراً حبشہ کے بادشاہ کے پاس ایک وفد روانہ کیا۔ اس زمانے میں مکہ کا چمڑا بہترین مال تجارت سمجھا جاتا، وہ بھی نجاشی اور اس کے سرداروں کے لئے بطور نذرانہ کے ساتھ کردیا۔ حبشہ پہنچ کر عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل (جو بعد میں فاتح مصر ہوئے) نے پہلے تو بطریقوں کو تحفے پیش کئے اور کہا کہ بادشاہ سے سفارش کرو کہ ہماری برادری کے چند لونڈے یہاں بھاگ آئے ہیں وہ ہمارے دین کو بھی نہیں مانتے اور نہ تمہارے دین میں داخل ہوئے ہیں۔ اس لئے بہتر ہو کہ انھیں ہمارے سپرد کردیں۔ دوسرے دن نجاشی کے سامنے عبداللہ اور عمرو نے اپنی عرضداشت پیش کی تو بطارقہ نے اُن کی ہاں میں ہاں ملائی۔ لیکن نجاشی نے کہا کہ پناہ گزینوں کو بھی بلایا جائے تاکہ یک طرفہ فیصلہ نہ ہو۔ مصدقین نے اپنا لیڈر جعفر بن ابی طالب کو بنایا اور انھوں نے بتایا کہ ہیں المبشر عربی کا چچازاد بھائی ہوں۔ اور ہم لوگوں نے یہاں اسلئے پناہ لی ہے کہ ہم جاہلیہ میں بت پرستی کرتے تھے۔ ہمارے اخلاق بُرے ہوگئے تھے نہ عہدوقسم کی پابندی تھی نہ امانت وصلۂ رحم باقی رہا تھا۔ نہ پڑوسی سے حسن جوار سے پیش آتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ نے ہم میں ایک رسول بھیجا جو صرف اس اللہ کی پرستش کا حکم دیتا ہے جسے تم رحمان کہتے ہو اور جو مکارم اخلاق کی طرف بلاتا ہے اور حرام باتوں خصوصاً خونریزی (دکفّ عن المحارم دالدماء) سے روکتا ہے۔ اس پر بیت پرست اور کمزوروں کو ستانے والے ناراض ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں لے جاکر فتنہ یا دین کو بدلنے پر مجبور کریں۔ ہم نے دوسرے ملکوں پر تیرے ملک کو ترجیح دی ہے اور پناہ لینے اور رحمان کو پوجنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ اس کے بعد کھٰیٰعص سنائی جسے سن کر وہ اور سب پادری رونے لگے۔

نجاشی نے یہ سُن کر کہا کہ ایسے لوگوں کو پناہ دینا ہمارا فرض ہے۔ یہ رسولؐ اور عیسیٰؑ دونوں ایک ہی مشکاۃ سے نکلے ہیں۔

دوسرے دن عمرو بن العاص نے کہا کہ خیر آج تو بچ نکلے۔ کل میں ان کا یہ قول کہ وہ عیسیٰ کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں، نجاشی تک پہنچاؤں گا تب ان کو مزہ چکھنا پڑے گا۔

عمرو نے دوسرے دن پھر حاضری دیکر نجاشی سے عرض کیا کہ اے بادشاہ یہ لوگ عیسیٰؑ روح اللہ کے متعلق قول عظیم کہتے ہیں۔ جعفرؓ نے کہا کہ ہمارے نبی نے یہ بتایا ہے کہ ھُوَ عبد اللہ ورسولہ وروحہ وکلمتہ القاھا الی مریم العذراء البتول (وہ اللہ کے بندے ہیں۔ اس کے رسول ہیں اُس کی روح وکلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم کی طرف بھیجا تھا) یہ سن کر نجاشی نے کہا۔ واللہ یہ قول بالکل سچا ہے۔ جاؤ آرام سے رہو۔ پھر سفارت قریش کو اُن کے ہدیے واپس کر دیئے اور انھیں واپس کر دیا۔ اس کے بعد مسلمان ہمیشہ نجاشی کا ساتھ دیتے رہے اور اس کی فتح وکامرانی پر خوش ہوتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ جب وہ مرا تو رسول اللہ نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ نجاشی کے مرنے پر یہ کہا جاتا ہے کہ اُس کی قبر سے برابر نور نظر آتا رہا۔

بہرحال اس طویل قصہ کی لکھنے کی غرض یہ ہے کہ (۱) عام لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں کہ آنحضرت اور مکہ والے یہ نہیں جانتے تھے کہ دنیا میں کون کون سی قومیں آباد ہیں اور ان کے ادیان کا کیا کلمہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت نے حقیقت ادیان کو سمجھ لیا تھا اور قرآن میں جو کچھ تذکرہ ان ادیان کا ہے وہ اس لئے تفصیلی نہیں ہے کہ جن لوگوں کی طرف روئے سخن تھا وہ تفصیلات سے واقف تھے (۲) چونکہ قرآن بنیادی باتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے مسیح کی الوہیت کا تو قطعی انکار کر دیا لیکن اس مسئلہ کو زیادہ صاف لفظوں میں نہیں کہا کہ مسیح کے سولی دیئے جانے کے بعد وہ کہاں گئے۔ اگرچہ کنایۃً یہ بتایا کہ وہ مقتولین فی سبیل اللہ کی طرح زندہ ہیں۔

حضرت ابوبکر کی ہجرت اور واپسی

سفارت قریش کی واپسی پر مصدقین پر مظالم کی بوچھار ہوگئی۔ حضرت ابوبکر نے اسیروں یعنی غلاموں اور مقروضوں کو غلامی سے نجات دلانے پر کمر باندھ لی، اور کئی غلاموں اور مقروضوں کو خرید کر یا قرض ادا کر کے آزاد کرا دیا۔ ان پر بھی ایک دن حملہ کر دیا گیا۔ آخر وہ بھی مکہ چھوڑ کر نکل گئے۔ لیکن مکہ سے پانچ راتوں کے فاصلہ پر جب وہ

برک الغماد پر پہنچے تو ابن الدغنہ، سردار بنو قارہ مل گیا اور اپنے جوار میں انھیں واپس لے آیا۔ قریش نے صرف یہ شرط کی کہ وہ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھا کریں۔ لیکن وہ چند روز بعد یہ شرط توڑنے پر مجبور ہو گئے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے کہا کہ دیکھو ابوبکر پھر قرآن پڑھکر روتے ہیں اور ہماری عورتوں اور بچوں پر اس کا خاص اثر پڑتا ہے۔ انھیں روکو۔ ابن الدغنہ نے آکر یہ ماجرا کہا تو آپ نے اس کا جوار واپس کر دیا اور کہا اللہ کا بھروسہ کافی ہے۔ اس کے بعد وہ کئی مرتبہ پٹے۔ لیکن آنحضرتؐ کا حکم تھا کہ صبر و تحمل ہی شان صدیقیت ہے۔ اس لئے وہ برداشت کرتے رہے۔

علانیہ تبلیغ کا تیسرا سال سنہ ۶ نبوی

مکہ میں علانیہ تبلیغ کے تین سال ختم ہو چکے تھے برا حج آیا اور تجارت و زائرین کی وہی کساد بازاری رہی جو پہلے تھی۔ اس لئے معاش کی تنگی اور عام بدامنی نے قریش کی جھنجلاہٹ کو اور بڑھا دیا۔ شام و عراق کے بازار بند پڑے تھے۔ اب حبشہ والوں سے بھی نفرت بڑھ رہی تھی اور بڑھتی ہوئی بیکاری سے جو غصہ پیدا ہو رہا تھا وہ سب مصدقین پر اتارا جا رہا تھا۔

اس زمانے میں چند ایسے واقعات پیش آئے جو اسلام کی آئندہ تاریخ میں بہت پیچیدہ بن گئے مثلاً وحی و رسالت، عصمت انبیا، معجزہ اور اعجاز قرآن وغیرہ۔ ہم قرآنی روشنی میں ان مباحث کو درج ذیل کرتے ہیں۔

۵۲- الطور، تحدی یعنی اللہ کی سب کتابیں معجزہ ہیں (صرف قرآن ہی نہیں)

المبشر نے دنیا کو سب سے پہلی مرتبہ یہ بتایا کہ علم غیب سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا اور وہی جب بندہ پر مہربانی فرما کے غیب کی باتوں کا انکشاف کر دے تو ہو سکتا ہے۔ موجودہ اہل سائنس اور فلسفی سب اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ قوانین قدرت کا انکشاف غور و فکر سے نہیں بلکہ یکایک ایک معمولی انسان پر الہامی طریقے پر کوئی قدرت کا راز ظاہر ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ آگ کا جلانا ہو، یا بھاپ سے انجن بنانا، یا ذرات کو تحلیل کرکے اس سے ایٹم بم تیار کرنا

آنحضرتؐ کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ قرآن سب انسانوں کے لئے ایک معجزہ ہے۔ یعنی اس میں وہ معلومات ہیں جس کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بلکہ واقعہ دوسرا ہے، اور مفت میں ہزار برس سے لوگوں نے اعجاز قرآن کی ایک بحث شروع کی جو اب تک ختم نہیں ہوئی۔

بات صرف اتنی ہے کہ کفار مکہ نے جب سوچا کہ اب المبشر کو کس طرح تنگ کیا جائے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تعلیم (قرآن) بھی ہمارے کاہنوں اور ساحروں کی سی تعلیم ہے جو وہ جنوں اور شیطانوں سے سیکھ کر ہمیں سناتے ہیں اور غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ لہذا یہ شیطانی کلام ہے اور اس کا لانے والا کاہن یا شاعر ہے۔

المبشرؐ نے فرمایا کہ غیب کا علم جنوں اور شیطانوں کو کہاں ہو سکتا ہے اگر ہوتا تو وہ بھی وہی باتیں بتاتے جو قرآن بتاتا ہے یعنی صرف اللہ کی عبادت کرو اور جنوں شیطانوں، دیوی دیوتاؤں کی باتوں کو نہ مانو۔ وہ یہ بھی بتاتے کہ مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے اور تم سے اعمال کی باز پرس ہوگی۔ جزا سزا ملے گی۔ جہنم یا جنت میں جاؤ گے۔ غرضکہ غیب کی یہ باتیں خدا بتاتا ہے اور وہی اپنے ایلچیوں کے ذریعے مختلف قوموں کو بتاتا رہتا ہے۔ اگلے زمانہ میں بھی جو خدا کے رسول مختلف ملکوں اور قوموں میں آئے وہ بھی یہی باتیں بتاتے تھے اس طرح کی باتیں بتانے والا اب تک تمہاری قوم میں کوئی نہیں آیا۔ اگر کسی کاہن یا ساحر یا شاعر کو اس بات کا دعویٰ ہو، یا تم اس کے گواہ بن کر اس کے کلام کو پیش کرنا چاہتے ہو تو لاؤ وہ کلام کونسا ہے اور وہ کس ساحر یا شاعر کا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ مشرکین اس جواب کو سن کر لاجواب ہو گئے۔ اس کو اعجاز قرآن کی تحدی کہا جاتا ہے جس کی ابتدا سورہ ۵۲۔ الطور سے ہوئی ہے اور فتح مکہ کے بعد اس بحث کو قرآن نے مکہ والوں کے سامنے ختم کیا ہے۔ اس سورہ کو غور سے پڑھئے۔ اس میں صرف یہی کہا گیا ہے کہ قرآن بھی توراۃ کی طرح ایک قانون حیات ہے۔ اس میں بھی قدیم کتابوں کی طرح صرف اللہ کی عبدیت اور بعث بعد الموت کے بعد جزا و سزا پر زور دیا گیا ہے۔ یہ تعلیم جو سب کتابوں میں یکساں ہے کسی کاہن یا ساحر کی تعلیم نہیں ہے۔ غرضکہ یہ تعلیم ایسی ہے جو عرب میں اس سے پہلے موجود نہ تھی اور جتنے مشرک تھے اس طرح کی تعلیم کا نمونہ پیش کرنے سے عاجز تھے مقصد صرف قرآن کا معجز ثابت کرنا نہیں بلکہ جملہ کتب اللہ کی تعلیم کفار کے لئے معجز ہے اس لئے کہ شیطانی کلام میں اللہ کی عبدیت، بعث بعد الموت یوم الدین اور نیک عملی کا ذکر ہی نہیں ہو سکتا۔ یہی ثبوت ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے شیطان کی طرف سے نہیں۔ (سورہ الطور)

یوم الدین، وحی و رسالت

اسی سورہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ مشرک یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تعلیم المبشرؐ نے اپنے دل سے گھڑلی ہے۔ اس کا جواب قرآن یہ دیتا ہے کہ یہ کلام اُس خالق کی طرف سے وحی کیا گیا ہے جس نے نہ صرف زمین آسمان بنائے بلکہ خود انسان کو بنایا اور اُسے

بیان کی قوت دی ۔ مشرک بھی اس بات کو دل ہی دل میں سمجھتے ہیں کہ یہ خدائی کلام ہے شیطانی کلام نہیں ۔ لیکن انھیں اتنی ضد ہو گئی ہے کہ اگر آسمان بھی گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں گے کہ یہ تو بادل کا ٹکڑا ہے ۔ یہ وحی انسانی کوشش سے حاصل نہیں ہوئی ۔ بلکہ عطیہ الہٰی ہے ۔ یہ عطیہ ہر ملک و قوم میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے ۔ صرف عرب میں حضرت اسماعیل کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوا کہ توحید الہٰی اور بشارت جنت بعد الموت دیتا ۔ پھر سورہ "ص" میں بتایا کہ غرور اور شقاق کی وجہ سے یہ لوگ یوم الدین کی خبر کو جھٹلاتے ہیں ورنہ جانتے ہیں کہ المبشر نے کبھی کوئی غلط بیانی نہیں کی ۔ اور آگے چل کر شوریٰ میں صاف کہدیا ہے کہ وحی خدا کے اشارہ کا ایک خفیہ پیام ہوتا ہے جو قلب رسول محسوس کرتا ہے کہ پردہ کے پیچھے سے کوئی اشارۂ قلبی کر رہا ہے ۔

نہ تو قرآن انسانی تصنیف ہے ۔ نہ دوسرے لوگوں نے اس میں مدد دے کر اسے بنایا ہے ۔ جیسا کہ مشرکین کا خیال تھا کہ بعض نصرانی جو مکہ میں کام کرتے تھے ۔ انھوں نے اہل کتاب کے قصے آنحضرت کو سنائے ہیں اور وہ انھیں عربی زبان میں بیان کر دیتے ہیں ۔ آنحضرت نے فرمایا بیشک وہ اہل کتاب جن کی طرف کفار کا اشارہ ہے ، ان قصوں کو اپنی عجمی زبان میں بیان کرتے ہیں لیکن یہ باتیں اُن کی تصنیف کردہ نہیں ہیں ۔ قرآن بار بار تسلیم کرتا ہے کہ توراۃ و انجیل وغیرہ اللہ کی دی ہوئی ہدایتیں ہیں ۔ اُن ہی باتوں کو میں عربی زبان میں بیان کرتا ہوں ۔ دونوں کا سرچشمہ ایک ہے ۔ چونکہ اہل عرب کی سمجھ میں عجمی کلام نہیں آتا ، لہٰذا قدیم خدائی تعلیم کو عربی میں بیان کیا جاتا ہے (النحل ع ۱۳ ۔ حم السجدہ ع ۵)

سورہ ص : عصمت انبیاء

ایک اہم مسئلہ انبیاء کی معصومیت یعنی شیطان سے محفوظ رکھے جانے کا بیان ہوا ہے ۔ کفار کے استہزار اور تعذیب کے زمانے میں المبشر کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ شفاعت کے معاملہ میں ایک بیچ کی راہ نکل آئے اور قریش مسلمان ہو جائیں تو اچھا ہوتا لیکن خدا نے آنحضرت کو اس لغزش سے بچا لیا اور بعد میں جو سورتیں نازل ہوئیں اُن میں بتایا کہ شیطان ہمیشہ بہکایا کرتا ہے ۔ لیکن غلطی سرزد ہو جانے کے بعد اگر صدق دل سے آئندہ نہ کرنے کا عہد کیا جائے تو خدا معاف کر دیتا ہے ۔ مثلاً خدا نے داؤد کی خطا کو معاف کر دیا جبکہ انھیں اچانک ایک فیصلے کے وقت ندامت ہوئی ۔ اسی طرح سلیمانؑ کو دولت کی اتنی محبت ہو گئی تھی کہ وہ اپنی قوم اور ولی عہد کو صحیح قومی اتحاد کی تربیت نہ دے سکا ۔ اس غلطی سے اس نے توبہ کی تو خطا تو خدا نے معاف کر دی لیکن ولی عہد ناکارہ تھا لہٰذا اس کے مرنے پر دس قبیلے باغی ہو گئے ۔ اُن پر ایک غلام بادشاہ بن بیٹھا اور دو قبیلوں کی یہودی سلطنت گویا جسد

بے جان کی طرح سنہ تک باقی رہی۔ آخر بابلی قید میں جا کر وہ بھی ختم ہو گئے۔ اسی طرح ایوبؑ کو شیطان نے آزمائش میں ڈالا اور خدا نے اس کی مدد کی کہ وہ مستقل مزاج رہا۔" (سورہ ص)

۱۵۔ الحجر: جزائے اعمال سے کوئی نہیں بچ سکتا

اس کے بعد قرآن نے یہ بتایا ہے کہ "محمدؐ المنذر ہیں اور غیب کی یہ خبر عظیم (نبأ عظیم) بتلاتے ہیں کہ اَللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّار کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ دوبارہ پیدا کرے گا اور نیکوں کو جنت اور حوریں دے گا اور اشرار کو جہنم اور عذاب الیم۔

عصمت و حفاظت مخلصین

محمدؐ فرشتے نہیں، نہ انسان سے کچھ زیادہ ہیں یا غلطی سے پاک ہیں۔ لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ مخلص بندوں تک شیطان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ نہ شیطان کو علم غیب حاصل ہو سکتا ہے اور نہ قرآن میں شیطانی القا کو کسی طرح کا دخل ہو سکتا ہے اور قرآن جو کچھ جزا و سزا کے متعلق کہتا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ قانون الٰہی ہے۔ یاد رکھو کہ عمل صالح اور شرک سے اجتناب ہی لقائے الٰہی کا باعث ہوگا۔

"لہٰذا اے الہادی جو کچھ کہا جاتا ہے کھول کر بیان کر اور اپنے آقا (رب) کی حمد (عبودیت) میں وقت صرف کر اور مشرکین مکہ سے اعراض کر۔" (سورہ الحجر)

۱۸۔ الکہف۔ نصاریٰ سے خطاب

اب پھر نصاریٰ کی طرف روئے سخن ہے کہ یہ قرآن تمہارے لئے بھی الکتاب یا قانون زندگی مثل توراۃ کے ہے۔

اللہ ہر طرح خلق پر قادر ہے

یاد رکھو اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا لیکن وہ جس طرح چاہے خلق کرے۔ مثلاً اصحاب کہف کو صدیوں تک موت کی سی نیند سلا دیا اور پھر زندہ کر دیا۔ کفار چاہتے ہیں کہ میں قرآن کے دلائل بدل دوں۔ دیکھو میں ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کہ خدا زندہ کرنے پر قادر نہیں کلمات (قوانین) الٰہیہ ہرگز نہیں بدل سکتے (لا مبدل لکلمات ربہ)

ابلیس جن تھا

لوگو تم جن اور اس کی لڑکیوں (لات، منات عزیٰ) کو اپنا شفیع مانتے ہو۔ ابلیس بھی جن تھا۔ لہٰذا جس طرح وہ انسان کا دشمن اور گمراہ کرنے والا تھا۔ اسی طرح یہ دیویاں بھی تمہیں گمراہی میں ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ ہرگز شفاعت نہیں کر سکتیں۔ یاد رکھو کہ یہ دیویاں ہوں یا مسیح و مریم ہوں کسی مخلوق کی پرستش تمہارے کام نہ آئے گی۔ قیامت کے دن یہ سب تمہارے خلاف

گواہی دیں گے اور بتائیں گے کہ ہم مجبور ہیں۔

عمل صالح اور شرک سے اجتناب

لہذا عمل صالح کے ساتھ ساتھ شرک سے بچو۔ دونوں ضروری ہیں۔ دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک ہو، دوسرا نہ ہو تو بے کار ہے (۱۸۔ الکہف)

اسلام حمزہؓ بن عبد المطلب نبوی ۶ نبوی

ایک دن ابوجہل نے آنحضرت کو اکیلا سمجھ کر گالیاں بھی دیں اور مارا بھی جناب حمزہؓ شکار کھیلنے جایا کرتے تھے اور انھیں مکہ کے معاملات سے زیادہ بحث نہ تھی۔ وہ آنحضرت کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ واپسی پر ایک لونڈی نے بتایا کہ ان کے بھتیجے پر کیا گذری اور کس طرح وہ گالی مار کے بعد خاموشی سے چلے گئے۔ حمزہؓ بہت شہ زور انسان تھے۔ یہ سنتے ہی ابوجہل کو مسجد حرام میں ڈھونڈ نکالا اور جو کمان ہاتھ میں تھی اس سے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ خون بہنے لگا اسی وقت ہنگامہ ہو جاتا لیکن خود ابوجہل نے معاملہ رفع دفع کر دیا اور کہا کہ واقعی میں نے محمد کو سخت گالی دی تھی۔ اس وقت حضرت حمزہ نے اعلان کر دیا کہ میں بھی اسی دین پر ہوں جو محمد کا ہے اور میں بت پرستی اور شرک پر لعنت بھیجتا ہوں۔ دیکھوں میرا کوئی کیا کر لیتا ہے۔

مشرکین کا عذاب الٰہی طلب کرنا

المبشرؐ نے نیکو کاروں کو جنات نعیم اور مشرکوں اور ظالموں، مغروروں اور طاغیوں کو خدائی عذاب سے بار بار ڈرایا تھا اور فرمایا تھا کہ پرانی قومیں نفاق و شقاق، ظلم و طغیان کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں وہ بھی جزائے اعمال کی پرواہ نہ کرتی تھیں اور خدا کی منکر تھیں۔ لہذا اگر توحید الٰہی اور بعث بعد موت کو مان کر نیک عملی نہ اختیار کرو گے تو عذاب الٰہی آئے گا اور عاد وثمود، قوم فرعون ولوط کی طرح تباہ کر دیئے جاؤ گے۔

کافروں نے ان ہی تذکروں کی بنا پر ایسا نظر آنے والا نشان (آیت) مانگنا شروع کیا جس سے یہ ثابت ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ (طٰہٰ)

خدا کے آیات یا نشانات یا دلائل

آنحضرت نے اس کا قرآنی جواب یہ دیا کہ اللہ کی قدرت کی آیتیں (نشان یا دلائل) ہر جگہ موجود ہیں۔ وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ اسی نے کل کائنات پیدا کی ہے۔ وہی عادل بادشاہ (ملک الحق) ہے۔ اہل کتاب سے

پوچھ لو کہ کس طرح خدا نے فرعون کو اپنے قادرِ مطلق ہونے کے نشانات موسیٰ کے ذریعہ سے دکھائے لیکن اُس کے پجاری اُسے خدا بنائے ہوئے تھے وہ کہتے تھے کہ موسیٰ جو کچھ خدا کی طرف منسوب کرتا ہے یہ محض سحر و نظر بندی ہے۔ آخر اُس نے موسیٰ کا پیچھا کیا اور خدا کی قدرت سے سمندر میں غرق ہو گیا۔ اس کا دعویٰ خدائی کام نہ آیا۔

خدا کے رسول ہونے کا ثبوت دو

کفار نے کہا ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ اور چونکہ خدا سے تمہاری دوستی ہے۔ اپنا گھر سونے کا بنوا لو یا ہم پر مہربانی کرا سکتے ہو تو یہاں ایک دریا بہا دو۔ اگر یہ کچھ نہیں کر سکتے تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو۔ ہم انکار کرتے ہیں کہ خدا میں اتنی قدرت ہو سکتی ہے، یا تم اس کے ایلچی ہو۔

نفاق و توہم پرستی نشہ ہے

آپ نے فرمایا کہ خدا کا یہ قانون رہ چکا ہے۔ اس پر تاریخ شاہد ہے کہ خدا کسی قوم پر اس وقت عذاب نازل نہیں کرتا جب تک کہ ایک نذیر یا ہادی ان کو راہ ہدایت نہ دکھا دے۔ میں خبردار کر چکا۔ یقیناً تم ذلیل و رسوا کیے جاؤ گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم نفاق و توہم پرستی میں مبتلا ہوئی وہ تباہ ہو کے رہی۔ ہاں قوم یونس کی طرح توبہ کر لے، اور بدعملی کو چھوڑ کر نیک عمل اختیار کرے تو وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتی ہے۔

قرآنی وحی بولنے میں جلدی نہ کرو

یہاں پھر سورہ القیامہ کی طرح کہا گیا کہ قرآنی وحی بولنے میں جلدی نہ کرو۔ پوری وحی قلب میں جمع ہونے کے بعد بول کر سنایا کرو۔ یاد رکھو خدائی قانون عادلانہ ہے اس قانون کے مطابق کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ ہاں جو اپنی عقل کھو کر توہمات کے نشے میں پڑے ہیں وہ ضرور تباہ ہوں گے۔ (طلوعِ کلیم)

اسلام اور کل دینوں کا پیغام

نہ صرف میرا بلکہ جتنے خدا کے ایلچی گذرے ہیں سب کا یہی پیغام ہے کہ توحید الٰہی کو مانو۔ وحدت دین سے وحدت خیال پیدا ہوتی ہے اور لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ وحدت انسانی یعنی سماجی مساوات ہی میں دنیا کا بھلا ہے اور آئندہ زندگی میں نجات ہے۔ وحدت و مساوات انسانی ہی عدل ہے۔ لہٰذا بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دو۔ کیا یہ مجنوں کی باتیں ہیں۔

۲۱۔ المومنون

لوگو تم ایک مقصد کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ یہ زمین آسمان بیکار نہیں بنائے گئے۔ ان کا بھی ایک مقصد ہے۔ صرف لہو و لعب اور خود پرستی میں تو جانور بھی مبتلا ہیں۔

کیا تمہارے لئے اس سے بہتر مقصد، بلند تر زندگی اور فراغت کاملہ کا تصور قابل قبول نہیں ہے۲۱۔ المومنون

اس میں شبہ نہیں کہ ہر رسول بشر ہوتا ہے لیکن قرآن نہ سحر ہے نہ بیہودہ خواب۔ یہ زمین و آسمان ایک اٹل قانون پر چل رہے ہیں۔ انسانی زندگی کا بھی یہی قانون ہے کہ ہر عمل کی جزا ملے اس کے لئے معجزہ مانگتے ہیں۔ رحمان کے کوئی بیٹا نہیں۔ خدا کی خالقیت ہی عاجز کرنے والی دلیل ہے۔ وہ عدل کے ساتھ حکومت کرتا ہے۔ اسی لئے صالح بندے بنو، تو تمہیں بھی خدا حکومت عطا کرے گا۔" (الانبیار)

۳۶ - یاسین | آدمی ہی مرسل ہوتا ہے۔ بلا اجرت کے نصیحت کرتا ہے۔ یہ معجزے مانگتے ہیں۔ ان سے کہہ دے کہ جس طرح خدا مردہ زمین کو نباتات سے زندہ کر دیتا ہے اسی طرح وہ خالق مُردوں کو پیدا کرے گا۔ ہر مخلوق خالق کا زندہ معجزہ ہے۔ شیطان خالق نہیں۔ (۳۶ یاسین)

الشعرار: المبشر کی خواہش کہ معجزہ ملے | اس زمانے کے قرآن سے معلوم ہوتا ہے (سورہ شعرار) کہ آنحضرت کو بھی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ کوئی ظاہری نشان ایسا دکھا سکتے کہ مشرکین کا منہ بند ہو جاتا مگر قرآن نے صاف صاف کہہ دیا کہ خدا کے وجود کے لئے عقلی دلائل ہی آیات ہیں اور ان لوگوں کے دل اتنے تاریک ہیں کہ اگر کوئی ظاہری نشان بھی دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ نظر بندی ہے جس طرح موسیٰ کے زمانے میں فرعون نے عذاب کی مختلف اقسام کو سحر کہا تھا۔

شعرا شیطنت سکھاتے ہیں | رہا یہ امر کہ وہ سیدھی سیدھی باتوں کو بھی سحر کہتے ہیں اور قرآن کی صاف عبارت کو بھی کلام شیطان یا شعر سمجھتے ہیں تو انھیں چاہیئے کہ اہل کتاب سے پوچھیں کہ اسی طرح خدائی کلام پہلے بھی نبیوں کے ذریعے سے مختلف قوموں کو دیا جا چکا ہے اور شعرا کا کلام شیطنت سکھاتا ہے جو کہتے ہیں مگر کرتے نہیں یہی معیار عمل ہے جس پر کلام کو جانچا جاتا ہے۔

اپنے خاندان پر توجہ | اب بہتر یہی ہے کہ ان مشرکوں سے قطعی اعراض کرو اور اپنے خاندان والوں کو اس بات پر تیار کرو کہ وہ عملی طور پر اسلام کی خدمت کریں اور جو دوسرے مومن ہیں ان کی مدد کریں۔ (۲۶ - طسم: الشعرار)

قریش کی آنحضرت سے براہِ راست گفتگو | اب تک قریش ابوطالب سردار بنو ہاشم سے گفتگو کرنے آتے تھے لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ خود آنحضرت

ایک پارٹی کے سردار بن گئے ہیں تو مکذبین کے سردار جمع ہوئے اور آنحضرت کو مسجد حرام میں گفتگو کے لئے بلایا۔
آپؐ وہاں بہت سی امیدوں کو لئے ہوئے گئے لیکن ان لوگوں نے یہی کہا کہ ہمارے دیوتاؤں کو بُرا
بھلا نہ کہو۔ اپنی تحریک سے دست بردار ہو جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیں گے۔ کافی مال پیش کریں گے
اور تمہارے اوپر جو جن آتا ہے اس کا بھی علاج کروائیں گے۔ یا کوئی معجزہ دکھاؤ یا فرشتوں کی گواہی دلواؤ کہ
تم نبی ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ تو ہم مان لیں گے۔ غرضکہ یہ گفتگو بھی بغیر کسی نتیجے پر پہنچے ختم ہو گئی اور آنحضرت
نے صاف کہہ دیا کہ میں تمہاری اصلاح چاہتا ہوں، تاکہ تم ایک زندہ قوم بن جاؤ، مگر اُن کوتاہ فہموں کی
سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ المبشرؐ نے اُن سے پھر کہا کہ رسول آدمی ہوتا ہے فرشتہ نہیں ہوتا اور ہر زمانے میں
مختلف اقوام ایک خاص قانون کی پابند ہوتی ہیں اور خدا ہر زمانے کے اعتبار سے اپنے احکام نافذ
کرتا رہتا ہے۔ (لکل اجل کتاب) اور چونکہ سرچشمۂ علم و قانون خدا ہے۔ اس لئے وہ جس قانون کو چاہتا
ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ وہی خالق و قدیر ہے۔)

اسلام عمر بن الخطاب ۶ سنہ نبوی

حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے تھے لیکن انہوں نے
براہ راست المبشرؐ کی تعلیم کو نہیں سنا تھا۔ جب انھوں نے
آپؐ کی مخالفت کا چرچا سنا تو ایک دن یہ سوچا کہ لاؤ المبشرؐ کو قتل ہی کر دوں تاکہ معاملہ ختم ہو جائے۔ تلوار لے کر
چلے تو کہا کہ لاؤ پہلے میکدہ میں جا کر کچھ پی لوں۔ وہاں کچھ نہ ملا تو سوچا کہ لاؤ طواف کعبہ کرتا چلوں وہاں دیکھا
کہ المبشرؐ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوئے مصروف دعا ہیں۔ پردوں کے پیچھے داخل ہو کر آنحضرت کے سامنے
پہنچ گئے اور کلام الٰہی سنتے رہے اس نے دل پر اتنا اثر کیا کہ رونے لگے اور خدا نے دل میں نرمی پیدا کر دی۔
تلاوت قرآن کے بعد جب المبشرؐ چلے تو وہ بھی پیچھے ہو لئے۔ عباس کے مکان کے قریب آنحضرت نے کسی
کی آہٹ محسوس کی مڑ کر دیکھا تو عمرؓ ہیں اور شائد کچھ ایذا دینے آرہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے ابن الخطاب اتنی
رات گئے کہاں؟ عمرؓ نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لئے اور اس چیز کی تصدیق کرنے
کے لئے جو آپؐ پر خدا کے پاس سے آئی ہے۔ رسول اللہ نے یہ سن کر خدا کا شکر کیا اور دعا کی کہ خدایا
عمر کو ہدایت نیک دے۔ پھر اُن کے سینہ پر مسح کیا اور ثبات کی دعا کی اور اپنے گھر چلے گئے۔

اسلام عمر کی شہرت اور ابوجہل

حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام کی خبر جمیل بن معمر کو دی۔ یہ نہایت
ہی گپی آدمی تھا۔ سنتے ہی مسجد کی طرف دوڑا اور پکارا اے

اے معشر قریش عمرؓ بے دین ہوگیا حضرت عمرؓ پہنچے اور بولے یہ جھوٹا ہے میں راہ پر آگیا ہوں۔ لوگ جمع ہوگئے۔ مارپیٹ تک نوبت آئی۔ آخر عاص نے انھیں اپنی حمایت میں لے لیا۔

اس کے بعد آپ اپنے ماموں ابوجہل کے گھر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ نکلا اور کہا خیر تو ہے؟ آپ نے کہا کہ میں یہ خبر دینے آیا ہوں کہ میں نے الٰہ اور اس کے ایلچی محمدؐ کی باتوں کو مان لیا ہے۔ ابوجہل نے یہ سنتے ہی زور سے دروازہ بند کیا اور کہا تیرا بُرا ہو اور جو تو کہتا ہے اس کا بُرا ہو۔

اسلام عمرؓ کے بعد

اب تک مسلمان مسجد حرام میں علانیہ قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے لیکن اسلام عمرؓ و حمزہؓ کے بعد ان کو اتنی تقویت ہوگئی کہ وہاں علانیہ قرآن پڑھنے لگے۔ جھگڑے کے وقت حضرت عمرؓ سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ اور کفار ڈر کے بھاگ جاتے تھے۔

اسلام عمرؓ کے بعد قرآنی تعلیم

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین بھی ستاتے ستاتے اور اعتراضات کرتے کرتے تھک گئے تھے اور حضرات حمزہ و عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مختلف قبائل میں اتنی قوت نہ تھی کہ الگ الگ اسلامی جماعت کا مقابلہ کر سکتے۔ المبشرؐ کو بار بار خدائی ہدایت ہو چکی تھی کہ مشرکین سے اعراض کرو۔ اس لئے آئندہ سورتوں میں سوائے الفرقان کے کسی سورہ میں الرحمان کا ذکر نہیں ہے۔ گویا جہاں تک مشرکین کا تعلق ہے یہ بحث ختم کر دی گئی۔ البتہ اس آخری سال میں خدا کی جو صفات مثلاً عزیز و نصیر، علی، کبیر اور سمیع و بصیر استعمال ہوئیں اُن میں گویا مصدقین کو یہ بتایا ہے کہ رب جو خالق ہے وہ سمیع و بصیر ہے وہ ضرور مدد کرے گا۔ اس کا نام نصیر ہے، وہی عظیم و قدیر ہے اور اس کی عظمت و قدرت کے سامنے مخالفوں کی مخالفت سب ہیچ ہیں۔

۲۵۔ الفرقان: مشرک جانوروں سے بھی بدتر ہیں

باوجود مخالفت کے قرآن کا لب و لہجہ ویسا ہی پر ہیبت اور منطقی ہے جیسا کہ پچھلے دور میں تھا۔ وہ مشرکوں کی خرافات کا اب جواب ہی نہیں دینا چاہتا اور اگر دیتا بھی ہے تو اس وقار کے ساتھ دیتا ہے کہ اس سے مصدقوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور انھیں اپنی کامیابی کا یقین کامل ہو جاتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ "یہ مشرک جانوروں سے بدتر ہیں انھوں نے نفاق و خود پرستی کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے اور انسانی فطرت سے منحرف ہوگئے ہیں۔ انسان کو محبت و ہمدردی کا پتلا ہونا چاہیے۔ یہ مصلحوں کو بھی فرقہ پرور اور کج نظر بنانا چاہتے ہیں کہ عام انسانیت کی بھلائی اُن کی نظر سے اوجھل ہو جائے اور ایسی بہکی بہکی باتیں

کرنے لگے ہیں کہ خدا کیا ہے۔ وہ دکھائی کیوں نہیں دیتا۔ فرشتے کیوں نہیں نازل ہوتے۔ ہم لوگوں کو جو عباد الرحمان ہیں (یعنی مسلمان و نصاریٰ) دونوں کو چاہیئے کہ ان سے کہہ دیں کہ خدا کی مانند کوئی چیز نہیں اور فرشتے تو تمہیں اس وقت نظر آنے لگیں گے جب اللہ کا عذاب تم پر مسلط ہو جائے تب تمہاری عقلیں سیدھے راستے پر پڑیں گی اور سب کچھ دیکھنے لگو گے لیکن اس وقت تمہاری گریہ وزاری اور اعتراف شکست کام نہ آئے گا اور رزق کی فراخی نے جو خدا سے بغاوت کی سپرٹ تم میں پیدا کر دی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔" (۲۵۔ الفرقان)

۴۲۔ الشوریٰ

لوگو! میں محبت کا بھوکا ہوں ہیں کاہنوں کی طرح فیس لیکر کوئی بات نہیں بتاتا ہیں صرف تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ خدا کی حمد کرو، غریبوں کی مدد کرو اور جو کام کرو آپس کے مشورے سے کرو۔ اس طرح کام کرنے والے جنتی ہوتے ہیں۔ (نوٹ: الامر شوریٰ بینھم کی آیت مکی ہے یہ ہدایت صرف مسلمانوں کے لئے ہے) اے مصدقو تم ان مظالم سے پریشان نہ ہو جس نے ظلم و جبر کو سہہ لیا اور معاف کر دیا اس نے بڑا کام کیا۔ یہ ہمت والوں کے کام ہیں۔ یاد رکھو اللہ انسان سے براہ راست کلام نہیں کرتا جو وحی بھی وہ بھیجتا ہے وہ پردہ کے پیچھے سے آتی ہے۔ (۴۲ الشوریٰ)

۳۴ سبا: دولت مند عموماً مکذب ہوتے ہیں

"اے مکذبو۔ اہل علم (یعنی اہل کتاب) تک اس قرآن کو اللہ کا نازل کیا ہوا مانتے ہیں۔ پھر بھی تم الساعۃ (قیامت) کا انکار کرتے ہو اور مجھے جن زدہ کہتے ہو، اس لئے کہ تم جن پرست ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ سلیمان کے قبضے میں جن تھے لیکن جنوں کو اتنا بھی علم غیب نہ تھا کہ وہ بتا سکتے کہ سلیمان مر گیا۔ حالانکہ جب دیمک نے سلیمان کی لاٹھی کو کھا لیا تو وہ سمجھے کہ سلیمان مر چکا اور ہم مفت میں محنت میں مبتلا رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ سلیمان ہمیں کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے۔ دولتمندوں کی گمراہی کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے کہ وہ یوم الدین کو کبھی نہیں مانتے تاکہ وہ اپنے ان بنیادی مظالم کا مزہ چکھنے سے بچ سکیں وہ اپنے جنوں اور شیطانوں کے فریب میں ہیں کہ یوم الجزا نہ آئے گا۔ اسی لئے وہ قرآن کو افترا علی اللہ (جھوٹ) کہتے ہیں اور کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں اور قرآن سے پہلے کی کتابوں کو بھی نہیں مانتے۔ انھیں اپنے اموال و اولاد پر گھمنڈ ہے انھیں سبا سے عبرت (آیت) حاصل کرنا چاہیئے۔ وہاں ہر طرف باغات تھے۔ رزق کی کثرت تھی لیکن نیک عملی کو چھوڑنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ سیل عرم آیا اور ان کے باغات خاردار درختوں میں بدل گئے۔ کیا یہ نصیحت شیطانی ہے۔ اس حق کو دولتمند مکذب سحر کہتے ہیں۔ حالانکہ المبشر کی تعلیم کل انسانوں کے لئے ہے۔ حق ہے باطل نہیں ہے

قیامت ضرور آئے گی اور ظالموں کو ضرور سزا ملے گی "

۴۰ حٰمٓ المؤمن : ربنا اللہ

پھر اسی سلسلہ میں زبان وحی سے فرمایا:" مکذبو. یہ کلام اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ نہ مانوگے تو وہی حشر ہوگا جو قوم نوح کا ہوا۔ تم کہتے ہو کہ تمہاری دیویاں ملائکہ ہیں۔ یہ غلط ہے۔ خود ملائکہ قیامت میں شہادت دیں گے کہ یہ لوگ جنوں کو پوجتے تھے (السبا) بہر حال سِيرُوا فِي الْأَرْضِ پر عمل کرو۔ اور تاریخ سے عبرت حاصل کرو۔ دیکھو مصر میں فرعون کا کیا حشر ہوا۔ وہ موسیٰ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ فرعون کی ربوبیت سے انکار کر کے موسیٰ نے کل انسانوں کے آقا (رب العالمین) کو اپنا آقا مانا تھا۔ اسی طرح یوسف نے خدا سے علم غیب حاصل کر کے بتایا، لیکن بعض مصری مشرک ساحر اتنے جاہل تھے کہ وہ خدا کو دیکھنا چاہتے تھے اور مینار بنا کر آسمان پر چڑھنا چاہتے تھے۔ آخر ان کا بھی بُرا انجام ہوا "۔ (المومن ع ۳)

" میں تمہاری دیویوں کو معبود نہیں مانتا۔ میں اُس آقا کو مانتا ہوں جو زندہ ہے اور سب کا آقا (رب العالمین ہے "۔ (المومن ع ۷)

دیکھو ہر قوم میں اللہ کے رسول آچکے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ پر بھی وحی آئی۔ معجزے بھی ملے لیکن کافروں نے کہا یہ سب شعبدہ بازی ہے۔ اب مکہ کے مشرک کہتے ہیں کہ عذاب الٰہی نازل ہو۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ عذاب آنے پر توبہ قبول نہیں ہوتی۔ بہر حال آیات الٰہی اللہ کی قدرت کی نشانیاں، جانوروں اور کشتیوں تک میں موجود ہیں۔ اللہ ہی جسے چاہے معجزے دے۔ مکذبوں کے لئے جہنم تیار ہے اور مصدقوں کے لئے جنت ہے (۴۰۔ المومن)

نصاریٰ سے خطاب

اب پھر روئے سخن نصاریٰ (خصوصاً حبشہ والوں) کی طرف ہوگیا اور المبشر نے زبان وحی سے فرمایا:" اللہ کے کوئی بیٹا نہیں۔ نہ اُسے اسکی ضرورت ہے۔ یاد رکھو کہ کفارہ کا اصول غلط ہے۔ کیا ایک آدمی دوسرے کا بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ (لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ)

مسلمانو ہجرت کرو

مسلمانو. نیکی کا پھل اسی دنیا میں مل جائے گا۔ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ (أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ) لہذا ہجرت کر کے چلے جاؤ مصائب پر صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر و ثواب ملے گا۔

کتاباً متشابہا مثانی

یہاں (سورۃ الزمر کی ۲۱-۲۲-۲۳ آیات میں نصاریٰ کو مخاطب کر کے جو بات کہی گئی ہے، وہی بات مدینہ میں سورۂ آل عمران میں کہی گئی ہے یعنی یہ قرآن احسن الحدیث (نہایت ہی اچھا کلام) ہے اور ایسی تعلیم و کتاب) ہے جو ایک دوسرے سے مشابہ (متشابہ) ہے اور بار بار دہرائی گئی (مثانی) ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو تعلیم اس قرآن میں دی گئی ہے اور خود اس قرآن میں اور اس سے پہلے کی کتابوں توراۃ و انجیل وغیرہ میں بار بار دہرائی گئی ہے اور ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوئی ہے اس تعلیم سے اللہ سے ڈرنے والوں (یعنی اہل کتاب نصاریٰ) کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُن کے دلوں میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔ یہ تعلیم سچا دین یعنی اسلام یا خدا بندگی سکھاتی ہے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔ یہ ایک نور ہے جو دل سے تاریکی کو دور کرتا ہے۔

تعذیب المسلمین کی انتہا

آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ جس ملک میں پدری یا قبائلی قانون کے علاوہ اور کوئی قانون نہیں ہوتا۔ وہاں خاندان کے بزرگوں کا اپنے خاندان والوں پر کتنا اقتدار ہوتا ہے اور وہ غصہ اور انتقام میں کیا کیا کر گزرتے ہیں۔ لونڈی غلاموں کی تو کوئی داد فریاد ہی نہ تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ عرب کے قانون جوار یا حمایت کو بھی سمجھ لیجیے اگر کوئی شخص کسی کو اپنی حمایت میں لے لیتا تھا تو وہ جان و مال سے اس کی حفاظت کرتا تھا اور پناہ گزین سے لڑائی کے معنی یہ تھے کہ خود پناہ دینے والے کو لڑائی کا چیلنج ہے۔

اس زمانے میں بعض مشرکین نے مصدقین کو اتنی اذیتیں پہنچائیں اور اتنا مارا کہ اُن کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ ظالموں نے مظلوموں سے نہ صرف شرک کی باتیں کہلائیں بلکہ راستے میں ایک گبریلا کیڑا جا رہا تھا تو اس کو بھی خدا (معبود) تسلیم کرایا اور مجبوری و دماغی پریشانی نے مظلوموں سے سب کچھ کہلوا دیا۔ الہادی نے سنا تو زبان وحی سے فرمایا۔

گنہگاروں پر اللہ کی مغفرت

"اے مصدقو۔ اے خدا کے بندو، اگر تم سے اپنی جانوں پر زیادتی ہوئی ہے تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تم اللہ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو، بلاشبہ اللہ سب گناہ معاف کر دے گا۔ یقیناً وہی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے"۔ یعنی شرک و انکار بھی خدا معاف کر دے گا۔ بشرطیکہ تم اپنے آپ کو اللہ کے بندے سمجھتے ہو اور اضطراراً گناہ کیا ہو (لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا - ۳۹ الزمر)

دیویوں کی شفاعت سے المبشر کا قطعی انکار

اسی زمانے میں مکذبین اولی النعمۃ نے پھر اصرار کیا کہ آنحضرت غیر اللہ کو شفیع مان لیں۔ آنحضرت نے صاف انکار کر دیا اور زبان وحی سے فرمایا: "اے جاہلو کیا یہ ممکن ہے کہ میں تمہارے کہنے پر غیر اللہ کی بندگی کرنے لگوں؟ مجھے اور مجھ سے اگلوں کو یہی وحی کی گئی ہے کہ اگر شرک کیا تو تیرے سب عمل اکارت ہو جائیں گے اور تو خسارے میں پڑ جائے گا۔ یہ دیویاں شفاعت نہیں کر سکتیں۔ صرف اللہ ہی کے اختیار میں شفاعت ہے قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) بہرحال متکبروں کے لئے جہنم ہے اور متقیوں کیلئے جنت ہے (۳۹-الزمر)

مکذبین سے اعراض کا حکم

اہل کتاب خصوصاً نصاریٰ کی طرف روئے سخن ہونے سے پہلے ہی المنذر کو حکم مل چکا تھا کہ مشرکین سے زیادہ بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ اُن سے خندہ پیشانی کے ساتھ اعراض کر لو اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ جو بکتے ہیں بکنے دو (وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا -المزمل) اور اپنے آقا (رب) کے حکم پر قائم رہو، یونس کی طرح بے صبری نہ کرو (فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ ن والقلم) اگرچہ تم اُن کی ہدایت کے لئے آئے ہو لیکن وہ یوم الدین کو نہیں مانتے تو اُن سے منہ پھیر لو تم پر کوئی ملامت نہ ہوگی (فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۔ الذاریات القمر)

جب نصاریٰ کی طرف روئے سخن ہوا اور مصدقین کی تعذیب بڑھ گئی تو آنحضرت کو بار بار اعراض کا حکم ہوا کہ اُن کی باتوں پر صبر کرو (فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ - ق) ایسا صبر کرو جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے کیا ہے (فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۔ حم الاحقاف (فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ حم الدخان) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۔ والصافات) (فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ الم السجدہ) (قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ -الطور) اور داود وایوب کے صبر کو پیش نظر رکھو (وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ -ص) جو حکم ہے اُس کو صاف صاف بیان کرو۔ اور مشرکین سے اعراض کرو (فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ - الحجر) البتہ گفتگو میں نرم لہجہ اختیار کرو (فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۔ طٰہٰ کلیم) اس لئے کہ انسان کو

خدا اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا (لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ المومنون) لہذا اگر وہ اللہ اور آخرت کو نہ مانیں گے تو کیا تم اپنی جان کھپا دو گے (لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ طسم ۔ الشعراء) دیکھو اللہ کسی قوم کو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے میں تبدیلی کا شعور وصلاحیت نہ پیدا کرے ۔ (اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ٥ المر ۔ الرعد) بہر حال وہ چاہتے ہیں کہ خود اُن کی دیویوں اور بتوں کو اپنے دین میں جگہ دے دو ۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا اور اس سلسلے میں سخت جدوجہد کرنا (فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا) لیکن اس جہاد (کوشش) میں خوش اخلاقی اور نرمی کو ہاتھ سے نہ دینا (وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۔ الفرقان) بلکہ اُن سے کہنا کہ ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہیں ۔ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں ہم ایک دوسرے سے حجت نہ کریں گے (لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۔ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۔ حٰمٓ عٓسٓقٓ الشوریٰ) (قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ) جو صحیح راستہ اختیار کرے گا اس میں اسی کا بھلا ہے اور جو غلط روی اختیار کرے گا وہ خود ہلاک ہوگا (فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۔ الزمر)

۱۰۹ ۔ الکافرون

اور آخر کار مشرکین مکہ سے یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا کہ تم اپنی راہ پر اور میں اپنی راہ پر چلتا ہوں ۔ ہمیں ایک دوسرے سے کوئی مطلب نہیں ۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۔ (۱۰۹ ۔ الکافرون)

چوتھی فصل محمدؐ المرسل یا قرآن بمظلومان

مقاطعہ کے تین صبر آزما سال اور رسالت الی العالمین کی تیاری در شعب ابی طالب

محرم سنہ ۷ نبوی (مارچ ۶۱۶ تا ذی الحجہ سنہ ۹ نبوی (مارچ ۶۱۹ء

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَقُّ ، وَمَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ الْبَاطِلُ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ - ھُوَ الْفَاتِحُ الْوَکِیْلُ - الْحَمِیْدُ - سَمِیْعُ الدُّعَاءِ - الْفَاتِحُ - اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ

نوٹ :- اس دور میں اسم رحمان استعمال نہیں ہوا -

خدایا تو نے بنی اسرائیل کو یوسف کے ذریعے فاقوں سے بچایا

الٰہی تو نے موسیٰ کے ذریعے غلاموں کو آزادی کا رستہ دکھایا

اے ملک الملک تو نے داؤد و سلیمان کو حکومت بخشی

تو نے بنو اسرائیل کو نبوت ، حکمت اور سلطنت کے ذریعے معزز کیا

اب بنو اسماعیل کی باری ہے

یہ بھی اسی ابراہیم کی اولاد ہیں جسے تو نے لوگوں کا امام بنایا تھا -

تو نے مجھ پر وحی کی ہے کہ ہم مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا کی اتباع کریں

ابراہیم نے خود پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی کا راستہ دکھایا تھا

اسرائیل کی اولاد نے آزادی کا سبق پڑھکر علم و تہذیب (کتاب) کی شمع روشن کی

ملک اور دین ، حکومت اور قانون لازم و ملزوم ہیں - ایک کے بغیر دوسرا زندہ نہیں رہ سکتا -

لہٰذا اب بنو اسماعیل کو کتابی بنادے کہ وہ دنیا کو علم و محبت سے منور کر سکیں -

---

اسوۂ یوسفی و موسوی در شعب

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم ۔ حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم

مژدہ اے یعقوب دل کان یوسف گمشدہ رسید ۔ محنت بے منتہائے ہجر تا پایان رسید (خالد ترکس)

چوتھی فصل: المرسلؐ

یاحق

اِنِ الحُکمُ اِلّا للہ (اللہ کے سوا کوئی قاضی نہیں ہے. یوسف ۷)

یحکم اللہ لِیْ وھو خیرُ الحاکمین (یوسف ۸)

اَلمُلکُ والدینُ توأمان (سیاست اور قانون جڑواں بھائی ہیں [رسول عربی]

(ملک سے مراد وہ سیاست ہے جس کی بنا وحدت انسانی پر ہو اور دین سے وہ قانون مراد ہے جو خدا پرستی اور نیک عملی کی ایسی راہ بتائے جس سے کل بنی نوع انسان کا خوف اور بھوک مٹ جائے۔)

۱۔ دین اور سیاست عرب کے اُس خطّے کے علاوہ، جسے اب ہم حجاز و نجد کہتے ہیں، دنیا میں ہر جگہ مختلف قسم کی سلطنتیں قائم ہو چکی تھیں، ترقی بھی کر چکی تھیں اور فنا بھی ہو چکی تھیں مختلف قسم کے قومی اور عالمی مذہب بھی پیدا ہو کر نئے نئے لباس پہن چکے تھے یا گدڑیوں میں ملبوس تھے۔ لوگوں نے توہمات سے نکلنے کے لئے اپنی عقلیں بھی دوڑانا شروع کر دی تھیں۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ فلسفہ میں علوم طبعی بھی داخل ہو گئے تھے۔ غرضکہ توہمات سے نہ مذہب خالی تھا نہ فلسفہ۔ ہر ملک کی سیاست پر مذہبی جماعتوں نے اپنا اقتدار جما لیا تھا۔ اس لئے یونان تک میں جہاں ہر قسم کے مذہبی توہمات کو آزادی تھی سقراط کو محض اس لئے مرنا پڑا کہ وہ قومی مذہب کے خلاف بیرونی تصورات کو ایتھنز میں داخل کر رہا تھا۔

ترقی و قدامت پرستی مصریوں اور سامیوں کی مذہبی حکومتوں سے آریوں کا جب اختلاط ہوا تو رفتہ رفتہ ہند یونان اور چین میں ایسی عقلی تحریکیں پیدا ہو گئیں جو انسانی تجربات اور مشاہدات کی بنا پر نتائج اخذ کرنے لگیں۔ اسے فلسفہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کا نام سائنٹیفک علم بھی رکھا جا سکتا ہے لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دنیا میں ہر جگہ جو علم عقل کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا۔ وہ حقیقتاً سائنٹیفک علم تھا لیکن وہی عوام کے لئے مذہب بن گیا یعنی عقلی ترقی کی جگہ لوگوں نے نئی معلومات پر پرانی معلومات کو ترجیح دینا شروع کی اور آگے بڑھنے کو برا سمجھنے لگے۔ اسی کا نام قدامت پرستی یا ہٹ دھرمی ہے اور جب مختلف ملکوں کی مذہبی

جماعتوں نے سیاست پر قابو پالیا تو ہر ملک کی سیاست ان پجاریوں کی رائے سے اثر لینے لگی یعنی سیاست بھی مذہب کا آلہ بن کر قدامت پرست بن گئی ۔

۱۔ قومی اور عالمی سیاست

ان مذہبوں میں جو اسلام سے پہلے دنیا میں آئے دو قسم کے مذہب تھے۔ ایک تو وہ جو قومی او رنسلی ترقی کی بنیادوں پر قائم تھے جیسے یہود اور ہنود اور دوسرے وہ جو عام انسانی برادری کو ترقی دینا چاہتے تھے جیسے چینی، بدھی، نصرانی اور مانوی یعنی ایسی قومیں بھی پیدا ہو گئی تھیں جو صرف اپنی قوم کو دوسروں سے اونچا سمجھتی تھیں ۔ یہ تفاخر نسل و رنگ ہر جگہ موجود تھا۔ ان میں سے وہ سب قومیں فنا ہو گئیں جنھوں نے دوسروں کو غلام بنا کر یا تو زبردستی اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرائی، جیسی کہ بابلی، آشوری، مصری، خالدی، ساسانی، یونانی اور رومی سلطنتیں تھیں ۔ اُن کی قومی ترقی ، قدامت پرستی کی وجہ سے رُک گئی اور وہ دوسروں کی دست نگر بن گئیں ۔

البتہ وہ قومیں جنھوں نے عالمیت کو اپنی سیاسی زندگی کے پروگرام میں داخل کیا اور اپنے دین و ملک کا مقصد فلاح انسانیت قرار دیا اور اپنی سیاست کی بنیاد ہی انٹرنیشنل مساوات و ہمدردی پر رکھی ۔ وہ اس وقت تک زندہ رہیں جب تک اُن میں یہ عالمی سپرٹ کام کرتی رہی ۔

اسلام سے پہلے یہودی مذہب کی تعلیم سیاسی آزادی اور نیک عملی سکھاتی تھی۔ چند دنوں کے لئے یہ سلطنت بنی اور جب تک قوانین الٰہیہ کی پابند رہی زندہ رہی۔ ایران و سنٹرل ایشیا میں مزدیسنائی مذہب اور ہند میں مختلف مذاہب کے پیروؤں کو بھی سلطنت کا موقع ملا لیکن خود ان مذاہب میں ملک اور دین دونوں کو ملا کر چلانے کی تعلیم ختم ہو گئی۔ وہ محض اخلاقی طور پر یا فلسفیانہ رنگ میں لوگوں کو نیک زندگی کی تعلیم دینے لگے پھر سلطنت کرنے والی ایک ذات الگ کر دی گئی جو خود سوجھ بچار کا کام برہمنوں یا بھکشوؤں سے لیتی تھی اس طرح حقیقی جمہوریت قائم نہ ہو سکی

بہر حال اشوک اعظم ۲۶۰ ق م کی سلطنت میں گوتم بدھ کی پیدا کردہ مساوات انسانی کو بہت کچھ دخل تھا۔ اس دور کا مطالعہ مفید ہے ۔ گو خود گوتم بدھ کو سلطنت کرنے کی خواہش نہ تھی لیکن انھوں نے جو آرین مارگ (یا قدیم راستہ) بتایا تھا اس میں فکر و عمل کی صحت کا مدار فیاضی و رواداری پر رکھا گیا تھا تاکہ جتنے راجا یا بادشاہ بنیں وہ مساوات انسانی کو مان لیں اور خواہشات نفسانی کو ضبط میں رکھکر قربانی اور ذات پات کو ختم کر دیں ۔ بمبسار اور اشوک نے ان تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کی اور بدھ دھرم کو بھی سیاسی ترقی کیلئے

استعمال کیا جو بہت کامیاب رہا۔

۲۔ زبان اور سوسائٹی

ہند میں مسیح سے ہزار سال پہلے مہا بھارت اور رامائن دو رزم نامے لکھے گئے۔ اس میں اُس زمانے کے سب قصے جمع کر دیئے گئے۔ یونان میں بھی اسی زمانے میں دو رزم نامے الیڈ اور اوڈیسی تیار ہو گئے تھے۔ بعینہٖ عرب میں بھی عربی زبان اتنی ترقی کر چکی تھی کہ پورے جزیرۃ العرب کی شاعری کی زبان بن گئی تھی اور رزم و بزم اخلاق و مروت کے جو معیار وہاں بنے وہ مسیح کے پانسو برس بعد تک جاری رہے۔ غرضکہ دنیا میں ہر جگہ قومی یکجہتی کی بنیاد ملکی زبان نے ڈالی۔ اسی کے ذریعہ مذہب، فلسفہ اور اخلاق ہر شخص تک پہنچا لیکن بد قسمتی سے جب کبھی سیاست نے ملکی حدود سے باہر قدم رکھا۔ اس نے غیر قوموں کو فاتح قوم سے کمتر بنانے کی کوشش کی اور اُن کی زبان اور معاشرت کو مٹا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کا رواج ہر ملک میں ہو گیا۔ گو رزمیہ شاعری نے شجاعت، مروت اور فیاضی کے معیار کو ہر جگہ بلند کیا لیکن سپاہی کے سادہ اور پاکیزہ اخلاق اور بیوپاری کے غلام ساز اخلاق میں ہر جگہ کشمکش شروع ہو گئی۔

یونان میں مسیح سے چار سو سال پہلے سے گاؤں پنچایتیں قائم ہو گئی تھیں۔ یہی حال ہند کا تھا۔ عرب میں مفاخرت و منافرت کا قبائلی دستور بن گیا تھا۔ ان سب چیزوں نے خطابت کو ترقی دی۔ داستان گوئی کی بنیاد پڑی اور امثال کے ذریعے اخلاقی تعلیم عام ہو گئی۔

۳۔ غلامی

لیکن ہر جگہ سیاسی فتوحات نے غلاموں کی تعداد بڑھا دی اور فلسفیوں کا فلسفہ بھی غلامی کو ایک انسانی ضرورت سمجھنے لگا۔ سقراط کے بعد افلاطون (۴۲۷ - ۳۴۷ ق م) نے جو مثالی سلطنت بنائی اس میں بھی حکومت اشراف سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کے بعد ارسطو مقدونی نے سکندر اعظم کی اتالیقی کی۔ منطق کو مدون کیا اور بجائے افلاطونی افکار مجردہ اور عالم مثال کے اس نے تجربہ و مشاہدہ (یعنی سائنس) پر علم کی بنیادوں کو قائم کیا اور سب سے بڑی بات یہ کی کہ اُس نے سکندر کی بڑھتی ہوئی سلطنت کے لئے ایک کتاب اخلاقیات کی لکھی اور اس کی بنیادوں پر سیاست کو چلانے کے لئے ایک کتاب سیاست کی بھی تصنیف کی لیکن وہ بھی غلامی کے خلاف ایک لفظ نہ کہہ سکا۔ ارسطو کا قول تھا کہ غلامی ایک ضروری اور فطری چیز ہے۔ یونان میں یہ دستور تھا کہ خود یونانی ایک دوسرے کو غلام بنا لیتے تھے اور اپنے بچوں کو غلامی میں فروخت کر دیتے تھے۔ شاید اسی لئے وہ غلاموں پر نرمی کرنے کا حامی تھا مگر اُن کو منہ لگانے اور رتبہ دینے کا سخت مخالف تھا۔ اسی لئے اس کے شاگرد سکندر نے جب فتوحات کا آغاز کیا تو اس نے قدیم فونیقی شہر طائر کو

۳۳۲ ق م میں تباہ کیا اور اس کے باشندوں کو غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ ارسطو کے بعد کے فلسفیوں نے غلامی پر کوئی توجہ نہیں کی۔ البتہ رواقیوں نے انھیں یہ تسکین ضرور دی کہ آزادی پر فخر کرنا اور غلامی پر کڑھنا دونوں بے معنی باتیں ہیں بخلاف ارسطو اور دیگر فلسفیوں کے یونانی شعراء زیادہ رحم دل اور غلاموں کے ہمدرد تھے اور یہ یونانی قانون کہ غلام کو حق حاصل ہے کہ آقا کو قیمت دیکر آزاد ہو جائے۔ اسلام نے زیادہ نرم بنا کر قبول کر لیا اور اسے ہر آقا کے لئے فرض بنا دیا۔

۴۔ لادینی سیاست

بہر حال یونان میں جو سیاست قائم ہوئی تھی اس میں انسانی مساوات کی جگہ یونانی قومی تفاخر نے لے لی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ بحیثیت قوم کے اُنکے فلسفے، سیاست، نیچر پرستی، موسیقی، سنگتراشی نے یونانی معیارِ زندگی کو کافی اونچا کیا تھا لیکن اُن کی بہت سی فلسفیانہ اور کلچرل قدریں غلامی کے رواج سے ختم ہو گئیں۔ پھر بعد کے زمانے میں سکندر کے بنائے ہوئے شہر سکندریہ میں وہی نئے نئے تصورات کے امتزاج کا باعث ہوئیں۔ لیکن جہاں تک سیاست کا تعلق ہے وہ عالمگیر فلاح کے تصور سے خالی تھی اس لئے سکندر کے بعد بہت جلد ختم ہو گئی اور سوائے یونانی کلچر کے انسانیت نواز حقائق کے کچھ باقی نہ رہا۔

رومی سیاست میں غلامی اور سود دونوں چیزیں موجود تھیں۔ جنگ کا مقصد ہی غلاموں کا حاصل کرنا اور مفتوحہ ممالک میں سودی کاروبار کرنا تھا۔ اٹلی سے باہر جب ان کا سامراج پھیلا تو ہر جگہ تباہی اور بربادی پھیل گئی۔ ۱۶۷ ق م میں مقدونیہ بھی غلام بنا لیا گیا اور جس طرح سکندر نے طائر اور غازہ کے فونیقیوں کو غلام بنا کر بیچ ڈالا تھا۔ اسی طرح رومیوں نے کارتھج کے ساتھ سلوک کیا۔ سات سو سال پرانے فونیقی شہر قرطاجنہ کی سخت محاصرہ کے بعد اینٹ سے اینٹ بجا دی اور پچاس ہزار بقیۃ السیف فونیقیوں کو غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ اسی کے بعد بطلیموسی مصر کو ۳۰ ق م میں اور سلیوکسی شام کو ۶۳ ق م میں ہڑپ کر لیا۔

سکندر نے سکندریہ آباد کر کے یہودیوں کو کافی حقوق دیدیے تھے جو رومیوں کے وقت تک جاری رہے مگر یونانیوں اور یہودیوں میں مسلسل جھگڑے ہوتے رہے۔ پھر آگسٹس ہی کے زمانے میں یمن فتح کرنے کی کوشش کی گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو یمن ہوتی ہوئی جو مصالحوں کی تجارت بحر احمر سے گذرتی تھی وہ رومیوں کے ہاتھ آگئی اور اہل عرب اس سے محروم ہو گئے۔ غالباً اسی زمانے میں جو شاہراہ (صراط) مکہ سے گذرتی تھی وہ بند ہو گئی اور اونٹوں کے کاروانوں کی جگہ کشتیوں نے لے لی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مکہ کی اہمیت ختم ہو گئی۔ آخر پہلی صدی مسیحی میں یہودیوں کی بغاوت کا

یہ نتیجہ ہوا کہ یونانیوں اور یہودیوں کا قتل عام کردیا گیا اور سکندریہ کے یہودیوں کا خاتمہ ہوگیا۔

اسی زمانہ میں یہودیوں کو آپس کی لڑائیوں نے فلسطین کو کمزور کر دیا تھا۔ آخر ۷۰ء میں رومیوں نے یروشلم کو فتح کر کے معبد اور سارے شہر کو مسمار کر دیا اور یہودی منتشر ہو گئے۔ غرضکہ روم میں فتوحات کی کثرت نے دولت اور غلاموں کی تعداد کو کافی ترقی دی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سلطنت جو ابتدا میں صرف رومی غریبوں اور امیروں کی جمہوریت تھی وہ رفتہ رفتہ حکومت خاص اور آمریت میں تبدیل ہو گئی۔ ان کا احساس شہریت مردہ ہو گیا اور لالچ اور خود پرستی نے جماعتی زندگی کو پامال کر دیا لیکن رومی قانون رومی سڑکوں (صراطوں) کی طرح ہر ملک میں پہنچ چکا تھا اور غلاموں میں ایک ایسی روح پھونک رہا تھا کہ وہ اس غیر فطری نظام کو ختم کردیں۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ظلم اور لوٹ کھسوٹ نے ایک ایسا مذہب پیدا کر دیا جو بعد میں مسیحیت کے نام سے پکارا گیا۔ خود رومی قانون اور رومی مذہب میں ایسی خوبیاں نہ تھیں کہ وہ عام انسانیت کی فلاح کو پیش نظر رکھتا۔ لہٰذا رومی قانون کے صرف وہ عنصر باقی رہ گئے ہیں جن سے عام انسانیت کو ترقی کرنے کا موقع ملتا تھا اور اگرچہ جسٹی نین نے ۵۲۹ء میں وہ مدارس فلسفہ بند کر دیے جو افلاطون کے وقت سے جاری تھے، لیکن وہ انسان کی فلسفہ سازی کو رومی قانون کی تدوین سے نہ روک سکا۔ جو مسیحیت پانسو برس پہلے سامراج اور غلامی نے پیدا کی تھی وہ سکندریہ کی فلسفیانہ آب و ہوا، اور یہودیوں، یونانیوں اور غلاموں کی مشترکہ پکار تھی۔ اس نے ایک طرف (یعنی مشرقی رومن سامراج میں) پھر پوپوں کی اجارہ داری پیدا کردی اور دوسری طرف مانی کے مذہب کو پیدا کیا اور ان دونوں نے مل جل کر دنیا کے سب سے قدیم شہر کو موقع دیا کہ وہ اسکندریہ کی طرح مذہب اور فلسفہ ہی کو نہیں بلکہ اس کے ساتھ عملی سیاست اور عملی اخلاق کو بھی ملا دے۔ یہ قدیم ترین شہر مکہ تھا۔

۵۔ اسلام اور دوسرے فکری نظریے

دنیا میں جتنے مذہب یا فلسفے پیدا ہوئے وہ سب بہتر اور ترقی پذیر زندگی کے طریقے بتلاتے تھے سامی قوموں نے جو طریقہ مذہب کے ذریعہ سوچا وہ آریہ قوموں نے فلسفہ کے ذریعے سے بتایا۔ لیکن مختلف مذہبوں اور فلسفوں کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی کے مختلف شعبے ایسے نہیں ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا جائے تو وہ زیادہ مفید ہو سکیں گے۔ انسان ایک سوشل حیوان ہے اور سوسائٹی کی زندگی اور ترقی کے لئے جس طرح مذہب و فلسفہ کا لازمہ ہے اسی طرح سیاست بھی ہے۔ اگر مذہب کو دنیوی زندگی سے الگ کر کے رہبانیت اور سنیاس اختیار کر لیا جائے تو انسانی ترقی رک جاتی ہے۔

اسی طرح صرف نظری فلسفہ اور اخلاقی نصیحتیں اگر صرف خیال تک محدود رہیں اور عملی زندگی سے ان کا چولی دامن کا ساتھ نہ ہو تو وہ بے معنی اور بے سود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا جن قوموں نے اپنی عملی زندگی سے اپنا مذہب اور فلسفہ بنایا اور ایسے قوانین زندگی وضع کئے جو فطرت انسانی کے مطابق ہوں اور انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہیں، وہ سب مسلم تھیں۔ وہی قومیں خود ترقی کر سکیں اور دوسروں کی بھی ترقی کی راہ پر لگا سکیں بالفاظ دیگر سوشل توازن، اعتدال، خدا پرستی، اسلام اور ترقی ہم معنی لفظ ہیں۔ ان کی بنیاد صرف قرآن نہیں بلکہ جملہ کتب الہیہ ہیں۔ قرآن کا کام ہی یہ ہے کہ کتب الہیہ کی تصدیق کرے

۶۔ خلاقی سیاست ہی نبوت کا مقصد ہے

آنحضرت سے پہلے حضرت موسیٰ نے انسان کو سیاسی غلامی سے نجات دے کر ایسے اصول قائم کئے تھے جن کی بنا پر دینی امام انسانیت کے فلاح کی سلطنت قائم ہو سکتی ہے۔ یہ سلطنت حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں اپنے عروج پر پہنچی۔ اسی طرح کوروش (ذوالقرنین) کی حکومت کی بھی قرآن نے تعریف کی ہے۔ مسیح کا بھی اسی لئے صراحتاً قرآن میں ذکر ہے کہ وہ ایک ایسی سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے جو انصاف و رحم کو پیش نظر رکھے۔ قرآن نے بھی یہی کہا کہ کل قوموں میں معاشرہ انسانی کو درست کر کے اخلاقی و دینی بنیادوں پر نظام سیاست قائم کرنے کے لئے ہادی و مصلح پیدا ہو چکے ہیں۔ آدم سے شروع کر کے بعثت نبوی تک کی تاریخ کے حوالے اسی غرض سے دیئے گئے ہیں کہ اب صرف ایسی سیاست باقی رہے گی جو کل نبیوں، ہادیوں، مصلحوں، حکیموں، دینوں، (قانونوں، اور کتابوں (قانونوں) کی مندرجہ ذیل بنیادی حقیقتوں کو کبھی فراموش نہ کرے۔

(۱) بہت سے معبودوں یا ایک مرکب خدا کی بندگی (عبودیت) ویسی ہی ہے جیسے کہ شیطان یا اس کے ذریات اور نفس امارہ کی پیروی۔ لہٰذا اسے ترک کر دینا چاہیے اور صرف ایک آقائے خالق (رب الاکرم) کے احکام پر عمل کرنا چاہیے۔ تاکہ تحزب و تفریق جمعیت انسانی نہ ہو اور وحدت ادیان حقہ قائم ہو۔

(۲) وحدت و مساوات کا نظریہ جب تک عملی طور پر سیاسی معاشرہ میں استعمال نہ کیا جائے، اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ لہٰذا ایمان سے عمل صالح یا عمل صالح سے ایمان کو الگ کرنا حقیقت اسلام کو فراموش کر دینا ہے۔

(۳) جو لوگ اس عادلانہ سیاست کے لئے کام کرتے ہیں وہی سچے مومن ہیں۔ اسی طرح ہر نبی کی نبوت کی نظری تعلیم کی روشنی میں سیاست یا عملی نبوت باقی رکھی جاتی ہے اور متممین رسالت ہر دور میں یہ کام کرتے رہتے ہیں۔

قرآن یہود

المبشر والہادیؐ کو خود اُن کے ہم وطنوں نے مجبور کیا کہ وہ قبائلی اور قومی دین و سیاست کو عالمی بنانے کے لئے تنہا چھوڑ دیئے جائیں۔ شعب ابی طالب کے محصوری کے تین سال آنحضرت کے اُن امکانات کو ظاہر کریں گے جو اس زمانے میں آپ نے اصلاح انسان کے لئے سوچے۔ اس زمانے میں قرآن نے تاریخ یہود بالکل اسی ترتیب سے بتائی ہے جس طرح بائیبل میں ہے۔ شعب سے نکلنے کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا اور مشرکین مکہ نہیں سمجھ سکے کہ اس قرآن سے کتابیوں کو اتحاد کی دعوت دی جا رہی ہے

بنی عبدالدار اور بنی ہاشم

سنہ ۶ نبوی کا چراغ بھی پھیکا تھا، ساسانی و رومی سامراج ٹکرا رہے تھے اور نہ تو فارس کے نوروز نے دلوں کی کلی کھلائی تھی۔ نہ یروشلم میں ایسٹر کی بہاریں خدا کے بیٹے کی آمد کی دعائیں تھیں۔ ہاں جنگ نے یتیموں، بیواؤں اور غلاموں کو خوف اور بھوک کے اہرمن پر لعنت کرنا سکھا دیا تھا۔ یروشلم میں نصرانیت سرنگوں ہو چکی تھی سنہ ۶۱۶ء میں ساسانیوں نے فلسطین کو اور سنہ ۶۱۹ء میں مصر کو مغلوب کر لیا تھا۔ یہ زمانہ تھا کہ بتخانہ کعبہ کے پروہتوں کے لیڈر بنو عبدالدار مصدقین بیوم الدین کو کچل رہے تھے اور اُن کے ساتھ ساتھ آنحضرت کے حمایتی خاندان یعنی بنو ہاشم کو بھی آپ کی حمایت سے روک رہے تھے۔

مکہ کی اس دور کی تاریخ پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ہمیں صرف اندازوں اور قیاسوں کی بنا پر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ چونکہ اہل حبشہ نصرانی تھے اور ایک مرتبہ کعبہ پر حملہ کر چکے تھے۔ اس لئے مکہ والوں کو ان سے نفرت ہو گئی تھی اور چونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو وہاں پناہ لینے کے لئے بھیجا گیا تھا اس لئے آنحضرتؐ جانتے تھے کہ ساسانی اور نصرانی کشمکش میں صرف نصرانیوں سے دینی و سیاسی اتحاد کی امید کی جا سکتی ہے۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس دور میں نجاشی کے علاوہ دوسرے نصرانی ملکوں سے مسلمانوں کی کیا بات چیت رہی لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کے دشمنوں سے محض اس بنا پر دوستی کر لی تھی کہ وہ بھی خدا پرست موحد تھے اور بعث بعد الموت مانتے تھے۔

مقاطعہ بنو ہاشم و بنو المطلب

اس زمانہ میں کعبہ کے متولیوں نے ایک جلسہ دارالندوہ میں بلایا اور بنی عبدالدار کے ایک سردار منصور بن عکرمہ کی تجویز اور دوسرے سردار النضر بن الحارث کی تائید سے یہ طے ہوا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے سردار ابو طالب سے کہا جائے کہ محمد بن عبداللہ نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو محمدؐ کو ہمارے حوالہ کر دو کہ ہم اُسے قتل کر دیں اور یا اس پر تیار ہو جاؤ کہ ہم تمہارا مکمل مقاطعہ کر دیں اور تم سب کی زندگی دو بھر ہو جائے۔

عرب کی شرافت ونجابت کا بنیادی معیار یہ تھا کہ دشمن بھی پناہ مانگے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ اپنے بھائی کے لخت جگر کو بے کس و بے چارہ بنا کر قاتلوں کے حوالہ کیا جائے۔ ابوطالب نے اس ذلت کو برداشت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور سوائے ابولہب کے دونوں خاندانوں نے اس پر صاد کیا۔

مقاطعہ نامہ کی شرطیں

فیصلے کے مطابق مشرکین نے ایک مقاطعہ نامہ ایک چمڑے پر لکھا اور اسے مقدس بنانے کے لئے کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ شرطیں بہت ہی سخت تھیں

۱۔ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے ہاتھ نہ تو کوئی چیز بیچی جائے نہ اُن سے خریدی جائے (یعنی ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ رہے)

۲۔ ان سے شادی بیاہ کے تعلقات بھی منقطع کر لئے جائیں (یعنی صلہ رحمی باقی نہ رہے)۔

۳۔ ان کے پاس اگر کوئی حمایتی کسی قسم کی خوراک پہنچانا چاہے تو وہ بھی نہ پہنچنے دی جائے (اور اس کی پوری نگہبانی کی جائے (طبری و ابن سعد)

۴۔ یہ شرطیں صرف اس وقت اٹھائی جا سکتی ہیں جبکہ یہ لوگ محمدؐ کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے کر دیں (مواہب)

قرآن اور مقاطعہ

تاریخ اسلام کے اس اہم واقعہ کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح ہجرت حبشہ اور نصاریٰ سے گفتگو وغیرہ کا حال بھی اُس زمانے کے قرآن سے معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ ان ادوار میں قرآن حکیم کی تعلیمات اور بعض اہم اشارات سے یہ جانا جا سکتا ہے کہ اسلام کس دور سے گذر رہا تھا۔

شعب سے پہلے کے قرآن میں ارض اللہ واسعۃ اور اہل کتاب خصوصاً نصاریٰ کے عقائد اور رحمان کے ذکر سے یہ ثابت ہے کہ یہ قرآن ہجرت حبشہ کے زمانے کا ہے۔ اسی طرح اس زمانے کے قرآن کی چند خصوصیات ہیں:۔

شعب کے زمانے کے قرآن کی خصوصیات

حبشہ ہجرت ثانیہ کر جانے کے بعد تینتیس مرد اور چھ عورتیں واپس آ گئی تھیں (ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۳) ان کے علاوہ مکہ میں گنتی کے چند مسلمان اور تھے جو آزاد تھے۔ تقریباً یہ سب کسی نہ کسی مشرک کی حمایت میں تھے۔ اور جو غلام تھے وہ بدستور مصائب میں مبتلا تھے۔ بنو ہاشم اور بنو المطلب میں سوائے حمزہ اور علی اور زید کے کوئی اور مرد ایسا

نہ تھا جو آنحضرت کی تصدیق کرتا ہو۔ بقیہ سب محض قبائلی عصبیت اور رشتہ داری کی وجہ سے آنحضرت کے حامی تھے۔ انھیں اس سے سروکار نہیں تھا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ خود مکہ میں آنحضرت کو نہ تو تبلیغ کی اجازت تھی نہ کوئی بات سننے کا روادار تھا۔ لہذا سب سے اہم سوال یہ ہے کہ جو قرآن شعب میں تین سال تک نازل ہوتا رہا وہ کیا ہے تفاسیر و احادیث اس سوال کے جواب میں خاموش معلوم ہوتی ہیں۔

غور طلب یہ امر ہے کہ اس زمانے کی سورتوں میں کیا تعلیم ہے اور روئے سخن کس کی طرف ہے۔ ظاہر ہے کہ شعب میں چند مومن اور باقی سب کافر تھے اور شعب سے باہر جو مسلمان تھے وہ بھی اپنی پریشانیوں میں مبتلا تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان مصائب سے نجات ملے۔ تعلیم دین تو پہلے ہی دن مکمل ہو چکی تھی۔ لہذا بار بار مسلمانوں یا مشرکوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہ تھی کہ اسلام کیا ہے۔ نہ اس سلسلے میں کسی نئی وحی کی ضرورت تھی۔ اسلامی تعلیم کا بنیادی تصور اِلٰہ اور بعث بعد الموت کی شکل میں پیش ہو چکا تھا۔ یہ بھی بتایا جا چکا تھا کہ اسلام کا خدا دوسری قوموں کے خدا کی طرح صرف عادل ہی نہیں ہے بلکہ وہ رحیم بھی ہے یعنی وہ مجرم کو سزا تو دے گا لیکن معاف کرنے پر اپنے قانون رحمت کا پابند ہے۔

استقامت کا دوسرا سبق

تیاری رسالت فی العالمین

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح پہلے دور میں تین سال تک فترۃ الوحی رہا اور صرف ایک مقصد کے لئے تین سال تک خفیہ جماعت کام کرتی رہی اسی طرح خدا نے پھر یہ سامان کر دیا کہ اقوام عرب کو اسلام کا پیغام پہنچانے سے پہلے المرسَل کو تین سال کی تیاری کا زمانہ ملے۔ اور آپ دنیا کو اسوۂ یوسفی (قید و بند) اور اسوۂ موسوی (ہجرت و جہاد) پر عمل کر کے یہ دکھا سکیں کہ خدا پر بھروسہ

اس زمانے میں روئے سخن نہ کفار کی طرف ہے نہ مومنین کی طرف۔ بلکہ جو سورتیں نازل ہوئیں ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ "الملک والدین توأمان"۔ یعنی اب جو وحی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ملک و حکومت کے اصول بیان کرتا ہے اور اس کا روئے سخن صرف آنحضرت کی طرف ہے موجودہ زمانے کی اصلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ قدیم روحانی سیاست کی تاریخ سے جو سبق حاصل ہوتا ہے۔ اس پر آنحضرت دل ہی دل میں غور کر رہے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ جب تک حکومت و سلطنت نہ ہو اُسوقت تک دین کو قائم کرنا مشکل ہے یا یوں سمجھئے کہ دین اور سلطنت لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا ناکافی ہے۔

تین سال کے مقاطعے کے مصائب

ایک دو دن نہیں تین سال تک مشرکین مکہ اس کوشش میں رہے کہ شعب ابی طالب میں جو لوگ محصور ہیں ان تک غلہ کا

ایک دانہ یا مجمد کا ایک خوشہ بھی نہ پہنچ سکے۔ تاریخ خاموش ہے کہ کن ذرائع سے یہ لوگ ایسی قید کو گذار رہے تھے جس میں جیلروں کا منشا تھا کہ وہ قیدی بھوک سے تنگ آکر یا تو اعتراف شکست کرلیں یا مر جائیں۔ بچے بھوک سے بے قرار ہو کر روتے تھے تو ظالم مشرکین ان کی دردناک آوازوں سے خوش ہوتے تھے۔ نوبت یہ آگئی تھی کہ وہ طلح جھاڑی کے پتوں اور جڑوں کو کھا کر بھوک کی آگ بجھاتے تھے۔ سعد بن وقاص کو ایک چمڑا مل گیا تو وہ اُسے بھون کر کھا گئے۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپی ام المومنین خدیجہؓ کو کچھ گیہوں بھیجے تو ابوجہل نے دیکھ لیا اور کہا چل مکہ میں تجھے رسوا کروں گا۔ اتنے میں ابوالبختری پہنچ گیا۔ اس نے معاملہ کو ٹال دیا اور کہا کہ یہ غلہ حکیم کے یہاں امانت تھا وہ اپنی پھوپھی کو دینے جا رہا تھا۔ اسی طرح ہاشم بن عمرو (جو بنو ہاشم کا ننھیالی رشتہ دار تھا) موقع پاکر غلے کے اونٹ شعب میں ہانک دیا کرتا تھا۔

نصاریٰ کے بعد بنو اسرائیل اور مجوس پر توجہ

ہجرت حبشہ کے بعد بہت سے مسلمانوں کو نصرانی حکومت حبشہ نے پناہ دے دی تھی لیکن نہ تو شاید وقت آیا تھا، اور نہ آنحضرت مناسب سمجھتے تھے کہ اُن کی مدد سے مکہ پر قبضہ کیا جائے اور بجبر شیطان پرستی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

عرب میں ایک مضبوط تاجر قوم بنو اسرائیل کی بھی تھی جو خانماں برباد ہو کر عرب کے مختلف حصوں میں اپنا وطن بنا چکی تھی۔ ان میں دو خصوصیتیں تھیں، ایک یہ کہ وہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو دنیا کی ایک برگزیدہ اور منتخب قوم سمجھتی تھیں اور دوسرے عرصہ دراز سے محکوم اور غلام رہنے کی وجہ سے اُن میں سود خوری اور کنجوسی یا دنائت حد درجہ پیدا ہو گئی تھی۔ آنحضرت نے انھیں خدا پرست سمجھ کر ان کی طرف توجہ کی اور ان کے علاوہ مجوسیوں کو بھی حقیقی خدا پرستی اور نیک عملی کے مشترک پروگرام پر متوجہ کیا۔

توراۃ اور عبری قوم

قرآن نے عبری قوم کو کہیں بنو اسرائیل اور کہیں یہود کہا ہے اس قوم کا حال جو کچھ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے وہ بہت مبالغہ آمیز ہے۔ اس لئے کہ خود توراۃ کے متعلق سنڈرلینڈ کہتا ہے کہ "یہ خیال محض ایک روایت ہے کہ توراۃ کے مصنف حضرت موسیٰؑ تھے اور یہ روایت بھی بہت بعد کی ہے اور خود توراۃ میں اس کا کہیں ذکر نہیں"۔ اس مجموعہ میں بہت سی کتابیں ہیں۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں مختلف افسانے، نظمیں، مثلیں اور نصیحتیں چمڑوں پر لکھ کے جمع کرلی گئیں اور خراب روشنائی نے لفظوں اور اعراب کو ایسا مٹایا کہ مضمون مسخ ہو کے رہ گیا۔ یہ معیاری توریت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ ثانی عزیرؑ

نے ۲۵۰ ق م سے ۲۰۵ ق م تک کاتبوں کو اسے زبانی لکھوا دیا تھا۔ بہر حال یہ بائیبل بھی ۲۷۷ ق م تک بالکل ضائع ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ ایک توراۃ السبعین تھی جو ۲۸۰ ق م میں بروشیم کے کتب خانے کی آگ سے نہیں بچی۔ اب صرف توراۃ السامرہ (SMARITAN ROLL) باقی ہے جس میں سامرہ کے حبروں نے بہت کچھ تحریف کی ہے۔

مسیح سے دو سو سال پہلے توراۃ یا قانون (CANON) کا یونانی ترجمہ ہوا۔ چونکہ یہ شروع کی پانچ کتابیں تھیں اور ان کو الکتاب یا قانون کہا جاتا تھا۔ اس لئے اس کا نام پنٹاطوش (کتب خمسہ) رکھا گیا۔ ان پانچ کتابوں میں چار نظام قانون ہیں۔ اس ابتدائی معاہدہ میں جو خدا نے بنو اسرائیل سے کیا تھا جو احکام عشرہ بیان ہوئے ہیں وہ قانون حمورابی سے اتنے مشابہ ہیں کہ محققین کا خیال ہے کہ یہ اسی سے ماخوذ ہیں اور جب بنو اسرائیل غلامی سے نجات پا کر ۱۱۹۲ سال قبل مسیح میں مصر سے چھوٹے تو آشوری اور بابلی تمدن نے اُن پر اثر ڈالا اور حضرت سلیمان کے بعد جب عبری قوم کے دو ٹکڑے ہو گئے تو ان کی دو سلطنتیں بن گئیں۔ اسرائیل شمالی فلسطین کے حکمراں بنے اور یہودی یروشلم کے مالک ہوئے ۷۲۲ ق م میں بنو اسرائیل کے دس قبیلے منتشر کر دیئے گئے اور آشوریوں نے اسرائیلی سلطنت کو تباہ کر دیا۔ اب صرف بنی یہودا اور بنی یامین باقی تھے جو یروشلم میں حاکم تھے۔ ۶۰۸ ق م میں ان کو نبوخذ نضر (بخت نصر) نے قید کر کے بابل بھیجدیا۔ یہاں آکر ان لوگوں نے ساٹھ سال کی غلامی میں بابلی قانون و معاشرت سیکھ کر اپنی کہانی لکھی۔ اس کہانی کا مقصد یہ تھا کہ یہودی اپنے آپ کو ایک زندہ قوم اور برگزیدہ قوم سمجھنے لگیں اور اپنے خدا (یہوہ) کو دوسری قوموں کے خداؤں سے زیادہ طاقتور مانیں سوال یہ ہوتا تھا کہ بار بار تم برگزیدوں (ابناء اللہ) پر کیوں یہوا کا قہر نازل ہوتا رہتا ہے۔ تو اس کا جواب بائیبل یہی دیتی ہے کہ چونکہ یہودی یہوا کو چھوڑ کر (جو طوفان اور بارش کا دیوتا تھا) دوسری قوموں کے خداؤں مثل بعل، مُلخ، اشترا اور زہرہ کی پوجا کرنے لگے تھے اور اپنے مندروں کے قریب جو باغ ہوتے تھے اُن میں ناکاری کے اڈے بنا رکھے تھے۔ اس لئے یہوا بطور سزا کے اُن پر غلامی کی ذلّت اور قید و بند اور جلاوطنی کی مسکنت نازل کیا کرتا ہے۔ یہوا چاہتا ہے کہ یہ قوم پوری دنیا پر سلطنت کرے وہ اس کے دشمنوں کو قتل اور تباہ کرنا چاہتا ہے لیکن شرط یہی ہے کہ یہ لوگ عمل صالح اختیار کریں۔

کے روش یا کائرِش (کورش CYRUS) نے ۵۳۹ ق م میں جب بابل فتح کیا تو اس نے مصر کی سرحد پر دوبارہ یہودیوں کو آباد کیا اور انھیں آزادی دی کہ جا کر یروشلم کے معبد کو دوبارہ بنائیں اسی لئے توراۃ میں کورش

کو موسیٰ ثانی کا لقب دیا ہے۔ قرآن غالباً اسی کو ذوالقرنین کہتا ہے اسلئے کہ اس نے بابل میں بھی مذہبی آزادی دے رکھی تھی اور ہر قوم کے خداؤں کی بے روک ٹوک پرستش ہوتی تھی۔

توراۃ کی پہلی پانچ کتابوں میں سے ایک کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ۶۲۱ ق م میں یروشلم کے سردار پروہت کو معبد کے اندر اتفاقیہ مل گئی تھی۔

قانون کا تیسرا حصہ طہارت کے احکام پر مشتمل ہے (لیوی ٹکس ۱۷-۲۴)
بقیہ قانون موسیٰ پروہتوں یا حبروں سے متعلق ہے۔

قرآن اور توراۃ توراۃ میں حضرت موسیٰ سے ہزاروں سال پہلے کے قصے موجود ہیں۔ یہی نہیں کہ اس میں آدم سے ابراہیم تک کا نسب نامہ اور حضرت موسیٰ کے زمانے تک کی کہانیاں موجود ہیں بلکہ آدم کے پیدا ہونے سے پہلے کے حالات بھی ہیں کہ زمین و آسمان کس طرح بنے اور اس کے بعد خدا نے تھک کر ایک دن (ہفتہ کے دن؛ یوم السبت) کی چھٹی منائی اس لئے کسی یہودی کو اس دن کوئی کام نہ کرنا چاہیئے۔ قرآن نے ان سب قصوں کو عقلی معیار پر لا کر اس سے صرف خدا کی عظمت و بزرگی ثابت کی ہے۔

آدمؑ و نوحؑ آدمؑ کے باغ عدن سے نکالے جانے کے سلسلے میں قرآن نے بھی ایک مسلک اختیار کیا کہ شیطان کے فریب میں آنے سے انسان کو سزا ملتی ہے اسی لئے آدم جو مسجود ملائکہ تھے وہ بھی محنت و مصیبت میں مبتلا کر دیئے گئے۔ قرآن میں یہی سبق طوفان نوح کے متعلق دیا گیا ہے کہ خدا پرستی کو چھوڑ کر شیطانی وسوسوں میں پڑنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ خود پسر نوح اور زوجۂ نوح تباہی میں پڑ جاتے ہیں۔

موجودہ تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آدم و نوح کے قصے بابل اور دوسری قوموں میں بھی موجود تھے جن سے اخذ کر کے یہودیوں نے اپنی قوم کو برگزیدہ اور معزز ثابت کرنے کے لئے اپنے آبا و اجداد سے منسوب کر لیا ہے لیکن قرآن ان قصوں کی حقیقت سے بحث نہیں کرتا۔ وہ یہود کو توجہ دلاتا ہے کہ "الکتاب" یعنی توراۃ میں بھی یہ قصے ہیں اور ان سے سبق حاصل کریں۔ اور خدا کو مان کر شیطان سے دور بھاگیں۔

ایوبؑ بروایت توراۃ یہ ۲۲۳۳ء ق م میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ عرب کے ایک شیخ قبیلہ تھے اور سخت آزمائشوں میں ڈالے گئے تھے پھر خدا نے ان کو دوبارہ اولاد و مال و جاہ عطا کیا۔

ابراہیمؑ بروایت توراۃ ۱۹۲۱ء ق م میں سام کی آٹھویں پشت میں پیدا ہوئے۔ عرب مستعربہ اپنا سلسلۂ نسب ان تک پہنچاتے تھے۔ یہ اصل میں عرفہ (خالدیہ) کے باشندے تھے اور قرآن ان کو موحد اور خدا پرست

بتاتا ہے انھوں نے بابلی نجوم پرستی سے منہ موڑ کر خدا پرستی اختیار کی تھی۔ قرآن ان کی زندگی سے بھی یہی سبق لیتا ہے کہ دین حنیف یعنی دین اللہ یہی ہے کہ خدا کو مانا جائے اور جو تشیوں اور کاہنوں نے سورج چاند ستاروں کو دیوتا بنا رکھا ہے۔ اُن سے منہ موڑ لیا جائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بابلی تمدن کی بنیاد ہی اجرام فلکی کی پرستش پر مبنی تھی اور ابعل دیوتا درحقیقت وہی "را"، یا "سوریہ" ہے جو مصر و ہند میں سورج دیوتا کے نام سے پوجا جاتا تھا۔

اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ

توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات ابرام (اچھے باپ) کے بیٹے تھے اور جب ابرام کی اولاد بڑھ گئی تو وہ اب رہام (گروہ کے باپ) ہو گئے تھے۔ قرآن یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسحاقؑ (یعنی اسرائیلؑ) اور اسماعیلؑ دونوں کی نسلوں کو چاہیئے کہ قدیم دین ابراہیمی یعنی خدا بندگی کی طرف متوجہ ہوں اور دونوں قومیں متحد ہو جائیں اور دنیا میں اللہ کا نام بلند کریں۔ اسماعیلؑ ۱۹۱۱ سنہ اور اسحاقؑ ۱۸۹۲ سنہ قبل مسیح میں پیدا ہوئے تھے۔

توراۃ اور قرآن میں اس بات پر اختلاف ہے کہ ابراہیم نے کس کو بطور قربانی کے خدا کے سامنے پیش کیا تھا قرآن کہتا ہے کہ وہ اسماعیل تھے اس لئے کہ وہ بڑے بیٹے تھے۔ بہرحال قرآن یہ سبق دیتا ہے کہ ابراہیم نے اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن خدا نے اُن پر رحم کیا اور انسانی قربانی منسوخ کر دی بلکہ شکرانے کے طور پر خدمت بیت اللہ کو بطور فدیہ کے مقرر کیا بعد اس شکریہ میں تھی کہ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا تھا کہ ابراہیم کی نسل بڑھاوں گا اور سرزمین موعود یعنی کنعان کی حکومت بخشوں گا۔ قرآن بھی یہی چاہتا ہے کہ دین اللہ یعنی خدا پرستی اسی میں ہے کہ ایک اخلاقی حکومت قائم ہو اور جب قائم ہو جائے تو اس کی خوشی منائی جائے۔ مسلمان ہر سال حج کے موقع پر اس یادگار ابراہیمی کو مناتے ہیں اور مکہ میں جمع ہو کر ابراہیم و اسماعیل و اسرائیل کا نام زندہ کرتے ہیں اور کل دنیا کو دعوت امن و اتحاد و خدا پرستی یعنی خدمت خلق دیتے ہیں۔

یوسفؑ

حضرت یوسف، یعقوب بن اسحاق کے بیٹے تھے۔ یہ مصر میں حاکم بنے۔ انھیں خواب کی تعبیر کے علاوہ اقتصادی نظم قائم کرنے کا بھی سابقہ تھا۔ اسی لئے انھوں نے مصر کو قحط سے بچا لیا۔ یہ قصہ بائیبل میں ہے اور زلیخا کے عشق کی روداد بھی ہے۔ یوسف نے اپنے خاندان کو مصر میں آباد کر لیا تھا۔ جب انکی اولاد بڑھنے لگی تو ان کو دیکھ کر مصری ڈرنے لگے۔ اسلئے کہ ان سے پہلے حی ہکسوس (عمالقہ) یعنی سامی النسل چرواہے بنو اسرائیل کی طرح مصر میں آئے تھے اور یہاں کئی سو سال تک نہایت ظالمانہ حکومت کر چکے تھے۔ یہ دیکھ کر

مصری بادشاہوں نے یہ قانون بنا دیا کہ اسرائیلی لڑکے پیدا ہوتے ہی دریائے نیل میں غرق کر دیئے جائیں تاکہ یہ قوم رفتہ رفتہ برباد ہو جائے۔ اس قصے سے قرآن کا یہ مقصد ہے یوسفؑ کیطرح حق پرستی سے فتح ہوتی خواہ اپنے بھائی جان کے دشمن ہوں جس طرح قریش ہیں

موسیٰ اتفاق سے موسیٰ (مو: پانی، اُشے: نکالا ہوا، یعنی پانی سے نکالا ہوا) کو نیل سے فرعون کی بیوی نے نکال لیا اور شاہی محل میں پرورش کی۔ انھوں نے مصری پجاریوں کے خفیہ علوم و فنون یعنی سحر و کیمسٹری کو سیکھ لیا۔ پھر اصلی علم (سائنس) سے مصری ساحروں کو شکست دی۔ انھوں نے اپنی قوم کو ہجرت کر جانے پر آمادہ کیا اور غلامی سے بچا کر سینا کے میدان میں لے آئے۔ مگر یہ غلاموں کی بھیڑ، دو سو برس کی غلامی میں رہ کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ کنعان کو فتح کر لے بلکہ بقول قرآن کہتی تھی کہ ہم میں لڑنے کی سکت نہیں۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ غلامی سے نکل کر اچھی زندگی اور سر سبز و شاداب زمینیں ملیں گی۔ لہٰذا اے موسیٰ جاؤ تم اور تمہارا خدا (یہوا) دونوں لڑ کر وہ زمین ہمیں دلا دو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس سال سینا کے میدانوں میں سرگرداں رہنے کے بعد ایک نئی مضبوط قوم بنی تب اس نے کنعان کا ایک حصہ فتح کر لیا۔ الرسلؐ کو اسوۂ موسویؑ سے ہجرت و جہاد کی تعلیم دیجا رہی ہے، شعب کے زمانے میں ان قصوں سے یہی نصیحت قرآن نے دی ہے کہ سعی و جہد و جہاد کے بعد ہی ایک مردہ قوم زندہ اور غلام قوم آزاد ہو سکتی ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوتا کہ بغیر سعی کے سلطنت و عزت حاصل ہو۔

حکومت اور دین جڑواں بچے ہیں (الملک و الدین توأمان)

ہموطن، ہم قوم مشرکوں کے علانیہ اصلاح حال کو بمشکل دو سال گزرے تھے کہ وہی دشمن جان بن گئے ؎ آگ دی جب باغباں نے آشیانے کو مرے

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

شعب میں جتنے ساتھی تھے سوائے بی بی خدیجہؓ، امیر حمزہؓ، علیؓ، زیدؓ اور ام ایمنؓ کے سب مشرک تھے۔ لیکن رشتہ داری کی بنا پر سینہ سپر تھے شعب سے باہر چند مجبور مسلمان تھے باقی حبشہ جا چکے تھے۔ آپ کے ساتھ اللہ تھا اللہ کی بخشی ہوئی ہمت تھی اور کافروں اور بے کسوں سے محبت۔ وحی کا سلسلہ جاری تھا سننے والے بہت کم تھے یا یوں کہنا چاہیئے کہ صرف چند مسلم تھے جو قید میں ساتھ تھے۔ زیادہ تر یہ تعلیم آنحضرتؐ ہی کیلئے تھی، دین حق کے قیام کے لئے صبر و استقامت کے ساتھ مصائب کی بھٹی سے گذرنا ضروری تھا۔ آپ کے ضمیر منیر پر یہ روشن ہو گیا تھا کہ دین اور سیاسی اقتدار (ملک اور دین) دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک کے بغیر دوسرا زندہ نہیں رہ سکتا۔ دنیا میں بہت سے نبی آئے لیکن جو سلطنت قائم نہ کر سکے وہ دین کو بھی آگے نہ

بڑھا سکے۔ موسیٰؑ، داؤدؑ و سلیمانؑ کی یہی خصوصیت ہے کہ وہ سلطنت قائم کر کے اللہ کے دین کو قائم کر سکے۔ سلطنت گئی تو یہودی دین بھی ختم ہو گیا۔ مسیحؑ کو سلطنت ہی نہ ملی اور جب تیسری صدی میں مسیحیوں کو سلطنت ملی بھی تو اس وقت تک مسیحیت کا کلمہ بھی متعین نہ ہو سکا تھا۔ پروہتوں نے دینی بادریوں اور پوپوں نے دین کو کھلونا بنا لیا۔ آخر سچی مسیحیت پردے میں چھپ گئی۔ اسی طرح بہت سے فلسفی پیدا ہوئے۔ لیکن سلطنت کے بغیر اپنے اصول کو رائج نہ کر سکے۔ گو مارکس، آرلیبس یا اشوک کے زمانہ میں سلطنت کے بل بوتے پر عوام تک بلند فلسفیانہ اصول پہنچے لیکن فلسفی بادشاہوں کے ختم ہونے پر نہ فلسفہ باقی رہا نہ دین لہذا سلطنت ہو تو کتابی ہو اور ایسی ہو کہ جمہور اُسے اپنی سمجھیں تاکہ فرد کے مرنے کے بعد بھی فنا نہ ہو یعنی غیر پروہتی نظام کی پابندی ہو

کتابی سیاست کی تمہید

غرضکہ اس زمانے کا قرآن، کتابی سیاست کی تمہید ہے اور اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دین کی غرض دنیوی زندگی کی اصلاح ہے۔ صرف دین یا صرف سیاست انسانی اصلاح و ترقی کے لئے کافی نہیں۔ ایک گوشے پر نظر رہے گی تو دوسرا خالی رہ جائیگا بقول نصرت لاہوری ؎

شیشۂ ساعت بود آئینۂ دنیا و دیں   گر یکے آباد گردد دیگرے ویراں شود

یہ صرف آنحضرتؐ کا کارنامہ تھا کہ آپ نے عقل کو آزادی دے کر دین و دنیا کو ایک کر دیا اور لوگوں کو جمہوری اور روحانی، غیر پروہتی سلطنت کا تصور دے کر دین و دنیا کے تضاد کو مٹا دیا۔

اس دور میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں مرکزی سیاسی پارٹی کے لئے چند زرین اصول بیان کئے گئے ہیں اور خاص طور سے بنو اسرائیل کی سیاسی تاریخ کو پیش نظر رکھا گیا ہے مثلاً

۱۔ اخلاقیات اور پارٹی فنڈ

مرکزی جماعت کو نیک کاموں کی عادت ڈالنا چاہیئے۔ اگر ماں باپ بھی روکیں تو مقصد کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ مصیبت پر صبر کرنا، لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا، غرور نہ کرنا، قدامت پرستی کی تفریط سے بچ کر اعتدال اختیار کرنا اور ان اعمال کے ساتھ اللہ کو ماننا ہی عروۃ الوثقیٰ کو پکڑ لینا ہے۔ خدا کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پارٹی فنڈ ہو جس سے یتیموں، مفلسوں اور اسیروں کی مدد کی جائے۔ جب معاشی مساوات اور اتحاد عمل پیدا ہو جائے گا تو حکومت قائم کر لینا آسان ہو گا (سورۂ لقمان)

خلاصہ سورہ ۳۱۔ لقمان، لقمان کو خدا نے علم و حکمت دی اس نے بھی شرک کی برائی کی۔

معجزاتِ الٰہیہ کل مظاہر قدرت اللہ کی نشانیاں (آیات) ہیں۔ ان ہی نشانیوں سے اللہ کو پہچانو۔ **صبر و استقامت فتح کی کنجی ہے** ۔ اللہ کو مان کر مضبوطی سے مقصد پر متحد ہو کر جمے رہو۔ عروۃ الوثقیٰ کو پکڑو۔ غرور چھوڑ دو۔ سکھ میں بھی اللہ کو یاد کرو اور مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کی مدد کرو جو ان اصول پر کاربند ہوگا وہ یقیناً کامیاب ہوگا۔"

۲۔ کتابی سیاست

اس زمانے کی قرآنی تعلیم یہ بھی بتاتی ہے کہ اللہ کے ماننے والوں کی سیاست ایسی ہونی چاہیئے کہ دنیا میں قانون الٰہی (کتاب اللہ) جاری ہو جائے یعنی جس طرح خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اسی طرح آزاد رہے اور کوئی دینی یا سیاسی گروہ ان کے دماغوں اور جسموں کو اپنا غلام نہ بنا سکے۔ یہ اسی طرح ممکن ہے کہ صرف اللہ کو آقا مانا جائے اور جب کبھی نمرود فرعون یا پروہتوں اور ساحروں کی جماعت اپنی خدائی قائم کرنے لگے تو ابراہیمؑ و موسیٰ کی طرح ان سے بغاوت کر دی جائے بغاوت کا طریقہ بھی بتایا کہ یا تو حضرت ابراہیم (۱۹۲۱ق م) کی طرح نمرود کی کوکب پرستی کے خلاف بغاوت کر کے صرف ایک بھتیجے (لوط) کے ساتھ ہجرت کر دی جائے یا حضرت موسیٰؑ کی طرح پہلے تنہا ہجرت کی جائے اور موقع پا کر پھر مصر سے اپنے غلام ہم قوموں کو لے کر (۱۴۹۱ ق م میں) نکلا جائے اور سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ قرآن اسے تسلیم کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ خدائی قانون پر چلیں گے تو وہ اور ان کی اولاد ہمیشہ معزز رہے گی۔ اس لئے آپ نے اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیل کو خدا خانے کی خدمت کے لئے قربان کر دیا یعنی انھیں خدمت خلق اللہ کے لئے وقف کر دیا۔ یہی ذبح عظیم یا بہت بڑی قربانی یا خدا سے نزدیکی ہے کہ خدا پرستی اور خدمت خلق کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی جائے۔ حضرت یوسفؑ (۱۷۰۰ ق م) کا قصہ بھی یہ ظاہر کرنے کے لئے بیان ہوا کہ خدا پرستی کا اجر اسی دنیا میں مل جاتا ہے اور ایک غلام تخت سلطنت تک پہنچ سکتا ہے لیکن جب بنو اسرائیل نے عزیر (OSIRIS) پرستی اور گوسالہ (MEMPHIS) پرستی شروع کر دی تو پھر غلام بنا دیئے گئے۔ آخر دو سو سال کی غلامی کے بعد خدا نے دشمن ہی کے یہاں موسیٰ کی پرورش کرائی اور انھوں نے خدا کی مدد سے ایک غلام قوم کو پھر آزادی کا سبق دیا اور انھیں بتایا کہ عزیر کی جگہ یہوا (اللہ) کو پوجو اور یہ نہ سمجھو کہ تم ابراہیمؑ (اسرائیل کی نسل سے ہو تو خدا تم پر رحمتیں نازل کرتا رہیگا۔ بلکہ اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے، یعنی جب خدا پر بھروسہ کر کے معاشی مساوات اور آزادی کی کوشش کرو گے تب حکومت حاصل ہوگی۔ یہ نہ ہوگا کہ خدا کو ساتھ لے کر میں جاؤں اور کنعانیوں کو شکست دے کر تمہیں سرسبز و شاداب ملک کا حکمراں بنادوں اگر خود عملی زندگی نہ شروع

کروگے تو بیابان سینا میں فاقوں سے مرجاؤگے اور من اور بٹیر بھی نہ میسر آئیں گے، پیاز اور پھل ترکاریاں تو درکنار
بقول کلیم کاشانی اگر عملی اقدام نہ ہو تو رونا چلانا بے سود ہے

اے جرس تا بکے از نالہ گلو پارہ کنی — کس دریں بادیہ دیدی کہ بفریاد رسید؟

سورہ ۲۔ البقرہ رکوع ۳۵

تاریخ یہود کی ابتدا حضرت ابراہیم کے بیٹے اسرائیل سے ہوتی ہے ان ہی کے بڑے بیٹے اسماعیل تھے جن سے اہل عرب نسبی نسبت رکھتے تھے اور جنھوں نے عرب میں پہلا خدا خانہ (کعبہ) بنایا تھا۔ چونکہ قرآن توراۃ کا مصدق ہے اس لئے حضرت ابراہیم کے واقعہ سے قرآنی توراۃ شروع کی گئی ہے شعب ابی طالب کے ماحول میں تاریخ یہود کتنی امید افزا بن جاتی ہے!

اللہ ہی مارتا اور جلاتا ہے

نمرود کا خیال تھا کہ موت وحیات اس کے اختیار میں ہے لیکن ابراہیم نے بتایا کہ اختیار صرف اللہ کو ہے اور نمرود کو بھی قائل کر دیا کہ اگر تو قادر ہے تو سورج کو بجائے مشرق کے مغرب سے نکال دے۔ وہی مردہ قوموں کو زندہ کر سکتا ہے (اور بہت ممکن ہے کہ قریش کے مردہ دلوں میں وہ جان ڈال دے) پھر حضرت ابراہیم کے قصے کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے بچشم خود دیکھا کہ چار مردہ اور کاٹے ہوئے جانوروں کو خدا نے زندہ کر دیا (بائیبل میں دو پرندوں اور چوپایوں کی سوختنی قربانی کا ذکر ہے اور خدا کی خوشنودی کا ذکر ہے کہ ابراہیم کی اولاد میں ترقی ہوگی اور سرزمین کنعان انھیں ملے گی یعنی ایک زندہ قوم بن جائے گی۔ دیکھئے تکوین ۱۵)

نوٹ:۔ یہ رکوع فصل ششم سے حصہ میں دوبارہ مذکور ہوا۔

مکہ دارالسلام بنے گا

خدا کا حضرت ابراہیم سے جو عہد تھا وہ یہی تھا کہ بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل دونوں خدا پرستی کی وجہ سے ترقی کریں گے اور مکہ بھی دارالسلام بن جائیگا اس کا ذکر خصوصیت سے سورہ ابراہیم کی دعا میں ہے

سورہ ۱۴۔ ابراہیم: قرآن وتوراۃ کا کام

ہر قوم کا رسول اپنی زبان میں خدا کا کلام سناتا ہے۔ قرآن کا بھی یہی کام ہے جو توراۃ کا تھا کہ ظلمات سے نکال کر لوگوں کو نور کی طرف لائے۔ اس کام کے لئے مشہور نبیوں کے علاوہ بہت سے ایسے نبی بھی آچکے ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰه

سلطان یا ثبوت پھر بھی لوگوں نے خالق سماوات وارض کے وجود میں شک کیا اور خدا کے وجود کی دلیل مانتے رہے۔ اور نبیوں کو اذیت دیتے رہے۔ لیکن انھوں نے صبر بھی کیا اور اللہ پر توکل بھی۔

مکہ سے اخراج کا اشارہ پھر منکروں نے نبیوں سے کہا کہ ہم تمھیں اپنے ملک سے نکال دیں گے ورنہ ہماری ملت میں واپس آجاؤ لیکن اللہ نے ظالموں کو تباہ کیا اور اس کے بعد جہنم دیا۔

بیت اللہ میں دعائے ابراہیم خدایا اس شہر (مکہ) کو دارالامن یا دار السلام بنادے۔ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے بڑھاپے میں اولاد دی۔ خدایا ہمیں اصنام پرستی سے بچا۔ تو ہی عالم الغیب ہے۔ دوسرا کوئی نہیں۔

نوعیت علم غیب بذریعہ وحی سورۂ یوسف کے گیارھویں رکوع میں ہے۔ ذَالِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ه یعنی برادران یوسف جب مکروفریب میں مشغول تھے تو اس وقت کی باتیں خدا نے تجھے بتائی ہیں تو خود وہاں موجود نہ تھا۔ اے الرسول یقین رکھ کہ یوسف کی طرح تیری فتح ہوگی۔

اسی طرح سورۃ القصص کے پانچویں رکوع میں ہے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلَىٰ مُوسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ .... وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا.... یعنی الامر (توراۃ) جب موسیٰ کو دی گئی تو تو وہاں مشاہدہ کرنے والا نہ تھا نہ اُس وقت تو موجود تھا جب خدا نے موسیٰ کو آواز دی تھی۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن جن گذشتہ احوال کو بیان کرتا ہے۔ اُن کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ انھیں قصہ کہانی سمجھا جائے بلکہ ان کی ایک غرض وغایت ہے جسے خدا بذریعہ وحی اپنے رسول پر ظاہر کرتا ہے۔ علم غیب یہ نہیں کہ یوسفؑ و موسیٰؑ پر کیا واقعات گذرے بلکہ ان واقعات سے جو بات پیدا ہوتی ہے اور جس کے لئے رسول اللہ کو تیار کیا جارہا ہے وہ مقصد وحی ہے۔ رسول اللہ شعب میں ہیں بے یارو مددگار ہیں اور خدا بذریعہ وحی انھیں امید و کامرانی کے قصوں کے ذریعے تیار کر رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کی فتح یقینی ہے۔

۲۸۔ القصص

موسیٰ نے فرعون کو شکست دی لیکن سلطنت قائم کرنے سے پہلے مدین میں تجربہ حاصل کیا، واپسی میں وادی ایمن میں (مثل شعب ابی طالب کے)، وحی ہوئی کہ غلامی سے اپنی قوم کو نکالو۔ یہ باتیں اللہ والوں کو اللہ کی وحی سے معلوم ہوئی ہیں کہ موسیٰ کی غرض کیا تھی ورنہ کتابوں اور کہانیوں سے یہ کب پتہ چلتا ہے۔

توراۃ اور قرآن کیلئے تحدی

موسیٰ کو الکتاب (یعنی توراۃ دی گئی جو لوگوں کو راستہ بتانے والی رحمت (بصائر ہدایت و رحمت) ہے اسی طرح محمد عربی کو قرآن دیا گیا تاکہ اُن لوگوں کو نصیحت دے جن میں کوئی نذیر (ڈر سنانے والا) نہیں آیا۔ یہ بھی توراۃ کی طرح رحمت ہے اور خدا کا بھیجا ہوا کلام حق ہے تو کافروں نے دونوں کو جادو (سحر) کہا (حالانکہ یہ دونوں حق ہیں سحر نہیں ہیں)۔ اس پر رسول اللہ نے کفار کو چیلنج دیا کہ اگر تم سچے ہو تو ان دونوں تعلیموں (کتاب) سے بہتر تعلیم لاؤ تو میں تیار ہوں کہ اس کی پیروی کرنے لگوں۔ مگر وہ لوگ اپنی خواہشات نفسانی کے پیرو تھے۔ وہ ایسی تعلیم نہ لا سکے اور بجائے اللہ کی ہدایت کے شیطانی راہ پر چلتے رہے اور گمراہ ہوئے (قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ رکوع ۵)

نوٹ: تحدی یا چیلنج کے سلسلہ میں فصل سوم سورہ ۴۶ الاحقاف بھی دیکھئے اور اگلی فصل پنجم میں سورہ یونس بھی پڑھئے۔

اہل کتاب قرآن کو مانتے ہیں

(الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ (القصص۔ رکوع ۶)

اس سورہ میں موسیٰ و فرعون کے حالات کے سلسلے میں رسول اللہ کو تعلیم دی گئی ہے کہ موسیٰ کی طرح ہجرت کرنے کے بعد اللہ کے بھروسہ پر کمزور غلاموں کی مدد سے ضرور کامیابی ہوگی۔ بہر حال جاہلوں کے منہ نہ لگنا چاہیئے۔ اُن سے نرمی سے کلام کرنا چاہیئے (وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ) البتہ اُن سے یہ کہدو کہ خدا کسی آبادی کو اُس وقت تک تباہ نہیں کرتا۔ جب تک اُس کی بڑی بستی میں نصیحت کرنے والا نہ بھیجدے اور جب تک وہ لوگ ظلم پر اصرار نہ کریں۔

اسی سلسلہ میں قوم موسیٰ کے ایک فرد قارون کا حال بھی بتایا ہے کہ وہ بہت مالدار تھا اپنی دولت پر اتراتا تھا اور بجائے احسان کے دنیا میں فساد پھیلاتا تھا۔ لوگ اس کی دولت پر رشک کرتے تھے اور وہ کہتا تھا کہ مال میں نے اپنے ہنر سے کمایا ہے۔ دوسروں کو کیوں دوں۔ آخر اس کا مال تباہ ہو گیا اور مفلسوں نے یقین کر لیا کہ رزاق

تو اللہ ہی ہے ۔ اس قصے سے بھی مفلس مومنوں کو ڈھارس دی گئی ہے کہ خدا پر بھروسہ کرنے والوں کی آخرکار فتح ہوتی ہے اور قریش کے مالدار غلام ساز آخر ضرور تباہ ہوں گے ۔

صبر و استقامت فتح کی کنجی ہے

یاد رہے کہ اس دور کا قرآن نہ صرف کتابی اور فطری سیاست کی تمہید ہے ۔ بلکہ ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے اس میں جس صداقت کا اظہار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرکے مصائب و حوادث کا مقابلہ کرتے ہیں انھیں یقیناً فتح ہوتی ہے ۔ آپ کے ہر دور زندگی میں خدا پر بھروسہ اور خود اعتمادی کی یہی شان ہر جگہ نظر آتی ہے ۔ مرحوم اکبر الٰہ آبادی نے خوب کہا ہے کہ ؎

مصیبت راحتِ ہمت مرداں بڑھاتی ہے ۔ کہ جوہر اور بھی صیقل سے خنجر کے نکلتے ہیں ۔

بہر حال جس قوم میں مصائب سے گذرنے کی ہمت پیدا کرنا چاہو اُسے اس دور کا قرآن دو اور بتادو کہ اسی قرآن کو پڑھ کر حافظ کہا کرتا تھا کہ ؎

در بیاباں گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم ۔ سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

دور ہذا کے قرآن کی تعلیم کا خلاصہ

(۱) **سورہ لقمان** اتحاد اور استقامت فتح کی کنجی ہے ۔ غرور ترک کرو ۔ رحم و محبت کرنا سیکھو

(۲) **البقرہ رکوع ۳۵** ابراہیم نے نمرود کو بتایا کہ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ کسی اور کو یہ اختیار نہیں ۔ لہٰذا سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہیں ہونا چاہیئے

(۳) **سورہ ابراہیم** اللہ کا وعدہ ہے کہ مکہ دار السلام بنے گا ۔ یقیناً یہاں اسلام قائم ہوگا یہی عہد قدیم ہے

(۴) **سورہ یوسف** اہلِ حق قید و بند سے ڈر کر راہ کو حق کو نہیں چھوڑتے ۔ ایک دن ایسا آنیوالا ہے کہ یوسف کی طرح محمد المرسل کی فتح ہوگی اور مکہ اطاعت کرے گا ۔

(۵) **القصص** موسیٰؑ نے ہجرت کے بعد جہاد کیا اور یروشلم کو بنی اسرائیل نے حاصل کرلیا ۔ قوم موسیٰؑ غیر اللہ (فرعون) کی غلامی سے آزاد ہوگئی ۔

اے اہلِ مکہ بت پرستی چھوڑنے سے تمہاری تجارت کو نقصان نہ ہوگا ۔ اللہ کا حکم اور فیصلہ جاری ہو کر رہے گا ۔ اور حق کی فتح ہوگی ۔ استقامت شرط اولیں ہے

پانچویں فصل رسول اللہ الی العالمین

محرم سنہ ۱۰ نبوی (مارچ سنہ ۶۱۹ء) تا صفر سنہ ۱۳ نبوی (مئی سنہ ۶۲۲ء)

مکہ کے باہر کے قبائل اور مجوس و بنو اسرائیل پر توجہ

[نوٹ:۔ اس دور میں ہجرت مدینہ تک رسول اللہ کی زندگی تین مختلف اور اہم ادوار سے گذرتی ہے۔]

پانچویں دور نبوت کی قرآنی تعلیم

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ الْغَنِیُّ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ۔ الْمُجِیْبُ الْمَجِیْدُ۔ الْحَفِیْظُ۔ مُدَبِّرُ الْمُلْكِ۔ القاهر۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ

نصاریٰ و یہود سے: یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

مجوس سے: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ (حم السجدہ) لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل)

رسول اللہ سے: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (السجدہ)

مصدقین سے: وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (العنکبوت ع ۵)

مشرکین سے: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل) اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (بنی اسرائیل) لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (بنی اسرائیل) فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۝ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا (الر۔ یونس)

جان باستقبال جاناں می رود | تشنہ سوئے آب حیوان می رود
بلبل شیدا شد آزاد از قفس | سوئے گلگشت گلستاں می رود (ضیاء الدین خالد ترک)

لوگو میں تو صرف تمہاری اصلاح کرنا چاہتا ہوں
یہ تاریخی حقیقت ذہن نشین کر لو کہ ظلم و تکبر قوموں کی تباہی لاتا ہے
یہ سنت اللہ ہے جس میں نہ تحویل ہے نہ تبدیل
مکافات عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا
یہاں بچ گئے تو قیامت میں مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ جزا و سزا دے گا۔

رسول اللہ الی العالمین (۱)

یا ملک الحی القیوم القاہر اللطیف الخبیر ذوانتقام

حصہ اول : شعب سے رہائی تا وفات ابوطالب

اس دور میں رحمان کی بحث کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بنو اسرائیل اور قبائل حول المکہ پر خصوصیت سے توجہ کی گئی دو خداؤں کے ماننے والوں کو بھی دعوت توحید دی گئی۔ لیکن جب مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا اور مدینہ میں انصار پیدا ہو گئے تو بادل ناخواستہ آنحضرت نے مکہ کو خیرباد کہا۔

المرسل اور ان کے خاندان کی رہائی

سنہ۱۰ نبوی کے شروع میں جبکہ سنہ ۹ کا حج (مارچ ۶۱۹ء) ختم ہو رہا تھا تو ان کے خاندان سے چند ہمدردی رکھنے والے جمع ہوئے انھوں نے دیکھا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب پر تین سخت سال گذر چکے ہیں اور قریش مکہ مطمئن بیٹھے ہیں کہ اب اسلام جلد ختم ہو جائیگا۔ تجارتی حالات بھی بہت کچھ قریش کے موافق ہوتے جا رہے ہیں اور شام و مصر پر ایرانیوں کے قبضہ کی وجہ سے مکہ کی ایران دوست پارٹی کا کاروبار چل نکلا ہے۔ نصاریٰ کے دوستوں اور مسلمانوں پر اس کا اثر یہ پڑا ہے کہ حبشہ سے بہت سے مہاجر واپس آ گئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ کے آپس کے دینی تفرقے خورشید پرستوں کی تلوار کی آگ میں بھسم ہو جائیں گے۔ اور ہر جگہ دو خداؤں یعنی یزدان و اہرمن کی پرستش ہونے لگے گی۔

بنو ہاشم اور بنو المطلب کے بہت سے ننھیالی رشتہ دار مکہ کے مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ہاشم جو شعب میں غلہ پہنچایا کرتا تھا۔ ایک دن زہیر مخزومی سے ملا۔ زہیر ابوطالب کا بھانجہ تھا۔ اور کہا کہ تمہارے ماموؤں پر جو مصیبت ہے، وہ اگر ابو الحکم (ابوجہل) کے خاندان پر پڑتی تو وہ کبھی برداشت نہ کرتا۔ آخر یہ دونوں مطعم بن عدی کے پاس گئے مطعم نے بھی ہمدردی کی۔ اور ابو البختری بھی ساتھ ہو گیا۔ اور زمعہ مطلبی بھی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ساتھی بن گیا۔ اب ان پانچ آدمیوں نے صبح کو حرم کعبہ میں ملنے اور معاہدہ چاک کرنے کا عہد کیا۔ دوسرے دن زہیر نے حرم میں آکر کہا یہ مقاطعہ نامہ سخت ظالمانہ ہے میں اسے پھاڑ ڈالوں گا۔ ابوجہل موجود تھا۔ اس نے مخالفت کی لیکن زہیر کے چار ساتھیوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی اس مقاطعہ کے خلاف تھے مطعم نے معاہدہ نامہ کو

پھاڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو دیکھا کہ دیمک نے اس کی ظالم شرطوں کو چاٹ ڈالا ہے۔ اس کے بعد یہ لوگ ہتھیار باندھ کر گئے اور سب کو شعب سے نکال لائے اور مخالفین نے جو پہرے بٹھائے تھے وہ بھی اٹھ گئے

نصرانیوں کی شکست پر مشرکین مکہ کی خوشی

مکہ میں پہلے ہی دو پارٹیاں تھیں۔ ہاشم بن عبد مناف نے نصرانی ملکوں سے تجارت کا راستہ کھولا تھا اور شام و مصر کے علاوہ حبشہ کے نجاشی سے بھی معاہدہ تجارت کیا تھا۔ ہاشم کے مقابلہ پر نوفل بن عبد مناف نے عراق و فارس کے ساسانی حکمرانوں سے تجارتی سفر کے معاہدے کئے تھے اور یہ بھی کوشش کی تھی کہ مکہ کی حکومت کے دو محکمے اپنے بھائی سے چھین لے۔ اس طرح مکہ میں دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ آنحضرت اس خاندان سے تھے جو نصاریٰ کے دوست تھے اور مصر و شام و حبشہ میں خصوصیت سے تجارت کرتے تھے۔ اور چونکہ آنحضرت خود اکثر ممالک میں سفر کر چکے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں کے رسم و رواج اور ادیان کے علاوہ ان کی فرقہ بندیوں سے بھی واقف تھے۔

کتابی سلطنت

شعب کے زمانے ہی میں خدا نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ بغیر سلطنت قائم کئے یہ ممکن نہیں کہ لوگوں کی اخلاقی حالت درست ہوسکے۔ ایک تو ہر قوم میں پروہت پیدا ہوگئے ہیں جو عوام کے دماغوں کو بیکار کر کے ایسے قوانین بناتے ہیں جن میں "خدا کے بیٹوں" کا فائدہ ہو اور خدا کے بندے تباہ ہوں۔ دوسری طرف لٹے ہوئے مفلس اتنے جاہل و بے عقل بنا دیئے گئے ہیں کہ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں ان شیطانوں کے لئے جان دے رہے ہیں جو پروہت، ساحر یا کاہن کہلاتے ہیں۔

عاد و ثمود کی پرانی قومیں ان ہی خود غرض لوگوں کی نذر ہوئیں۔ مصری فرعونوں کی خدائی اور یونان و روما اسی لئے مٹ گئے کہ سب کے سب غلام ساز تھے اور محنت کا کام کرنا تو درکنار، خود قومی دفاع بھی غلاموں کے ذریعے کراتے تھے۔ آنحضرت کے سامنے جو قومیں تھیں ان میں یہود کی ہزار سال کی شاندار تاریخ تھی۔ شاندار اسلئے نہیں کہ حضرت موسیٰ نے بہت کوشش کے بعد سرزمین موعود کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا حاصل کر لیا تھا، یا داؤدؑ یا سلیمانؑ نے ایک ننھی سی سلطنت اور ایک مختصر سا معبد بنا لیا تھا۔ بلکہ شاندار ان معنوں میں کہ یہ قوم بار بار غلام بنی اور بار بار اس نے ایسی جدوجہد کی کہ آزاد ہو جائے اور کتابی سلطنت قائم کر سکے۔ اس سے پہلے حبشہ کے نصرانی بادشاہ نجاشی سے گفتگو ہو چکی تھی۔ اب بنو اسرائیل اور ایران و عراق کے خدا پرستوں سے گفتگو شروع ہونے کا زمانہ آگیا تھا۔ اسی زمانے میں ۶۱۹ء تک نصرانی شہنشاہ قسطنطنیہ کو ایرانیوں نے شکست پر شکست دینا شروع کی تھی اور ساسانیوں نے مصر تک فتح کر لیا تھا۔ مشرکین مکہ بہت خوش تھے کہ جلد ہی ساسانی فوجیں حبشہ پہنچ کر مسلمان

مہاجروں اور نصرانی فوجوں کا صفایا کردیں گی ۔ اور قسطنطنیہ کا بادشاہ آتش پرست ہوجائے گا ۔ لیکن آنحضرت نے زبان وحی سے فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ رومی مغلوب ہوگئے ہیں تو ان کا خاتمہ ہوگیا ہے چند ہی سال میں وہ فاتحانہ آگے بڑھیں گے ۔ اس وقت مشرکوں کی خوشی خاک میں مل جائے گی اور دو خداؤں (یزدان اور اہرمن) کے پوجنے والوں کو ایک نورانی خدا کے سامنے سر جھکانا پڑے گا جسے نصرانی مانتے ہیں اور میں بھی مانتا ہوں ۔ اور ہوا بھی یہی کہ ۶۲۲ء سے رومی نصرانیوں نے جو حملے شروع کئے تو ۶۲۷ء تک بوڑھے خسرو پرویز کو بالکل ہلا دیا ۔ رومیوں نے دجلہ کا صوبہ فتح کرلیا اور پرویز شکست کھا کر بھاگ گیا ۔ آنحضرت نے ساسانیوں (اور عام طور پر ہر قوم) کی شکست کی وجہ یہ بتائی کہ ظالم ہمیشہ شکست کھاتے ہیں ۔ ظلم کی ایک شکل سود خوری ہے مظلوم ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ سود خور ظالم کی غلامی سے نکل جائے اور کوئی دوسرا عادل حکمراں آجائے ۔ دوسری شکل عدم مساوات و غلامی ہے ۔ یہ دونوں باتیں کم وبیش ہر جگہ پھیلی ہوئی تھیں ، حتیٰ کہ ایرانیوں کی اکثر فوج غلام ہوتی تھی ۔

فرقہ بندی فطری دین نہیں

مختلف دینوں میں فرقہ بندی پیدا ہوگئی تھی ۔ آنحضرت نے بتایا کہ یہ غیر فطری چیز ہے ۔

۳۰ ۔ الروم : قوموں کی تباہی کے وجوہ

لوگو ! دین فطرت پر نظر کرو ۔ تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم بھی تباہ ہوئی ہے وہ آپس کے تفرقہ اور فرقہ بندی کی وجہ سے تباہ ہوئی ۔ فطری دین (یا طریق زندگی) یہ ہے کہ انسانی اتحاد کی بنیاد مضبوط ہو ۔ اسی دین فطرت پر اللہ نے انسانی فطرت کو تراشا ہے ۔ اتحاد کی اولین شرط مساوات ہے ۔ اگر کسی قوم میں غلام سازوں نے ایک پامال غلاموں کا طبقہ پیدا کردیا تو اتحاد ناممکن ہوجاتا ہے طبقاتی کشمکش اور دونوں طبقوں کی بے عملی و کاہلی اس قوم کو تباہ کردیتی ہے اس فطرۃ اللہ یعنی تاریخی حقیقت میں تحویل و تبدیلی نہیں ہوتی ۔ لہٰذا نصرانیوں کی طرح فرقہ بندی کو چھوڑو ۔ اصل دین (یا طریق زندگی) یہ ہے کہ سب انسان ایک جنس سے ہونے کی وجہ سے مساوی ہیں ۔ اسی لئے نہ صرف رشتہ دار بلکہ مسکین و مسافر بھی ہر طرح کی مدد کے مستحق ہیں ۔ سوسائٹی پر ان سب کا حق ہے کہ وہ اُن کی خوشحالی کو اپنی خوشحالی سمجھے ۔ سود خوری سے ایک دوسرے کا گلا نہ کاٹے ۔ یاد رکھو کہ اس طرح کے ایثار اور صدقے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے اور کل قوم دولت مند ہوجاتی ہے ۔ جو لوگ سود لیتے ہیں اور انسانوں کی مدد کے لئے اپنا مال خرچ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں اور ظلم کا نتیجہ نفاق و بزدلی اور ان کا نتیجہ تباہی ہے ۔ یہ اٹل قانون الٰہی ہے ۔

قرآن اور یہود

شعب ابی طالب میں یہود کی تاریخ بیان کی گئی تھی۔ اس زمانے کا قرآن یہود کو بتاتا تھا کہ توراۃ و قرآن کا ایک ہی سرچشمہ اور ایک ہی تعلیم ہے۔ شعب سے نکلنے کے بعد جو سورتیں بنواسرائیل سے متعلق ہیں اُن میں صاف صاف یہ کہا جارہا ہے کہ آؤ ہم تم دوسری اہل اللہ قوموں سے مل کر دنیا کو پھر دین اللہ کا سبق پڑھائیں اور دین الشیطان سے بچائیں۔ سب سے بڑی شیطنت شرک و فرقہ بندی ہے اسی سے قومیں تباہ ہوتی ہیں۔

اس دور کے قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ رسول اللہ کی تعلیم ایک آسان تعلیم ہو اور اُن خود ساختہ پابندیوں کو ختم کرتی ہے جو ربیوں، پوپوں اور دستوروں نے فطری دین اللہ میں داخل کردی ہیں۔ دیکھیے النبی الامی .... يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف ع ۹) یعنی اُن کے بوجھ ہلکے کردیئے گئے اور بندھن توڑ دیئے گئے مثلاً سبت کے دن بھی شکار کرسکتے ہو اور اونٹ کا گوشت بھی کھاسکتے ہو۔

بنواسرائیل پر خصوصی توجہ

بنواسرائیل کی بار بار تباہی کی وجہ سے اصلی توراۃ ضائع ہوچکی تھی۔ موجودہ زمانے میں توراۃ السامرہ باقی ہے۔ عزیز نے جو توراۃ لکھوائی تھی وہ بھی موجود نہیں ہے۔ بہرحال بابل کی قید کے زمانے میں اسرائیلیوں نے بابل میں تمدن و تاریخ کا سبق پڑھا اور اپنی قوم میں جوش اور زندگی پیدا کرنے کے لئے ایسی باتیں لکھیں جو موجودہ تحقیق سے بالکل بے سروپا نہیں تو حقیقت سے بہت دور ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کو دنیا بھر کی قوموں سے اونچا بنانے کے لئے یہ قصہ گڑھا کہ وہ خدا کے خاص منظور نظر ہیں بلکہ بیٹے ہیں۔ دوسری ہزاروں قومیں ان کی غلامی کے لئے بنائی گئی ہیں یہی نہیں بلکہ ان کا ایک خاص خدا (یہوا) ہے جو دوسری قوموں کے خداؤں سے توانا تر ہے۔ اس نے معاہدہ کیا ہے کہ اسرائیلیوں کو ہمیشہ سربلند رکھے گا اور دنیا کا بہترین ملک کنعان) انھیں دے گا۔ ان کا ایک بادشاہ (مسیح) پیدا ہوگا جو سب قوموں سے اسرائیلیوں کی غلامی کرائے گا۔

اس زمانے کے قرآن نے توراۃ کی تعریض اور ان کی غلط بیانیوں اور اپنے منہ میاں مٹھو بنے پر زیادہ توجہ نہیں کی بلکہ جو باتیں اس توراۃ میں موجود تھیں اُن ہی پر توجہ دلائی کہ اگر اُس کی باتوں کو نہ مانو گے تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ تم خدا کی برگزیدہ قوم نہیں ہو بلکہ جو نیک کام کرے وہ اللہ کا برگزیدہ ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ دیکھو خود توراۃ میں لکھا ہے کہ آدم کو شیطان نے بہکایا۔ ان کی غلطی کی انھیں سزا ملی۔ تو کیا کوئی

شخص گناہ کرے تو خدا کا چہیتا ہونے کی وجہ سے وہ بچ جائیگا۔ چہیتا تو وہ ہے جو گناہ ہی نہ کرے اور اگر غلطی ہو جائے تو آدم کی طرح اعتراف گناہ کرے اور خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے پھر گناہ کا اعادہ نہ کرے یعنی توبہ کرلے۔ پھر یہ فرمایا کہ بنو اسرائیل میں بہت سے اچھے لوگ ہیں جو صرف خدا کی بندگی کرتے ہیں اور ظلم نہیں کرتے (یعنی سود لے کر لوگوں کو غلام نہیں بناتے) وہ حضرت موسیٰ کے سچے پیرو ہیں۔ وہ ساحروں اور شاہوں سے نجات پانا چاہتے ہیں پھر فرمایا کہ خدا پرستی اور غریبوں کی مدد کی تعلیم انجیل میں بھی ہے۔ میں بھی انجیل و توراۃ کی طرح یہی کہتا ہوں کہ معروف کام کرو منکر کام سے بچو۔ میں خبردار کرتا ہوں کہ عدم مساوات یعنی فرقہ برادری (ذات پات) اور شیطان پرستی (برہمنیت و ساحر پرستی) سے تباہی آتی ہے۔ میں نہ تو ساحر ہوں نہ کاہن ہوں کہ غیب کی باتیں نام لیکر بتاؤں۔ میں تو صرف پرانے نبیوں کی طرح ایک نذیر ہوں اور کہتا ہوں کہ ایسے کام کرو جس کا بدلہ یا پھل (نتیجہ ثمرہ) کڑوا نہ ہو۔ (الاعراف)

گندم از گندم بروید جو بہ جو | از مکافات عمل غافل مشو

یہودی تاجر یثرب اور یمن سے مکہ آتے جاتے تھے۔ یقیناً ان لوگوں کو یہ خبر پہنچی ہوگی کہ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جو بنو اسرائیل کی تعریف کرتا ہے اور توراۃ کو ہدایت و نور کہتا ہے لیکن مسیح کو ابن اللہ نہیں، صرف ابن مریم کہتا ہے اور یہودیوں کو بھی ہدایت کرتا ہے کہ مسیح کو رسول اللہ مان لیں اور نصاریٰ سے کہتا ہو کہ کفارہ یا شفاعت کا خیال بالکل لغو ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ لہذا جس طرح توراۃ و انجیل خدائی تعلیمات ہیں اسی طرح قرآن بھی ہے۔

شعب میں داخلہ سے پہلے حبشہ کے نصاریٰ سے تو ایک قسم کا معاہدہ ہو ہی چکا تھا۔ اس کے بعد شعب ہی میں دین ابراہیمی کا نقشہ بن چکا تھا اور یہ طے ہو چکا تھا کہ جس طرح ابراہیمؑ و موسیٰؑ نے سیاسی جدوجہد کی تھی اسی طرح بغیر ملک کے دین (یعنی قانون زندگی) کا قیام مشکل ہے۔ شعب کے قرآن کا روئے سخن بھی نصاریٰ یہود و مجوس کی طرف تھا اور اب بھی جو قرآن نازل ہوا اس میں انہی کو اتحاد کلمہ کی دعوت دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو قومیں خدا پرست ہیں وہ سب ایک ہیں۔ فرقہ پرستی اور تنگ نظر قوم پرستی کو چھوڑ کر عالمی تحریک اسلام کو قائم کرنا چاہیئے اور یہی پیغام ابراہیم و موسیٰ ہے

۷۔ الاعراف: اے اہل کتاب میں بھی ایک نذیر ہوں

"انسان کو شیطان بہکاتا ہے کہ ظلم و طغیان کرے ورنہ خدا پرست ہوتے

کے بعد سب انسان بھائی بھائی ہوجاتے۔ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ خدا خالق کل ہے اُسی نے چھ دن میں زمین و آسمان بنائے ہیں۔ بنو اسرائیل میں اچھے لوگ موجود ہیں جو اُس خالق ارض و سما کی بندگی کرتے ہیں اور موسیٰ کی پیروی میں غلامی سے آزاد ہوکر ساحروں اور شاہوں سے نجات پا چکے ہیں۔ انجیل میں بھی خدا پرستی سکھائی گئی ہے۔ میں وہی ہوں جس کا ذکر ان کتابوں میں ہے۔ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم توراۃ و انجیل کی طرح دیتا ہوں۔

میں عالم غیب نہیں ہوں

یاد رکھو کہ میں نہ تو علم غیب کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ سحر و ساحری جانتا ہوں۔ میں صرف عدم مساوات و شیطان پرستی سے جو تباہی ہوتی ہے اس سے خبردار کرنے کو نذیر بن کر آیا ہوں اگر میں عالم غیب ہوتا تو بہت بڑا خزانہ جمع کر لیتا اور برائی کے آنے سے پہلے واقف ہوجاتا تو مجھے کوئی نقصان نہ پہنچ سکتا۔ (وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ)

نفع و ضرر میرے اختیار میں نہیں

لوگ سمجھتے ہیں کہ کاہن و ساحر جسے چاہیں اپنے جادو منتر سے نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ دیکھو میں نبی اللہ ہوں لیکن میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میں اپنی ذات کو فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہوں۔ نفع و ضرر کا اختیار اللہ کو ہے شیطان کو نہیں ہے۔ شیطان صرف فریب دے سکتا ہے اور لباس تقویٰ کو چھین کر ننگا کر دیتا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ اپنی غلطی اور بھول چوک سے باز آجاتے ہیں اور پھر تقویٰ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ صرف اللہ ہے جو اپنے بندوں کو ہدایت پر لاتا ہے اور شیطنت سے بچاتا ہے۔ غرضکہ کسی طرح کی سفارش یا شفاعت نبی تک نہیں کر سکتا۔ سب اللہ کے اختیار میں ہے (قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ)

نرمی و حلم اختیار کرو

اے رسول جن حالات میں تم ہو اس کا تقاضا ہے کہ عفو و درگذر سے کام لو۔ معروف (یعنی نیکی) کا حکم دیتے رہو اور جو لوگ اس پر بھی ایذا رسانی کرتے رہیں تو ایسے جاہلوں کے منہ نہ لگو خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

انتظار کرو اللہ فیصلہ کرے گا

لوگو تم نے اپنے بتوں کے کچھ نام رکھ لئے ہیں کہ لات میں یہ طاقت ہے اور منات میں یہ ہے اور اس پر مجھ سے جھگڑا کرتے ہو۔

تمہارے پاس ان کی قدرت وخالقیت کی کوئی دلیل نہیں۔ بہر حال میں زیادہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ انتظار کرو کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ۹)

رسولؐ کو معجزہ نہیں دیا گیا دلائل دیئے گئے

کفار بار بار رسول اللہؐ سے معجزہ مانگتے تھے یعنی ایسا نشان طلب کرتے تھے جو وہ خود دکھا سکیں اور اُسے لوگ مان بھی لیں مثلاً وہ کہتے تھے کہ ہمارا ملک بے آب وگیاہ ہے یہاں اپنے خدا سے کہکر دریا بہا دو۔ آنحضرت فرماتے تھے کہ خدا کے وجود کا ثبوت کل مخلوق ہے۔ ہر چیز اس نے خلق کی ہے اگر تم سمجھتے ہو کہ اس نے نہیں کی اور تمہاری دیویوں میں یہ قدرت ہے کہ وہ خلق کریں تو مجھے دکھاؤ انھوں نے کیا خلق کیا ہے۔ بہر حال آنحضرت نے کوئی ایسا معجزہ (نشان) نہیں دکھایا جو ان کے مطالبہ کے مطابق ہوتا۔ اس پر وہ شرارت سے کہتے کہ کیا وجہ ہے کہ تم اپنے خدا سے کہہ کر ہمارا طلب کیا ہوا معجزہ نہ لے آئے۔ (وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا) آپ جواب دیتے کہ تم وجود باری تعالیٰ کے متعلق معجزہ (ثبوت یا دلیل) مانگتے ہو، اور میں تمہیں وہ دلائل دیتا ہوں جو عقلی دلیلیں ہیں۔ تم خود دیکھ سکتے ہو کہ ہر چیز اللہ نے پیدا کی ہے۔ ماننے والوں کے لئے یہی دلیلیں ہیں وحی الٰہی سے بیان کرتا ہوں (قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۰) اس سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ شیطان نے ہر قوم اور ہر نبی کو آزمائش میں ڈالا ہے جو اس کے قریب میں آگیا تو وہ تباہ ہوا اور جس نے خدا کا ساتھ دیا اور ظلم سے باز رہا اس نے نجات پائی۔

مسلمانوں پر مظالم

شعب سے نکلنے کے بعد الرسولؐ نے دیکھا کہ ہر خاندان اپنے اپنے مومن افراد پر ظلم وستم ڈھانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ مکہ میں کوئی ایسی عدالت نہ تھی کہ اس ظلم کی شنوائی کر سکتی۔ قبائلی زندگی کا وہ ڈھانچہ، جو حضرت ابراہیم کے زمانے سے جاری تھا، برابر قائم تھا۔ قبیلہ کا شیخ ہی اپنے قبیلے والوں کی جان کا مالک تھا اور قبیلے کے اندر انفرادی آزادی قطعی مفقود تھی۔ اسی زمانے میں سورۃ العنکبوت نازل ہوئی۔ اس کی تعلیم بھی گذشتہ سورۃ سے ملتی جلتی (متشابہ) ہے اور مومنوں کے دل بڑھانے اور صبر وثبات سے رہنے کے لئے مشعل راہ ہے: مظالم کی انتہا ہوگئی تھی حتیٰ کہ بعض مسلمان مجبوراً دین سے پھر گئے تھے۔

۲۹: سورۃ العنکبوت: ایمان کا امتحان

اے مصدق قوا جان لو کہ صرف زبانی ایمان لے آنا کافی نہیں۔ اس ایمان کا امتحان بھی ہوگا۔ مکذب بھی سمجھ لیں کہ بدی کے نتیجے سے وہ بھی نہ بچ سکیں گے۔ اے مومنو اللہ کے نام پر ایذا اٹھانے میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور جو کافر تمہیں بہکاتے ہیں اُن کے فریب سے بچنا بہتر ہے وہ جھوٹے ہیں۔ وہ تمہارے گناہوں کا بوجھ ہرگز نہیں اُٹھا سکتے۔ لہذا اُن کی پیروی نہ کرو اور دین کو نہ چھوڑو۔

ظلم و شرک تباہی لاتا ہے

دیکھو نوح کی قوم ظلم و شرک سے تباہ ہوئی۔ لوط کی قوم برباد ہوئی۔ ابراہیم نے خدا پرستی اختیار کی تو اسحاق و یعقوب ملے اور ان کی اولاد کو نبوت اور قانون (کتاب و حکم) ملا۔ قوم لوط کے آثار (رہیے میں) اب تک باقی ہیں۔ عاد و ثمود بھی تباہ ہوئے قارون۔ فرعون۔ ہامان بھی تباہ ہوئے۔ لوگو بت پرستی و شرک مکڑی کے جالے سے بھی کمزور ہیں۔

اہل کتاب سے دوستی کرو

اہل کتاب سے حلم و بردباری سے گفتگو کرو، اور اُن سے کہو کہ ہم قرآن کو بھی مانتے ہیں اور تمہاری کتابوں کو بھی مانتے ہیں جو ہمارا معبود ہے وہی تمہارا معبود ہے (وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ) اور اے مومنو مظالم پر صبر کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ (اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ)

معجزہ نہ آنے کی وجہ

جب معجزہ نہیں آتا تو کافر کہتے ہیں کہ رسول پر نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوتیں۔ اُن سے کہدو کہ نشانیاں دینا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ میں تاریخی نشانیاں دیتا ہوں تاکہ تم ظلم کے نتائج سے خبردار ہو جاؤ (اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○) ایمان لاؤ گے تو یہ نصیحت یعنی اتفاق و عدل کی تعلیم تمہارے لئے رحمت ثابت ہوگی (اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)

کافر عذاب مانگتے ہیں

کافر کہتے ہیں کہ اگر تمہاری تاریخی دلیل صحیح ہے تو ہم پر ہمارے مظالم کی وجہ سے عذاب کیوں نہیں آتا؟ اے رسول ان سے کہدو کہ جب وقت مقررہ آپہنچے گا تو یکایک یہ عذاب ایک، انقلاب کی شکل میں آجائیگا اور تم تباہ ہو جاؤ گے۔

نصرانیو! کفارہ بے معنی چیز ہے

یہ نہ سمجھو کہ ایک شخص کا بوجھ دوسرے پر ڈالا جائے گا۔ جو کفر کرے گا وہی سزا پائے گا۔ خدا کا یہ قانون ہرگز نہیں

بدل سکتا کہ جو قومیں بدکار رہیں وہ تباہ نہ کی جائیں۔ (۳۵-الفاطر)

مشرکوں کی شرارتیں

اگرچہ اب جو کچھ قرآنی تعلیم دی جا رہی تھی وہ اس نوعیت کی تھی کہ مسلمان سنیں اور یا اہل کتاب کو پہنچا دیں لیکن مشرک یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے بلکہ جب آپ قرآن پڑھنے لگتے تو وہ شور مچاتے کہ مسلمان بھی نہ سن سکیں۔ بہر حال آپ یہی تاکید کرتے تھے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ خوش اخلاقی سے پیش آئیں اور میٹھی باتوں سے دشمنوں کو دوست بنائیں۔ کفار چاہتے ہیں کہ عذاب کے فرشتے آئیں تو وہ ضرور آئیں گے لیکن جب تباہی سر پر آجائے گی تو پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ توبہ کریں اور عہد کریں کہ اب مظالم نہ کریں گے۔ پھر اتنی مہلت نہیں ملتی کہ قومی تعمیر کر سکیں۔

یہ عذاب کے فرشتے دنیا کی تاریخ میں کئی صورتوں میں ظاہر ہو چکے ہیں مثلاً قوم عاد کے لئے یہ آندھی بن کر آئے اور تباہ کر دیا۔ ثمود کے لئے صاعقہ (کڑک) بن کر آئے اور انھیں فنا کر گئے۔

حزن و خوف دور کرنے والے فرشتے

اسی طرح اللہ پر بھروسہ کر کے صبر و استقامت سے کام لینے والوں پر بشارت دینے والے فرشتے آتے رہے ہیں جو خوف و حزن کو دور کر دیا کرتے ہیں اس بشارت کے لئے اللہ والے بنکر عمل صالح کرنا ضروری ہے (اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ حم السجدہ)

مجوس کی ثنویت اور اللہ کے نشانات

اسی زمانے میں ان مشرکین کو بھی مخاطب کیا گیا جو مجوسی عقیدہ اثنینیت رکھتے تھے۔ اُن سے کہا گیا رات اور دن، چاند اور سورج اللہ کے خالق ہونے کی نشانیاں یا دلیلیں ہیں۔ روشنی اور تاریکی یا یزدان و اہرمن دو معبود نہیں کہ ان کی پرستش کی جائے۔ صرف اللہ کو سجدہ کرو (اُسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ) جس نے انھیں پیدا کیا ہے۔

دشمن سے بھی نیکی کرو

"نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر دشمن سے بھی نرمی سے گفتگو کی جائے تو وہ ایسا دوست بن جائے گا کہ گویا رشتہ دار دوست (ولی حمیم) ہے۔

عربی زبان میں قرآن کیوں ہے

"اس قرآن میں وہی کہا گیا ہے جو پہلے رسولوں سے کہا گیا تھا کہ اللہ نیک کاموں کی جزا اور برے کاموں کی

سزا دیتا ہے۔ اگر عربوں کے سامنے عجمی زبان میں یہ تعلیم پیش کی جاتی تو وہ نہ سمجھ سکتے اور اعتراض کرتے کہ ہم کو کیوں عجمی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے ہم تو عرب ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ بہروں کی طرح سے نہیں سنتے۔ یہی حال موسیٰ کی الکتاب (توراۃ) کا ہوا تھا کہ اس کی زبان جاننے والوں ہی نے اسے جھٹلا اور اس میں اختلاف ڈالا۔ بہر حال پھر سن لو کہ قرآن کی تعلیم کیا ہے

جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے

قرآن یہ کہتا ہے کہ جس نے بھلائی کی تو اپنے لئے کی اور جس نے برائی کی وہ اپنے لئے کی ان کی جزا ملے گی لیکن سزا میں خدا حد سے نہ بڑھے گا یعنی ظلم نہ کرے گا بلکہ اس میں بھی اس کی رحمت شامل ہوگی (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝)

خدا کی نشانیاں اور قیامت

قیامت کب آئے گی۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے البتہ وہ خدا کے وجود کی دلیلیں آفاق میں اور خود اپنے اندر جلد دیکھ لیں گے۔ انھیں خدا کے ہونے میں شبہ ہے۔ حالانکہ، اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے (اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ) (۴۱ حٰم السجدہ)

وفات سیدہ خدیجہ

رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں شعب سے نکلنے کے چند ماہ بعد، سیدہ خدیجہ کی وفات ہوگئی۔ آپ پہلی مصدقہ تھیں اور اپنا مال و آرام رسول اللہ و اسلام کے لئے قربان کر چکی تھیں شعب کے مصائب نے تندرستی برباد کر دی تھی اور ابولہب کی بیوی ام جمیل کی سازشوں نے ذہنی یکسوئی کو ختم کر دیا تھا۔ یہ عورت جسے قرآن نے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (چغل خور اور لڑائی کی آگ لگانے والی) کہا ہے، اتنی بد نفس تھی کہ رسول اللہ کی بیٹیوں کو اس لئے پریشان کیا کرتی تھی کہ آنحضرت اور سیدہ خدیجہؓ نیک خوئی اور صلح جوئی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ کی چار بیٹیاں تھیں۔

۱۔ زینب بنت رسول سنہ ۳۰ عام الفیل یعنی نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوئی تھیں اور سیدہ خدیجہ کی بہن ہالہ کے بیٹے ابوالعاص بن ربیع سے قبل بعثت بیاہی گئی تھیں سنہ ۲ھ میں ابوالعاص غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے اور اس کے فدیہ میں زینب نے حضرت خدیجہ کا وہ گلوبند بھیجا جو انھیں جہیز میں ملا تھا۔ اسے دیکھ کر آنحضرت کی یاد تازہ ہوگئی۔ آپ بہت روئے۔ قلادہ واپس کر دیا اور ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ زینب کو واپس کر دے اس نے بی بی زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ اس کے بعد سنہ ۶ھ میں ابوالعاص مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے اور آنحضرت نے

بی بی زینب کو پہلے نکاح پر اُن کے حوالہ کر دیا (ابن اثیر)

۲۔ رقیہ بنت رسول : ۳۲ ؁ عام الفیل میں پیدا ہوئیں۔ عتبہ بن ابی لہب سے عقد ہوا۔ ام جمیل نے پہلے تو پورے خاندان نبوی کو بہو کی وجہ سے پریشان کیا اور آخر طلاق دلوادی اور حضرت عثمان سے نکاح کر دیا گیا۔ ۵ ؁ نبوی میں اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت حبشہ کی۔ آپ کا انتقال ۲ ؁ھ میں ہوا۔

۳۔ ام کلثوم بنت رسول : ان کا نام آمنہ تھا ۳۴ ؁ میں پیدا ہوئیں۔ یہ ابولہب کے دوسرے بیٹے کو بیاہی گئی تھیں اور رقیہ سے دو سال بعد پیدا ہوئی تھیں۔ ان کو بھی ام جمیل نے طلاق دلوادی تھی۔
سیدہ رقیہ بنت رسول کی وفات کے بعد ۳ ؁ھ میں آپ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کیا گیا لیکن شعب کی زندگی نے ان کی تندرستی خراب کر دی تھی۔ ۹ ؁ھ میں انکا بھی انتقال ہو گیا۔

۴۔ فاطمہ زہرا ۲ ؁ھ میں آپ کا نکاح حضرت علی سے ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر بروایات مختلفہ نو سال، بارہ سال یا بیس سال کی تھی۔ ہم آخری روایت قرین قیاس سمجھتے ہیں۔ اس اعتبار سے، سیدہ فاطمہ کی ولادت ۳۵ ؁ عام الفیل میں نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی جبکہ سیدہ خدیجہ کی عمر پچپن ۵۵ سال کی تھی اور آنحضرت سے نکاح کو پانچ چھے سال ہو چکے تھے۔ ولادت سے ہجرت مدینہ تک آپؓ رسول کریم کے ساتھ تھیں شعب کے زمانے میں آپ کی عمر بارہ سال کی تھی۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوہ بہن ام کلثوم بھی شعب ابی طالب میں تھیں۔ رسول اللہ کی وفات کے چھ ماہ بعد آپ ۱۱ ؁ھ میں وفات پا گئیں۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب آنحضرت نے اپنے اہل و عیال کو مدینہ بلوایا تھا تو حضرت عباس (باوجودیکہ اُس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) سیدہ فاطمہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ) کو مدینہ لے چلے۔ اتنے میں الحویرث بن نقید نے ان پر نیزہ چلایا اور یہ دونوں اونٹ سے گر گئیں (ابن ہشام ج ۲۔ ص ۲۷۲ ذکر فتح مکہ) ابن ہشام نے لکھا ہے کہ الحویرث کو ایک غلام کے قتل کے بدلے میں بعد فتح مکہ قتل کیا گیا۔

تاریخ الخمیس میں بحوالہ کتاب الغزی لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ نے اپنے گھر میں انتقال کیا جس کا نام دار خزیمہ تھا۔ اسے مولد فاطمہ بھی کہتے تھے اسی مکان میں آنحضرت سے ان کی تمام اولاد پیدا ہوئی اور ہجرت تک آپ اسی مکان میں رہے۔ سیدہ خدیجہؓ کی حیات میں آپؐ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال چھے ماہ اور آنحضرت کی عمر انچاس سال آٹھ ماہ چودہ یوم تھی۔ سیدہ خدیجہ حجون میں دفن کی گئیں اور آنحضرت نے خود

قبر میں اتارا۔ رسول اللہ کے دل میں ہمیشہ اپنی مرحوم بیوی کی یاد قائم رہی۔

شیخ قبیلہ ابوطالب کی وفات

شعب ابی طالب سے نکلے ہوئے چند ماہ گزرے تھے کہ شیخ قبیلہ ہاشمیہ ابوطالب کا انتقال ہوگیا۔ وفات کے وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ موجود تھے۔ حضرات حمزہؓ و علیؓ بھی موجود تھے اور آنحضرت بھی تھے۔ آنحضرت نے آپ کے لئے دعائے مغفرت کی اور وہاں بھی لوگوں کو توحید کی طرف بلایا۔ مشرک ہنسنے لگے اور بولے أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص) یعنی عجیب بات ہے کہ محمدؐ نے بہت سے دیوتاؤں کو واحد بنا دیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ بہت سے معبودوں کی عبادت میں یہ فائدہ ہے کہ ایک نے دعا نہ سنی تو دوسرے سے التجا کر سکتے ہیں۔ ایک خدا ہونے سے کیا فائدہ!

ابوطالب کی حمایت کی وجہ سے اب تک مشرکین مکہ کی یہ ہمت نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ کو قتل کر سکتے۔ اب شیخ قبیلہ ابولہب قرار پایا۔ وہ اگرچہ آنحضرت کا سخت دشمن تھا لیکن شیخ بننے کے بعد آنحضرت کے پاس آیا اور انھیں اپنی حمایت کا یقین دلایا لیکن بقول بعض وہ عقبہ بن ابی معیط اور ابوجہل کے کہنے سے آنحضرت سے برگشتہ ہوگیا (روضۃ الاحباب) اور بقول دیگر آنحضرت نے اسے قبول نہ کیا۔ اب آپ کی زندگی اس طرح کی ہوگئی جیسے ایک مجرم کی ہوتی ہے یعنی جو چاہے قتل کر دے اور قاتل سے پوچھنے والا اور قصاص لینے والا کوئی نہ ہو۔ آپ کا صرف ایک منہ بولا بیٹا زیدؓ تھا، جو قبائلی قانون کے مطابق آپ کا جائز وارث مانا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جو چند آنا د مسلمان ہجرت حبشہ سے باقی رہ گئے تھے وہ اپنی اپنی مصیبتوں میں گرفتار تھے اور سوائے خفیہ امداد کے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔

رسول اللہ کے ظالم ہم وطن

شعب میں جانے سے پہلے ہر قبیلہ والا اپنے اپنے افراد پر مظالم کرنے میں آزاد تھا سوائے ابولہب کی بیوی کے اور کسی غیر قبیلہ والے کی اتنی ہمت نہ تھی کہ علانیہ رسول اللہ پر حملہ کر سکے لیکن شعب سے نکلنے اور شیخ قبیلہ ابوطالب کی وفات کے بعد وہ زمانہ آگیا کہ رسول اللہ کا کوئی حامی نہ رہا۔ اب بدمعاشوں نے علانیہ آنحضرت پر حملے شروع کر دیئے اور اب یہ حالت ہوگئی کہ اگر آپ کو کوئی قتل کر دیتا تو کوئی نہ پوچھتا۔

ایک دن ایک سفیہ نے آپ کے سر پر خاک ڈالدی۔ آپ گھر میں خاموشی سے چلے گئے۔ آپ کی ایک لڑکی (سیدہ فاطمہ یا ام کلثوم) نے سر دھوتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا بیٹی نہ روؤ

اللہ تیرے باپ کو بچائے گا (لا تبکی یا بنیۃ فان اللہ مانع اباک (ابن ہشام ذکر وفات خدیجہ)
رسول اللہ ایذا رسانوں سے صرف یہ کہتے کہ "اے بنی عبد مناف تم کیا خوب حق ہمسائگی ادا کرتے ہو!"
عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ رسول اللہ کعبہ کے سامنے نماز میں مشغول تھے۔
عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں چادر ڈال کر اتنا مروڑا کہ آپ کا دم گھٹ گیا۔ جناب ابوبکر یہ دیکھ کر دوڑ
پڑے اور عقبہ کو بھگایا اور کہا کہ ظالمو! کیا صرف اتنی بات پر ایک شخص کی جان لینا چاہتے کہ وہ اپنا آقا اللہ
کو مانتا ہے (اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینت : قرآن) اس پر
وہ لوگ حضرت ابوبکر پر پل پڑے اور انھیں خوب مارا (صحیح بخاری مالقی النبی من المشرکین)
ایک دن ابو جہل نے ایک اونٹ کی اوجھڑی منگوائی اور سجدہ کی حالت میں آپ کی پیٹھ پر رکھوادی۔
مشرکین قہقہے لگانے لگے۔ عبداللہ بن مسعود موجود تھے مگر ان کی ہمت نہ پڑی کہ آپ کی مدد کر سکتے سیدہ فاطمہ نے
آکر اوجھڑی ہٹائی۔ (صحیح بخاری۔ ابن مسعود۔ کتاب الجہاد)
اب وہ زمانہ آگیا کہ مکہ کے شراب خانوں کی قینات (آوارہ گانے والیوں) نے رسول اللہ کی ہجو
میں علانیہ گانا شروع کر دیا۔ اوباشوں نے گلیوں میں آوازے کسنے شروع کئے۔ سرداران قریش کے استہزا کا
مرکز بھی آنحضرت قرار پائے۔ ابو جہل کہنے لگا اے عبد مناف وہ دیکھو تمہارا نبی آرہا ہے۔ عقبہ نے کہا نبی تو
کیا اگر وہ فرشتے بھی بننے لگیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ آنحضرت ان بزدلوں کی شرارتوں سے درگذر فرما
دیا کرتے تھے۔ لیکن آخر کب تک! ابو جہل سے آپ نے فرمایا کہ "تیرے لئے وہ وقت قریب ہے جب
تو ہنسے گا کم اور روئے گا زیادہ" پھر عتبہ سے کہا کہ تم ضدی آدمی ہو۔ تم نے کبھی حق کی حمایت نہ کی اور دوسروں
کی طرف ہو کر فرمایا کہ وہ دن دور نہیں جب تم راہ ہدایت پر پڑ جاؤ گے۔" (تاریخ طبری ۱۲۳)

رسول اللہ الی العالمین (۲)

حصہ دوم۔ وفات ابو طالب سے جوار مطعم بن عدی تک

جلاوطنی یا موت

(۲۷ر شوال سنہ نبوی مطابق مارچ ۶۱۹ء) تا ۲۳ر ذی قعدہ سنہ مطابق اپریل ۶۱۹ء)

(تاریخ الخمیس)

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا	جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا آقا ہے اور پھر اس قول پر مضبوطی سے جم جاتے ہیں اُن پر اللہ خوف و حزن دور کرنے کے لئے اپنے فرشتے نازل کرتا ہے۔
(حٰمٓ السجدہ)	(حم سجدہ) (دیکھئے حصہ اول)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ، قَوْلُهُ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ ۝ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ (الانعام)

(فیصلہ کرنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے اسی کا فیصلہ حق ہے وہی بہترین قاضی ہے وہی قیامت میں جج ہوگا)

غم کیست کہ گرد دل مرداں گردد — غم گرد فسردگاں و سرداں گردد (جامی)
اندر دل مرداں غم اندر پائیست — کز موج خوشش گنبد گرداں گردد

شوال سنہ کی تاریک راتیں شروع ہو رہی تھیں۔ موسم معتدل تھا اور بہار کے ریگستانی پھول اپنی جانفزا نکہتوں کو فضا میں پھیلا رہے تھے۔ مکہ میں ماہ حرام ذی قعدہ کی آمد کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور مکہ والے دور دور سے اپنے وطن واپس آ رہے تھے تاکہ حج کے بہارستان کا لطف اٹھائیں اور حاجیوں اور تاجروں کے ذریعے اپنی جیبیں گرم کریں۔

لیکن . . . یہ کون ہے جو ایسے آنے والے پرامن و پرلطف زمانے کو چھوڑ کر صعوبت سفر اختیار کر رہا ہے اور چاندنی راتوں کی آمد کا بھی انتظار نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے جو اسی کی طرح کالی کملی میں لپٹا ہوا اور اسی کی طرح خاموش اور چوکنا ہے۔ قاتل تو یہ ہو نہیں سکتے۔ اس لئے کہ عربوں کا یہ دستور نہیں کہ سوتے ہوئے دشمن پر تلوار چلائیں وہ تو للکار کر مارتے ہیں۔ سارق بھی نہیں معلوم ہوتے، اس لئے کہ اُن کے سفری تھیلوں میں سوائے تھوڑی سی کھجوروں اور ستو کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ پھر نہ تو کوئی سواری کی اونٹنی ہے، نہ ہتھیار کہ یہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ مسافروں پر شب خون مارنے چلے ہیں۔ لیکن ان کی سرعت رفتار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس طرح جا رہے ہیں کہ کوئی دیکھ نہ لے اور ان کا جرم نہ کھل جائے۔

یہ سارق ہیں نہ قاتل، ڈاکو ہیں نہ مجرم، بلکہ اپنی جان بچا کر اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جلاوطنی پر مجبور ہو رہے ہیں۔ ان میں سے ایک باپ ہے دوسرا بیٹا ایک محمد صلعم ہیں اور دوسرے زیدؓ۔

ان کا جرم یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کو اور کل دنیا کے غلاموں کو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتے ہیں وہ شیطان پرستی کی جگہ خدا بندگی سکھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شیطان کے دھوکے میں آکر اگر ظلم و نفاق اور غلام سازی کرتے رہوگے تو تاریخ گواہ ہے (وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ) کہ تم تباہ ہو جاؤ گے بُرے کام کا بُرا نتیجہ ہے۔

اہل وطن کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے کہ ہمیں کون سزا دے سکتا ہے۔ نہ تو ہم خدا کو مانتے ہیں۔ نہ ایسے خدائی پیغام کو۔ بھلا مر کر بھی کوئی زندہ ہوا ہے اور ظلم کرنا تو شرافت کی دلیل ہے۔

رسول عربی نے غالباً یہ تاریک راتیں اسی لئے منتخب کی ہیں کہ کوئی دیکھ نہ لے ورنہ رات تو رات، دن کو بھی کوئی قتل کر دے تو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ تین دن میں یہ دور نکل جائیں گے اور ماہ حرام ذی القعدہ شروع ہو جائے گا۔ اس وقت نہ تو اہل وطن قتل کا ارتکاب کریں گے اور نہ باہر والے لوٹ مار کر سکیں گے۔

طائف

مکہ سے ستر میل کے فاصلہ پر طائف ایک جنت ہے جو باغوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں پانی کی بہتات ہے۔ اسی لئے ہر قسم کی ترکاریاں اور انگور، انار، آڑو، تربوز، خربزہ، انجیر اور بیر وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس شہر کے گرد ایک مضبوط شہر پناہ ہے۔

طائف کے راستے میں عرب عاربہ یعنی عرب کے اصلی باشندوں کے قبیلے بھی آباد تھے۔ ان کا اصلی

مسکن یمن تھا۔ ان میں ایک قبیلہ تیم اللات بھی تھا۔ یعنی یہ لاتِ دیوی کے بندے تھے۔ لات دیوی خصوصیت سے قبیلہ ہوازن کی دیوی تھی۔ اس قبیلہ کا تعلق بنو عدنان سے تھا یعنی یہ حضرت اسماعیل کی اولاد تھے۔ ان ہی کی ایک شاخ بنی سعد میں آنحضرت نے بچپن میں تربیت پائی تھی اور ہوازن ہی کی ایک شاخ بنی ثقیف تھی جس کا تسلط شہر طائف پر تھا۔ لات دیوی کے پروہت بنی معتب تھے۔ اس دیوی کو ۹ھ میں مغیرہ نے توڑا۔

طائف سے ایک رات اور مکہ سے تین رات کے فاصلہ پر مقام عکاظ تھا۔ جہاں ہر سال زمانہ جاہلیہ میں ایک بڑا میلہ لگا کرتا تھا۔ ویسے تو ہر اتوار کو اطراف کے لوگ اپنا مال بیچنے کے لئے بازار لگاتے تھے لیکن سالانہ میلے میں جو دکانیں لگتی تھیں اُن کا سلسلہ طائف سے نخلہ تک دس میل لمبا ہوجاتا تھا (ول ہاؤسن ر۔ع۔ ۵۔ ص ۸۸ - ۹۱) یہ میلہ زراعتی سامان کے علاوہ ہند و یمن کی مصنوعات بھی فراہم کرتا تھا اور یہیں عرب کے بڑے بڑے شعرا اور شہسوار اپنا کمال دکھاتے تھے۔ شراب کی مجلسیں جمتی تھیں اور ساقی بچے مجلسوں میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے (کَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّنْثُوْرًا) یہ میلہ ایک مہینہ تک قائم رہتا تھا اور چونکہ بچپن میں آنحضرت نے اسی نواح میں پرورش پائی تھی لہذا آپ نہ صرف عربی شاعری و خطابت سے واقف تھے بلکہ عکاظ اور مکہ میں رہ کر وہ ساحروں کاہنوں اور پروہتوں کے کرتوتوں سے پوری طرح واقف ہوگئے تھے۔ ان ہی مقامات پر آپ نے غیر ملکیوں اور عربوں کی ذہنی و سوشل حالت کا گہرا مطالعہ کیا۔ طائف اور مکہ ہی دو شہر تھے جن سے پوری مشرقی تجارت مصر اور روم تک پہنچتی تھی۔ اس زمانے میں تین بڑی تجارتی شاہراہیں تھیں۔ خلیج فارس سے جوف اور مکہ تک جو شاہراہ تھی وہ دمشق تک جاتی تھی۔ دجلہ سے وادی الرمہ ہوتی ہوئی خیبر تک دوسری شاہراہ تھی تیسری سب سے اہم شاہراہ صنعائے یمن سے طائف ہوتی ہوئی مکہ اور وہاں سے یثرب (مدینہ) اور معان ہوتی ہوئی شام تک جاتی تھی اور اس شاہراہ پر ہر موسم بہار میں ایک بڑا میلہ عکاظ میں لگتا تھا۔

غرض کہ آپ مکہ سے نکل کر بنی بکر اور قحطان کے بعض قبیلوں کے پاس تشریف لے گئے لیکن کہیں ٹھیرنے کی صورت نظر نہ آئی۔ آخر کار طائف پہنچے۔ یہاں آنحضرت کے چچا عباس کی بہت کچھ جائداد تھی اور قریش میں سے دوسروں کی بھی جائدادیں تھیں۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی یہاں کے رئیس تھے۔ جب آنحضرت نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور خواہش کی کہ اسلام کی نصرت کریں اور ان کی مخالف قوم سے بچائیں تو ایک بولا کہ اگر خدا نے تجھ جیسے شخص کو اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے تو وہ کعبہ کے

بڑے کو بھاڑ رہا ہے"۔ دوسرے نے کہا کہ "کیا خدا کو تیرے سوا کوئی ایلچی نہ ملا جس کے پاس چڑھنے کو سواری تک نہیں ہے"۔ تیسرا بولا کہ "میں تجھ سے بات ہی نہ کروں گا۔ اس لئے کہ اگر تو واقعی خدا کا ایلچی ہے تو تجھ سے بات کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر نہیں ہے تو بات کرنے کے لائق نہیں ہے"۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ گفتگو اگر اپنے ہی تک محدود رکھے تو بہتر ہوگا اور رسول اللہ نے اسے بہتر نہ سمجھا کہ یہ خبر قریش تک پہنچے اور وہ آنحضرت کے لئے زیادہ باعث تکلیف بن جائیں۔

اب تینوں نے اپنے غلاموں اور اوباشوں کو آنحضرت کے پیچھے ڈال دیا۔ جو گالیاں دیتے تھے۔ شور مچاتے تھے اور پتھر مارتے تھے۔ آپ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ تا آنکہ خون بہ بہ کر چپل تک پہنچا اور وہ پیر میں چپک گئیں۔ زیدؓ کا بھی سر زخمی ہوا۔ آپ ایک خرمے کے درخت کے نیچے گر پڑے اور یہ دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ	الٰہی اپنی کمزوری، کم سامانی اور لوگوں کی اہانت کی فریاد تجھ سے کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم والا ہے تو ہی کمزوروں کا آقا ہے۔ (الخ)

اسی طرح جب آپ درد و کرب سے بیٹھ جاتے تو بدمعاش آپ کو پکڑ کر اٹھا دیتے حتیٰ کہ آپ نے عتبہ و شیبہ کی انگور کی باغ میں پناہ لی۔ انھوں نے اپنے نصرانی غلام عداس کے ہاتھ انگور کا ایک خوشہ بھیجا تو آپ نے قبول فرمالیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر کھانا شروع کیا۔ عداس نے "رحمان" کا نام سنا تو پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ آپ نے بتایا کہ میں رحمان کا نبی ہوں۔ عداس نے بتایا کہ میں نصرانی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں آنحضرت اس شہر کی تاریخ سے واقف تھے۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں میرا ایک بھائی یونس نبی آچکا ہے اور میرا حال بھی تمہارے نبیوں کی مانند ہے کہ خود اس قوم کے لوگ اسے ایذا دے رہے ہیں۔ یہ سن کر عداس نے آپ کے ہاتھ پاؤں اور سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ واقعی آپ نبی ہیں۔

سورہ جن اور علم غیب

واپسی پر آپ رات کو مقام نخلہ میں ٹھیرے اور تلاوت قرآن کی۔ وہاں کچھ جنوں نے قرآن سنا۔ لیکن آپ نے انھیں دیکھا نہیں۔ البتہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ تمہارا قرآن جن سن رہے ہیں۔ اس سورہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ جنوں کو علم غیب ہوتا ہے اور وہ کاہنوں کو بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعی غلط ہے۔ صرف اللہ عالم الغیب ہے۔

اسکے بعد سورہ الحمد کا نصف اول نازل ہوا۔

سورۃ الحمد چونکہ موجودہ ترتیب قرآن میں یہ فاتحہ الکتاب ہے۔ اس لئے یہاں ہم پوری سورۃ درج کئے دیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ کثرت تعبیر سے اس سورہ کا مفہوم کیا سے کیا ہوگیا ہے۔

اسماء عام تفاسیر سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ سورہ الحمد کے ننانوے نام ہیں۔ کافیہ، شافیہ، سبع مثانی، کنز، ام القرآن وغیرہ وغیرہ اور کہا جاتا ہے کہ اس سورہ میں قرآن کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ لیکن تاریخی فیصلہ یہ ہے کہ پہلی سورہ العلق ہے اور اس میں اسلام کی تعلیم کا نچوڑ ہے اور اسی کے مضامین کو بار بار مختلف پیرایوں میں قرآن میں ادا کیا گیا ہے۔

خود محدثین کہتے ہیں کہ اس سورہ کے نصف مضامین مکہ میں اور نصف مدینہ میں نازل ہوئے۔ بہر حال اسے الفاتحہ اس لئے نہیں کہتے کہ یہ سب سے پہلے نازل ہوئی بلکہ اسے قرآن کے شروع میں رکھدیا گیا ہے۔ اس لئے موجودہ ترتیب قرآن میں یہ الفاتحہ ہے۔

ام القرآن "یہ ام القرآن" اس لئے نہیں ہے کہ یہ جملہ بھی قرآنی نہیں۔ لیکن قرآن میں ام الکتاب کا جملہ سورۃ الرعد کے چھٹے رکوع میں استعمال ہوا ہے۔ (عِنْدَہٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ) اور اس "ام الکتاب" یا سرچشمہ علم و قانون سے دنیا والوں کو بقدر استعداد مختلف زبانوں میں علم یا "کتاب" دیا جاتا ہے (لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ، يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ، عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ) (الرعد) وہ "ام الکتاب" خدا کے پاس ہے۔

سبع مثانی یہ جملہ سورہ الحجر (رکوع ۶) میں استعمال ہوا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ سورہ پندرھویں سورہ ہے۔ اور سورہ الحمد کا نمبر بیاسی ہے یعنی سبع مثانی کا جملہ بہت پہلے نازل ہو چکا تھا۔ لہذا سبعا من المثانی سے سورہ الحمد مراد لینا درست نہیں۔ اصل میں سبعاً کے معنی سات نہیں بلکہ کئی کے ہیں اور المثانی ان کتب قدیمہ یعنی (توراۃ، زبور وغیرہ) کو کہتے ہیں جن پر قرآن نے بار بار توجہ دلائی۔ مقصد صرف یہ ہے کہ خدا نے متعدد احکام بار بار بیان کئے ہیں۔ اسی لئے قرآن کے متعلق سورہ الزمر (رکوع ۳) میں کہا گیا کہ یہ بہترین کلام ایسی تعلیم پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے مشابہ ہے اور پہلے بھی بار بار نازل ہو چکا ہے (اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ) الزمر رکوع ۳)

کتبہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی الگ الگ آیتوں اور سورتوں کا فہم صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب

پوری سورۃ بلکہ ایک دور کی جملہ سورتوں کا ماحصل سامنے رکھا جائے مختلف آیتوں اور سورتوں کو ترتیب تنزیل سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ اسی طرح قرآن پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ کتب، صحف، آیات، کلام، نور، ہدایت، تنزیل غرضکہ اس طرح کے جتنے لفظ الفرقان یا قرآن میں آئے ہیں ان کا منشا یہ نہیں ہے کہ مقصود صرف قرآن کی آیات و حکم ہوں بلکہ جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ نبی اللہ کی کتابیں ہیں ان سب پر ایمان لانا ہر مسلم کا فرض ہے (وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ بقرہ) یعنی یہ قرآنی تعلیم "مثانی" بار بار بیان ہونے والی تعلیم ہے اور گذشتہ نبیوں کی کتابوں میں بار بار بیان ہو چکی ہے۔ وہ کتابیں "سبع" یعنی متعدد ہیں۔ مثلاً صحیفہ ابراہیمی صحیفہ موسیٰ، زبور داؤد، امثال سلیمان و حکیم لقمان، انجیل یحییٰ و عیسیٰ، وندیداد، زند، اشتر دیدانت ہند، چار مقالہ بودھا اور دوسری کتابیں

نزول سورۃ الحمد سورۃ الحمد کا نصف اوّل آنحضرت کے شعب سے نکلنے اور طائف سے واپسی کے بعد نازل ہوا۔ پھر آخری آیت مدینہ میں نازل ہوئی جہاں یہود و نصاریٰ تھے اور صراط کا لفظ عام طور سے رائج تھا اور جس جگہ مغضوب علیہم سود خوار مغرور، یہودی پناہ گزینوں کی بڑی تعداد تھی۔ شعب ابی طالب سے سنلہ نبوی میں تین سال کے مصائب سے نجات ملی تو آنحضرت طائف تشریف لے گئے۔ شعب میں منجملہ اور سورتوں کے سورۂ یوسف نازل ہوئی۔ جس میں سورۃ الحمد کا پورا تصور موجود ہے۔ پھر طائف سے واپسی کے بعد نخلہ میں سورۂ الجن نازل ہوئی جس سے "عالمین" کا تصور واضح ہو جاتا ہے اسی زمانے میں سورۂ اسرار نازل ہوئی جس میں بنو اسرائیل کی طرف توجہ کا اشارہ ہے یہی وہ زمانہ ہے جب دنیا میں کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی کہ آپ قطعی ہراساں اور نا امید نہیں ہوئے۔ سورۃ الحمد اسی کشمکش اور ابتلا کے زمانہ کی یادگار ہے۔ اسی لئے سورہ یوسف اور سورہ جن کا مطالعہ اس سے پہلے ضروری ہے

سورۃ الحمد اور سورہ یوسف شعب ابی طالب کے محاصرہ کے زمانہ میں سورہ یوسف نازل ہوئی تھی۔ اگر وہی حالات کسی قوم یا فرد پر طاری ہوں جو اس وقت مسلمانوں کے تھے تو اُن بے کسوں اور مجبوروں کے لئے پھر سورہ یوسف ایک پیغام ربانی ہے جو فتح و نصرت کا یقین پیدا کرتا ہے (لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ: یوسف) اس کے بعد سورۃ الحمد نازل ہوئی ہے۔

بعض الفاظ جو دونوں سورتوں میں ہیں:۔

ربا: بمعنی آقا۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ ( ) یوسف نے زلیخا سے کہا کہ تیرا شوہر میرا رب (آقا) ہے۔ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا (۴۱) تم میں ایک اپنے آقا (رب) کو شراب پلائے گا۔ اُذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۔ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ وغیرہ میں رب بمعنی آقا کے ہیں۔

العالمین بمعنی انسان، قومیں، لوگ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۰۴) یہ قرآن لوگوں کیلئے نصیحت ہے۔

ضلال ، ششش و پنج، اضطراب۔ دھوکا۔ بھول چوک، شک : مثلاً زلیخا کو کہا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳۰) اور حضرت یعقوب کو کہا قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (۹۴)

دین بمعنی قانون (طریق زندگی۔ (۵) مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ وہ اپنے بھائی کو شاہی قانون میں نہ پکڑ سکتا تھا۔ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ، حقیقی قانون زندگی یعنی الدین کیا ہے اسلام یا خدا بندگی ہے (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ)

الصراط المستقیم صراط کا رومی لفظ مدینہ میں استعمال ہوا ہے۔ سورہ یوسف میں صراط مستقیم کے لئے "اَلدِّيْنُ الْقَيِّمُ" کا لفظ ہے۔ الصراط المستقیم اسلام کا دوسرا نام ہے اور اسلام عبودیت رب کو کہتے ہیں (اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ) سورہ یوسف میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ عبودیت رب یا خدا کی غلامی کا دوسرا نام الدین القیم ہے (اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

نعمت و انعام مشرک نہ ہونا اور موحد ہونا ہی فضل و انعام الٰہی ہے (مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۔ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ،

سورۃ الجن اور سورۃ الحمد

العالمین: اس لفظ کا تلفظ عالمین کیا جاتا ہے اگر ہم سورۃ الجن کو دیکھیں تو اس میں "ثقلین" کا لفظ انس و جن کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح الرحمٰن میں "مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" سے بار بار تخاطب ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں العالمین کا لفظ ہے وہ تثنیہ کا صیغہ ہے اور عالم انس اور عالم جن کے دو عالموں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ نحویوں نے یہ قاعدہ کلیہ تسلیم کر لیا ہے کہ اگر تثنیہ کا صیغہ صرف دو تک محدود ہو تو اس کو مجموع کی شکل میں استعمال کر سکتے ہیں۔ غرض کہ عالمین کے معنی انسانوں کے ہیں یا اگر اسے

تثنیہ مانا جائے تو جن وانس کے لئے لا سکتے ہیں۔ دو عالموں یا کل جہان سے اس کا تعلق نہیں رھذٰا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ) یہ قرآن انسانوں کے لئے ہے۔ نہ کہ جمادات، نباتات حیوانات، ناسوت، ملکوت، لاہوت وغیرہ اٹھارہ ہزار عالم کے لئے۔

یوم الدین "دین" کے معنی نہ صرف سامی بلکہ آریائی زبانوں میں بھی "قانون" کے ہیں۔ یوم الدین سے مراد وہ دن ہے جس روز قانونی یعنی عادلانہ فیصلہ ہو گا۔

یوم الدین یا یوم الحساب و یوم الفصل بھی ایک فلسفیانہ بحث کی چیز بن گئی ہے۔ مختلف اقوام میں یہ تصور موجود ہے کہ ہم جیسا عمل کریں گے اس کا نتیجہ ہمیں ضرور ملے گا۔ نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ ملنا ناگزیر ہے خواہ اس زندگی میں ملے یا مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کئے جائیں تو اس وقت ملے۔ قرآن نے یہ بتایا ہے اور شروع کی تعلیم ہی میں بتایا ہے کہ اسی زندگی میں آخرہ یعنی بعد میں آنے والی حالت، اولیٰ یعنی گزری حالت سے بہتر ہوتی جاتی ہے اور نیک عمل انسان برابر بہتری کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے (الانشراح) اور مختلف سورتوں میں بتایا ہے کہ بدعملی سے اسی دنیا میں قومیں تباہ ہوتی آ رہی ہیں یعنی اسی دنیا میں سزا ملتی رہی ہے۔

لیکن بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ باوجود فاسد عملی کے مختلف لوگ اور مختلف قومیں اس دنیا میں سزا نہیں پائیں بلکہ عرصہ دراز تک اپنے ظلم وجود سے دنیا والوں کو تنگ کرتی رہتی ہیں۔ اس کی وجہ قرآن نے یہ بتائی ہے کہ مظلوم قومیں یا مظلوم افراد خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ ان کا فرض تھا کہ وہ ظالموں کے خلاف جہاد شروع کر دیتے۔ یا کم از کم اس کی تیاری میں جان کھپا دیتے۔ اور اگر اس تیاری کی حالت میں انھیں موت آ جاتی تو عزوشرف کی موت ہوتی اور آئندہ زندگی میں بھی اس کا اجر ملتا لیکن ظالموں اور بدکاروں کو ہمیشہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ اس دنیا میں ظلم کر کے مر جاؤ گے اور دوبارہ پیدا کر کے تمہیں خالق اقوام سزا نہ دے گا۔ خدا ملک یوم الدین ہے۔ اس دن وہ ذرہ ذرہ کا حساب کر کے آخری فیصلہ کرے گا۔ یہ دنیا آخری فیصلہ کی جگہ نہیں ہے یہاں ہر انسان اپنے اعمال کا مختار کل ہے۔

قدیم مصریوں میں یہ تصور عام تھا کہ مرنے کے بعد انسانی روح نہیں مرتی بلکہ وہ سورج کے مختلف برجوں میں سحر کے زور سے گردش کرتے کرتے "را" (اعظم) یا "را" تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی تصور دوسری شکل میں قدیم بابل میں بھی تھا۔ ہندی آریوں کے فلسفیوں اور بعض یونانی اور مصری فلسفیوں، اور چند وحشی اقوام میں بھی یہ تصور عام تھا کہ انسان ہی نہیں بلکہ حیوان کے مرتے ہی اس کی روح کسی دوسرے قالب میں پیدا کر دی جاتی ہے اور

اپنی گذشتہ زندگی کے اعمال کی سزا یا جزا باقی رہتی ہے۔ یہ تناسخ یا پیدائش کا چکر برابر جاری رہتا ہے اور نیک عملی ہی سے اس مخمصے سے نجات مل سکتی ہے۔ مہاویر اور گوتم بدھ بھی تناسخ سے نجات کو فراغت کاملہ یا جنت کہتے ہیں۔ بہرحال تصورات کے ادا کرنے کے مختلف طریقے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یوم الحساب اور بعث بعد الموت دونوں کا منشا ایک ہی ہے کہ بدعملی کا نتیجہ عذاب دائم اور نیک عملی کا ثواب و مسرت ہے خدا جزائے اعمال دینے والا ہے اور وہ ملک یا قاضی ہے جو ضرور عادلانہ فیصلہ کرے گا۔ سورۃ الحمد میں اس تصور کو اس وقت بیان کیا گیا ہے جبکہ عرصہ تک مشرکین مکہ کو یہ بتایا جا چکا ہے کہ تم اپنی بدعملی ظلم اور شرک کی بدولت ایک دن اسی دنیا میں قدیم اقوام کی طرح تباہ کر دیئے جاؤ گے اور اتفاق سے بچ گئے تو مرنے کے بعد پیدا کئے جاؤ گے اور سزا پاؤ گے۔

تحقیق بقیہ الفاظ سورۃ الحمد

مٰلک: بادشاہ: قاضی القضاۃ: آخری فیصلہ کنندہ، دنیا میں یہ تصور عام تھا کہ بادشاہ ہی آخری فیصلہ کنندہ اور حکم ہوتا ہے۔ وہی قومی فوج کا سپہ سالار ہوتا ہے، اور وہی ہر محکوم کی جان، مال، عزت آبرو کا مالک یا خداوند ہوتا ہے بعض قوموں میں اسے آسمانی بادشاہ سورج کا اوتار مانا جاتا تھا جیسے مصر میں فرعون۔ بابل میں بعل (سورج) کا اوتار حمورابی اور ہند میں سورج بنسی راجہ وغیرہ

قرآن نے خدا کو اسی لئے ملک کہا (مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ) وہی ملک الملک ہے۔ وہی آخری فیصلہ کنندہ ہے (اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ۔ خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ۔ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ۔ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ) سے ثابت ہے کہ آج وہ فیصلہ نہ کرے گا۔ قیامت کے دن ملوکیت کی شان میں ہوگا۔ لہٰذا آخرت میں فیصلہ کرنے والے کا تصور اس طرح بتایا ہے کہ وہ یوم الدین میں ملک یا قاضی یا فیصلہ کرنے والا بادشاہ ہوگا۔ آج وہ آخری فیصلہ نہیں کرتا۔ اس لئے وہ اگرچہ مالک ہے لیکن آج اس نے انسان کو اختیار دے رکھا ہے کہ اچھا عمل کرے یا برا۔ اس کی جزا سزا قیامت کے دن دے گا۔ لہٰذا آج وہ مالک ہے، کل یعنی روز قیامت کو ملک ہوگا۔

اِنَّا نَحْنُ اکثر جگہ قرآن میں اس شان ملوکیت کے اظہار کے لئے قرآن نے خدائے واحد کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ یہی شاہانہ طرز خطاب تھا اور ہے مثلاً اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ یا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یا اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سب سے ثابت ہے کہ

سورہ الحمد میں مٰلک ہے نہ کہ مالک : یہی قرأت امام مالک کی بھی ہے ۔

عبد : نَعۡبُدُ میں رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کی نسبت سے عبودیت و غلامی ترجمہ ہونا چاہیئے ۔ غلام کا کام حکم ماننا ہے نہ کہ صرف آقا کے حمد کے ترانے گانا۔ اگر حمد کرنے کا حکم ہے تو وہ بھی عملی حمد ہو یعنی غلامی کے تصور میں کل احکام کے ماننے کا تصور آجاتا ہے ۔

غضب : سب سے بڑی نعمت یہ بتائی گئی ہے کہ انسان خدا کا بندہ ہو۔ شیطان سے اجتناب کرتا ہو۔ اس میں اسی کا بھلا ہے۔ لہذا غضب ضد ہے نعمت کی یعنی جو شخص مشرک یا منکر ہو وہ مغضوب ہے ۔

سورۃ الحمد کے الفاظ کا مختصر مفہوم

الحمد : ہر قسم کی عملی شکر گذاری یعنی بندگی (نہ صرف زبانی تعریف)

اَللّٰہِ : ال الہ : وہ معبود جو خالق و علیم ہے

رَبِّ : آقا ۔ خواجہ (نہ کہ پروردگار) (نعبد کی نسبت سے رب کا تصور)

الۡعٰلَمِیۡنَ : قومیں ۔ انسان (نہ کہ کل عالم ۔ (جن و انس) ۔

الرَّحۡمٰنِ : اللہ : وہ نام جو نصرانی وغیرہ اللہ کے لئے استعمال کرتے تھے (نہ کہ رحمت کرنے والا)

مٰلِکِ : قاضی ۔ بادشاہ (نہ کہ مالک)

دِین : قانونی فیصلہ (ملکِ رحیم کی نسبت سے)

اِسۡتِعَانَۃ : کسی کام میں صبر و صلوۃ کے ذریعے مدد مانگنا یعنی عمل کرنا اور خدا پر بھروسہ کرنا)

نَعۡبُدُ : ہم غلامی کرتے ہیں (نہ کہ پوجا کرتے ہیں) رب کی نسبت سے عبد)

ھِدَایت : راہ پر لگنا ۔ خدا بندگی یا اسلام کی راہ کو " ھدی اللہ " کہتے ہیں بمعنی راہ (اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الۡھُدٰی (الانعام ۷۱)

صِرَاط : شاہراہ (نہ کہ راہ)

صِرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ : ۔ الدین القیم : عبودیت رب : اسلام : ھُدَی اللہ

یہ رومی لفظ صطراطا (STRATA) ہے جو براہ راست روم کو جاتے تھے ۔ یہ سڑک پختہ اور بلند ہوتی تھی اس کے محافظ و نگراں سرکاری ہوتے تھے ۔ رستہ میں سرائیں اور بازار ہوتے اور مسافر کو کوئی خطرہ

نہ ہوتا تھا یعنی وہ شاہ راہ جو سب سے چھوٹی ہو، پر پیچ اور تکلیف نہ ہو۔ ایسی شاہراہ جس پر پڑتے ہی بے راہ روی یعنی موت سے مسافر بچ جائے اور منزل پر پہنچے یا نہ پہنچے یعنی اپنی زندگی میں مقصد تک رسائی ہو یا نہ ہو مگر گمرہی سے بچ جائے اور اِدھر اُدھر بھٹکنے کی جگہ اسے یقین ہو جائے کہ اس راہ پر پڑنا ہی نجات ہے۔ اب نہ سنے میں پیاس سے موت ہوگی۔ نہ ڈاکو لوٹیں گے۔ یہ محفوظ ترین شاہی سڑک ہے اور بحفاظت سفر طے ہونا یقینی ہے۔ یہ اسلام یا خدا بندگی ہی صراط مستقیم ہے اِنَّ اللّٰہَ رَبِّی وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ

اِنْعَام: شرک سے بچ کر مسلم ہونا اور خلافت الٰہیہ فی الارض حاصل کر کے نعم الٰہیہ سے سرفراز ہونا۔

مغضوب: جو اسلام سے منحرف ہو کر ارباب من دون اللہ کے غلام بن گئے۔

ضال: وہ لوگ جو تشکیک میں مبتلا ہیں، جنہیں ابھی ہدایت نہیں ملی (نہ کہ گمراہ)

سورۃ الحمد کی تین آیتوں کا مفہوم۔ سات حصوں میں

(۱) جملہ عملی سپاس گذاری سوائے اللہ (اِل الہ) کے اور کسی کے لئے مناسب نہیں اس لئے کہ وہی سب لوگوں (یا قوموں) کا آقا ہے

(۲) جس کا (دوسری قوموں میں ایک) نام رحمان (بھی) ہے (اور وہ دوسرے آقاؤں یا دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں ہے بلکہ) بہت ہی رحم والا ہے۔

(۳) وہی روز جزا کا قاضی (یا بادشاہ) ہوگا اور اس کے انصاف میں رحمت و عفو کا غلبہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہ رحیم ہے اور گنہ گار کو معاف کر دینے پر قادر ہے۔

(۴) ہم اعلان یا تسلیم کرتے ہیں کہ ہم صرف تیرے غلام (یا بندے) ہیں (کوئی دوسرا ہمارا آقا یا رب) نہیں ہے (یعنی ہم صرف تیرے مطیع و مسلم ہیں) ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں (کسی دوسرے سے مدد نہیں مانگتے اس لئے کہ وہ خود مخلوق و لاچار ہیں۔ یعنی ہم مشرک نہیں ہیں)۔

(۵) ہم کو سیدھی (یعنی مختصر ترین شاہراہ (یعنی اسلام) پر ڈال دے جو تیری بندگی کا دوسرا نام ہے۔

(۶) ہمیں اُن لوگوں کی شاہراہ پر ڈال دے جن پر تونے اپنا فضل وکرم کیا ہے۔ یعنی وہ مسلم قومیں جو پہلے گذر چکیں یا اب بھی موجود ہیں اور تیرا حکم مانتی ہیں اور شک سے نکل کر یقین تک آچکی ہیں)

(۷) خداوندا ہمیں اُن لوگوں کی راہ پر نہ ڈال جن سے تو خفا (ناخوش) ہوا۔ نہ اُن کی راہ پر ڈال جو ابھی تک صحیح راستہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور تشکیک میں مبتلا ہیں (جن پر یقین وایمان کا دروازہ ابھی نہیں کھلا)

سورہ ۴۵ : حٰم الجاثیہ

اسی زمانہ میں سورۃ الجاثیہ نازل ہوئی جس میں مندرجہ ذیل باتیں پھر دہرائی گئیں۔

(۱) یہ الکتاب من اللہ ہے : یعنی یہ قانون زندگی خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ اس امر کی تردید ہے کہ قرآن قول شیطان الرجیم ہے۔ جیسا کہ مشرکین کا خیال تھا۔

(۲) آیات (معجزات) اللہ کے ہوتے ہیں : انسان کوئی عاجز کرنے والی چیز خلق نہیں کر سکتا۔ اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ اللہ موجود ہے اور اس کے نشانات (آیات) ڈھونڈتے ہو تو اللہ کو خالق مانو۔ ایمان کے بعد آسمان زمین میں اللہ کی قدرت وخالقیت کی نشانیاں ہر جگہ نظر آئیں گی۔ جو چیز دیکھو گے تمہیں معلوم ہو گا کہ اس کا خالق اللہ ہے اور تم یا تمہارے دیوتا کوئی چیز خلق نہیں کر سکتے (اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ) (۲) تمہاری تخلیق۔ جانوروں کی تخلیق، اختلاف لیل ونہار، آسمان سے بارش، ہوائیں سب اللہ کے وجود کی معجز نشانیاں (آیات الٰہیہ) ہیں۔ پھر بھی ان کا استہزا کرنا اور غرور سے نہ ماننا جہنم میں لے جائے گا۔ دیکھو سمندر میں کشتیاں قانون الٰہی کے مطابق چلتی ہیں۔ اہل عقل وفکر کے لئے یہی آیات ہیں۔

(۳) جیسی کرنی ویسی بھرنی : مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا۔ بھلا کرو گے تو اپنے لئے اور برا کرو گے تو اپنے لئے۔

(۴) العالمین : قومیں : بنو اسرائیل کو خدا نے حکومت ونبوت وستھرا رزق دیا اور قوموں پر فضیلت دی (فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ)

(۵) بصائر یعنی آیات : یہ قرآن انسانوں کے لئے عبرت کی باتیں بتاتا ہے (هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝)

(۶) نفس انسانی بھی الٰہ یعنی معبود بنا لیا جاتا ہے : الٰہ یعنی رب یا معبود ہے۔ یعنی جس کی غلامی کی جائے کچھ لوگ اپنے نفس کے بندے یا غلام بن جاتے ہیں (اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ

عَلٰی عِلْمٍ)

۷۔ **فرقہ دہریہ کا جواب** : یہ نفس پرست کہتے ہیں کہ دہر یا زمانہ ہی مارتا جلاتا ہے اللہ خالق نہیں ہے یہ محض ظن ہے اور جب اُن سے خدا کے خالق ہونے کے نشانات بیان کئے جاتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ اگر خدا خالق ہے تو ہمارے آبا و اجداد کو پیدا کر دے ۔ اس کا جواب یہی ہے کہ خدا ہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے اور وہی ضرور بلا شبہ تمہیں قیامت میں جمع کرے گا۔

۸۔ **مُلک : بادشاہی** : اللہ ملک یا بادشاہ ہے ۔ اسی کا راج آسمانوں اور زمین پر ہے اور وہی قیامت کے دن بھی ملک ہوگا یعنی آخری فیصلہ کرے گا (وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ...)

۹۔ **قیامت کا آنا یقینی ہے** ۔ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ قیامت یقیناً آئے گی (السَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا) تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ظن تو ہوتا ہے مگر اس کا یقین نہیں آتا۔

طائف کے سفر سے واپسی اور مکہ میں داخل ہونے تک کی تعلیم کا یہ خلاصہ ہے۔ جو اس سورہ میں نہایت ایجاز سے بیان کر دیا گیا ہے ۔

حصہ سوم مطعم کی حمایت اور ہجرت مدینہ

۲۳ ذی قعدہ سنہ ۱۰ نبوی (اپریل ۶۱۹ء) تا صفر سنہ ۱۳ نبوی (مئی ۶۲۲ء)

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ
لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا
(التوبہ س ۹)

جب وہ دونوں (محمد و ابو بکرؓ) غار میں تھے تو محمد نے اپنے
ساتھی سے کہا کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تب اللہ نے
اُس پر اپنی سکینہ نازل کی اور ایسی فوجوں سے مدد دی جن کو
تم دیکھ نہیں سکتے تھے (غار کی یاد سنہ ۹ھ میں)

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا
(فِی الرُّؤیا) مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ
الْاَقْصٰی

کتنی پاک وہ ذات ہے جو راتوں رات (خواب میں) اپنے بندے
کو مکہ سے یروشلم تک کی سیر کرا لائی

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا (غالب)

أیا عین فابکی سیّد القوم واسفحی
بدامع وان أنزفته فاسکبی الدّما
أجرات رسول اللہ منھم فأصبحوا
عبیدك ما لبّی مُھل واحرما
(قال حسان بن ثابت یبکی المطعم بن عدی حین مات)

اے آنکھ! سردار قوم کے لئے آنسو بہا۔ اور اگر
آنسو خشک ہو جائیں تو خون رو۔
صرف تو نے رسول اللہ کو پناہ دی۔ اور اسی لئے وہ
سب قیامت تک کے لئے تیرے غلام ہو گئے۔
(مرثیہ مطعم بن عدی از شاعر رسول حسان بن ثابت)

جب آپ طائف سے تقریباً ایک ماہ بعد بے نیل مرام نخلہ پہنچے ہیں تو اس وقت کی قلبی کیفیتوں کا سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ ذی قعدہ ختم ہو رہا تھا اور حج کے نام پر جو امن عام تھا وہ بھی دو مہینے میں ختم ہونے والا تھا۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ پھر مکہ میں قیام کیا جائے اور مکہ چھوڑنے سے پہلے کسی نہ کسی قبیلہ کو اپنا حامی بنا لیا جائے۔ یہ سوچ کر کہ آپ نخلہ سے حرا کی پہاڑی تک آئے اور وہاں اپنے بیٹے زیدؓ کو مکہ بھیجا کہ کسی سردار کی حمایت طلب کرے۔ رسول اللہ جانتے تھے کہ عربوں کا قاعدہ ہے کہ دشمن بھی پناہ مانگے تو وہ انکار کرنا ایک عار سمجھتے ہیں۔ اس لئے آپ نے پہلے الاخنس بن شریق سے حمایت طلب کی۔ اس نے کہا کہ میں حلیف ہوں اور اس لئے اجیر یا حامی نہیں بن سکتا۔ پھر سہیل بن عمرو سے حمایت طلب کی اُس نے کہا کہ بنی عامر کا قبیلہ، بن کعب کے خلاف اجیر نہیں بنتا۔ آخر کار آپؐ نے المطعم بن عدی سے حمایت طلب کی اور وہ فوراً تیار ہو گیا۔ پھر مطعم اور اس کے خاندان والے مسلح ہو کر گئے اور مسجد حرام تک آکر انھوں نے رسول اللہؐ کو بلایا اور کہا کہ مسجد میں داخل ہو جاؤ۔ آپ نے داخل ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور نماز پڑھی ... اور مطعم نے منادی کر دی کہ اے گروہ قریش میں نے محمدؐ کو امان دی ہے۔ نہ تو کوئی اسے ایذا دے اور نہ ہجو کرے۔ پھر آنحضرت کو اپنے گھر میں ٹھیرایا اور کچھ عرصہ تک آپ وہیں رہے جب یہ حال ابوجہل کو معلوم ہوا تو اس نے مطعم سے پوچھا کہ تو اس کا تابع ہے یا مجیر اُس نے جواب دیا کہ میں مجیر ہوں۔ اس پر ابوجہل نے کہا تب جسے تو نے امان دی اُسے ہم نے بھی امان دی!" (روضۃ الاحباب)

قبائل میں دورہ

قریش سے گفتگو کرنا بے سود تھا۔ اس کے علاوہ وہ لوگ حج کے میلہ کی وجہ سے اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ اس لئے آپؐ نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ حج کے موقع پر جو قبائل باہر سے آتے ہیں اُن سے مکہ سے باہر ہی گفتگو کا موقع نکالیں۔ اس لئے آپؐ منیٰ میں جا کر مختلف قبائل کو اسلام کی طرف بلاتے رہے اور اپنی تصدیق اور حمایت چاہتے رہے لیکن ہر جگہ ایک بھینگا شخص (ابولہب) آپؐ کا پیچھا کرتا اور قبائل سے کہتا کہ یہ شخص چاہتا ہے کہ تم لات و عزیٰ اور اپنے دوست دار جنوں کو چھوڑ کر بدعت و ضلالت میں پڑ جاؤ۔

چھے خزرجیوں کا اسلام

سنہ ۱۱ نبوی کے ذی الحجہ میں قبیلہ خزرج کے چھے آدمی حج کو آئے آنحضرت نے انھیں قرآنی تعلیم سنائی اور بتایا کہ اللہ اور یوم آخر کو مانو اسی میں نجات ہے وہ مدینہ کے یہود سے سن چکے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ انھوں نے آپؐ کی

باتوں کی تصدیق کی اور پھر مدینہ واپس چلے گئے - اب یہ سورت نازل ہوئی:-

۴۳۔ حم الزخرف: علم کا سرچشمہ اللہ کے پاس ہے

سلے النسان! یہ واضح علم، عربی زبان میں اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ تم سمجھ سکو (یہ سحر نہیں کہ مہمل ہو) اس کا سرچشمہ (ام الکتاب) اللہ کے پاس ہے (یعنی سحر کی طرح یہ شیطانی خرافات نہیں)، یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ یہ نہ کہا جائے۔ حالانکہ پہلے بھی اللہ کے نبی آتے رہے ہیں۔ کوئی نبی استہزا سے نہیں بچا۔ لیکن اس کا نتیجہ ہمیشہ تباہی ہوا -

خالق کائنات

یہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ ایک خالق کائنات ہے جو مردہ زمین میں بارش سے جان ڈال دیتا ہے - پھر بھی بعث بعد الموت کو نہیں مانتے اور بندوں کو اس کا شریک بناتے ہیں -

خوشحالوں کی قدامت پرستی

یہ لوگ فرشتوں کو مونث سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں (اسی طرح لات منات کو بھی اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں) حالانکہ خود اپنے لئے بیٹیاں پسند نہیں کرتے اور جب اُس کی ولادت کی خبر سنتے ہیں تو منہ لٹک جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں جو زینت و آسائش میں پلے اور لڑائی میں بھی کام نہ دے وہ کس کام کی! اسی طرح جب کسی قوم میں رسول گیا تو اس کے خوش حال لوگ (طائف کے سرداروں کی طرح) ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے ہیں (لات کو دیوی مانتے ہیں) اللہ لولا شریک ماننے پر تیار نہیں۔ ایسے لوگ آخر کار تباہ ہوتے۔ ابراہیم کی بات اس کی قوم نے نہ مانی -

سرداران طائف کو جواب

اب مکہ اور طائف والوں کے لئے حق (قرآن) اور رسول آیا تو وہ حق کو سحر کہنے لگے اور اس کے ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہمارے شہروں کے کسی عظیم آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل ہوا - یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح دنیوی دولت ان سرداروں کو زیادہ دی گئی ہے۔ اسی طرح رسالت بھی ہے کہ ان ہی کو ملتی - یہ رحمت رب ہے اور اس مال سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے رہتے ہیں - دنیا میں یہ عیش کر لیں لیکن آخرت میں متقیوں کو آرام ہی آرام ہے - اے رسول یہ لوگ بہرے ہیں - اچھی بات نہیں سن سکتے -

لوگ موسیٰ کو بھی ساحر کہتے تھے ۔ اے رسول جس طرح تیری صاف پڑھنت (قرآن) کو یہ لوگ سحر کہتے

کہتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ کو بھی ساحر کہتے تھے اور جب اُن کی دعا سے عذاب ٹل جاتا تھا تو پھر وعدہ توڑ ڈالتے تھے فرعون بھی موسیٰ کو ذلیل سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ موسیٰ نہ مالدار ہے۔ نہ اس کے ساتھ فرشتے ہیں۔

صراط مستقیم، عبودیت رب ہے (قول عیسیٰ) اسی طرح حضرت عیسیٰ جب دلائل عقلی (بینات والحکمت) لے کر آئے اور بتایا کہ جو رب میرا ہے وہی تمہارا ہے یہی صراط مستقیم ہے (اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ) تو انھوں نے اختلاف کیا اور کئی فرقے بن گئے اور علم قیامت میں شک کرنے لگے۔ ان سے کہدو کہ اگر "رحمان" کے کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی بندگی کرتا۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ صرف آسمان کا خدا ہے وہ زمین کا بھی ہے۔ یہ کافر بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان اللہ نے بنائے ہیں۔ بہرحال یہ تیرا کہا نہیں مانتے۔ اس لئے اے رسول تو ان سے توجہ ہٹالے۔ انھیں سلام کر کے چھوڑ دے۔ انھیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ (فَاصْفَحْ عَنْھُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ)

۲۷۔ النمل: آخرہ جو لوگ جزائے اعمال اور قیامت کے منکر ہیں وہ سخت عذاب پائیں گے

نظر آنے والے عذاب کے نشان: موسیٰ نے آیات مُبصرہ یعنی نظر آنے اللہ کے وجود کے ثبوت پیش کئے۔ کہ اے آل فرعون یہ سب عذاب تمہاری بد اعمالیوں کے لئے تنبیہ ہے اور ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ ان آیات (معجزات) پر قادر ہے۔ فرعون اگر رب العالمین ہوتا تو وہ انھیں نہ آنے دیتا۔ مگر اُن لوگوں نے ان نشانات کو سحر بتایا۔

شمس پرست قوم: اسی طرح یمن میں ملکہ بلقیس کی قوم آفتاب پرست تھی۔ سلیمان نے علم کتاب کے ذریعے اس پر ثابت کر دیا کہ اللہ نے سورج کو پیدا کیا اور جس خط میں یہ بات لکھی اس کی ابتدا بسم اللہ الرحمان الرحیم سے کی اور ملکہ بلقیس کو بھی دکھا دیا کہ فضل رب سے ایسے عفریت اُن کے قبضے میں ہیں جو ہر کام پلک جھپکاتے کر سکتے ہیں ملکہ بلقیس ایمان لے آئی اور اُسے عذاب سے نجات ملی لیکن جو قومیں ثمود و قوم لوط کی طرح نہ مانیں وہ تباہ ہوئیں۔

بنو اسرائیل سے خطاب۔ اے بنو اسرائیل تم ان باتوں کو جانتے ہو۔ لہذا اختلافات سے بچو اور بعث بعد الموت کو مانو۔ دیکھو اللہ ہی قیامت میں فیصلہ کرے گا (اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ بِحُکْمِہٖ)

اللہ کے نشانات آئیں گے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مکہ کے رب (رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ) کا حکم مانوں۔ اور قرآن سناؤں جو راہ پر پڑے گا وہ اپنے لئے پڑے گا اور جو گمراہ ہوگا وہ اپنے لئے۔ اللہ جلد ایسی نشانیاں دکھلائے کہ تم اُسے پہچان لوگے۔۔

بی بی سودہ بنت زمعہ سے نکاح : چونکہ قریش یہ عہد کر چکے تھے کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب سے کوئی شخص رشتہ داری نہ کرے۔ لہذا شعب کا معاہدہ ختم ہو جانے کے باوجود کوئی اس پر تیار نہ تھا کہ آنحضرت سے رشتہ قائم کرے۔ آپ کی ایک مطلقہ بیٹی بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھی اور دوسری بیٹی سیدہ فاطمہ بھی عربوں کے قاعدہ کے مطابق صغر سنی ہی میں منسوب ہو سکتی تھیں، خود آنحضرت کی ۲۵ سالہ رفیقہ زندگی وفات پا چکی تھیں۔ لہذا آپ نے اس ظالمانہ سوشل بائیکاٹ کو ختم کر دینا چاہا۔ اس وقت مہاجرین حبشہ حضرت سکران رضؓ بن عمرو مع اپنی بی بی سودہ رضؓ بنت زمعہ کے مکہ واپس آ چکے تھے۔ یہ دونوں بنی عامر بن لوی کے قبیلے سے تھے۔ سکرانؓ کا انتقال ہو گیا۔ بی بی سودہ بے یار و مددگار رہ گئیں۔ آنحضرت بھی چاہتے تھے کہ قریش کی ضد ختم ہو۔ لہذا آپ نے بی بی سودہ سے نکاح کر لیا۔ یہ مہاجرہ اور مومنہ دونوں تھیں۔

حضرت عائشہ سے آپؐ کی نسبت قریش کو شرمندہ کرنے اور آنحضرت کے انکار کو کم کرنے کے خیال سے اُن کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی کم سن بچی کو آنحضرت سے منسوب کر دیا اور یہ دکھا دیا کہ ایسے کس مپرسی کے عالم میں جبکہ ہر وقت صدیقوں کی جان خطرے میں تھی اور خصوصیت سے رسول اللہ ہدف دشمنان دین کا نشانہ تھا، ایک ایسا رفیق بھی موجود ہے جو اپنی جان و مال قربان کرنے کو تیار ہے (وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ) خواہ کافروں کو کتنا ہی بُرا کیوں نہ معلوم ہو۔ تین سال بعد سلسلہ میں بی بی عائشہ بلوغ کو پہنچیں۔ یہی صرف ایک کنواری تھیں جو آنحضرت کے نکاح میں آئیں۔

نکاحوں پر اعتراضات عموماً نصاریٰ تعدد ازدواج پر اعتراض کیا کرتے ہیں لیکن وہ قومیں جن میں تعداد ازدواج پر کوئی حد بندی نہیں ہے، وہ خاموش ہیں۔ نصاریٰ کا اعتراض اس بات سے قطع نظر کر لیتا ہے کہ رسول اللہ کے زمانے میں عورت کی جو پست حالت تھی اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ زنا کے ذریعے روزی کمائے۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں غلامی بھی رائج تھی اور جو لوگ عورتوں کو خرید لیتے تھے اُن سے زنا کروا کر اُن کی کمائی کھانا بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ ایک طریقہ زنا کا یہ بھی تھا کہ دو دوست آپس میں کچھ دنوں کے لئے بیویاں بدل لیتے تھے۔ یہ بھی طریقہ تھا کہ ایک آزاد عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اور متعدد

دوستوں سے زنا کرلے اور پھر اپنے بچے کا نسب قائم کرنے کے لئے جس دوست کا نام چاہے لے دے۔ اس طرح وہ نامرد شخص اس مشترک بچہ کا واحد باپ سمجھا جاتا تھا اور اس کی پرورش و پرداخت کرتا تھا۔ بعض اقوام میں یہ بھی طریقہ تھا اور شاید اب بھی ہے، کہ نامرد شوہر کے لئے کسی بھی مرد سے بچہ حاصل کر لیا جاتے اسے زنا نہیں کہتے تھے۔ اسی طرح جن اقوام میں مادری اقتدار (MATRIARCHY) قائم تھی وہاں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ بچے کا باپ کون ہے۔ قبیلہ کا کوئی فرد بھی باپ ہو سکتا تھا۔ وہاں اصل سوال یہ تھا کہ ماں کون ہے۔ اسی طرح بہت سی عورتیں مندروں، دیوتاؤں کے ناموں پر چڑھادی جاتی تھیں جن کی زنا زنا نہیں سمجھی جاتی تھی اور ان کی اولاد خدا کی اولاد مانی جاتی تھی۔

حقیقت میں مرد کی زنا کا تصور خالص اسلامی ہے۔ اس سے پہلے سامی اقوام (مثلاً یہود) میں عورت کی زناکاری کا تصور موجود تھا جس کے معنی یہ تھے کہ شادی شدہ عورت کا زنا کرانا معیوب تھا یعنی مرد کے لئے زنا بری چیز نہیں تھی۔

حضرت سودہؓ سے اس لئے نکاح کیا گیا کہ وہ مہاجرہ و مومنہ تھیں اور بالکل بے یار و مددگار تھیں۔ حضرت عائشہ سے نکاح کی غرض یہ بھی تھی کہ یہ ثابت ہو جائے کہ بنو ہاشم و بنو مطلب سے مشرکوں کی طرح مومنین نفرت نہیں کرتے اور اپنی کم سن بچیوں تک کو اس بائیکاٹ کے توڑنے کے لئے پیش کر سکتے ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر کا ایسا احسان تھا جس کو خود آنحضرت نے تسلیم کیا ہے (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالاحد عندنا ید الا کافیناہ ماخلا ابوبکر۔ ترمذی) کہ مجھ پر اگر کسی نے احسان کیا تو میں اس کا بدلا کر چکا۔ سوائے ابوبکر کے کہ ان کے احسان کا بدلہ نہیں کر سکا۔

بہر حال اس زمانے کے اعتبار سے کثرت ازدواج بلکہ زنا بھی معیوب نہ تھا۔ آنحضرت نے نہ صرف ان دونوں کو منسوخ کر دیا بلکہ ایسی حدود قائم کیں کہ زنا ناممکن ہو جائے یعنی طلاق کا قانون جاری کر کے عورت کو یہ حق دیدیا کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے سکتی ہے اور بجائے زنا کرانے کے اپنے پسند کا شوہر تلاش کر سکتی ہے۔ دنیا میں آج کل جو زنا جاری ہے اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ عورت اپنے شوہر سے طلاق نہیں لے سکتی۔ دوسری وجہ عورت کی اقتصادی بدحالی ہے۔ اسلام نے عورت کا حق وراثت اور حق ملکیت دے کر اس اقتصادی بدحالی سے بھی بچا لیا اور اس پر مزید یہ اضافہ کیا گیا کہ نکاح کے عوض میں جتنی رقم چاہے اپنے شوہر سے مقرر کر لے جو اس کی ذاتی ملکیت ہوگی اور شوہر پر یہ فرض ہوگا کہ اپنی بیوی کو نہ صرف حالت زوجیت میں بلکہ طلاق یا

موت سے علاحدگی کے بعد بھی چند ماہ تک نان نفقہ دے اور مکان سے نہ نکالے۔

نوٹ نمبر ۱۔ یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ دنیا کی کسی قوم میں اب تک عورت کو طلاق کا حق اور مہر و نفقہ و ملکیت کا حق حاصل نہیں ہے جس کی وجہ سے زنا عام ہے۔

نوٹ نمبر ۲۔ دنیا میں اکثر مقامات پر لڑکی کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ ہندوستان، انڈونیشیا، اور بعض مقامات پر یہ رسم تھی کہ شوہر کی لاش کے ساتھ اس کی جملہ بیبیاں اور لونڈی غلام زندہ جلا دیئے جاتے تھے۔ اب تک اکثر ممالک میں عورت کو اتنا پست سمجھا جاتا ہے کہ والدین اس کے مرنے کی تمنا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ لڑکوں کو جب تک شادی کرنے کے عوض میں کافی روپیہ نہ ملے وہ لڑکی سے شادی نہیں کرتے اور والدین کو جہیز کے لئے تمام عمر سر کھپانا پڑتا ہے۔ ان حالات کی روشنی میں رسول اللہ نے عورتوں کو جو درجہ دیا اس درجہ پر غیر مسلم عورتیں ابھی تک نہیں پہنچیں۔

خفیہ بیعت عقبہ اولی۔ ذی الحجہ سنہ ۱۱ نبوی طائف سے واپسی کے بعد ایک سال تک حسب الحکم خداوندی آپ نے اہل مکہ سے قطعی اعراض کیا لیکن رجب کے موقعہ پر حج اصغر میں اور حج اکبر کے تین محترم مہینوں میں آپ مکہ سے باہر کے قبائل میں جاتے اور گفتگو کرنے کا موقع پا جاتے تھے اور وہاں اپنے ہم خیال پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ کوشش خفیہ ہوتی تھی تاکہ دشمنوں کو خبر نہ ہو۔ اور وہ ایذا رسانی میں زیادتی نہ کریں۔ ابولہب تو ہر جگہ کوشاں رہتا تھا کہ کوئی آنحضرت کی بات نہ سنے۔ اس کے علاوہ بھی ہر دشمن گھات میں رہتا تھا۔ شعب سے آنحضرت کا یہ رجحان زیادہ نمایاں ہے کہ وہ دشمنوں ہی سے نہیں بلکہ عام مسلمانوں سے بھی بعض باتیں خفیہ رکھتے تھے حتی کہ قرآن کی بہت سی باتیں ایسی تھیں جو صرف مخصوص احباب سمجھ سکتے تھے۔ بعد کے زمانے نے بتایا کہ ان کی حقیقی مراد کیا تھی۔ بہرحال سنہ ۱۱ھ کے ذی الحجہ کے میلے میں خفیہ طور پر بارہ مدنیوں نے آپ سے عہد کیا کہ وہ اللہ کو لاشریک مانیں گے اور چوری زنا۔ قتل بنات اور بہتان سے قطعی اجتناب کریں گے اور معروف باتوں میں رسول اللہ کی پیروی کریں گے۔ یہ بیعت النساء کہلاتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں وہ احکام ہیں جن پر عورتیں بھی عمل کر سکتی ہیں۔ یہ بیعت ایسی نہ تھی کہ اسے بیعت الحرب کہہ سکیں۔ درحقیقت اس خفیہ تیاری کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جگہ مل جائے جہاں مسلمان اپنا سیاسی مرکز بنا سکیں۔

اس معاہدہ یا بیعت کی خصوصیات : اس سے پہلے مکہ کے مشرکوں اور حبشہ اور دوسرے مقامات

کے نصرانیوں کو قرآن نے بہت سی اخلاقی باتوں کے ماننے پر زور دیا ہے خصوصاً بعث بعد الموت کو اسلام کی
بنیادی باتوں میں سے بتایا ہے۔ لیکن یہاں صرف چند اخلاقی باتیں بتاکر صرف یہ کہدیا ہے کہ معروف میں
رسول اللہ کی پیروی کریں گے یعنی جب یہ مان گیا کہ خدا لاشریک ہے اور محمد رسول اللہ ہیں تو پھر کسی نیک
کام کی تفصیل غیر ضروری ہے جیسی کہ عام طور پر قتل انسان برا سمجھا جاتا تھا، اس کا بھی ممنوعات میں ذکر نہیں ہے
صرف قتل بنات کی ممانعت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں لڑکیوں کو کتنا غیر ضروری اور ناقابل اعتنا
سمجھا جاتا تھا اور عورت کا درجہ کتنا پست تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہو سکے گا کہ رسول اللہ نے عورتوں کو بعد میں
جو درجہ دیا ہے وہ اُن کے ذاتی تجربہ پر مبنی تھا۔

اس زمانے کی سوسائٹی نے بہت سی بُری (منکر) باتوں کو لوگوں کی نظروں میں اچھا بنا دیا تھا۔ لہذا آنحضرت
نے تصریح کردی کہ اگرچہ اہل عرب چوری، ڈکیتی، زنا، قتل اولاد، بہتان، مبالغہ آمیز جھوٹ کو بُرا نہیں سمجھتے بلکہ بہت
سے شاعر اپنی فخریہ شاعری میں زنا کو (دیکھئے امرء القیس) ڈکیتی اور شریف عورتوں سے عشق (تشبیب یا غزل عربی) کو
اچھا سمجھتے ہیں، اور قتل اولاد کو (سپارٹا اور ہندوالوں کی طرح) شرافت کا نشان سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ باتیں بھی منکر سمجھی جائینگی
بیعت کرنے والوں نے انھیں تسلیم کرلیا۔

رسول اللہ کا رسول

اب رسول اللہ نے قبیلہ عبدالدار کے پہلے مسلمان اور مہاجر حبشہ حضرت مصعب
بن عمیر کو بلایا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ مدینہ روانہ کردیا۔ یہ ابتدا سے اسلام و کفر
کی کشمکش سے واقف تھے اور خود اس مشہور قبیلے سے تھے جو تمام عرب میں اپنی پروہتی و بت پرستی کے لئے مشہور
تھا۔ مدینہ میں جب رسول اللہ کے یہ رسول پہنچے تو چند ہی دنوں میں اکثر مشرکین مدینہ موحد بن گئے۔
یہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ نے پھر بنی اسرائیل پر توجہ کی۔ آپ

بنو اسرائیل کو شریک کرنے کا خواب

کی دلی خواہش تھی کہ مدینہ کے مالدار یہودی جو پورے عرب
کی تجارت پر چھائے ہوئے ہیں، مسلمانوں اور سچے نصرانیوں سے مل کر ایک متحدہ قوم بنالیں۔ سب خدائے
لاشریک کو مانیں اور مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (یروشلم) تک ایک ہی اللہ کا نام بلند ہو۔ سب لوگ یوم آخر
کو مانیں۔ یہودی توراۃ کے غیر محرف احکام پر چلیں اور دنیا میں عدل پھیلائیں ظلم و سود خوری ترک کردیں۔ نصاریٰ
مسیح ابن مریم مانیں اور کفارہ کے دھوکے سے نکل کر مذہبی پروہتوں (پوپوں) کو ختم کردیں اور موجودہ زمانے
کے پروٹسٹنٹوں کی طرح کلیسا کو چھوڑ کر صرف انجیل کو مانیں اور کلیسا کی مدد کے بغیر انجیل و توراۃ پر چلیں۔

اسی لئے آپ نے خواب میں دیکھا کہ اب وہ زمانہ آرہا ہے کہ مکہ سے یروشلم تک ایک مضبوط قوم بن جائے گی اور بہت ممکن ہے کہ بنو اسرائیل اور نصاریٰ متحد ہو جائیں اور جن باتوں میں ان کا اختلاف ہے وہ قرآن کے بتلائے ہوئے مساوات اور معروف و منکر کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کر لیں۔

اسرار (یا معراج)

سورہ بنی اسرائیل درحقیقت بنو اسرائیل کو ایک پیغام تھا کہ آؤ ہم تم مل کر ایک متحدہ محاذ بنا لیں۔ اگر تمہارے مالدار خود غرضی چھوڑ دیں تو پھر آزادی مل سکتی ہے اور پھر یروشلم سے خدائے واحد کا نام بلند ہو سکتا ہے۔ توراۃ کے احکام عشرہ تو بہت اچھے ہیں لیکن ان کی غرض قرآن سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آنکھ کان اور دل کو برے خیالات میں نہ لگاؤ حواس ظاہر و باطن کو پاک رکھو، غرور نہ کرو ظلم نہ کرو اور کسی کو دکھ نہ پہنچاؤ۔

شاید اس زمانے کے کفار اس کلام کی حقیقت کو پا گئے تھے۔ انھوں نے آنحضرت پر زور دینا شروع کیا کہ اس قسم کے خیالات (رویائے بیت المقدس) کو قرآن سے نکال دو یا اتحاد اہل کتاب کی آیتوں کو بدل دو۔ اس کے بعد ہی مشرکوں نے سوچا کہ پریشان کر کے آنحضرت کو مکہ سے نکال دیں۔ قرآن نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر رسول کے ڈرانے سے تم باز نہ آئے تو شیطان کی طرح تم خود جلا وطن کر دیئے جاؤ گے۔ اللہ کا ہمیشہ یہ قانون رہا ہے کہ ظالم کو سزا ملتی ہے (بنی اسرائیل)

نوٹ:۔ کلام اللہ کے طرز بیان سے ناواقفیت اور سورہ بنی اسرائیل کو سیاق و سباق سے الگ کر کے پڑھنے کی وجہ سے بہت سے مسلمان اس سلسلہ میں اب تک پریشان ہیں کہ اسرار کی حقیقت کیا ہے حالانکہ اسی سورہ میں پھر درج ہے کہ یہ خواب ہے اور غیر مسلموں کے لئے بخز نہ ہے۔

سورہ ۱۷۔ بنی اسرائیل

بنو اسرائیل نے دو مرتبہ سرکشی کی یعنی شرک و نفس پرستی اور فساد کی راہ اختیار کی۔ دو مرتبہ یروشلم تباہ ہوا۔ اور یہودی غلامی میں فروخت ہوئے توبہ کی تو دشمنوں پر غالب آئے اور سلطنت ملی۔ لہذا اب پھر شرارت کریں گے تو تباہ ہوں گے۔ اے بنی اسرائیل اگر آنحضرت کو تم مانتے تو بدعملی نہ کرتے اور تباہ نہ ہوتے۔ ہمیشہ قومیں مالداروں کی عیش پرستی و خود غرضی سے تباہ ہوتی ہیں۔ خدا پہلے خبردار کر دیتا ہے، پھر عذاب نازل کرتا ہے۔

دل کی پاکیزگی

احکام اخلاق اسلامیہ کی بنیاد یہ ہے کہ کان آنکھ، دل کو پاک رکھو اور غرور نہ کرو۔ ظلم نہ کرو۔ دکھ نہ دو۔

معجزات کا انکار

لئے مشرکو! معجزے نہ دیے جائیں گے ۔ اگلوں نے کب مانا تھا جو تم انھیں دیکھ کر بعث کا یقین کر لو گے اگر آنکھیں ہیں تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھو کہ کل دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ ہر چیز خدا کی تسبیح کرنے پر مجبور ہے ۔ ہم نے قرآن میں ثمود اور بنو اسرائیل وغیرہ کے حالات (جو وحی روحانی سے حاصل ہوئے) بیان کئے ہیں ۔ یہ وحی الٰہی مشرکوں کے لئے شجر ملعونہ بن گئی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ گزشتہ قوموں پر عذاب کے قصے (خصوصاً بنو اسرائیل کے حالات جنھیں وہ خود ان سے پوچھ سکتے ہیں) نہ بیان کریں اور عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے نہ ڈرائیں ۔ تو بھی ان کی طرف کسی قدر مائل ہو چلا تھا ۔ اگر ایسا کرتا تو دگنا عذاب پاتا ۔ بہر حال خدا کے نیک بندوں پر شیطان کی دسترس نہیں ہوتی ۔ اس لئے تجھ پر ان مشرکوں کی تخویف اور شیطنت کا اثر نہ ہوا ۔

انکار معجزات مع تحدی

روح کیا ہے ، یہ امر رب ہے ۔ یہ وحی ہے ، یہ ایسے نفسیاتی معاملے ہیں جن کا خدا نے مشرکوں کو بہت کم علم دیا ہے ۔ لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسی اچھی باتیں تمہارے شاعروں یا کاہنوں کے اقوال میں موجود نہیں جیسی کہ قرآن میں اور دوسری خدائی تعلیمات میں ہیں ۔ تم ان خدائی تعلیمات کی مانند کوئی کلام قدیم پیش کر سکتے ہو ۔ نہ نیا کلام بنا کر لا سکتے ہو خواہ تم اپنے انسان ساتھیوں اور شیطانوں سے کتنی ہی مدد لو ۔ تم اچھی باتیں کہہ ہی نہیں سکتے ۔ نہ شرک کو چھوڑ کر صرف خدائے یکتا و یگانہ کے حکموں کو ماننا چاہتے ہو ۔ بہر حال میں بشر ہوں نہ چشمے بہا سکتا ہوں نہ آسمان گرا سکتا ہوں ۔ موسیٰ پر نو معجزے نازل ہوئے لیکن لوگ نہ مانے ۔ سچے یہود و نصاریٰ قرآنی تعلیم کو سن کر خشوع سے سجدہ میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بھی اسی سرچشمہ سے بذریعہ روح القدس نازل ہوا ہے جس سے توراۃ نازل ہوئی تھی اُسے اللہ کہو یا رحمان کہو سب اچھے نام اسی کے ہیں

ایک ایران کے حلیف سے گفتگو

آپ سنہ ۱۲ نبوی میں قبیلہ بنو ذہل گئے ۔ حضرت ابو بکر آپ کے ساتھ تھے مفروق سردار قوم تھا حضرت ابو بکرؓ نے اس سے کہا کہ میرا ساتھی خدا کا پیغام لایا ہے ۔ اس نے پوچھا کہ کیا پیغام ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ سوائے ایک اللہ کے اور کسی کی پرستش نہ کرو اور نیک عملی اختیار کرو ۔ اس وقت آپ نے سورۃ الانعام کا چوتھا رکوع پڑھا مفروق سمجھدار آدمی تھا ۔ اسے افسوس ہوا کہ ایسی اچھی دلیلوں کو قریش نہیں مانتے بلکہ عذاب الٰہی طلب کرتے ہیں ۔ اس نے کہا کہ میں شہنشاہ فارس کا حلیف ہوں ۔ ورنہ آپ کی ضرور مدد کرتا اور کسی قسم کا جنگی معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا آپ نے

اُس کی راستبازی کی تعریف کی اور فرمایا کہ خدا خود اپنے دین کی مدد کرے گا تفصیلات کے لئے روض الانف دیکھئے)
اس کے بعد یہ بتایا کہ یزدان واہرمن دونوں کو دو خدا سمجھ کر پوجنا سخت غلطی ہے ال الہ ایک ہی ہے (رکوع ، النحل

صلاۃ یا نماز

اب تک نماز کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہ ہوا تھا۔ رسول اللہ کا یہ قاعدہ تھا کہ ال الہ کی آیات عظمت وشان کو مختلف اوقات میں پڑھا کرتے تھے جب موقع ہوتا تھا تو کعبہ کے سامنے بھی جا کر اللہ کا نام لیتے اور اس کی حمد کرتے۔ لیکن مشرکوں کو یہ ناگوار گذرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری دیوی ، دیوتاؤں کی بھی تعریفیں کرو۔ یا کم از کم انھیں سفارشی مان لو بعض دفعہ آنحضرت اُن کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے تھے۔ لیکن خدا نے آپ کو اس پر متنبہ کیا کہ کافروں کی طرف جھکنا درست نہیں۔ ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ خدا کی مدد سے آپ ان شیاطین کے پھندے میں نہ آسکے۔

ہر قوم میں اپنے الہ (دیوتا یا خدا یا فرشتے) سے مدد مانگنے کا طریقہ یہ تھا کہ اسکی تعریفیں کی جائیں یا اس کے سامنے گانا گا کر اُسے خوش کیا جائے یا قربانی کے خون وگوشت کو پیش کیا جائے تاکہ وہ الہ (معبود) خوش ہو کر پجاری کی بات مان لے بعض قوموں میں انسانی قربانی بھی دیوتاؤں کو خوش کرتی تھی اور اکثر جگہ ان کی خدمت کے لئے لڑکیاں بھی نذر کردی جاتی تھیں۔ پھول پھل ، پانی ، شراب تو اب تک بعض ملکوں میں دیوتاؤں کو خوش رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس پوجا کے وقت پروہتوں کی جماعت کچھ منتر بھی پڑھا کرتی تھی جو عوام نہیں سمجھتے تھے یا عوام کو اُن کے پڑھنے کا حق نہیں تھا۔

قرآن نے پوجا یعنی عبادت کے طریقے کو بدل دیا۔ اس نے بتایا کہ عبادت نہیں بلکہ آقا کی عبودیت (بندگی) کرنا چاہیئے۔ یعنی اس کے حکموں کو ماننا ہی اس کی عملی حمد ہے۔ زبانی تعریفوں سے کوئی آقا درب) خوش نہیں ہوسکتا۔ جب تک اُس کے احکام نہ بجالائے جائیں۔ خدا رب ہے۔ انسان عبد ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ (ہم صرف تیری ہی عباوت کرتے ہیں) کا تعلق رب العالمین (کل انسانوں کے آقا) سے ہے۔ اس نَعْبُدُ " سے عبادت کا مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت رب العالمین کی عبودیت میں پنہاں ہے۔ اس سے پہلے صلوٰۃ کے یہ اصطلاحی معنی نہ تھے بلکہ صلوٰۃ بمعنی ادائے فرض یا سلام کرنے کے تھے۔

سورہ ھود۔ تحدّی
کل کتب الٰہیہ کافروں کیلئے معجز ہیں

اسی زمانہ میں سورہ ھود نازل ہوئی جس میں معترضین قرآن سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر قرآنی تعلیم ناقص ہے تو تم اپنے جنوں اور دیوتاؤں کی مدد سے اس قسم کی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ ظاہر ہے کہ اُن

لوگوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ نہ اُن کے شیطانی ساحروں اور شاعروں نے اتنے بلند اصول اخلاق کو اجتماعی فلاح کے لئے استعمال کرنے کا کبھی دعویٰ کیا تھا۔ اس لئے قرآن نے کہا کہ اب بھی سمجھ لو تو بہتر ہے کہ یہ تعلیم اسی سرچشمہ خیر سے ہے جہاں سے توراۃ و زبور انجیل وغیرہ آئی ہیں اور اس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (یہ خدائی تعلیم ہے شیطانی تعلیم نہیں۔ اس لئے تم اور تمہارے شیاطین ایسی تعلیم نہیں بنا سکتے۔

اس کے بعد مختلف اقوام کی تاریخ بتا کر یہ ثابت کیا ہے کہ بدعملی و ظلم کی وجہ سے ہمیشہ قومیں تباہ ہوتی رہی ہیں اگر تم بھی باز نہ آئے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ کافروں سے کہدو کہ اللہ کی مدد جلد آنے والی ہے۔ انتظار کرو۔ ہم تو اسی اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ذی الحجہ سنہ ۱۳ نبوی بیعت عقبہ ثانیہ؛ عہد جاں نثاری

رسول اللہ کے ایلچی حضرت مصعب رضی بن عمیر سنہ ۱۳ نبوی میں مدینہ کے حاجیوں کے ساتھ آئے تھے۔ ان حاجیوں میں تہتر مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو چکی تھیں۔ اس کے دوسرے یا تیسرے دن یہ سب منیٰ کے قریب رات کو خفیہ طور پر جمع ہو گئے اور ان کے ساتھ جو مشرک حاجی تھے اُن کو خبر نہ ہوئی۔ دوسری طرف سے رسول اللہ آئے ان کے ساتھ عباس بن عبدالمطلب تھے جنہوں نے اب تک اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ ابولہب جو آنحضرت کا جانی دشمن تھا، وہاں چھپا ہوا ہے اور سب باتیں سن رہا ہے۔

اب العباس جنہیں مدینہ والے پہچانتے تھے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ "اے خزرج والو! محمدؐ ہماری قوم سے ہیں اور ہماری حفاظت میں عزت سے ہیں۔ وہ خود اس کے خواہشمند نہیں کہ مکہ چھوڑ کر تمہارے یہاں چلے جائیں لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ جو کام تمہارے پیش نظر ہے اُسے پورا کرنے کے لئے اُن کا مدینہ جانا ضروری ہے اور تم ان کی پوری حفاظت کر سکو گے تو ضرور لے چلو ورنہ اس کی ضرورت نہیں۔" (ابن ہشام ۲۶۶)

اس تقریر سے یہ صاف ظاہر ہے کہ پہلے سے یہ طے ہو چکا تھا کہ آنحضرتؐ مدینہ جا کر کوئی ایسا کام کرنے والے ہیں جس میں بہت سے خطرات ہیں اور جس میں قبیلہ خزرج کا بھی نفع ہے۔

جنگ کا ذکر اب عباسؓ بن عبادہ انصاری جو مدینہ سے مسلمان ہو کر آئے تھے۔ کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ "لوگو! قریش محمدؐ کے جانی دشمن ہیں اگر ہم ان کی حمایت کا عہد کرتے

ہو تو یہ سمجھ لو کہ مال کا لی لڑائیوں کو دعوت دے رہے ہو۔ بہر حال اگر چاہتے ہو کہ دنیا اور دین دونوں کا بھلا ہو تو اپنے اموال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بغیر قربانی کے یہ چیز نہیں حاصل ہو سکتی!!

رسول اللہ کی تقریر آپؐ نے فرمایا کہ لوگو اللہ کی غلامی (یعنی روحانیت) کو عام کرنا ہی میرا پیغام ہے اور شیطان پرستی (یا مادیت کو مٹانا اس کا انجام ہے۔ جب خدا پرستی اور محبتؐ عام ہو جائے گی اور خود پرستی اور نفرت کا خاتمہ ہو جائے گا تو اللہ کا دین سر بلند ہوگا۔ یہ دنیا جنت بن جائیگی اس اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اگر تم تیار ہو تو عہد کرو کہ :-

(۱) خدا پرستی کے پیغام کو دنیا میں عام کرنے کے لئے ہم ہر طرح کی مدد کریں گے اور (۲) جب میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آؤں گا تو میری اور میرے ساتھیوں کی حفاظت و نصرت اسی طرح جان و مال سے کروگے جیسی کہ اپنی عورتوں اور بچوں کی کرتے ہو۔

جلسہ بیعت اس کے بعد سب لوگوں نے ان باتوں پر آنحضرتؐ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور رسول اللہؐ نے انھیں اطمینان دلایا کہ فتح کے بعد مدینہ چھوڑ کر مکہ نہ آؤں گا۔ اور فرمایا کہ میرا ذمہ تمہارا ذمہ ہے۔ میری عزت تمہاری عزت ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تم جس سے لڑوگے میں بھی لڑوں گا اور جس سے صلح کروگے میں بھی صلح کروں گا" (بل الدم الدم۔ والھدم الھدم - انا منکم وانتم منی - احارب من حاربتم واسالم من سالمتم)

نقیبوں کا انتخاب اس کے بعد رسول اللہؐ نے خزرج کے نو اور اوس کے تین آدمیوں کا انتخاب کیا اور انھیں حضرت عیسیٰ کے طور پر اپنا نقیب یا حواری قرار دیا۔ ان کا یہ کام تھا کہ مدینہ میں جا کر پارٹی کو مضبوط بنانے اور ترقی دینے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد کارروائی ختم ہوگئی۔

جاسوسوں کی شیطنت یہ سب باتیں ایک جاسوس (ابولہب) سن رہا تھا، وہ بلند آواز سے پکارا۔ اے خیمے والو! تمہیں خبر بھی ہے کہ مذمم (یعنی محمدؐ) اور بے دین صابی (یعنی مسلمان) تم سے جنگ کرنے والے ہیں۔"

عباس انصاری نے یہ سنتے ہی آنحضرتؐ سے پوچھا کہ اگر حکم ہو تو ابھی ہم اپنی تلوار ان کی روانی دکھا دیں لیکن آنحضرتؐ نے پر امن رہنے کی ہدایت کی اور حکم دیا کہ اپنے خیموں پر واپس چلے جاؤ۔

صبح کو قریش نے عبداللہ بن ابی سردار خزرج سے شکایت کی کہ آپ کے ہمراہی ہمارے خلاف مکر کے

دشمنوں سے سازش کر رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ بات میرے مشورے کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ بہر حال واپس جانے والوں میں سے قریش نے دو مصدقوں کو پکڑنا چاہا۔ ایک تو مار پیٹ کے نکل گیا۔ اور دوسرے سعد بن منذر پر خوب مار پڑی۔ آخر انھوں نے جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب کی دہائی دی تو جبیر نے آکر انھیں اپنی پناہ میں لے لیا اور وہ مصیبت سے چھوٹ کر بمشکل مدینہ واپس پہنچے۔

سورۂ یونس مشرکوں کا اصرار کہ تعلیم قرآن کو بدل دیں

آنحضرت نے اب تک جو تعلیم قرآن کے ذریعے دی تھی وہ یہ تھی کہ اللہ کی غلامی کا اعلان کرو اور یہ یقین رکھو کہ غلام ہونے کی حیثیت سے تم سب برابر ہو۔ اونچ نیچ کو مٹا دو۔ اور ظلم و تکبر کو شیطانی فعل سمجھو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد زندہ کر کے خدا تم سے ان مظالم کی باز پرس کرے گا اور یہ بات کہ خدا دوبارہ زندہ کرے گا۔ صرف عقل والے خدا کے نشانات (آیات) دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ہر قوم کا ایک مقررہ زمانہ ہوتا ہے۔ اگر وہ بد اعمالی کرتی ہے تو تباہ ہو جاتی ہے۔ اسی لئے جب وقت آئے گا تو عذاب الٰہی کا نشان ظاہر ہوگا اور تم تباہ کر دیے جاؤ گے۔

اللہ والوں کو خوف و غم نہیں ہوتا

جو لوگ نفس پرست ہیں وہ شیطان کے بندے ہیں۔ یقیناً شیطان کی طرح جنت سے نکالے جائیں گے لیکن اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو نہ اس دنیا میں کسی شیطان یا حاکم یا ساحر کا ڈر ہوتا ہے نہ آنے والی زندگی میں اس کا خوف ہوتا ہے کہ وہ جہنم میں جلیں گے۔ لہٰذا رسول اور رسول کے ساتھیوں کو صبر کرنا چاہیئے اور مشرکین سے کہہ دینا چاہیئے کہ انتظار کرو دیکھو اللہ کیا کرتا ہے۔ موسیٰ کی طرح حق بات سنائی جاتی ہے تو فرعون کی طرح یہ کافر اسے جھوٹ سمجھتے ہیں۔ ان کا انجام بھی فرعون ہی کا سا ہوگا۔

۱۰۔ یونس :۔ مشرکوں کو تعجب ہے کہ ہم نے ایک انسان پر یہ وحی نازل کی کہ لوگوں کو خبردار کرو کہ بھلائی کریں ورنہ جہنم ملے گا اور مومنوں کو بشارت دو کہ جنت ملے گی اور یہ کل کائنات اسی قانون حق پر چل رہی ہے کہ جو جیسا کرے گا ویسا پاوے گا۔ جب کافر بھی مانتے ہیں کہ خدا مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے تو یوم بعث کے لئے معجزے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ قرآن اسی طرح دیا ہوا خدا کا علم ہے جیسا کہ پہلے دیا گیا ہے۔ ہم نے اسے تصنیف نہیں کیا۔

پھر تحدی :۔ اگر اس طرح کا کلام ربانی انسان بنا سکتا ہے تو تم ایک ہی صورت اس طرح کی بنا لاؤ

ہر امت میں ایک رسول آتا ہے۔ میں بھی انسان ہوں نہ اپنے کو ذہجرت کے ذریعہ) نفع پہنچا سکتا ہوں نہ نقصان۔ میں خدا کو ہر امر کا کرنے والا مانتا ہوں۔ میں یہ کلام ہدایت و نصیحت کے لئے سناتا ہوں (جیسا کلام تمہارے یہاں موجود نہیں) کتاب مبین یعنی علم الٰہی میں ہر شے ہے۔ وہی جانتا ہے کہ عذاب کب نازل ہوگا بہر حال مومنوں کو حق بات پہنچ گئی ہے۔ بے ایمانوں کو تنبیہ (آیات) اور نذر (خبردار کرنا) بے سود ہے۔ لہذا خدا کی وحی پر عمل کرو اور صبر کرو۔ دیکھو اللہ کیا کرتا ہے۔ یہ کافر اسے سحر اور جھوٹ سمجھتے ہیں۔ ان کا انجام بھی فرعون کی فوج کا سا ہوگا۔ (سورۂ یونس)

ہجرت مدینہ برائے جنگ

ابن ہشام کہتا ہے کہ "رسول اللہ کو خدا نے قتال کی اجازت دیدی۔ اس کے بعد آپ نے مسلمانان مکہ سے کہا کہ اللہ نے مدینہ میں تمہارے بھائی پیدا کردیئے ہیں اور ایسی جگہ پیدا کردی ہے جہاں تم امن سے رہ سکتے ہو۔ لہذا مدینہ چلے جاؤ" (ابن ہشام ص ۳۰۰) لیکن قرآن میں اس کی تصریح نہیں بلکہ یہ ثابت ہے کہ مدینہ جانے کے بعد بھی آپ نے اعلان جنگ یا قتال کا حکم نہیں دیا۔ البتہ مدافعت کے لئے مسلمانوں کو تیار کرتے رہے۔

بیعت عقبہ کے بعد ہی مشرکین مکہ نے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ عرب کے دستور کے مطابق اب آنحضرت موقع ملتے ہی جنگ یا قتال کے ذریعے مکہ پر قبضہ کرلیں گے اور پجاریوں اور ساحروں کی جماعت کو بجبر ختم کردیں گے لیکن خود آنحضرت نے نہ تو یہ اعلان کیا کہ جنگ شروع ہے۔ نہ جنگ شروع ہونے کے بعد بھی فوجوں کو بھیجتے وقت یہ بتایا کہ کہاں بھیجے جانے والے ہو۔ اسے فوجی اصطلاح میں توریہ کہتے تھے۔ یعنی آپ اپنی جنگی چالوں کو قطعی خفیہ رکھتے تھے اور بسا اوقات ایسے راستوں سے فوجیں روانہ کرتے تھے کہ دشمن کو یہ اندازہ ہی نہ ہو کدھر کا رُخ ہے یا کس پر حملہ ہے۔

سورہ ۱۶۔ النحل اور سورہ ۶۔ الانعام

سنہ ۱۲ نبوی کے آواخر اور ہجرت مدینہ محرم سنہ ۱۳ نبوی تک یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔ یوں کہنا چاہیئے کہ ان میں آنحضرت کی بارہ سالہ کی تعلیم کا خلاصہ ہے وہ صرف یہ ہے کہ صرف خدائے یگانہ کو مانو اور ظلم کی جگہ عدل و محبت سے کام کرو ورنہ خدا تمہیں دوبارہ پیدا کرکے اعمال کی سزا دے گا۔

ہجرت کی مشکلات

ہجرت کی اجازت ملتے ہی مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچنے کی کوشش کی۔ لیکن بہت سے ایسے تھے جو غلام تھے یا مقروض تھے یا کمزور تھے۔

وہ مجبور ہو گئے بعض کو اپنا پورا مال مکہ میں چھوڑنا پڑا۔ ابو سلمہؓ کو اپنی بیوی اور بچے کے بغیر ہجرت کرنا پڑی۔ اس لئے کہ بیوی ام سلمہؓ کو اس کے خاندان والے چھین لے گئے اور بچے کو ابو سلمہ کے خاندان والوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ مشرکین مکہ نہیں چاہتے تھے کہ جو لوگ ان کے ہاتھوں میں گرفتار بلا ہیں وہ کسی طرح کہیں آرام پائیں۔ اسی لئے بعض مسلمانوں کو دھوکہ دیکر مدینہ واپس لے آئے اور بہت سے خفیہ طور پر گھر بار چھوڑنے کی مصیبت کا فخر حاصل کر سکے۔ البتہ حضرت عمرؓ نے علانیہ ہجرت کی۔ پہلے کعبہ کا طواف کیا اور مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا لو میں بھی مدینہ جا رہا ہوں۔ اگر کسی بیٹھر بو بنے والی کی خواہش ہو کہ اس کی جورو بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں تو آئے اور مجھے روکے۔

۱۶۔ النحل: مجوسیوں کو خدائی پیغام

اس سے پہلے قبیلہ بنی ذہل سے گفتگو ہو چکی تھی۔ خود مکہ میں مجوسی اثرات پہنچ چکے تھے اور یمن میں ان کی سلطنت تھی۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں مصر تک ان کا قبضہ تھا۔ لہٰذا جہاں نصرانیوں اور یہودیوں کو اللہ کی عبودیت کی دعوت دی گئی وہاں دو خداؤں کے پوجنے والوں یعنی آتش پرستوں کو بھی یہ پیغام دیا کہ اہرمن کی دنیا پر سلطنت ہونے کو تسلیم نہ کریں بلکہ یہ کہیں کہ زمین و آسمان پر ہر جگہ یزداں ہی کا راج ہے حقیقت میں یہی تصور جناب زردشت نے مسیح سے ہزار سال پہلے دیا تھا۔ مرور زمانہ نے بابلی تصورات کو مزد یسنائیت یا مذہب خدا پرستان میں داخل کر دیا تھا اور مانی اور مزدک نے بھی اسے فلسفیانہ اور صوفیانہ رنگ دے دیا تھا۔

خلاصہ سورہ ۱۶۔ النحل

امر الٰہی قریب آ گیا ہے۔ (ہجرت کا وقت) لہٰذا جلدی نہ کرو۔ اے مجوسیو، دو خداؤں کو نہ پوجو! اہل ذکر سے پوچھو کہ ہر شے اللہ کی مطیع ہے۔ لہٰذا طاغوت سے اجتناب کرو۔ یعنی اہرمن کو نہ پوجو صرف یزداں کی اطاعت کرو انما ھو الٰہ واحد وہ اللہ عدل و احسان اور انفاق کا حکم دیتا ہے

جبریل

اے اہل کتاب اس قرآن کو عقل اول (لوگاس) یا روح القدس اللہ کے پاس سے لایا ہے۔ لہٰذا اس کو پڑھنے سے پہلے "اہرمن دور باش یزداں قریب شو" کہا کرو یعنی استعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

آیات و دلائل کی تبدیلی

جب خدا ایک (دلیل) کی جگہ دوسری دلیل بدلتا ہے تو لوگ سمجھتے

ہیں کہ میں اُسے خود بنا لایا ہوں۔ حالانکہ اللہ کے اچھے بندوں پر شیطان یا نفس کا دخل نہیں ہوتا۔ وہ اپنی نفسانی خواہش سے دلیلیں نہیں دیتے۔ (یعنی خود آئین نہیں بناتے سب وہ خدا کے طرف سے ہوتی ہیں)

صحف ابراہیم یا ابراہیمی قوانین

اے یہودیو۔ پاکیزہ گوشت سب حلال ہیں لیکن تم نے بعض چیزیں خود اپنے لئے حرام کرلی ہیں۔ ملت ابراہیمی میں یہ حرام نہ تھیں اس ملت پر عمل کرو وہی قدیم ملت ہے۔ حرام حلال میں نے اپنے دل سے نہیں بنایا۔ یہ باتیں خدا نے بنائی ہیں وہی فطرت انسانی سے واقف ہے۔

مشرکین کا اعتراض تبدیلی آیات قرآن پر

مشرکین نے کہا آیات یعنی دلائل قرآن کو آپ بدل دیتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساحروں کے کلام کی طرح آپ ہی کا کلام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک موقع پر ایک دلیل اور دوسرے پر دوسری دلیل (یعنی آیت) اللہ ہی کے سمجھانے سے میرے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس میں شیطانی وسوسہ کا دخل نہیں ہے نہ کسی انسان کی تعلیم ہے۔

قدیم الٰہی تعلیم عربی زبان میں

خود انجیل و توراۃ بھی اللہ کی عبودیت ہی پر زور دیتی ہیں اور وہ بھی خدا ہی کی طرف سے نازل ہوئی تھیں جنہیں میں عربی یعنی صاف اور سلیس زبان میں بیان کرتا ہوں (النحل) اور یہ نصرانی بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ مسیح اس کا شریک نہیں۔ افسوس ہے کہ تم اُن کی زبان نہیں سمجھتے نہ عقائد جانتے ہو۔ ر بے تنک جبر و یسار وغیرہ عجمی میں کتابی باتیں کہتے ہیں۔ توراۃ و قرآن دونوں ہدای دکھر ہیں

مجبوری کا کفر

جو لوگ مجبور کرکے کافر بنا دیئے گئے اللہ انھیں معاف کردے گا (النحل) یہ آیت اُن لوگوں کے لئے آئی ہے جنھیں قریش نے مار مار کر اسلام چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا)

ملت ابراہیمی

ملت ابراہیمی یہ ہے کہ بجائے خود ساختہ رسوم کے، دین فطرت پر چلو۔ جانوروں کے حلال حرام سے زیادہ اعمال کے حلال حرام پر غور کرو۔ انتقام سے معافی بہتر ہے۔ ترش روئی سے خوش کلامی بہتر ہے۔ یہ صحف ابراہیم یا قوانین ابراہیمی ہیں اور توراۃ و قرآن کے ماننے سے پہلے ان قوانین کا ماننا ضروری ہے۔ یہ عہد نامہ قدیم تر ہے۔

مالداروں کی وجہ سے تباہی آتی ہے

ہر قوم کے مالدار اور عیش میں رہنے والوں کی وجہ سے قومیں تباہ ہوئی ہیں۔ وہ لوگ اپنے نفع کے قوانین

بناتے ہیں اور غریبوں کو دھوکے میں رکھکر عقل و دولت سے محروم کر دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ تم سب اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو۔ اس غلامی سے آزاد ہونے کی اگر کوشش نہ کروگے تو جہنم میں رہنا پڑے گا اور اس کی ذمہ داری دوسرے پر نہ ہوگی۔ لہذا اللہ کو مانو یعنی روحانیت اور حق پرستی کی دنیا پیدا کرو۔ مادیت اور خودغرضی کے پھندے سے نکل کر آزادی اور عزت حاصل کرو۔

سورہ ۶۔ الانعام۔ مجوس سے پھر خطاب

اے مجوسیو۔ ظلمات و نور اللہ ہی نے بنائے ہیں۔ لیکن یہ کافر اہرمن کو یزداں کا ہمسر سمجھتے ہیں

ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وہ اللہ یکتا و یگانہ ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔

بعث بعد الموت

کافر بعث بعد الموت کے منکر ہیں۔ ان کا یہ انکار اس لئے ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ خالق کائنات انھیں دوبارہ پیدا کرے اور انکے مظالم کی سزا دے۔ اس لئے وہ خدا کی قدرت ہی کے منکر ہو جاتے ہیں۔

خدا کے وجود کا معجزہ (ثبوت ظاہری)

کافر چاہتے کہ کوئی ایسا نشان دکھاؤ جس کو دیکھنے کے بعد وہ مان لیں کہ خدا موجود ہے۔ اور اگر ایسا نشان نہ دکھا سکو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم پر اپنے خدا سے کہکر آسمان گرا دو تاکہ ہم تباہ ہو جائیں۔

عذاب کے معجزہ کا انکار

اس طرح کا نظر آنے والا معجزہ نہ دکھایا جائے گا۔ نہ عذاب کا معجزہ (مثل معجزات موسوی) کے دیا جائے گا۔ ان کے سامنے خدا کے موجود ہونے اور خالق ہونے کے ہزارہا نشانات ہیں جنھیں وہ دیکھ رہے ہیں اور اُن میں سے کسی ایک چیز کو بھی خلق کرنے سے عاجز ہیں۔ یہی معجزات الٰہیہ ہیں۔

بہرحال اے رسول اگر تو اُن کی طلب کے مطابق معجزہ دینا چاہتا ہے اور تیرے اختیار میں ہے تو زمین میں گھس کے یا آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھنے کے بعد جس طرح بھی ممکن ہو تو انھیں لاکر معجزہ دکھادے

نشان عذاب اللہ نازل کرسکتا ہے

اللہ چاہے تو نشان عذاب نازل کردے لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ کیوں وہ عذاب نازل نہیں کرتا۔

میں عذاب نہیں لاسکتا

بہرحال جس چیز کی (یعنی عذاب کی) وہ جلدی کر رہے ہیں وہ میں نہیں نازل کرسکتا۔ میں تو صرف مبشر و منذر ہوں۔ یعنی میں تو اُن کی بداعمالی کے

نتیجہ سے خبردار کرنے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ نیک بن کر ترقی کریں اور ذلت سے نکل جائیں۔

میں غیب داں نہیں

نہ تو میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب کا حال جانتا ہوں۔ نہ میں فرشتہ ہوں۔ میں صرف تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ مجھ پر یہ وحی ہوئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کروں۔ اگر تم اس پر یقین نہیں کرتے کہ یہ وحی الٰہی ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لو کہ وحی الٰہی کیا چیز ہوتی ہے اور رسول اللہ کسے کہتے ہیں۔

عربوں کیلئے قرآن کی ضرورت

یہودی بعض باتوں کو بتاتے ہیں بعض کو چھپاتے ہیں اور ان میں کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ لہٰذا یہ قرآن ابراہیم و موسیٰ کے راستے پر چلانے کی وہ سچی تعلیم ہے جو مکہ اور اس کے اطراف کے لوگوں کے لئے مجھے خدا نے دی ہے۔

شرک و فواحش سے اجتناب

تم مردار کھاتے ہو۔ اولاد کو دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھاتے ہو۔ لڑکیوں کو قتل کرتے ہو۔ الغرض نہایت غیر متمدن ہو۔ میں ان باتوں سے تمہیں بچا کر اہل کتاب یا مہذب بنانا چاہتا ہوں تاکہ شرک نہ کرو اور فواحش سے بچو۔ یقیناً یہ قرآن بھی کتاب موسیٰ کی طرح مبارک ہے۔ لوگو عذاب الٰہی سے ڈرو۔ اگر وہ آیا تو توبہ کرنا بیکار ہوگا۔ میں ملت ابراہیم پر چلتا ہوں کہ نماز و عبادت زندگی اور موت سب اللہ لاشریک کے لئے ہو۔ (اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ) میری نماز میرا روزہ۔ میری زندگی سب اس اللہ کے لئے ہے جو انسانوں کا آقا ہے۔ (اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) (شیطان کیلئے نہیں ہے)

مکی تعلیم کا خلاصہ

یہاں یہ چیز نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ مکی تعلیم کا خلاصہ جن الفاظ میں سورۃ الانعام میں بیان کیا گیا ہے، تقریباً ان ہی الفاظ میں سورہ بنی اسرائیل میں پہلے بھی بیان ہو چکا ہے:۔

سورہ بنی اسرائیل	سورہ الانعام
حکمۃ الٰہیہ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ... لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَاٰتِ ذَا	قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ ... وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى ... وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ... ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ... وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ... وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ... ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ...

(یہ حکمت الٰہیہ یا عقل کی باتیں ہیں)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا (یعنی اسلام) فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (ع ۱۹)

آخری دورِ مکیہ کے چند اہم واقعات

(۱) **اسلام سویدؓ**: حضرت سویدؓ بن صامت شاعر تھے اور لقمان کے حکیمانہ اقوال نظم کیا کرتے تھے۔ مکہ سے مدینہ آئے۔ قرآن سنا اور ایمان لے آئے کہ خدائی کلام ہے۔ واپسی پر قبیلہ خزرج کے کسی آدمی نے انھیں شہید کر دیا۔

(۲) **اسلام ابوذرؓ**: حضرت ابوذر غفاری (المتوفی ۳۲ھ) مدینہ سے مکہ پاپیادہ آئے اور رسول اللہ سے پوچھا کہ اسلام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی بندگی اور شیطان سے نفرت کا نام اسلام ہے (اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ) آپ نے سنتے ہی تصدیق نبوی کی اور مومن ہو گئے۔ اس پر قریشؓ نے آپ کو بہت پیٹا۔ آخر مدینہ واپس آئے۔ آپ سرمایہ داری کے بہت بڑے دشمن اور اقتصادی مساوات کے

علمبردار تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت دانیال کی طرح تمام عمر تنہا تبلیغ کی۔ پھر ان کے بھائی انیس اور نصف قبیلہ غفار بھی مسلمان ہوگیا۔

۳۔ اسلام ضمادؓ ازدی: آپ اسلام سے پہلے ساحر تھے لیکن جب حق کو سنا تو باطل یعنی سحر کو چھوڑ دیا اور مصدق بن گئے۔

۴۔ حضرت سودہ سے نکاح: آپ مہاجر حبشہ، سکرانؓ کی بیوہ تھیں اور سن رسیدہ تھیں۔ یہ قبیلہ بنو عبد شمس سے تھیں۔ آنحضرت نے بعد وفات حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح کیا اور اپنی پناہ میں لے لیا۔

۵۔ حضرت عائشہ کی منگنی: بعد وفات حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضرت عائشہ رضؓ کی منگنی آنحضرت سے ہوئی۔ اس وقت آپ نابالغ تھیں اور یہ نسبت حضرت ابوبکرؓ نے بہ حیثیت والد و ولی عائشہؓ کے کی تھی۔

رسولؐ اللہ کے قتل کے مشورے

محرم ۱۳ نبوی ختم ہو چکا تھا اور جو حاجی یا تاجر جانے والے تھے۔ وہ رخصت ہو چکے تھے۔ اب سرداران قریش نے اپنی چوپال (دار الندوہ) میں ایک خفیہ جلسہ کیا تاکہ یہ طے کر سکیں کہ جناب رسول اللہ سے کس طرح چھٹکارا ہو انھیں یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ مدینہ والوں نے مسلمانوں کی حمایت پر کمر باندھ لی ہے۔ اس لئے انھیں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اس جماعت کا لیڈر بھی ہاتھ سے نکل گیا تو مشکلات بڑھ جائیں گی۔ ہشام بن عمرو نے کہا کہ زہیر و نابغہ بھی بڑے نامور شاعر تھے۔ انھیں زنجیروں میں باندھ کر ایک کوٹھری میں ڈالدیا گیا تھا اسی طرح محمدؐ کو قید کرکے کوٹھری کا دروازہ تیغہ کردو تاکہ سسک سسک کر مرجائے۔ لیکن ایک بوڑھے شیطان نے کہا کہ یہ رائے درست نہیں۔ بنو ہاشم اور اس کے ساتھی اُسے چھڑا لے جائیں گے۔ تب ابو البختری نے کہا کہ جلاوطن کردو۔ اسی شیخ نجدی نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک نہیں۔ وہ مختلف قبائل اور اپنے ساتھیوں کو ساتھ ملا کر حملہ کردے گا۔ تب ابو جہل نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ قریش سے ایک ایک نوجوان چن لیں جو سب مل کر محمدؐ پر تلواریں چلائیں اور قتل کردیں۔ اس طرح مکہ کے ہر قبیلہ میں محمدؐ کا خون پھیل جائے گا۔ اور بنو ہاشم سب سے نہ لڑ سکیں گے۔ آخر میں خونبہا پر معاملہ طے ہو جائے گا اور ہم مل کر جو رقم ہوگی وہ ادا کردیں گے۔ قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے (وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ۭ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ الانفال ۴)

یہ آیت فتح بدر کے بعد ۲ھ میں بیان کی گئی۔

آنحضرتؐ پر حملہ اور ہجرت

غرضکہ اس امر پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ رات کو قاتلوں نے گھر گھیر لیا آپؐ نے اپنی مخصوص چادر اپنے عمزاد بھائی علیؓ کو اوڑھادی اور اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم دیا جو امانتیں تھیں وہ بھی سپرد کردیں تاکہ مکہ والوں کو پہنچادیں۔ بھر رات کی تاریکی میں آپؐ سورہ یٰسین کی آیت فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ پڑھتے ہوئے گھر کی پچھلی کھڑکی سے نکل گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں جا چھپے۔

صبح کے قریب قاتلوں نے دروازے کی درزوں سے دیکھا تو انھیں اطمینان ہوگیا کہ رسول اللہؐ سو رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی وہ اندر داخل ہوئے تاکہ حسب دستور دشمن کو جگا کر اور ہوشیار کرکے قتل کریں لیکن چادر ہٹاتے پر انھیں حیرت ہوگئی کہ رسول اللہ نہیں ہیں۔ انھوں نے حضرت علیؓ کو پکڑ لیا۔ حرم تک مارتے ہوئے لائے اور پوچھا کہ آنحضرتؐ کہاں ہیں۔ آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کفار نے مار پیٹ کے بعد انھیں چھوڑ دیا (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی خوشی کے لئے اپنی جان فروشی کرتے ہیں)

یہاں یہ نکتہ یاد رہے کہ عربوں کا یہ خاصہ تھا کہ بے خبر دشمن یا عورت کو قتل کرنا بزدلی سمجھتے تھے۔ اور اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ جو واجب القتل ہو اُسے قتل کیا جائے کسی دوسرے کو نہ مارا جائے۔ اسی لئے حضرت علیؓ بچ گئے اور کفار نے آنحضرتؐ کی تلاش شروع کردی۔ وہ آپؐ کے خاص دوست حضرت ابوبکرؓ کے یہاں پہنچے وہ بھی لاپتہ تھے۔ ان کی لڑکی کو مارا پیٹا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ تب کھوجیوں نے نقش قدم پر ڈھونڈنا شروع کیا اور اس غار تک پہنچ گئے جس میں آنحضرتؐ اور ابوبکرؓ چھپے ہوئے تھے۔ لیکن غار کے اندر نہیں گھسے۔ وہاں جالا وغیرہ لگا ہوا تھا اور ایک کبوتری بھی انڈوں پر بیٹھی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو خطرہ ہوا کہ کہیں رسول اللہؐ گرفتار نہ ہوجائیں۔ اس لئے کہ کھوجی ذرا آگے بڑھتے تو آپؐ کو گرفتار کرلیتے۔ لیکن آنحضرتؐ نے نہایت وقار ویقین کے ساتھ فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ ہم دو ہی ہیں۔ ہمارے ساتھ ایک تیسرا بھی ہے جو سب پر غالب ہے اور وہ اللہ ہے۔ یہی کلمات آئندہ قرآن کا جزو بن گئے (لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (سورۂ توبہ)

آپؐ مع حضرت ابوبکرؓ کے تین دن تک ثور پہاڑی کے ایک غار میں چھپے رہے اور وہاں عامر ابن فہیرہ بکریاں چراتے ہوئے جاتے تھے اور دونوں کو دودھ پلا کر واپس آجاتے تھے اور عبداللہ بن ابوبکر مکہ والوں

کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ تین دن کے بعد معلوم ہوا کہ قریش تلاش کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور انھوں نے دونوں مہاجروں کے لئے سو سو اونٹوں کے انعام کا اعلان کیا ہے کہ جو شخص زندہ یا مُردہ ان لوگوں کو لائے گا وہ انعام پائے گا۔

چوتھی رات یعنی یکم ربیع الاول ۱۳ نبوی مطابق یکم مئی ۶۲۲ء کو پنجشنبہ کی رات کو آپؐ غار سے نکلے۔ نہایت دردناک لہجے میں فرمایا کہ اے مکّہ! تو مجھے کل دنیا سے عزیز ہے۔ لیکن تیرے بیٹے (باشندے) مجھے یہاں نہیں رہنے دیتے۔"

پھر عبداللہ بن اریقط کو جو مشرک تھا۔ رہنمائی کے لئے دوسرے اونٹ پر سوار کیا۔ عامر بن فہیرہ اور مولائے ابوبکرؓ بھی ساتھ ہو لئے اور دو اونٹوں کا قافلہ روحانیت و محبت کی دنیا بسانے کے لئے اللہ پر بھروسہ کر کے مدینہ کی طرف چل دیا اور شاید زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا۔

در بیاباں گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم ۔۔۔ سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

رسول اللہؐ کی تبلیغی زندگی کے تیرہ سال

معلوم ہوتا ہے کہ تلاش حقیقت سے زیادہ ہدایت وارشاد کا راستہ ہمیشہ سے پُرخار رہا ہے۔ دنیا کے مصلحوں، عملی فلسفیوں اور پیغمبروں کی زندگیاں اس حقیقت سے پردہ اُٹھا دیتی ہیں۔ ابراہیمؑ بھی صرف ایک ساتھی لوطؑ کے ساتھ عُرفہ سے مہاجر بنے تھے۔ ان کے خاندان میں موسیٰؑ بھی ہزاروں غلاموں کو لے کر اسی طرح فرعونی لشکر سے بچے تھے اور اُن کے ساتھ بھی ایک ہی ہمراز ہارونؑ تھے لیکن بہت سے نبیوں کو تو ہجرت سے پہلے ہی موت کا جام پینا پڑا۔ شعیبؑ، صالحؑ، عیسیٰؑ اور مانی پر کیا کیا مصیبتیں گزریں۔ یہ سب خداپرستی اور مساوات انسانی کی وادی کے مسافر تھے۔

گوتم بدھ نے راج پاٹ، بیوی بچہ چھوڑ کر جب سنیاس اختیار کیا تو اُن پر زندگی کا راز کھُلا اور جب انھوں نے خونی قربانی کرنے والوں کو عقل اور سچّائی کا راستہ دکھایا تو اُن کے ماننے والوں کا کیا حشر ہوا خود اُن کے پیغام کو سمجھ سے باہر کر دیا گیا۔ یہی حال زردُشت کا ہوا اور لوگوں نے یزداں کو چھوڑ کر اہرمن پرستی شروع کر دی اور آتش پرستی کو خداپرستی قرار دیدیا۔ سقراط کو موت کا جام اور موسیٰ و کرشن کو پیدا ہونے سے پہلے موت کا پیغام ان ہی ظالموں کی طرف سے ملا جو عدل و انصاف، رحم و مروت کے معنی بھی نہ سمجھتے تھے ابراہیمؑ کے لئے آتش نمرود اور پرہلاد کے لئے آتش ہرنیہ (Hiranya Kashyapu) ہرزمانہ

یں تیار ہوگی اور ہر زمانے میں حق ہی باطل کو سرنگوں کرے گا۔

ناواقف عیسائی کہتے ہیں کہ رسول عربیؐ کی مکّی زندگی ایک عیسائی پیر یا بزرگ کی زندگی ہے۔ انھیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ شروع سے آخر تک اُن کی یہی کوشش تھی کہ لوگ سچّے عیسائی، سچّے موسائی، سچّے ابراہیمی، سچّے زرتشتی اور سچّے بُدھ بن جائیں۔ وہ نہ صرف مکّہ میں یہی کہتے رہے بلکہ مدینہ میں بھی اسی کی تکمیل کی کہ کل قوموں کل نبیوں اور تمام مقدّس کتابوں کی یہی تعلیم ہے کہ حق پرستی، مساوات انسانی میں انسانیت کی نجات ہے۔ لیکن تیرہ سال تک رحم و مروت مساوات اخوت کا پیغام سنانے والے سے اس کے ہم وطن مالداروں نے کیا کیا؟ پہلے گالی ماردی، پھر تین سال تک قید میں رکھا۔ اس کے بعد تین سال تک قبائل میں مارا مارا پھرایا اور مکّہ میں ایسی زبان بندی کی کہ اللہ کا نام لینا جرم ہوگیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ جب اُن ہی کی اصلاح و ترقی کے لئے دوسری قوموں سے معاملہ ہونے لگا تو اُن ہی عیش پرستوں نے قتل پر کمر باندھ لی اور جب اس پر بھی بس نہ چلا تو آپؐ کے سر کی قیمت سو اونٹ مقرر کردی۔ اب آپ خود ہی سوچیں کہ ایسے ظالموں اور سرکشوں پر آپ کو قدرت حاصل ہو جائے تو انھیں کس طرح قتل کریں گے؟

رسول اللہؐ نے اس کے بعد کیا کیا وہ مدنی زندگی سے متعلق ہے جو ہم آئندہ بیان کریں گے۔

سیرت مدنیہ قرآنیہ

چھٹی فصل: امیر العالمین

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ تا رجب سنہ ۲ھ
جون سنہ ۶۲۲ء تا اکتوبر سنہ ۶۲۳ء

ہجرت مدینہ سے بدر تک استحکام ملت اور کتابی آمریت کا قیام

لوگوں نے میرے قتل کی سازش کی۔
میرے ساتھیوں کو شہر بدر کیا۔
کمزوروں کو زنجیروں میں باندھ دیا۔
حبشہ پہنچ کر میرے ساتھیوں کو نجاشی سے قتل کے لئے مانگا۔
لیکن .. ..
میں سمجھتا ہوں کہ امن و ترقی صرف محبت سے حاصل ہو سکتی ہے
میں سمجھتا ہوں کہ ایک شخص کا قتل کل عالم کا قتل ہے۔
یہودیو! میں آزادی کا علمبردار ہوں۔ میں محبت و اتحاد کا پیامبر ہوں۔
آؤ ہم سب متحد ہو کر امن و سلامتی کو ترقی دیں۔
محبت و آزادی کا راستہ بنو اسرائیل کو بتایا گیا تھا۔
کہ مال کو جان کے لئے اور جان کو عزت کے لئے خرچ کرنا ہی شرافت ہے۔
اور سب کے بھلے میں اپنا بھلا ہے۔ .. .. ۔ (رسول عربی ؐ)

امیر العالمین

اِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا

(توراۃ خدائی قانون ہے جس میں نور و ہدایت ہے اور اللہ کو ماننے والے نبی اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں)

لَا يَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ دُوْنَ جَارِهٖ (الحدیث)

(ایماندار کے لئے ممکن نہیں کہ خود کھائے اور ہمسایہ بھوکا رہے)

ہر کہ در خطۂ مسلمانی — باشد از نقد دیں گرانمایہ

کے پسندد کہ خود بخسپد سیر — بنشیند گرسنہ ہمسایہ (جامی)

عربی جنتری

شمالی کرۂ ارض میں اعتدال ربیعی ۲۱ر مارچ کو ہوتا ہے۔ پھر آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں موسم بہار کے میلے ہر ملک میں لگتے تھے اور شمسی جنتری بھی اسی موسم سے شروع ہوتی تھی۔ قدیم زمانے سے بابل والے علم نجوم کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کی جنتری کو یہودیوں نے اپنی جنتری مان لیا۔ مسلمان اسے رومی تقویم کہتے ہیں۔ اس میں برج حمل آدار کے مہینے میں ہوتا ہے اور ایرانی تقویم شمسی کے اعتبار سے فروردین کا مہینہ اور ہندی تقویم کے اعتبار سے چیت ہوتا ہے۔ سال کے بارہ شمسی مہینے ہوتے ہیں۔ جاڑوں کے شروع میں پھر ایک چھوٹا نوروز منایا جاتا ہے جو رومی تقویم میں تشرین الاول، ایران میں آبان ہند میں کاتک اور رومی کلنڈر میں اکتوبر ہوتا ہے۔ بابلی سال اسی مہینے سے شروع ہوتا ہے اور بابلی یہودی بھی تشرین سے نیا سال شروع کرتے تھے اور دس تشرین کو یوم توبہ کا روزہ رکھتے تھے۔ اسی اعتدال خریفی یعنی ۲۱ر ستمبر کو اہل حبشہ اپنا نیا سال مسکرم کے مہینے سے شروع کرتے تھے۔ اور ایران میں جشن نوسروہ، ہند میں دسہرہ کا میلہ اب بھی ہوتا ہے۔ عرب میں بھی ان دونوں نوروزوں کے زمانوں میں دو میلے ہوتے تھے۔ ایک بڑا میلہ (حج اکبر) تین ماہ تک ذی قعدہ، ذی الحجہ محرم تک یعنی فروری سے اپریل تک ہوتا تھا۔ اسی زمانے میں ایران میں

نوروز، یہودیوں کے یہاں عید فصح، اور نصرانیوں میں ایسٹر کا تہوار یا میلہ ہوتا تھا۔ دوسرا میلہ چھوٹا ہوتا تھا اسے حج اصغر کہتے تھے۔ یہ سال کے بیچ میں رجب کے مہینے میں ہوتا تھا اور ایک ماہ رہتا تھا۔ قدیم زمانے سے عربوں نے ان چاروں مہینوں میں امن عام کا قاعدہ مقرر کر دیا تھا اور ہر تیسرے سال اُن کے جوتشی جنھیں ناسئ الشہور کہتے تھے سال میں ایک مہینہ بڑھا کر شمسی موسموں کے مطابق کر لیتے تھے۔ یہی طریقہ ہند میں اب تک رائج ہے۔ لیکن عرب کے قریب جو اہل کتاب تھے انھوں نے اس پرانی تقویم کو چھوڑ دیا تھا اور اور نصرانیوں نے سال کے مقررہ بارہ مہینے بنا لئے تھے۔ ایرانیوں نے بھی بارہ مہینے مقرر کر لئے تھے۔ اور سال کے آخری مہینے اسفندار میں پانچ دن بڑھا کے ۳۶۵ دن کا شمسی سال کر لیتے تھے۔ آنحضرتؐ بھی یہی چاہتے تھے کہ قرآن کے حکم سے سال کے بارہ مہینے ہوں اسی لئے قرآن نے نسی بند کر دی اور قمری سال کو شمسی بنا دیا۔ یعنی قرآن نے کہا کہ سال میں بارہ مہینے ہوا کریں۔ تیسرے سال مہینہ بڑھا کر حلال مہینے کو حرام اور حرام کو حلال نہ بنایا جائے۔ یہ حکم آخر ۹ھ میں سُنایا گیا۔ ۱۱ھ میں رسول اللہؐ کی وفات ہو گئی اور مسلمانوں نے قمری ہی سال جاری رکھا لیکن نسی کرنا چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سال کے ہر موسم میں حجوں کے مہینے گردش کرنے لگے اور ہزاروں مسلمان حج اور رمضان کی گرمیوں کی تاب نہ لا کر بیماری اور موت کا شکار ہو گئے۔ بہرحال اہل حکومت نے غلطی جلد محسوس کر لی اور فصل شمسی کے اعتبار سے زکوٰۃ اور دوسرے ٹیکس وصول ہونے لگے۔ لیکن مذہبی گروہ اب تک مذہبی اعمال کی بجا آوری قمری مہینوں کے اعتبار سے کر رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ سخت گرمی کے زمانوں میں مسلمانوں کو سخت مشقّت کا سامنا ہوتا ہے اور وہ غرض بھی حاصل نہیں ہوتی جو قرآن کی تھی۔ یعنی کل اہل کتاب ایک ہی موسم میں اللہ کے نام کے میلے کریں اور متحد ہو کر امن کے مہینوں سے تجارتی و روحانی فائدے حاصل کریں اور پھر رحلۃ الشتاء و الصیف کریں۔

بہرحال ہم نے ذیل میں وہ جنتری درج کر دی ہے جو زمانہ جاہلیہ میں عرب میں رائج تھی اور جسے آنحضرتؐ نے قرآنی حکم سے ۱۰ھ میں منسوخ فرمایا۔ اس جنتری کے اعتبار سے حج اکبر ہمیشہ مارچ میں، رمضان ہمیشہ جاڑوں میں اور حج اصغر ہمیشہ ابتدائے سرما یا شتاء میں ہوتا ہے اور ان ہی دونوں زمانوں میں رحلۃ الشتاء والصیف ہوا کرتی تھیں۔

نوٹ:۔ گریگورین کلنڈر کے مطابق جولین کلنڈر میں ۱۵۸۲ء تک تقریباً چار دن کی غلطی رہ گئی تھی اس لئے جو تاریخ جولین جنتری میں ۵ ہے وہ درحقیقت یکم ہونا چاہیئے۔ اس لئے

موجودہ جنتری کو گریگورین جنتری کے مطابق بنانے کے لئے چار دن پیچھے کر دینا چاہیئے۔
(دیکھئے جنتری کرنل ہیگ۔ لوزاک کمپنی سنہ ۱۹۳۲ء)

۱۔ عام الاذن بالرحیل من المکۃ الی المدینۃ مطابق سنہ ۱۳ نبوی و سنہ ۶۲۲ء مطابق مسیحی جنتری

یکم محرم	نسئ شدہ صفر	یکم صفر	یکم ربیع الاول	یکم ربیع الثانی	یکم جمادی الاول	یکم جمادی الثانی	یکم رجب	یکم شعبان	یکم رمضان	یکم شوال	یکم ذی قعدہ	یکم ذی الحجہ
۱۹ اپریل ۶۲۲ء		۱۸ مئی ۶۲۲ء	جمعرات ۶۲۲ء ۱۷ جون	جمعہ ۱۶ جولائی	یکشنبہ ۱۵ اگست	دوشنبہ ۱۳ ستمبر	بدھ ۱۳ اکتوبر	جمعرات ۱۱ نومبر	شنبہ ۱۱ دسمبر	یکشنبہ سنہ ۶۲۳ء ۹ جنوری	سہ شنبہ سنہ ۶۲۳ء ۸ فروری	چہار شنبہ ۹ مارچ

۲۔ عام الامر بالقتال سنہ ۲ھ

جمعہ ۶۲۳	نسی ۷ مئی	دوشنبہ ۲ جون ۶۲۳	سہ شنبہ ۵ جولائی	پنجشنبہ ۴ اگست	جمعہ ۲ ستمبر	یکشنبہ ۲ اکتوبر	دوشنبہ ۳۱ اکتوبر ۶۲۳					

امیر العالمینؐ

جناب امیر العالمین قبا میں

رومی شہنشاہیت کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔ رومہ میں لاطینی بولنے والوں کی سلطنت تھی اور مغربی کلیسا کی زبان بھی لاطینی تھی۔ مشرقی سامراج کا مرکز قسطنطنیہ تھا جو یونانی بولنے لگا تھا اور مشرقی تصورات سے اثر لے رہا تھا۔ یہ مشرق و مغرب کی کشمکش درحقیقت رومی اور یونانی کلیسا کی کشمکش تھی جو اب تک کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے

مشرقی رومی سامراج اور ساسانی سامراج کی لڑائیوں نے شام و مصر اور ایشیائے کوچک کو تباہ کر رکھا تھا اور دونوں قومیں نصرانیت اور مجوسیت کے نام پر خونریزی، غلامی، لوٹ اور بدامنی کو انتہا تک پہنچا چکی تھیں۔ بہت سے تجارتی راستے بند ہو چکے تھے اور جو باقی تھے وہ صرف چھوٹے قبیلوں کے رحم و کرم پر تھے۔ مذہبی تعصب اور مذہبی جھگڑ بندیوں نے عقل انسانی کو بھی غلام اور مجبور بنا دیا تھا۔ پادریوں اور دستوروں کی رائے سے سر مو تفاوت کرنا موت کا پیغام تھا۔

ہجرت نبوی کے وقت مصر تک ساسانی حکومت چھائی ہوئی تھی اور ہجرت سے دو سال پہلے ۶۲۰ء میں عربوں کی ایک نو آبادی باختر میں قائم ہو چکی تھی جو عرب قبیلے ساسانی سلطنت کے قریب تھے ان کی دوستی فارسیوں سے ہو چکی تھی اور شام کے عربوں کے تعلقات رومی سامراج سے تھے یہ زمانہ تھا کہ رسول اللہؐ جون ۶۲۲ء میں مدینہ پہنچے غار ثور سے دو اونٹوں کا قافلہ راتوں رات چلا اور اس تیزی سے چلا کہ آٹھ دن میں جمعرات کے دن ۸ ربیع الاوّل سنہ ۱۳ نبوی ۵ / ۲ جون ۶۲۲ء صبح کو قبا پہنچ گیا۔ اب مسلمانوں کے لئے مکّہ دار الامن نہیں رہا۔ وہاں نہ آزادی رائے باقی تھی۔ نہ جان بچانے کے لئے کوئی ضامن تھا مطعم بن عدی جس نے آنحضرت کو پناہ دے رکھی تھی اس کا بیٹا جبیر تک آپ کے قتل کے مشورہ میں شریک تھا۔

راستہ میں سراقہ نے ان مہاجرین کو دیکھ لیا اور گھوڑے پر سوار ہو کے تعاقب کیا۔ لیکن اُس کا گھوڑا کئی دفعہ ٹھوکر کھایا اور ہر دفعہ اُس کی فال میں "نہیں" نکلا۔ اس لئے اُس نے معافی مانگی اور ایک نشانی (آیت) مانگی تاکہ وہ ضرورت پر کام آئے۔ حضرت ابو بکرؓ کے مولی عامر بن فہیرہ نے اُسے کسی چیز پر ایک نشان امان بنا کر دے دیا ایک منزل پر اس قافلہ نے ام معبد کے خیمہ پر

بکری کا دودھ پیا۔ دوسری جگہ بریدۂ اسلمی نے انھیں لوٹنا چاہا لیکن آپ سے گفتگو کے بعد اس کا دل نورایمان سے بھر گیا اور وہ ساتھ ہولیا۔ رستے میں حضرت زبیر بن العوام بھی ملے جو شام کی تجارت سے واپس آرہے تھے انھوں نے ابوبکرؓ کو چند سفید کپڑے تحفۃً دیئے اور مکہ روانہ ہوگئے۔

مہاجر مسلمان یثرب سے باہر قبا کے محلہ میں جو ٹیلے تھے، اُن پر دوپہر تک انتظار کیا کرتے تھے۔ آخر یہ مجاہدین فی سبیل اللہ والامن والاسلام قبا پہنچ گئے اور حضرت ابوبکر نے آنحضرت کے سر پر چادر کا سایہ کرلیا تاکہ لوگ پہچان سکیں کہ رسول اللہ کون ہیں۔ قبا پہنچکر آپ نے بنی عمر و قبیلہ کے یہاں قیام فرمایا۔ تیسرے دن حضرت علیؓ بھی لوگوں کی امانتیں دے کر قبا پہنچ گئے۔ اس جگہ آپ نے مسلمانوں کی پہلی مسجد کلثوم بن ہدم کی زمین پر بنائی۔ قبا سے یثرب جانے کے بعد چند مسلمانوں نے ایک اور مسجد یعنی مسجد ضرار بنائی تھی اور اس میں جمع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی جماعت میں نفاق پیدا ہوتا تھا۔ اس لئے ۹ھ میں قرآن نے حکم دیا کہ پہلی مسجد کی بنیاد تقوی پر ہے اور دوسری مسجد ضرار اور نفاق ڈالنے والی ہے لہذا اس کفر و نفاق کی مسجد کو ڈھا دیا گیا اور توحید جماعت باقی رہ گئی۔

اوس و خزرج کا ملاپ

مدینہ کے عرب باشندے قحطانی تھے اور یمن سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے اور دو شخصوں یعنی اوس اور خزرج کی اولاد سے تھے ان کے ساتھ ساتھ مدینہ اور اطراف مدینہ میں فلسطین کے منتشر شدہ یہودی بھی آباد تھے اور انھوں نے سودی کار بار اور تجارت پر قبضہ کر رکھا تھا اور اپنی حفاظت کے لئے اپنی آبادیوں کے دفاعی طور پر مستحکم بنا رکھا تھا۔ عربوں اور یہودیوں میں جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ تھا لیکن جب یہودیوں نے شرارت شروع کی تو عربوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور شامی عربوں کی مدد سے یہودیوں کو قتل کرنا شروع کیا لیکن جب عربوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو یہودی اوس و خزرج کو آپس میں لڑا کر اپنی طاقت قائم رکھنے لگے۔

اوس خزرج میں سیکڑوں معرکے ہوچکے تھے۔ آخری لڑائی حرب بعاث تھی جو ایک سو دس سال تک جاری رہی تھی اور دونوں قبیلوں کو بیحد کمزور کرچکی تھی۔ اوس نے یہودیوں سے اتحاد کرنا چاہا لیکن خزرج نے یہودیوں کو دھمکا یا۔ اور یہ اتحاد نہ ہوسکا۔ پھر اوس نے قریش سے مدد چاہی لیکن ان سے بھی معاملہ نہ ہوا۔ آخر رسول اللہ سے ان دونوں قبیلوں کا دوستانہ معاہدہ ہوگیا اور آپ نے قبا پہنچ کر ایک ہفتہ کے اندر اوس و خزرج کو ایک دوسرے کا حلیف و دوست بنا دیا اور جو خون خزرجیوں کے ذمہ

باقی تھے وہ ہنو اوس نے معاف کر دیئے۔

فتح مدینہ

سیرت نگاروں کو گویا معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگ ان کے ایک ایک لفظ کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور اُن پر اونچی اونچی عمارتیں بناڈالیں گے۔ شروع میں عربوں نے جو تاریخ نگاری کی اس کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے کی عربی میں واقعات کو جمع کر دیا اور بیچ بیچ میں قرآن وکلام عرب کی تفسیر وتشریح اور غیر متعلق واقعات بھی اکٹھا کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد کے آنے والوں نے تحقیق کا جامہ تو پہن لیا لیکن حقیقت سے وہ بھی اس لئے بیگانہ رہے کہ عربی راویوں کے دماغی اور مادی پس منظر کو سامنے نہ رکھ سکے اور ثریا تک عمارت کج ہوگئی۔

ارباب سیر ومغازی نے ۸ھ میں پر امن داخلے کو "فتح مکہ" لکھا۔ اس کا مطلب یہ لیا جانے لگا کہ مکہ کو رسول اللہ ﷺ نے بزور شمشیر فتح کیا۔ حالانکہ یہ سراسر واقعہ کے خلاف ہے۔

یثرب کو بھی آنحضرت نے فتح کیا لیکن سیرت نگاروں نے اس کا نام فتح مدینہ نہیں رکھا۔ اس لئے کسی کا خیال ادھر نہیں جاتا کہ یہ بھی ویسا ہی پر امن داخلہ تھا جیسا کہ بعد میں مکہ میں ہوا بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ فتح مدینہ ایسی شاندار اور پر امن فتح ہوئی ہے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

قبا میں چند روز قیام کے بعد رسول اللہ نے یثرب والوں کی دعوت کو قبول فرمالیا۔ آپ قصواء پر سوار ہوئے اور جمعہ کے دن یثرب کو روانہ ہوئے۔ آپ کے داخلہ کے بعد اس قریہ کا نام مدینۃ النبی (نبی کا شہر) ہوگیا۔ راستے میں مختلف محلوں کے لوگ ہتھیاروں سے سجے سجائے آپ کے استقبال کے لئے کھڑے تھے اور دلوں کا فتح کرنے والا نبی، اس داخلے سے بہت پہلے محبت وسلامتی کے ہتھیار سے ان سب کو فتح کر چکا تھا۔ عورتیں مردوں سے زیادہ خوش نظر آتی تھیں۔ لڑکیاں خوش آمدید کے ترانے گا رہی تھیں اور فاتح القلوب کے کان میں ہر طرف سے یہ صدا آرہی تھی کہ آیئے تشریف لایئے۔ اے اللہ کے رسول! عزت، حفاظت اور آسائش حاضر ہے (ھلمّ یا رسول اللہ الی العزّ والمنعۃ والثروۃ) آپ خوش آمدید کرنے والوں کو دعا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اونٹنی کو چلنے دو۔

رستہ میں قصواء محلہ بنو سالم میں رُک گئی۔ لوگوں نے خوش آمدید کہا لیکن آپ نے فرمایا کہ مقصود یہاں ٹھیرنا نہیں ہے بلکہ نماز جمعہ ادا کرنا ہے۔ نماز سے پہلے آپ نے ایک لیکچر دیا جو اس لئے تاریخی ہے کہ مکی دور میں جو کچھ تعلیم دی گئی تھی۔ اس کا عطر ہے۔ اس خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلا خطبہ ترجمہ

(۱) کل حمد اُس اللہ کی ہے جس سے مدد بخشش اور ہدایت مانگتا ہوں اور جو لوگ اُسے نہیں مانتے (کفر کرتے ہیں) اور دوسروں سے مدد اور ہدایت مانگتے ہیں۔ وہ تاریکی میں ہیں۔ اس کفر کا میں دشمن ہوں۔ دوسروں کے آگے سر جھکانا انسانیت کی توہین ہے وہ سب کا بادشاہ ہے۔ کسی بندہ کا اس پر اختیار نہیں وہ سب کا حاکم ہے کسی کا محکوم نہیں۔

(۲) میں بھی اُس آقا کا ایک بندہ ہوں اور اس کا یہ پیغام تم کو بھی پہنچاتا ہوں کہ سوائے اس کے کسی کی اطاعت نہ کرو۔ نہ غیر اللہ سے مدد مانگو۔

(۳) آنے والی زندگی یقینی ہے۔ اس پر ایمان لانے والا متقی ہوتا ہے اس کا ضمیر روشن ہو جاتا ہے وہ برائیوں سے بچتا ہے۔ اس کی لغزشیں معاف کردی جاتی ہیں اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے۔

(۴) بندہ ہونے کی حیثیت سے، اور انسان کی حیثیت سے کوئی خاص فرقہ مثل یہود و موبد و برہمن) اللہ کی چنی ہوئی قوم نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ اپنی کوشش سے اللہ کے راستے پر چلتے ہیں انھیں خدا چن لیتا ہے ایسے ہی لوگوں کو خدا اطاعت گزار بندہ (مسلم) کہتا ہے۔

(۵) تاریخ اور عقل سے کام لو۔ اندھا دھند تقلید سے پرانی قومیں تباہ ہو چکی ہیں۔ خدا کی اطاعت (اسلام و ایمان) یہی ہے کہ سچائی کے ساتھ سیدھی شاہ راہ اسلام پر چلو۔ اس سے جان بوجھ کر الگ ہونا تاریکی (کفر) میں پڑنا ہے۔ اللہ سب معبودوں سے بڑا ہے اور ہماری قوت و عمل کا وہی سرچشمہ ہے"۔

(ملخصاً از تاریخ الامم طبری)

ننھیال میں قیام

نماز کے بعد سواری آگے بڑھی اور آپ برابر فرماتے رہے کہ روکو نہیں۔ اللہ کے حکم سے جہاں بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا۔ آخر وہ اونٹنی بنو نجار کے محلہ میں حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے سامنے ٹھہری اور آپ نے مع اپنے مولیٰ زیدؓ بن محمدؐ کے اُن کے یہاں قیام فرمایا۔ یہ آپ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔

مواخات

امیر العالمینؐ نے مدینہ پہنچتے ہی مہاجر و انصار میں بھائی چارہ پیدا کرنے کے لئے حضرت انس بن مالک کے گھر میں جتنے مہاجر موجود تھے سب کو بلایا اور جو انصار خاص طور پر بیعت عقبہ میں شریک تھے انھیں بھی طلب کیا اور حسب حیثیت ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کے سپرد فرمایا اور کہا تم دونوں سگے بھائیوں کی طرح سمجھے جاؤ گے حتیٰ کہ اگر تم میں سے کوئی

مرے گا تو دوسرا اس کا اُسی طرح وارث ہوگا جیسا کہ حقیقی بھائی ہوتا ہے۔ مہاجروں کی کل تعداد سینتالیس بتائی جاتی ہے بہت سے مسلمان مکہ میں باقی رہ گئے تھے اور مجبوری کی وجہ سے نہ آسکتے تھے اور ایک تعداد سرزمین حبشہ میں مہاجرانہ زندگی پہلے سے بسر کر رہی تھی۔

اصحاب صُفّہ بعض مہاجر ایسے تھے جن کے نہ بی بی تھے نہ بچے اور بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ گھر بار تو کجا پہننے کے کپڑے تک کافی نہ تھے۔ یہ لوگ ایک چھپر کے نیچے مسجد نبوی کے قریب ایک چبوترہ پر راتیں بسر کرتے تھے۔ اور اگر ان میں سے کوئی نکاح کر لیتا تھا تو مجبوراً اُسے کوئی دوسرا ٹھکانا تلاش کرنا پڑتا تھا۔ یہ لوگ اسلامی تعلیم کو پھیلانے کا کام بلا معاوضہ کیا کرتے تھے۔ اور اگرچہ فقر وفاقہ اُن کے چہروں سے ظاہر تھا لیکن خودداری کی وجہ سے وہ کسی سے مانگنا عار سمجھتے تھے (بقرہ ع ۳۷) یہ صوفیان صافی اور زاہدان مرتاض گویا مسلمانوں کے راہب یا بدھوں کے بھکشو تھے۔ لیکن بھیک نہ مانگتے تھے۔ اور انھوں نے اپنے اوپر نکاح یا لذائذ دنیوی کو آنحضرت کے حکم سے حرام نہیں کیا تھا۔ امیرالعالمین ان کا بہت ہی خیال رکھتے تھے۔

تشکیل جماعت اسلامی اور مساوات

تعمیر مسجد مدینہ میں جس جگہ پہلے اونٹنی بیٹھی تھی وہ زمین دو یتیموں کی تھی۔ ان کے ولی کو اس کا معقول معاوضہ دے کر وہاں مسجد نبوی تعمیر کی گئی۔ اس کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور ہر مسلمان امیرالعالمین کے ساتھ اس کی تعمیر میں لگا ہوا تھا۔

جماعتی نماز مسجد بننے کے بعد انفرادی نماز جماعتی نماز میں تبدیل ہوگئی اور عرب و ہند میں اشیائے پرستش کا جو طریقہ طواف تھا وہ مدینہ میں باقی نہ رہا۔ اب بجائے طواف کے صرف اس خداخانے کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا کافی تھا جو یروشلم میں تھا چونکہ مکّہ میں کعبہ کے جنوب میں کھڑے ہوکر امیرالعالمین شمال یعنی یروشلم کے بیت ایل کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ اس لئے یہ طریقہ یہاں بھی جاری کر دیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ سب مومن ایک امام کے پیچھے قبلۂ اسرائیل کی طرف منہ کرکے باقاعدہ قطاروں میں کھڑے ہوں اور امام خدا کو مخاطب کرکے صرف اسی کی بندگی کا اقرار کرے اور ضروریات ملکی یا انسانی کے لئے جو مدد مانگنا ہو اسی خدا کو پکار کر مانگے۔ باقی مقتدی آمین کہیں۔ اس طرح نماز کا

امام سیاسی امیر یا قاضی بھی ہوتا تھا۔

خاندان نبوی منازل نبوی

مسجد نبوی کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے جھونپڑے ڈال دئے گئے تھے جن میں امیر العالمین کی زوجات محترمات رہتی تھیں۔

مدینہ پہنچ کر آپ نے حضرت زیدؓ بن محمدؐ کو دو اونٹ اور پانسو درہم دے کر مکہ بھیجا تھا کہ عبداللہ بن ابی بکر کے ساتھ جا کر خاندان نبوی کو لے آئیں۔ ابھی تک انفرادی طور پر مکہ اور مدینہ والوں میں آمد و رفت جاری تھی اور کسی نہ کسی کی حمایت (یا جوار) میں لوگ برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ اسی لئے جب یہ دونوں مکہ پہنچے تو کسی نے ان سے تعرض نہیں کیا۔ آپ کی ایک بڑی لڑکی بی بی رقیہ حبشہ میں حضرت عثمان کے ساتھ ہجرت کے دن گذار رہی تھیں۔ بی بی زینبؓ کو ابو العاص نے روک لیا۔ صرف بی بی فاطمہ زہراء اور ام المومنین سودہؓ زید کے ساتھ، اور حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہؓ کے ساتھ آسکیں اور ان کوٹھریوں میں مقیم ہو گئیں جن میں رات کو چراغ بھی نہ جلتا تھا۔ سب کو حوائج ضروری کے لئے باہر جانا پڑتا تھا کسی کے گھر میں کوئی مقام اس کے لئے نہیں ہوتا تھا۔

کتابی جمہوریت یا اصولی شورائیت کی پہلی جھلک

فتح یثرب کے بعد حکومت کا دار السلطنت مدینۃ النبی کہلانے لگا اور مہاجرین و انصار مل جل کر اس تصور کو آنحضرت کی رہنمائی میں آگے بڑھانے کی کوشش کرنے لگے جس کو مکی قرآن نے واضح کر دیا تھا۔ یہ مرکزی جماعت مکہ ہی میں تیار ہوئی تھی۔ یعنی اوس و خزرج کے لوگوں نے مکہ ہی میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے آنحضرت سے عہد و پیمان کیا تھا۔ اس پر اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے خوش ہوئے (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) معاہدہ کا اصل الاصول یہ تھا کہ معروف میں رسول اللہ کی پیروی کی جائے گی۔

اب مدینہ اور اطراف مدینہ میں جو لوگ آباد تھے۔ اُن سے اتحاد کرنے کے لئے معاہدوں کی ابتدا کی گئی اور کتابی جمہوریت کے قیام کے لئے جو لوگ بھی ساتھ دینے کو تیار ہوئے اُن سے جنگی معاہدے کر لئے گئے۔ معاہدوں کے ذکر سے پہلے امیر العالمین کی بنائی ہوئی اصولی شورائیت کا نقشہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

شعب ابی طالب ہی میں المرسل نے یہ طے کر لیا تھا کہ جب تک اللہ والوں کی ایک مضبوط

سلطنت نہ قائم کردی جائے گی۔ اس وقت تک شیطان والے یعنی مشرکین مکہ اور ان کی مانند دوسرے لوگ خدا پرستی اور خدا کی عبادت گاہوں سے لوگوں کو روکے رہیں گے۔ اس لئے پہلے تو مشرکین مکہ کو آپ نے یہ بتایا کہ درصل خانۂ کعبہ اسمٰعیل بن ابراہیمؑ کی تعمیر ہے جسے کل اہل عرب مانتے تھے کہ واقعی یہ اسماعیلی بیت اللہ ہے۔ اس کے بعد ان کو مشورہ دیا کہ وہ بت پرستی، جن پرستی اور توہم پرستی کو چھوڑ کر اس دین ابراہیم پر چلیں جو اسرائیل و اسماعیل کے والد ابراہیم کا دین تھا۔ مشرک اسماعیلیوں نے انکار ہی نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کی اذیت دی اور آنحضرت کو قتل کر ڈالنا چاہا۔

شعب ہی کے زمانے میں المرسلؐ نے دین ابراہیم پہ چلنے والے ایک گروہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا یہ جماعت بنو اسرائیل یا اسرائیلؑ (یعقوبؑ) بن ابراہیمؑ کی اولاد تھی۔ پھر شعب سے نکلنے کے بعد مجوسیوں یعنی إلٰہین (دو خداؤں) کے پوجنے والوں سے بھی معاہدہ کرنا چاہا تھا اور انھیں بتایا تھا کہ اصل دین خدا پرستی اور وحدت و مساوات انسانی ہے۔ ان کے علاوہ مشرک قبائل سے بھی گفتگو کی تھی۔ خدا نے اوس و خزرج کو انصار محمدؐ یا انصار دین فطرت بننے کا شرف عطا فرمایا۔

اب مدینہ میں اُن ابراہیمیوں سے براہ راست گفتگو کا موقع تھا جو اسرائیل کی اولاد میں سے تھے اور جن کی توریت بھی ایک ہی خدا کی بندگی کا حکم دیتی تھی۔ شعب سے پہلے اور شعب میں ان کے نبیوں کا از ابراہیم تا موسٰیؑ ذکر کر دیا گیا تھا اور شعب کے بعد ان کے متعلق یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ اللہ والے لوگ ہیں۔

اہلِ کتاب و تہذیب ہیں ان کے تورانی قوانین نور و ہدایت سے معمور ہیں اور ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ تسلیم کرلے کہ پرانے زمانے میں ہر قوم و ملک میں ایسے نبی و مصلح آتے رہے ہیں جو وحدت الٰہیہ اور مساوات انسانی یعنی نیک عملی کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔

آئینِ اسلام کے اصول اساسی

مدینہ پہنچ کر آپ نے جو پہلا خطبہ جمعہ دیا اس میں بھی صاف صاف فرما دیا تھا کہ چند بنیادی اصول ہیں جن میں بحث کی گنجائش نہیں۔ ان اصولوں میں پہلا اصول تو یہ ہے کہ اللہ کسی خاص قبیلے یا برگزیدہ قوم کا خدا نہیں، بلکہ کل قوموں اور کل کائنات کا خدا ہے۔ اور دوسرا اصول یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی جزا یا سزا سے ہرگز نہیں بچ سکتا۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا اگر اس دنیا میں اُسے جزا نہ ملی تو پھر پیدا کیا جائے گا اور احکم الحاکمین فیصلہ کر کے اسے عدل کے ساتھ سزا دے گا۔ لیکن یہ نہیں ہوگا کہ کسی پر ظلم

ہو بلکہ چونکہ وہ خدا ظالم خدا نہیں ہے اس لئے اس کی رحمت اور اس کا کرم اس کی عدالت پر غالب رہے گا۔ (وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ) غرضکہ اسلامی تصور کے یہ دو امور ایسے تھے جس میں اسلامی برادری کے کسی رکن کو چون وچرا یا بحث کرنے کی گنجائش نہ تھی۔

ان اصولوں کو سامنے رکھکر اسلامی سیاست کے پہلے دور میں جو آمریت بنی اس میں کسی شخص کو مقصد آمریت (کلمۂ اسلام) پر بحث کرنے، یا رائے اور شوریٰ سے اصول اسلام میں تبدیلی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اللہ کو ماننا ہی اس امر کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ غیر اللہ یا شیطانی قوانین غیر فطری ہیں۔ لہٰذا کوئی جماعت بحث اور رائے شماری کے ذریعہ یہ طے کرنے کا حق نہیں رکھتی کہ غیر اللہ کی عبودیت کی جائے یا اُن قوانین پر عمل کیا جائے جو منکر ہیں اور حق پرستوں کے نزدیک معروف نہیں ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ قانون مکافات کو مان لینا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ خدا کے پاس کوئی دیوتا یا پیغمبر یہ سفارش نہیں کر سکتا کہ کسی شخص کو اس کی نسلی برتری کی بنا پر معاف کر دیا جائے۔ اور اُسے اپنی بداعمالی کی سزا اس لئے نہ دی جائے کہ وہ "برہما" یا "اسرائیل کی اولاد ہے۔ گویا بعث بعد الموت کا ماننا اس لئے ضروری ہے کہ مساوات انسانی کا تصور ہر مومن و موقن کے دل میں جاں گزیں ہو جائے۔ کوئی کسی غیر قوم کے آدمی کو اپنے سے کمتر نہ سمجھے اور خود اپنی قوم کے مفلسوں اور ناداروں کو ذلیل نہ کرے بلکہ دنیا میں ایسی مساوات قائم کرے کہ غلامی کی ذلت، عورت کی کمزوری اور اجنبی کی کمتری، عزت، طاقت اور برتری میں تبدیل ہو جائے اور ایسا معاشی نظام اہل علم وعقل کے مشورے سے بنے جس میں سب انسان مساوات و عدالت سے بہرہ ور ہو سکیں یعنی مقصد کے متعلق بحث کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ ذرائع مقصد پر بحث کرنے کی مکمل آزادی رائے ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اسلامی نظریہ مساوات وعدل نے ہزار سال تک جو کارہائے نمایاں کئے وہ قرون اولی کی کتابی یا اصولی سیاست کا بہت ہی دھندلا نقش ہے۔ اس میں آزادی رائے پوری طرح موجود ہے لیکن بنیادی مقاصد کی تبدیلی پر بحث کی گنجائش نہیں۔

رسول اللہ نے مدنی زندگی میں مساوات انسانی کو آگے بڑھانے اور سیاسی و معاشی ترقی اور جنگی مدافعت کے لئے یہود اور حوالی مدینہ کے مشرک قبائل سے جو دفاعی معاہدے کئے ان کا خلاصہ آگے ہے۔

یہود مدینہ سے امیر العالمین کا معاہدہ

قرآن میں اس معاہدہ کا ذکر نہیں ہے لیکن اس زمانے کے قرآن، اور مکی قرآن سے صاف ظاہر

ہے کہ اس وقت تک بنو اسرائیل کے قانون (توراۃ) کی بہت تعریف کی گئی ہے اور اسے قرآن نے اسی طرح کا ہدایت و نور بتایا ہے جیسا کہ خود ہے۔ قرآن کی توراۃ سے مراد وہ احکام خداوندی ہیں جن کا قرآن نے کئی جگہ ذکر کیا ہے خصوصاً شعب اور شعب کے زمانے کے بعد یہ امر واضح کر دیا ہے کہ ہر زمانے میں نبیوں نے یہی تعلیم دی ہے کہ اللہ کو سب کا خالق اور آقا مانو اور جو عمل بھی کرو گے اس کی جزا و سزا بھی وہی اللہ دے گا۔

جو مفسر اس وقت تک کے قرآن میں یہ بات پیدا کرتے ہیں کہ قرآن کو بنو اسرائیل سے نفرت تھی یا قرآن نے ان کے معائب بیان کر کے انھیں متحدہ قومیت بنانے سے روکا ہے، وہ قرآن کی تاریخی ترتیب سے دور ہو جاتے ہیں اور قرآن کے مقصد کو کھو بیٹھتے ہیں۔ تحویل قبلہ تک قرآن میں بنو اسرائیل کی مخالفت کا ذکر نہیں اور اس کے بعد بھی احکام توراۃ کو ہدایت و نور بتا کر انھیں اس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ قانون توراۃ (CANON) کی ہمیشہ تعریف کی گئی ہے البتہ جو لوگ اس کی تفسیر یں اپنی خواہشات کی پیروی میں لکھتے تھے ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جو کچھ یہ مشناہ اور تالمود میں لکھتے ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں یہ کتاب اللہ نہیں ہے (یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْہِمْ ...)

مدینہ آنے کے بعد جناب امیر العالمین نے یہودیوں کو قرآن کے ذریعہ سے براہ راست مخاطب کیا۔

سورہ بقرہ ع ۴: یہود سے خطاب کی تمہید

ہم سب انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر نسلی فضیلت نہیں۔ نہ کوئی قوم خدا کی چہیتی قوم ہے۔ اے اسرائیلیو تکبر نہ کرو۔ ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔ آدم کو فرشتوں تک پر فضیلت ہے۔ وہ مسجود ملائکہ تھے۔ خدا نے انھیں وہ علم دیا اور وہ حواس عطا فرمائے جو کسی مخلوق کو نہیں دیئے یعنی وہ بحیثیت علم و عقل دوسری مخلوق سے برتر تھے۔ ابلیس نے انسان کی بزرگی سے انکار کیا، اور اپنے کو بڑا جانا (تکبر سے) لیکن خدا نے کہا علیم و حکیم تو میں ہوں۔ میں نے ہی اُسے علم و حکمت سکھائی ہے۔ ابلیس کو تکبر اور خود رائی کی وجہ سے راندۂ درگاہ الٰہی ہونا پڑا اور جب اُس نے آدم کو دھوکا دے کر ممنوعہ پھل یعنی خودی اور تکبر کو کھلا دیا۔ تو وہ بھی جنت سے نکال دیے گئے۔ یعنی اپنے اعمال کے نتائج کے ذمہ دار بنا دیے گئے۔ اور وہ شرف چھن گیا جو خدا نے براہ راست علم دے کر آدمؑ کو فطری اور جنتی زندگی حالت میں رکھا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ خودی اور خود غرضی نے آدم جیسی مسجود ملائک شخصیت کو جنت سے نکالا اور اسی خودی نے انسانوں کو گرا دیا۔ خود غرضی (ہبوط) کی مصیبت میں ڈالا اور اسی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی دشمنی میں مبتلا ہیں۔"

مقصد کلام یہ ہے کہ انسان سب برابر ہیں اور خود غرضی و خود پرستی شیطانی فعل ہے۔ کوئی قوم برگزیدہ نہیں جب تک کہ عمل صالح نہ کرے اور عمل صالح صرف یہ ہے کہ خدا کو مان کر مساوات انسانی کے پیش نظر ایسے عمل کرے جس کا نتیجہ پانے کی امید رکھتا ہو یعنی محبت و فلاح و انسانیت ہی کا تصور نفرت و خود غرضی کو دور کر سکتا ہے۔

بقرہ: ۵ع تورات | یہودیو خدا کی اس نعمت آزادی کو یاد کرو جو اس نے تمھیں دی تھی۔ لہذا اگر پھر تم احکام تورات کی پابندی کرو گے تو خدا پھر تمہیں ذلت سے نکال کر آزادی و عزت کی نعمت دے گا۔ لہذا حق بات یعنی احکام الٰہیہ میں باطل یعنی اپنی خواہشات کی باتوں کو نہ ملاؤ اور حق کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔

بقرہ ۶ع | خدا نے تمہیں فرعون کی غلامی اور اس کی بندگی سے چھڑایا اور موسیٰ کو خدا ہی نے یہ علم دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور انسان (فرعون) کی بندگی سے بغاوت کرو۔ اس تورات نے حق کو باطل سے الگ کر دیا۔ پھر اس کے بعد اس سورہ میں سورہ اعراف کی چند آیتیں بیان کی گئی ہیں۔ گویا مصعب بن عمیر کے ذریعہ سے جو قرآنی تعلیم یہودیوں کے لئے پہنچی تھی اُسے پھر آنحضرت نے اپنی زبان مبارک سے دہرایا (دیکھئے دور پنجم مکیہ سورۂ اعراف)

بقرہ۔ ۷ع | یہودیو جو نبی یا مصلح تم کو اچھی باتیں بتائیں اُن کی باتوں پر چلو۔ لیکن تم نے ان کو قتل کیا نتیجہ یہ ہوا کہ بار بار غلامی میں مبتلا کئے گئے۔ غلامی ہی حقیقی ذلت ہے۔ جس کا نتیجہ مسکنت ہے۔

بقرہ ۸ع : اسلام کی عالمی تعلیم

نیک خیالی (خدا پرستی اور بعث بعد الموت پر یقین) اور نیک عملی کا اچھا بدلہ ملے گا۔ ورنہ خوف و حزن کے جہنم میں مبتلا رہو گے۔

خواہ یہود ہوں یا نصاری، صابی ہوں وہ سب اگر اللہ کو ماننے والے ہیں اور وہ یوم آخر کو مانتے ہیں اور نیک عملی کی زندگی بسر کرتے ہیں، اُن کا رب انھیں جزا دے گا۔ نہ انھیں خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

یہودیو تم نے گوسالہ (عزیز) پرستی شروع کر دی تھی۔ یاد کرو کہ خود موسیٰ کے حکم سے تم نے اُسے ترک کیا تھا اور بہت لیت و لعل کے بعد اُسے ذبح کیا تھا۔ اس لئے کہ مصری غلامی نے تمھیں نہ صرف فرعون

پرستی بلکہ عزیز (OSIRIS) پرستی بھی سکھادی تھی

یہود سے امارت محمدی کا میثاق

یہودیوں نے جب یہ کلام سنا تو انھوں نے آنحضرت کی مخالفت نہیں کی بلکہ یہ دیکھ کر کہ اوس و خزرج کی خانہ جنگی بھی ختم ہو گئی ہے۔ امیر العالمین کے پیام امن واتحاد کی طرف رغبت ظاہر کی اور ایک معاہدہ تیار ہوا جس کی آخری دفعہ نہایت اہم ہے۔ اس دفعہ کی رو سے آنحضرتؐ ایک ایسی امت (نیشن) کے ملک قاضی یا حکم وامیر قرار پائے جس میں خداپرست یہودی اور خداپرست مسلمان مقصد دفاع کے لئے متحد تھے۔ یہی معاہدہ نواح مدینہ کے قبائل پر عائد کیا گیا تو وہ سب ایک سیاسی مقصد کے لئے ایک امت بن گئے۔

معاہدہ کا خلاصہ

۱۔ مہاجر اور انصار اور اُن کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والے متبع لوگ سب ایک قوم (امت واحدہ) ہیں۔

۲۔ بنی عوف کے یہودی بھی مومنوں کے ساتھ مل کر ایک امت بن گئے ہیں لیکن یہود کو پوری مذہبی آزادی ہوگی (کہ اپنے دین پر توراۃ کی روشنی میں عمل کریں)

۳۔ ان معاہدہ کرنے والوں سے اگر کوئی جنگ کرے گا تو یہ لوگ ایک دوسرے کی مدد (نصر) کریں گے اور ایک دوسرے کی بُری باتوں میں مدد نہ کریں گے۔ ایک حلیف دوسرے کی مخالفت نہ کریگا۔

۴۔ انفاق یعنی جنگی مصارف میں دونوں برابر کے شریک رہیں گے جب تک کہ لڑائی رہے

۵۔ خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے جاری ہے وہی باقی رہے گا۔

۶۔ ہر حلیف کا یہ فرض ہوگا کہ مظلوم کی مدد کرے (وان النصر للمظلوم) (دیکھئے حلف الفضول، سیرۃ الامین) اور معاہدہ کرنے والوں کے جار (حلیف) کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھے (ان الجار کالنفس غیر مضار ولا اثم) البتہ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے سکے گا

۷۔ معاہدہ کرنے والوں پر یثرب میں کشت وخون، لوٹ مار، حرام ہوگی۔

۸۔ اگر معاہدہ کرنے والوں میں کسی بات پر فساد ہونے کا خطرہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق محمدؐ رسول اللہ کریں گے (فان مردہ الی اللہ عزوجل والی محمد رسول اللہ)

مشرک قبائل سے دفاعی معاہدے

بہت سے دفاعی معاہدے کے بعد خود رسول اللہ نے ودّان تک سفر فرمایا اور بنو ضمرہ سے دفاعی معاہدہ کر لیا اور سلسلہ کے جمادی الآخر میں بنو مدلج سے ایسا ہی معاہدہ ہوا۔ یہ معاہدے قریش کی تجارت پر ایک ضرب کاری تھی۔ اس لئے ان ہی قبائل سے گزر کر قریش کے قافلے شام کی تجارت کے لئے آیا جایا کرتے تھے۔ معاہدہ کی یہ شرطیں تھیں۔

۱۔ بنو ضمرہ (بنو مُدلج) کو محمد رسول اللہ کی طرف سے جان و مال کی امان دی جاتی ہے اور اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا تو اُن کی مدد کی جائے گی۔ البتہ یہ لوگ اگر دین اللہ کے مقابلہ میں لڑیں گے تو یہ معاہدہ ٹوٹ جائے گا۔

۲۔ اور جب نبیؐ ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں گے تو انھیں آنا پڑے گا (ان کا ذکر آگے بھی اپنے مقام پر ہے)۔

جوہری نے فتوح العرب میں لکھا ہے کہ یہ معاہدہ غزوہ بواط میں ہوا تھا اللہ بنی ضمرہ کے بعض لوگوں سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ نہ تم اوروں کے ساتھ ہو کر مجھ سے لڑو۔ اور نہ میرے ساتھ ہو کر اوروں سے لڑو (ص ۶۔ فتوح العرب) (للجوہری)

حالانکہ ابن سعد نے بنو ضمرہ کو غزوۂ ودّان کے سلسلے میں لکھا ہے اور بواط میں بنو مدلج کو بتایا ہے۔ (واللہ اعلم)

صوم عاشورہ

جس طرح مکہ میں اہل کتاب یعنی نصاریٰ حبشہ کو توحید کی طرف لانے کے لئے آنحضرتؐ نے "رحمان" کا نام اللہ کے لئے استعمال کرنا شروع کیا تھا اور انھیں بتایا تھا کہ رحمان ہمارا خدا ہے اس کے اچھے اچھے نام ہر ملک کی زبان میں ہیں۔ اسی طرح مدینہ کے اہل کتاب یعنی یہود کو آنحضرتؐ نے مکہ ہی سے قرآنی پیغامات بھیجنے شروع کر دیئے تھے اور بتایا تھا کہ میں اُن سب نبیوں اور احکام (توراۃ) کو سچا جانتا ہوں جنہیں یہود سچا مانتے ہیں۔

صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہود اور مسلمان ایک ہی مسجد میں یہود کے قبلہ (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ اس کے علاوہ امیر العالمین نے دیکھا کہ یہود یوم عاشورہ کو روزہ رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دن بنو اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات ملی تھی۔ آپؐ نے

فرمایا کہ ہم یہود سے زیادہ اس کا حق رکھتے ہیں کہ ایک خدا پرست قوم کی آزادی کی خوشی منائیں اور اس دن روزہ رکھیں۔ اس لئے آپ نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا اور مسلمانوں نے بھی رکھا۔ یہ عید فسح (عید گذران PASSOVIR) کا روزہ تھا۔ یہ یوم عاشورہ ۱۰ محرم ۲ھ مطابق ۱۸ اپریل ۶۲۳ء تھا

فلسطینی یہودیوں کا سال نونیسان کے مہینے سے شروع ہوتا تھا (دیکھئے خروج ۱۲ : ۲) یہ زمانہ اعتدال ربیعی کا مارچ اپریل میں ہوتا تھا۔ اسی زمانے میں یہودیوں کی عید فسح ۱۴ نیسان سے ۲۱ نیسان تک ہوتی تھی۔ بقول توراۃ اس دن خدا کا موت کا فرشتہ مصریوں کے پہلوٹھے بچوں کو قتل کرنے آیا تھا۔ لیکن یہودی بچے محفوظ رہے تھے۔ اسی زمانے میں یہود کو فرعون کی غلامی سے آزادی ملی تھی۔

اسی عید فسح کے تہوار میں حضرت مسیح یروشلم آئے تھے اور یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے شہید کیے گئے تھے اور اللہ نے ان کا درجہ بلند کیا تھا (یا بقول نصاریٰ وہ صلیب دیئے جانے کے بعد دوبارہ زندہ کئے گئے تھے) اسی زمانے میں مسیحی ایسٹر کا تہوار مناتے ہیں اور دوبارہ اور دائمی زندگی کی خوشخبری یا انجیل لوگوں کو سناتے ہیں۔

لیکن تحویل قبلہ کے بعد سید المجاہدین نے نصاریٰ کے اُس مہینے میں روزے فرض کردیئے جن میں وہ ولادت مسیح کے روزے رکھتے تھے اور یہودیوں کا عاشورہ محض نفل رہ گیا یعنی جس کا جی چاہے رکھے۔ یا نہ رکھے۔ نصرانی مہینہ دسمبر اور عربی مہینہ رمضان ہمیشہ قریب ہوتا تھا اور ہجری قمری سال ابھی جاری نہیں ہوا تھا۔ یہ بعد وفات نبوی ہوا۔

قریش کی چھیڑ چھاڑ اور منافقوں سے سازباز

جس طرح مہاجرین حبشہ کو قریش نے پریشان کیا تھا۔ اسی طرح اب انھوں نے مہاجرین مدینہ کو مضبوط ہونے سے روکنے کی کوششیں شروع کردیں۔ اور مدینہ میں جن لوگوں سے امداد کی توقع تھی اُن سے سازشیں شروع کردیں۔ ایسے لوگوں کی دو جماعتیں ہوسکتی تھیں، ایک مشرکین مدینہ کے منافق اور دوسرے یہودیوں کے منافق۔

مشرک منافقین مدینہ

اوس اور خزرج کے بعض مالدار لوگ یہ چاہتے تھے کہ وہ مدینہ کے امیر یا بادشاہ بن جائیں۔ ان کا لیڈر عبداللہ بن ابی ابن ابی سلول تھا۔ لیکن

مسلمانوں کے آنے کے بعد اسکا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے۔ لیکن دل میں اسلام سے نفاق اور کینہ رکھتے تھے۔

بقرہ ع ۲۔ اللہ اور یوم آخر منافقین

ان منافقوں کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا ہے کہ یہ لوگ بظاہر تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخر کو مانتے ہیں لیکن درحقیقت وہ نہیں مانتے۔ اُن کے دلوں میں حسد و بغض کی بیماری بھری ہوئی ہے اور وہ نفاق کی وجہ سے حقیقت اسلام کو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں وہ اسلام کی آواز کو سُن کر کانوں میں انگلیاں دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قریش کی دھمکی

ان منافقوں کو قریش نے لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے اگر اُسے (آنحضرت کو) نہ نکالا تو ہم خبردار کئے دیتے ہیں کہ ہم نے عہد کر لیا ہے کہ یکایک حملہ کر کے تمہارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے"۔

امیر العالمین کی بروقت خطابت سے منافقوں کا انتشار

قریش کی شہ پاکر منافقین نے ایک مخالفانہ جلسہ کیا۔ لیکن آنحضرت کو خبر لگ گئی اور آپ نے وہاں پہنچ ایک برمحل تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ قریش کی عیاریوں میں نہ پھنسو۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کو قتل کرو۔ اس کے صاف معنی ہیں کہ تم لوگ اپنے رشتہ داروں کو بھی قتل کرو۔ اس لئے کہ اُن کی بہت بڑی جماعت مسلمان ہو گئی ہے۔ اس طرح تم بھی قتل ہو گے۔ حالانکہ اگر قریش نے حملہ کیا تو اس کے مقابلہ میں مہاجر و انصار سب تمہارا ساتھ دیں گے اور ہمارا جو میثاق ہوا ہے وہ قائم رہے گا۔" یہ سُن کر وہ لوگ منتشر ہو گئے اور عبداللہ بن اُبی ناکام رہ گیا۔

ابوجہل کی چالاکی

اسی زمانے میں ابوجہل بن ہشام مدینہ پہنچا اور اپنے سوتیلے بھائی عیاش سے کہنے لگا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تیرا منہ نہ دیکھ لے گی دھوپ میں بیٹھی رہے گی اور سر میں تیل تک نہ ڈالے گی۔ عیاش دھوکہ میں آ کر مکہ چلے لیکن رستے ہی سے ان کی مشکیں کس دی گئیں اور وہ مکے لے جا کر قید کر دیئے گئے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ بے روک ٹوک مدینہ آتے تھے اور مسلمانوں سے ذرا بھی نہ ڈرتے تھے۔

بات یہ تھی کہ مہاجروں کی حالت بہت خستہ تھی اور ان کی تعداد بھی ابھی چالیس پچاس سے زیادہ

نہ تھی۔ انصار سے جو بیعت ہوئی تھی وہ مدینہ کے اندر حفاظت وحمایت کی تھی۔ مہاجر وانصار یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ پورا عرب ان کو خدا پرستی سے روکنے کے لئے حملہ کردے گا۔

رسول اللہ کا امیر العالمین منتخب ہونا

ہجرت حبشہ ہی کے زمانے سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ قریش مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیں گے۔ لہٰذا شعب ہی کے زمانے سے رسول اللہ نے سیاسی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش شروع کردی تھی اور خود امیر بن کر سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔ قبائل کی تبلیغ کے زمانے میں بھی آپ نے لوگوں کو یہی جواب دیا تھا کہ اگر سلطنت قائم ہوگئی تو میرے بعد اللہ جسے چاہے گا وہ امیر رہے گا۔ بہر حال اسی زمانے میں حضرت سعد بن زراہ کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے سب سے پہلے بیعت عقبہ کی تھی اور سب سے پہلے انھوں نے ہی یثرب میں جمعہ کی نماز قائم کی تھی۔ یہ بنو نجار سے تھے۔ یعنی آنحضرت کے رشتہ میں ماموں ہوتے تھے۔ اس لئے ان کے انتقال کے بعد جب یہ بحث چھڑی کہ اس قبیلہ کا سردار یا نقیب کون ہو۔ تو آنحضرت نے یہ جھگڑا اس طرح ختم کردیا کہ خود اس قبیلہ کے نقیب بن گئے اور سب اس پر رضامند ہوگئے۔ اب آپ نہ صرف مہاجرین کے بلکہ انصار کے بھی امیر بن گئے اور معاہدۂ یہود کی رو سے کل قوموں کے امیر یعنی امیر العالمین قرار پائے۔

ذکر قتال در حدیث دگراں

مدینہ میں مدافعانہ کارروائیاں شروع کردی گئی تھیں لیکن کسی پر یہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ آنحضرت اپنے ساتھیوں کی کی حالت سے واقف تھے۔ اُن میں سے اکثر فنون جنگ سے قطعی بے بہرہ تھے۔ قریش اور انصار بھی تاجر تھے اور یہود بھی تجارتی قوم تھی۔ یہ لوگ عموماً بدوی اور آزاد قبائل کی طرح جنگی زندگی کے عادی نہ تھے اسی لئے امیر العالمین نے یہ مصلحت سمجھی کہ قتال کا حکم ابھی نہ دیا جائے۔ بلکہ مہاجروں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کو جنگی زندگی کی مشق کرائی جائی (سورۃ الحج ۶ کی آیت اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ ... الخ اور سورہ بقرہ ۲۴ع فَاقْتُلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی آیت یہ دونوں آیتیں پہلی آیات قتال نہیں ہیں بلکہ یہ آیتیں عرصہ دراز کے بعد ابتدائے قتال کی یاد میں اور عمرہ قضا سنہ ۷ھ کے ذکر کے سلسلہ میں ہیں۔ اسی طرح سورہ توبہ ع ۸ کی آیت اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا ... بھی پہلی آیت قتال نہیں ہوسکتی۔

حکم قتال در قصۂ طالوت بقرہ ع ۳۲ ع ۳۳

اس جگہ قرآن نے طالوت وجالوت کے قصے کے پیرایے میں قتال کا ذکر در حدیث دگراں کیا ہے اور مہاجرین کو بتایا ہے کہ اگلے زمانے میں بھی اسرائیلیوں کو وطن سے نکالا گیا تھا اور وہ اپنے بچوں سے بچھڑ گئے تھے لیکن جب تک وہ جنگ اور موت سے ڈرتے رہے وہ کچھ نہ کر سکے۔ مگر جب اللہ نے انھیں ہمت دی اور وہ موت کا مقابلہ کرنے لگے تو ایک زندہ قوم بن گئے لہذا ان کی خواہش کے مطابق ایک مفلس مگر دلاور شخص طالوت کو خدا نے ان کا امیر مقرر کر دیا۔ اس لئے دولت سے بہتر علم وعقل اور ہمت ہوتی ہے جو خدا نے طالوت کو دی تھی اور طالوت کا امتحان بھی ہو گیا تھا کہ اس نے میلوں پیدل چلنے کے بعد دریا کو پار کیا۔ لیکن ایک چلو سے زیادہ پانی نہ پیا۔ اور آخر اس تابوت سکینہ کو حاصل کر لیا جو دوسری قوم کے لوگ لے گئے تھے۔ اسی طرح تلمیحاً لوگوں پر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ رسول اللہ کے سوا نہ تو کسی شخص میں امیر العالمین بننے کی صلاحیت ہے اور نہ کوئی اس گم شدہ تابوت" یعنی مکہ کو واپس لینے کی ہمت رکھتا ہے۔ اس کارنامے کے لئے دولت مند ہونا ضروری نہیں۔ صاحب عقل وحزم امیر کی ضرورت ہے۔

صبر واستقامت سے فتح ہوتی ہے

پھر اسی طالوت وجالوت کے سلسلہ میں بتایا گیا کہ جو لوگ صبر کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑے ہی ہوں۔ اللہ ان کا ساتھ دیتا ہے اور وہ بڑے گروہ پر غالب آجاتے ہیں جیسے طالوت غالب آیا جالوت پر (کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ، وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ) یعنی مردہ قومیں ہمت وجہاد بالانفس والاموال سے ہی زندہ ہو سکتی ہیں۔ یہی صبر وہمت اللہ کی فوجیں (جنود اللہ) ہیں۔

جنگی مشق

اب امیر العالمین نے قریش کے تجارتی راستے کو قطع کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ منافقوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ جو مسلمان مکہ سے آئے ہیں وہ اپنی حفاظت خود کر سکتے ہیں اور قریش پر بھی یہ ثابت ہو جائے کہ مہاجرین مدینہ، انصار و یہود کی مدد سے زیادہ اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اب تک یہ بات طے تھی کہ صرف مدینہ کے اندر انصار نے مہاجروں کی حفاظت کا عہد کیا ہے۔ مدینہ سے باہر وہ خود اپنی ذمہ داری پر جا سکتے ہیں۔

<u>سریہ وغزوہ</u> اس سلسلہ میں آنحضرت نے جتنی مہیں روانہ فرمائیں اُن کے امیر ہمیشہ بنو ہاشم اور بنو المطلب میں سے ہوتے تھے۔ جس مہم میں آپ خود تشریف لے جاتے تھے اُسے اہل مغازی نے غزوہ لکھا ہے اور جس میں دوسرے لوگ امیر ہوتے تھے انھیں سریہ کا نام دیا ہے۔ یہ ضروری نہ تھا کہ ان

مہموں میں قتال کی جائے بلکہ ابن جحشؓ نے جب غلطی سے ایک سریہ میں قتال کی ابتدا کر دی تو امیرؐ العالمین نہایت ناخوش ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ فتح حدیبیہ سے پہلے مسلمانوں نے جتنی لڑائیاں لڑیں وہ سب دفاعی لڑائیاں تھیں اور فتح حدیبیہ کے بعد بھی جو فتوحات ہوئیں۔ اُن میں امیر العالمین کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت ہی کم خونریزی ہوئی۔

طرزِ جنگ موجودہ زمانے میں لڑائی کے طرز میں بڑا انقلاب ہو گیا ہے۔ جنگ مہینوں نہیں بلکہ برسوں ہوتی رہتی ہے اور قومیں جانی اور مالی تباہی میں پڑ جاتی ہیں۔ یعض فنا ہو جاتی ہیں۔ اور بعض جنگ کے بعد برسوں تک اقتصادی بدحالی کا شکار رہتی ہیں۔ لہذا قدیم تصورِ جنگ صاف صاف ذہن کے سامنے ہونا چاہیئے۔

قدیم زمانے میں کھلے میدان میں صرف دن بھر کی لڑائی ہوتی تھی اور شام تک اس کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔ اسی لئے شکست و فتح کا معاملہ ایک دن میں طے ہو جاتا تھا۔ البتہ جو لوگ ہار ماننے کو تیار نہیں ہوتے تھے وہ مضبوط قلعے بنا لیا کرتے تھے اور قلعہ بند ہو کر مہینوں تک حملہ آوروں کو روک سکتے تھے اور موقع پاکر دشمن کے سپاہیوں کو قتل اور اُن کے سامان رسد کو چھین لیا کرتے تھے۔ اسی لئے لڑائیاں شہروں کی ہوتی تھیں یعنی قومیں اپنے مرکزی شہروں اور اپنے اپنے شہری دیوتاؤں کے نام پر لڑتی تھیں۔

عربوں کا بھی یہی قاعدہ تھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر نیزوں، تلواروں سے لڑتے تھے۔ سفر اور باربرداری کے لئے اونٹوں کا استعمال ہوتا تھا اور پیدل فوج پہلے تیر اندازی کرتی تھی اور اس کے بعد دونوں فوجیں تیروں تلواروں اور کلہاڑیوں سے ایک دوسرے کو قتل کرتی تھیں اسی لئے جسم کو بچانے کے لئے لوہے کی کڑیوں کا کوٹ اور سر کو بچانے کے لئے لوہے کا خود استعمال ہوتا تھا اور ہر سپاہی کو اپنا سامان جنگ اور خوراک کا سامان خود ہی سنبھالنا پڑتا تھا اور اپنے لوٹ کے مال اور غلاموں کی بھی حفاظت ہر سپاہی کو انفرادی طور پر کرنا پڑتی تھی۔ سردار فوج کے لئے مالِ غنیمت اور غلاموں کا چوتھائی حصہ ہوتا تھا۔

ایسی لڑائی میں اگر چند ہی افراد جنگی مشق کر چکے ہوں اور صبر و استقامت کے ساتھ موت سے نڈر ہو کر چند گھنٹے میدان میں جم جائیں تو اُن کی فتح یقینی ہوتی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہوتی تھی کہ فوجی جرنیل پورے طور پر مخالفوں کی جنگی ترکیبوں اور اُن کی سازشوں سے واقف ہو اور اپنی فوج کے دل میں موت سے مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کر سکے۔

رسول اللہ کی کامیابی کا یہی راز تھا کہ وہ اپنی ہر جنگی چال کو خفیہ رکھتے تھے اور منافق و یہود تو کیا خود مجاہدین خاص کو اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ آئندہ چال کیا ہوگی۔ اسے توریہ کہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ عرب کا یہ مقولہ جنگی نصب العین بن گیا تھا کہ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ یعنی ترکیب و چالاکی لڑائی کی کامیابی کا راز ہے۔

لہٰذا جو لوگ قدیم لڑائیوں کے اصلی طرز کو سامنے نہیں رکھتے اور پرانی لڑائیوں کو موجودہ جنگ کی روشنی میں دیکھتے ہیں وہ غلط نتیجوں پر پہنچتے ہیں اور مسلمانوں کی ابتدائی مدافعانہ کوششوں کو جنگ کا نام دے دیتے ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ مسلمانوں کی فوج میں کوئی غلام نہیں ہوتا تھا۔ بخلاف اس کے فارسی رومی اور دوسری اقوام غلاموں کے ذریعہ سے دوسروں کو غلام بناتی تھیں اسی لئے اکثر ناکامی کا منہ دیکھتی تھیں۔

دس سال کے مقتول مدینہ والوں سے مکہ اور اہل عرب کے لوگ دس سال تک لڑتے رہے اور ان سب مہموں میں صرف نو یعنی بدر، اُحد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، مکہ، حنین و طائف میں قتال ہوئی حالانکہ وہ غزوہ جن میں آنحضرت خود موجود تھے۔ ستائیس تھے اور وہ سریے جن میں آپ نہ تھے سینتالیس تھے۔ ان غزدوں میں ہر طرف کے زیادہ سے زیادہ ایک سو پچاس آدمی قتل ہوئے ہیں۔

جنگی مشق یا فوجی گرد آوری کی مہمیں

(نوٹ:۔ ترتیب واقعات و غزوات میں ہم نے ابن سعد کی پیروی کی ہے۔ دیکھئے الطبقات الکبیر ص ص ۱۷۸-۲۰۳) ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں یہی ترتیب دی ہے)

۱۔ سیریہ حضرت حمزہؓ ہاشمی رمضان سنہ ۱ھ (دسمبر سنہ ۶۲۲ء) یا ہجرت کے ساتویں مہینے سے مہاجروں کی جنگی مشق یا فوجی گرد آوری شروع ہوتی ہے۔ پہلا سفید جھنڈا امیر العالمین خود باندھتے ہیں۔ اور قریش کے قافلہ تجارت کے راستے پر حضرت حمزہؓ ہاشمی کو روانہ فرماتے ہیں۔ سمندر کے قریب سیف البحر پر ابوجہل کا تین سو آدمیوں کا قافلہ نظر آتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں صرف تیس مہاجر صف بندی کرتے ہیں لیکن مجدی پہنچ جاتا ہے۔ اس کی دونوں فریق سے دوستی ہے۔ وہ معاملہ رفع دفع کرا دیتا ہے۔ لڑائی تک نوبت نہیں آتی۔ دونوں جماعتیں اپنے اپنے مرکز پر چلی جاتی ہیں۔

۲۔ سریہ حضرت عبیدہؓ المطلبی امیر العالمین شوال سلہ میں تیس مہاجروں کو عبیدہ کی ماتحتی میں روانہ فرماتے ہیں۔ انھیں بطن رابغ میں قریش کا ایک قافلہ دو سو آدمیوں کا ملتا ہے۔ تیر اندازی ہوتی ہے۔ حضرت سعد تیر سے زخمی ہوتے ہیں۔ لیکن صف بندی ہو کر تلوار سے لڑائی نہیں ہوتی۔

۳۔ سریہ حضرت سعدؓ ذی قعدہ سلہ بیس مہاجر محض گرداوری کے لئے روانہ کئے گئے اور حکم دیا گیا کہ خرار سے آگے نہ بڑھیں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ ایک دن پہلے نکل گیا۔ یہ مہینہ ذی قعدہ سلہ کا تھا۔ اس مہینہ میں جنگ حرام تھی۔ اسی لئے حکم تھا کہ جنگ نہ کریں بلکہ قریش کے قافلہ پر سے بغیر تلوار نکالے گزر جائیں۔

عام القتال ۲ھ (۲۳ اپریل ۶۲۳ء)

[نوٹ:- چونکہ اس سال بدر کی لڑائی میں باقاعدہ تلوار چلی اس لئے اس سال کا نام عام القتال ہے]

سورۃ الجمعہ ع ۲ مسجد نبوی کا جمعہ صفر ۲ھ میں مسجد نبوی تیار ہو گئی اور اس میں باقاعدہ نمازیں ہونے لگیں۔ جمعہ کے دن امیر العالمین نماز سے پہلے ایک خطبہ دیتے تھے جس میں قرآن کے مختلف حصوں کو پڑھ کر سناتے اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل بتاتے اور گزشتہ واقعات پر تبصرہ فرماتے۔ چونکہ ابھی تک یہود سے مخالفت شروع نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے سورہ جمعہ کا پہلا رکوع نازل نہیں ہوا تھا۔ اس جمعہ میں دوسرا رکوع سنایا گیا اور بتایا گیا کہ جمعہ کے وقت اذان سنتے ہی کاروبار چھوڑ کر ذکر الٰہی کے لئے مسجد میں آجاؤ اور نماز کے بعد پھر اپنے کاروبار میں لگ جاؤ۔ اللہ ہی روزی رساں ہے (سورہ جمعہ ع ۲)

اذان مختلف قوموں میں کسی مجمع کے لئے بلانے کے مختلف طریقے ہیں۔ کہیں گھنٹہ بجاتے ہیں کہیں بگل سے بلاتے ہیں۔ آنحضرت نے حضرت عمر کی رائے کو پسند فرمایا اور نماز کے لئے اذان کے ذریعے سے بلانے کا طریقہ مقرر فرمایا۔

منافقین قریش کی یہودی منافقوں سے سازش اور آنحضرت کا توریہ اسی زمانہ میں قریش نے

یہودیوں سے ساز باز کر لیا بعض یہودیوں نے بظاہر مسلمان بن کر مسلمانوں کی جنگی تجاویز کی ٹوہ لگانا شروع کی اور قریش کو خبریں دینے لگے۔ امیر العالمین نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا کہ جنگی خبروں کو نہایت ہی پوشیدہ رکھنے لگے۔ حتیٰ کہ (جیسا کہ اوپر گزرا) آیت قتال کو بھی طالوت و جالوت کے قصے میں قرآن نے بتایا اور خود رسول اللہ جب کبھی علانیہ فوجیں کولے کر چلتے تو توریہ کرتے یعنی یہ ظاہر کرتے کہ مشرق کو جا رہا ہوں حالانکہ مقصد مغرب ہوتا تھا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان حالات میں اگر کوئی جنرل گھر جائے کہ جاسوس خود گھر ہی میں ہوں تو اس کا کام کتنا مشکل ہو جاتا ہے ایک طرف یہود، دوسری طرف مشرک منافق اور پھر خود ناتجربہ کار مسلمان، معاملہ کو بہت پیچیدہ بنا دیتے تھے۔

قریش کا مسلمانوں کو دوسرا چیلنج

یہودیوں سے سازش کے بعد قریش نے مسلمانوں کو دوسرا چیلنج دیا اور کہلا بھیجا کہ یہ نہ سمجھنا کہ یثرب میں پناہ مل گئی ہے یاد رکھو ہم وہاں پہنچ کر تمہارا خاتمہ کر دیں گے غالباً صفر ۲ھ تک یہ پیغام بھی مسلمانوں کو پہنچ چکا تھا۔

غزوہ وُدان: معاہدہ بنو ضمرہ

اب خود امیر العالمین بنفس نفیس صفر الثانی ۲ھ میں ابواء یا وُدان تک اسّی مہاجروں کے ساتھ گئے۔ قریش کا تجارتی قافلہ نہیں ملا۔ یہ سفر پندرہ دن کا رہا۔

اس درمیان میں دو اہم باتیں ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ مدینہ چھوڑتے وقت آپؐ نے سعد بن عبادہ کو اپنا جانشین بنا کر مدینہ کا کاروبار اُن کے ہاتھوں میں دیا۔ دوسرے یہ کہ وُدان کے قریب بنو ضمرہ سے دفاعی معاہدہ ہوا۔ یاد رکھئے کہ بنو ضمرہ مشرک تھے اور اس جنگی معاہدہ میں ان کو برابر کا معاہد اس لئے بنایا گیا تھا کہ وہ اُن مشرکوں سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے تھے جو مؤمنوں پر حملہ کرنے والے تھے، یا مومنوں کے علانیہ دشمن ہو چکے تھے۔

غزوہ و معاہدہ بواط: ربیع الاول ۲ھ

مدینہ پر سعدؓ بن معاذ کو خلیفہ بنا کر امیر العالمینؐ دوسو مہاجروں کے ساتھ کوہ بواط کی طرف گئے۔ امیہ بن خلف کا سو آدمیوں اور ڈھائی ہزار اونٹوں کا قافلہ نہیں ملا۔ لیکن بواط کے باشندوں کو آپؐ نے امداد باہمی کے معاہدہ میں شریک کر لیا۔

حملہ کرز

اسی مہینہ میں کرز بن جابر نے مدینہ کی چراگاہوں پر مکہ سے آ کر حملہ کیا اور امیر العالمین کے بہت سے

جانور ہانک لے گیا اور اپنی لوٹ مار کا سکہ جما گیا۔

غزوہ تلاش کرز امیر العالمین کو جونہی اس کی خبر ہوئی انھوں نے زید بن محمدؐ کو مدینہ پر خلیفہ بنایا علیؓ بن ابی طالب کو علمبردار مہاجرین بنایا اور کرز کی تلاش میں چل نکلے۔ مگر وہ جا چکا تھا اس لئے مدینہ واپس آئے اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان بھی مقابلہ سے ڈرنے والے نہیں۔

سامان جنگ کے لئے چندہ (انفاق) دنیا خوف اور بھوک میں مبتلا تھی۔ لیکن ان کو خوف اور بھوک سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ ہاں اس وقت ایک جماعت اپنے وطن سے دور خود بھی بے سروسامانی کا شکار تھی۔ لیکن اس پریشانی کو دور کرنے کو صرف اپنی پریشانی نہیں سمجھتی تھی بلکہ اپنے ساتھ کل دنیا کو اس سے 'نجات' دلانا چاہتی تھی۔ گویا اس جماعت کے سامنے ذہنی غلامی اور اقتصادی بھوک سے آزادی ہی کا نام "دین حق" اور "نجات" تھا۔ مدینہ میں آ کر اس جماعت کے لیڈر نے پہلے تو مدینہ میں۔ پھر اطراف مدینہ میں ایک دفاعی محاذ بنایا اور اس کے بعد اس فوج کے لئے سروسامان مہیا کرنے کے لئے چندہ شروع کیا۔ اس چندہ کو قرآنی اصطلاح میں انفاق کہتے ہیں۔ قرآن میں اس زمانہ میں یہ تعلیم دی گئی۔

بقرہ ع ۳۴ دنیا کو ظلم سے بچاؤ مسلمانو۔ کافروں کے ظلم سے دنیا کو بچانے کے لئے انفاق کرو۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں زبردستی و اکراہ کو دخل نہیں۔ اللہ کے دوست بننے کا یہی طریقہ ہے

مسئلہ شفاعت: ۔ اس جگہ یہ بھی کہا گیا کہ یہ نہ سمجھو اللہ سے شفاعت کر کے کوئی تمہاری بد عملی کو نیکوکاری قرار دلوا سکتا ہے۔

بقرہ ع ۳۵: خدا کا قانون اٹل ہے وہی قوموں کو زندگی بخشتا ہے دیکھو جس طرح خدا کے قانون کے مطابق سورج مشرق سے نکلتا ہے اور کوئی اسے مغرب سے نہیں نکال سکتا۔ اسی طرح قانون الٰہی کے مطابق زندہ قومیں مردہ اور مردہ قومیں زندہ ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ ہی مردوں کو زندہ کر سکتا ہے وہی طاقت والا اور حکمت والا ہے۔ (یہ رکوع فصل چہارم میں بھی درج کیا گیا وہاں دیکھ لیجئے۔)

بقرہ ع ۳۶: نفع کے خیال سے خیرات نہ کرو انفاق خوف و حزن سے بچاتا ہے۔ لیکن

انفاق کرنے والے کو چاہیئے کہ بغیر نفع کی لالچ کے صدقہ دے اور کسی پر احسان بھی نہ دھرے۔ خالصتہً لوجہ اللہ انفاق ہی باعث ثواب ہے۔ یہ صدقہ صادقہ ہے ورنہ اللہ اور یوم آخر کو مانے بغیر جو صدقہ محض دکھاوے کے طور پر دیا جاتا ہے وہ بے سود ہے اور صدقہ ریائی ہے۔ اس کھیتی کا کوئی پھل نہیں ملتا اس لئے کہ اس کا صدقہ ہی غلط ہے۔

بقر ۳۷ع: صدقہ کا مصرف جو لوگ اپنا وقت قوم کے بھلے کے لئے (مثل اصحاب صفہ) کے خرچ کر رہے ہیں اور تجارت نہیں کر سکتے۔ نہ اُن کی غیرت انھیں کسی سے مانگنے کی اجازت دیتی ہے۔ اس پر صدقات کو خرچ کرنا چاہیئے۔ بہرحال جو خرچ بھی کیا جائے نیکی کے راستے میں کیا جائے شیطانی راستے میں نہ کیا جائے۔

مسئلہ شفاعت اور مختلف اقوام کے تصورات یہود میں یہ تصور تھا کہ ہم اللہ کے برگزیدہ بندے (ابناء اللہ) ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی یہ سمجھے کہ ہم جہنم میں جائیں گے تو یہ صحیح نہیں۔ بفرض محال اگر گئے بھی تو چند روز تکالیف کے بعد پھر جنت یا راحت مل جائے گی۔

نصاریٰ کا یہ تصور تھا کہ مسیحؑ کو ہمارے گناہوں کے کفارہ ہیں، جو حضرت آدم کے گناہ کی بدولت نسلاً بعد نسلٍ چلا آرہا ہے۔ خدا نے صلیب دی اور اب اُن کی شفاعت یا سفارش کی وجہ سے ہمارے گناہ معاف ہو گئے۔

مسلمانوں کو یہاں یہ بتایا گیا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہارا بوجھ کوئی دوسرا اٹھا سکے گا (لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ اُخْرٰی) نہ یہود کی طرح رجن کا قصہ آگے ہے) اگر تم نے عمل صالح یعنی انفاق و جہاد نہ کیا تو تمہاری خود بخود فتح ہو جائے گی۔ جو کچھ کرنا ہے تمہیں کرنا ہے۔ جماعتی زندگی میں پوری جماعت کو جد و جہد کرنا ضروری ہے ورنہ سفارش اور شفاعت سے اللہ آکر تمہاری طرف سے جہاد نہ کرے گا۔ البتہ جو لوگ اس پر بھروسہ رکھیں گے ان کو باوجود قلت کے، کثرت پر فتح یاب کرے گا۔ آمنوا و عملوا الصالحات کے بعد ہی کامیابی یقینی ہے (دیکھیے آگے سورہ المائدہ ۴)

بنو مدلج سے دوستانہ معاہدہ جمادی الثانی ۲ھ بنو مدلج سے بھی دوستانہ معاہدہ ہو گیا اور یہ طے پایا کہ بنو ضمرہ کی طرح وہ بھی امیر العالمین

کے حلیف رہیں گے۔

غزوہ ذو العشیرہ

جمادی الثانی ۲ھ میں امیر العالمین دو سو آدمیوں کے ساتھ نکلے اور ینبوع البحر کے قریب ذو العشیرہ تک گئے۔ کاروان قریش نہیں ملا۔ اس غزوہ میں حمزہ علمبردار تھے اور مدینہ پر ابو سلمہ مخزومی خلیفہ بنائے گئے تھے۔

المائدہ ۴ع قوم موسیٰ کی کہانی سے ہمت افزائی

مسلمانو بنو اسرائیل کی قوم کو موسیٰؑ نے آزادی دلانے کے بعد کہا کہ آؤ ارض فلسطین پر حملہ کر کے فتح کر لیں۔ لیکن وہ دو سو سال کی غلامی میں رہ کر بزدل ہو چکے تھے اور کہنے لگے کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑے اور فتح کر دے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ چالیس سال تک بیابان سنائی میں سرگرداں پھرتے رہے۔ جب نئی پود پیدا ہوئی تو آگے بڑھ سکے۔

مقصد یہ ہے کہ ہمت کرنے والوں کی اللہ مدد کرتا ہے۔ ہمت باندھو تو مکہ جلد فتح کر لو گے۔

المائدہ ۵ع ایک شخص کا قتل کل عالم کا قتل ہے

قابیل نے بلا وجہ اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ اور وہ اس کی پاداش میں جہنم میں گیا۔ لہذا اے مسلمانو یاد رکھو کہ یہی اللہ کا قانون ہے اور توراۃ کے احکام میں بھی یہی درج ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو (ناحق یا بغیر بغاوت کے) قتل کرتا ہے تو وہ گویا کل انسانوں کا قاتل ہے۔

اور قرآن یہ کہتا ہے کہ جس نے ایک شخص کی جان بچائی اس نے گویا کل انسانیت کی جان بچائی۔
دست درازی کرنا قانون الٰہی کے خلاف ہے۔"

ساتویں فصل

سید المجاہدین

فتح بدر تا اُحد

رجب ۲ھ تا شوال ۳ھ - اکتوبر ۶۲۳ء تا جنوری ۶۲۵ء

آہ! یہ آنکھ کے اندھے، عقل سے عاری، مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہیں -
اگرچہ میں ان سب کو معزز اور مہذب بنانا چاہتا ہوں -
یہ میرے قتل کے درپے ہوئے - میں نے معاف کیا۔
یہ بدر میں لڑے ۔ میں نے معاف کیا -
یہ غلام بن کر میرے سامنے آئے - میں نے آزاد کر دیا -
اور یہ عام قانون بنا دیا کہ اب کوئی غلام نہ بنایا جائے گا۔
نہ کسی دشمن کے مُردے کی بے عزتی کی جائے گی
خواہ وہ کتنا ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہو -
میں دوستوں ہی کی نہیں، دشمنوں کی بھی بھلائی چاہتا ہوں
مجھے عفو و احسان میں لذت محسوس ہوتی ہے
کاش وہ بھی اس لذت سے واقف ہو جائیں! (سید المجاہدینؐ)

من لا یرحم الناس، لا یرحمہ اللہ (الحدیث)

بدخواہ کساں ہیچ بمقصد نہ رسد   یک بد نکند تا بخودش صد نہ رسد
من نیک تو خواہم و تو خواہی بد من   تو نیک نہ بینی و بمن بد نہ رسد
(خیام)

سید المجاہدینؐ

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۝ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۝

اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی جبکہ تو نے مارا تھا تو درحقیقت تو نے نہیں بلکہ اللہ نے مارا تھا۔

وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِالاموال والانفس ۝ قل یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ

اللہ کی راہ میں جان اور مال دونوں سے کوشش کرو۔ یہودیو اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم انسانوں کے

اَنَّکُمْ اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

مقابلے میں خدا کو دوست رکھتے ہو اور قیامت کے قائل ہو، تو موت کی آرزو کرو اور ایک دوسرے

وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (ای بالربا)

کا مال باطل طریقہ سے (یعنی سود سے) نہ کھاؤ ۝

خصلتان لا یجتمعان فی مومن: البخل وسوء الخُلق (الحدیث)

(اللہ کو ماننے والا بخیل اور بدخو نہیں ہوتا)

بذل کن مال و خوئے نیکو ورز   راہ ایمان اگر ہمی پوئی

زانکہ در ہیچ مومنے باہم   نشود جمع بخل و بدخوئی (جامی)

ولم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُرید غزوۃ الا ورّی بغیرھا (کعب بن مالک صحیح بخاری تبوک)

رسول اللہؐ جب کبھی جنگ کا ارادہ کرتے تو اس کو مبہم (راز میں) رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری)

سنہ عربی	یکم محرم	یکم صفر اول	یکم صفر ثانی	ربیع الاول	ربیع الثانی	جمادی الاول	جمادی الثانی	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ
۲ھ عام القتال	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	دوشنبہ ۳۱ اکتوبر ۶۲۳	چہارشنبہ ۳۰ نومبر	پنجشنبہ ۲۹ دسمبر	شنبہ ۲۸ جنوری ۶۲۴	یکشنبہ ۲۶ فروری	سہ شنبہ ۲۷ مارچ
۳ھ عام الامتحان	چارشنبہ ۲۵ اپریل ۶۲۴		جمعہ ۲۵ مئی ۶۲۴	یکشنبہ ۲۴ جون ۶۲۴	سہ شنبہ ۲۴ جولائی ۶۲۴	چارشنبہ ۲۲ اگست ۶۲۴	جمعہ ۲۱ ستمبر ۶۲۴	شنبہ ۲۰ اکتوبر ۶۲۴	دوشنبہ ۱۹ نومبر ۶۲۴	سہ شنبہ ۱۸ دسمبر ۶۲۴	جمعرات ۱۷ جنوری ۶۲۵	۰	۰

سید المجاہدین: کمزوروں کی مدافعت

روم کی فتح | ۶۲۳ء میں ہرقل کی فوجوں نے بوڑھے خسرو پرویز سے اس کی سلطنت کے کچھ علاقے چھین لئے اور نصرانی پادریوں نے سلطنت کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ اصلی صلیب جو ساسانی چھین لے گئے تھے وہ واپس لائی جائے۔ اس طرح مذہب کے نام پر ایک صلیبی جنگ شروع کر دی گئی تاآنکہ ۶۲۴ء میں رومیوں نے آذربائجان کا آتشکدہ مسمار کر دیا۔

عام القتال ۲ھ: ابتدائے قتال۔ سریہ نخلہ یمنی تجارت پر حملہ | ماہ حرام رجب ۲ھ کے اواخر میں

سید المجاہدین نے حسب دستور عبداللہ بن جحش اسدی کو بارہ مہاجرین کے ساتھ قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لئے بھیجا اور ایک خط دیا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد اسے پڑھنا اور عمل کرنا۔ دو روز کے بعد خط کھولا گیا تو اس میں یہ حکم تھا کہ "نخلہ تک چلے جاؤ (یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ اور ادھر سے یمن کے تاجر رجب کے مہینے میں آیا جایا کرتے تھے اور سید المجاہدین اس بات سے خوب واقف تھے)۔

"نخلہ پہنچ کر قریش کی گھات میں رہو اور ہم کو ان کی خبریں معلوم کر کے بتاؤ اور دو روز کے بعد جب ادھر کا رُخ کرو تو کسی ساتھی کو ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرو۔" یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ یہ سفر نہایت خطرناک تھا۔ جس جگہ جانے کا حکم تھا وہ مکہ سے بہت قریب تھا گویا عین دشمن کے گھر سے گذرنا تھا اور جس طرح کرز بن جابر مدینہ کی چراگاہوں تک پہنچ کر حملہ کر چکا تھا۔ اسی کا ایک حد تک جواب تھا مگر یہ منشا نہیں تھا کہ اس حرام مہینہ (رجب) میں قتال یا لوٹ مار کی جائے۔

ابن جحش نے ساتھیوں کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا تو سب نے ساتھ چلنے پر رضامندی ظاہر کی اور ۳۰ رجب ۲ھ (مطابق ۲۹ نومبر ۶۲۳ء) کو یہ لوگ نخلہ پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ قریش کا ایک مختصر سا قافلہ تجارت ٹھیرا ہوا ہے اور مطمئن ہے کہ رجب کے مہینہ میں اُن پر کوئی حملہ نہ کرے گا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے انھیں دھوکہ دینے کو اپنے سر منڈوا دیئے تھے تاکہ وہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ حاجی ہیں رجب کا عمرہ کر کے واپس آ رہے ہیں۔

مسلمانوں نے مشورہ کیا تو یہ طے پایا کہ اگرچہ رجب کے مہینہ میں قتال حرام ہے لیکن اگر

اُنھیں آج چھوڑ دیا تو کل تک وہ سرزمین حرم مکہ میں داخل ہو جائیں گے لہذا حملہ کر دو۔ اس پر واقدؓ نے ایسا کاری تیر مارا کہ عبداللہ حضرمی قتل ہو گیا اور ان لوگوں نے دو قیدی بھی بنا لئے۔ جتنا سامان تھا اُسے مال غنیمت سمجھا اور کافی تعداد میں تھیں، شراب اور چمڑا مدینہ لائے اور حسب دستور اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ سردار قوم کو پیش کیا یہ پہلی خمس تھی جو ابن جحشؓ کے حکم سے نکالی گئی اور صحابہ میں تقسیم کی گئی۔ اس کے علاوہ دونوں مشرک قیدیوں کا فدیہ بھی سید المجاہدین نے لیا اور اُنھیں آزاد کر دیا

بقرہ ع ۲۷، فتنہ قتل سے بھی بُرا ہے

اس کے بعد قرآن نے بتایا کہ "اس میں شک نہیں کہ حرام مہینوں میں قتال کرنا بہت بڑا ہے، لیکن اگر اللہ کی عبادت اور مسجد مکہ سے زبردستی روکا جائے اور اللہ کو نہ مانا جائے، اور اس کے باشندوں کو نکال باہر کیا جائے تو یہ سب باتیں قتال سے بھی بُری ہیں اور کسی کو مجبور کرنا کہ اپنے ضمیر کی آواز پر عمل نہ بلکہ دین سے پھر جائے یہ تو قتل سے بھی بُرا ہے۔"

آزادی رائے کے لئے قتال بھی کرنا پڑتا ہے

قتال کا جواز طالوت و جالوت کے قصہ میں بیان کیا جا چکا ہے لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ ظلم کرنا اور بلا وجہ کسی کو قتل کرنا ایسا ہے جیسے کل عالم کو قتل کرنا۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ "اگر انسان کو دین سے پھیرا جائے اور رائے حق سے منحرف کیا جائے یا کسے ایسی جگہ جانے سے روکا جائے جیسی کہ مسجد حرام ہے تو خواہ شہر حرام ہی کیوں نہ ہو قتل کرنا مقابلتاً کم بُرا ہے یعنی شہر حرام میں قتال بری چیز (کبیر) ہے لیکن فتنہ یعنی آزادی رائے سے زبردستی محروم کرنا، قتل سے زیادہ بُرا (اکبر) ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سید المجاہدین نے مسلمانوں کو جو قرآنی حکم سنایا وہ یہ تھا کہ قتال ہر حال میں بُری چیز ہے لیکن اگر انسان مجبور کر دیا جائے اور اس کی آزادی رائے و عمل خطرہ میں ہو تو پھر قتال بھی جائز ہے۔ اگرچہ یہ بُرا ہے لیکن مقابلتہً کم بُری ہے۔

یہودیوں کی شرارتوں کے باوجود

مکی دور میں قرآن نے پہلے نصاریٰ اور پھر یہود کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ مدینہ آکر آنحضرتؐ نے یہود سے امت واحدہ بننے کا معاہدہ کیا۔ لہذا یہود کی شرارتوں کے باوجود بھی قرآن نے توراۃ و انجیل کو نہیں جھٹلایا البتہ شریر اور ظالم یہودیوں کو ضرور بُرا کہا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ سب یہودی بُرے تھے یا ان کا دین غلط تھا

یا توراۃ وانجیل محرف ہیں۔ صرف ترتیب نزول قرآن سے یہ حقیقت کھلتی ہے ورنہ عام مفسر جملہ یہود کو مغضوب اور توراۃ کو محرف کہنے لگتے ہیں جو غلط ہے۔

یہودیوں اور مشرکوں دونوں میں منافق موجود تھے جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ سید المجاہدینؐ کے ساتھ جو مہاجر ہیں وہ نہ صرف شامی تجارت کو منقطع کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ یمن کی تجارت کو بھی پہنچ کر ختم کر سکتے ہیں تو ان کے کان کھڑے ہوئے۔ مشرک منافقوں کی ہمت تو نہ پڑی۔ مگر یہودیوں نے اپنی موروثی فرقہ پرستی کو جلد ظاہر کر دیا۔ اگرچہ ان کا شہر حرام کی لڑائی سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن ایک نے کہا۔ واقدؓ نے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ دوسرا بولا حضرمی نے جنگ حاضر کر دی اور عمرو نے جنگ کو فروغ دیدیا (عمرت الحرب) (ابن ہشام) کچھ ایسے تھے جو دین ابراہیم کو یہودی مذہب کہتے تھے۔ بعض سلیمانؑ کو سحر (جبت) کرتے والا بتاتے تھے۔ کوئی منکر خدا بن گیا تھا۔ (ابن ہشام ۱۴۱-۳۴۷) اس کے علاوہ اسلامی مواخات اور اقتصادی مساوات نے اُن کے سودی کاروبار کو ختم کر دیا تھا۔

بقرہ ع۱۶: یہود کی آزمائش تحویل قبلہ شعبان ۲ھ

سید المجاہدین نے یہود کو بتایا کہ جس ابراہیم کی نسل سے تم ہو، اسی سے بنو اسماعیل یعنی اہل عرب بھی ہیں۔ اس حیثیت سے سب برابر ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان تمہارے نبیوں کو اپنا نبی اور توراۃ کو خدا کا کلام مانتے ہیں۔ اس اعتبار سے تم دونوں ہم خیال ہو۔ لہذا آؤ سب مل کر خدا کے اس پہلے گھر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں جسے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ دونوں نے بنایا تھا۔ دار السلام (یروشلم) بھی مسجد ہے، بیت اللہ ہے لیکن سلیمانؑ بن داؤدؑ کے زمانے میں بنا ہے، جو حضرت ابراہیم کے بہت بعد کا زمانہ ہے۔ حضرت ابراہیم یہودی نہ تھے بلکہ اُن کی اولاد کی ایک شاخ یہودی ہے (البقرہ ۱۷) اور اس واقعہ کو اب یہودی بھی تسلیم کرتے تھے کہ بنو ابراہیم عبری نسل سے تھے اور یہودی یہودا کی اولاد سے ہیں اسکے بعد سید المجاہدین نے شعبان ۲ھ میں بجائے مسجد اقصیٰ کے بیت العتیق (کعبہ) کی طرف منہ کر کے نماز شروع کر دی اس تحویل قبلہ نے منافق یہودیوں کا راز کھول دیا۔ انھوں نے کعبہ کو قبلہ ماننے سے انکار کر دیا اور وہ علانیہ یہود بن گئے اور جو چند یہودی منافقانہ باقی رہ گئے تھے انھیں بھی آنحضرتؐ نے مسجد نبوی سے نکلوا دیا (ابن ہشام ۳۱۸)

بقرہ ع۱۸-۱۹ مقصود نیکوکاری ہے

یہودیوں سے کہا گیا کہ اس میں کیا دھرا ہے کہ کس طرف کو منہ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے مسجد حرام (کعبہ) کی

طرف نماز پڑھنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ قدیم ترین بیت اللہ ہے لیکن اصل چیز یہ ہے کہ نیکی کرنے میں ایک دوسرے سے مسابقت کرو" اس طرح بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل دونوں متحد ہو جائیں گے اور موسوی قبلہ کو ترک کر کے ابراہیمی قبلہ اختیار کر لیں گے۔

بقرع ۲۲ مصدق کون ہیں اور نیکی کیا ہے

نیکی کے دو پہلو ہیں ایک اللہ اور یوم آخر اور اس کے قوانین پر اور اس کے پیمبروں پر ایمان رکھنا۔ اور اُسی کے ساتھ ساتھ اللہ کی محبت میں اپنا مال حقداروں پر خرچ کرنا (رشتہ دار، یتیم، محتاج، مسافر، غلام، مقروض وغیرہ پر) جو عہد کیا جائے وہ وفا کرنا، مصیبت، دکھ اور جنگ میں صبر و استقامت سے کام لینا۔ ان ہی لوگوں کو مصدق اور متقی کہا گیا ہے"

جماعتی قصاص مساوات وعدل کی بنیاد ہے

"جو قتل کرے گا سزا پائے گا۔ اگر وہ سزا سے بچ جائے تو سوسائٹی میں نظم باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا تم پر قصاص لینا فرض ہے" (یعنی قصاص انفرادی نہ رہے گا بلکہ جماعت کی طرف سے قصاص لیا جائے گا اور طاقت ور کو بھی سلطنت کے قانون کے سامنے جھکنا پڑے گا)

بقرہ ۲۱ع یہودی کتمان بینات اور حرام حلال

"یہودیوں نے حرام وحلال غذائیں اپنے دل سے گھڑ لی ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی نہیں کھاتے۔ اس کے علاوہ توراۃ کے بہت سے احکام کی پابندی نہیں کرتے اور اُن کو چھپاتے ہیں۔ یہ قیامت میں پکڑے جائیں گے۔ خود غلامی کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ لیکن لوگوں کو قرض کے عوض میں غلام بناتے ہیں۔

بقرہ ع ۹-۲۱ یہود کی بے دینی تحریف احکام الٰہیہ۔ قیامت کا انکار

"اس کے علاوہ اپنے دل سے تاویلیں کر کے اندر نئی نئی شرحیں لکھ کے انھوں نے مفہوم قوانین توراۃ کو بدل ڈالا ہے" (البقرہ ۹-۲۱) بعض کہتے ہیں کہ قیامت میں خدا پیدا نہ کرے گا۔ یہ فریق (یعنی صدوقی) توراۃ کو جان بوجھ کر بدلتا ہے اور اُسے نہیں ماننا چاہتا اس کے علاوہ توراۃ میں ایک نبی کے آنے کا ذکر ہے جو بنی اسماعیل سے ہوگا لیکن یہ اسے بھی چھپاتے ہیں۔
یہودیو توراۃ کے احکام کو پورے طور پر مانو۔ یہ نہ کرو کہ آدھے کو مانو اور آدھے کو نہ مانو۔ قتل کرنا تو جائز سمجھو اور

قیدی کو فدیہ دے کر چھڑانا ناجائز سمجھو۔ یہ ایسے سخت دل اور زر پرست سود خور لوگ ہیں کہ حق پر کبھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہ اس وقت عزیر پرستی کرتے تھے جبکہ ان کو توراۃ دی گئی تھی اور غیر اللہ کی پرستش کو منع کیا گیا تھا۔ ان میں بعض (عیسیٰ) یوم الآخر کو ملنتے ہیں۔"

یہود یو موت کی آرزو کرو

اگر وہ صدق دل سے اسے ملنتے ہیں تو انھیں موت کی آرزو کرنا چاہیئے تاکہ وہاں جنت میں جاکر آرام سے رہیں۔ لیکن وہ ہرگز ایسی دعا نہ مانگیں گے۔ اس لئے کہ آخرت پر بھی ان کا ایمان پکا نہیں ہے۔ (دیکھئے سورۂ زخرف) اور مشرکوں کی طرح یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہزار سال تک زندہ رہیں اور سود خوری سے پیٹ بھرتے رہیں (البقرہ ۱۲ع) مشرک اور یہودی اعتراض کرتے ہیں کہ کتاب اللہ (توراۃ وغیرہ) میں جو احکام نازل ہوئے ہیں انھیں خدا کیوں بھلا دیتا ہے یا خدا انھیں کیوں منسوخ کر دیتا ہے۔ جاری کیوں نہیں رکھتا تو انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جو دلائل الٰہیہ خدا بھلا دیتا ہے یا اُن سے بہتر احکام و دلائل وجود باری (یعنی آیات) نازل کر دیتا ہے۔ یہودی اور مشرک دونوں نہیں چاہتے کہ تم مومن باللہ بنو بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ پر ایمان لانے کے بعد مسلمان کافر ہو جائیں اور قبلہ سے منحرف ہو جائیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح موسیٰ سے کہا تھا أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً ویسے ہی ہمیں بھی انھیں خدا کو دکھا دو)

"بہرحال چونکہ ان یہودیوں سے معاہدہ ہو چکا ہے۔ لہذا ابھی خدا کا یہی حکم ہے کہ ان سے صلح کے ساتھ رہو اور ان کی شرارتوں کو بخشدیا کرو۔ آئندہ جو خدا حکم دے گا اس پر عمل کیا جائے گا (بقرہ ۱۳)

یہود و نصاریٰ ایک ہو جاؤ اور توراۃ پر عمل کرو

"افسوس ہے کہ یہود و نصاریٰ باوجودیکہ اہل کتاب ہیں لیکن ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں (البقرہ ۱۴)" اے بنی اسرائیل توراۃ پر عمل کرو۔" (بقرہ ۱۵) لیکن یہ یہودی دین ابراہیم سے منحرف ہو گئے ہیں۔ دیکھو اسرائیل یعنی تمہارا جد اعلیٰ یعقوب بھی رب العالمین کو مانتا تھا۔ لہذا یہودی یا اسرائیلی نہ بنو بلکہ ابراہیمی بنو۔ (یعنی نسلی افتخار کو چھوڑ کے خدا کے بندے مثل ابراہیم کے بن جاؤ)

چند مختلف فیہ مسائل مدینہ

یاد رکھئے کہ مدینہ میں یہود سے اتحاد کی گفتگو ہو چکی ہے۔ لیکن وہ مشرکین مکہ کی شرارتوں اور خود اپنی کنجوسی کی وجہ سے دین ابراہیمی کے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ دین موسوی کو بھی پس پشت ڈال کر سود کے ذریعے لوگوں کو غلام بنا رہے ہیں، باوجودیکہ ان کے قانون کے اعتبار سے غلامی حرام تھی۔ آنحضرتؐ نے اس زمانے میں یہودیوں سے

سخت کلامی نہیں کی۔ نہ اُن کی کتاب کو جھوٹا کہا۔ وہ مسلمانوں کے معاہد اور بظاہر دوست تھے اسلئے جو مسائل عدم ترتیب واقعات کے لحاظ سے پیدا ہو گئے ہیں وہ محتاج تشریح ہیں مثلاً

۱۔ قرآن کل کتب الٰہیہ کا مصدق ہے | قرآن نہ صرف توراۃ و انجیل کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ کتب الٰہیہ ہیں کتب شیطان نہیں ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس سے پہلے "صحف ابراہیم" بھی خدا کے قانون یا کتب الٰہیہ تھے (وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ رکوع ۱۱)

بقرہ ع ۱۶ : ملت ابراہیم : اسلام ہے | الٰہ واحد کی عبودیت اسلام ہے۔ اور اُن کل قوانین کو ماننا اسلام ہے جو مختلف رسولوں پر نازل ہوئے۔

کسی نبی میں تفریق نہ کرو | لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ سے یہی مراد ہے کہ خدا کی بندگی کے سلسلے میں کسی نبی کی تعلیم سے منہ نہ پھیرو اور ایک تعلیم یا نبی کو اونچا اور دوسرے کو پست نہ بناؤ۔ صرف موسیٰ کی توراۃ ہی نہیں بلکہ صحف ابراہیم اور قرآن کو بھی مانو۔

ھُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ۔ | دیکھو اللہ ہی تمہارا آقا ہے اور وہی ہمارا بھی آقا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ تمہارا خدا کوئی اور ہے اور ہمارا یا ابراہیم کا دوسرا ہے۔ اسی طرح نبی بھی سب اُسی اللہ کے ہیں (خواہ وہ ابراہیم ہوں یا محمدؐ ہوں)، موسیٰ سے پہلے جو نبی ابراہیم و اسحاق کے گزرے ہیں وہ یہودی یا نصرانی کیسے ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا صرف موسیٰ کی تعلیم کے ماننے پر اصرار کرنا درست نہیں اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جو کچھ توراۃ میں ہے ہم صرف اُسے مانیں گے اور جو اس کے علاوہ ہے اُسے ہم نہ مانیں گے (قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ۔ وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ رکوع ۱۱) دیکھو قرآن تو توراۃ کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر تم کیوں قرآن و صحف ابراہیم کی تصدیق نہیں کرتے؟

۲۔ قرآن کی کوئی آیت نہ منسوخ ہے نہ بھلائی گئی ہے | مَا نَنْسَخْ مِنْ آیَةٍ اَوْ نُنْسِھَا) کی وجہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ خود قرآن کی بہت سی آیتیں منسوخ التلاوۃ یا منسوخ الحکم یا دونوں ہیں۔ اگر ترتیب واقعات اور شان نزول کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سراسر غلط ثابت ہوتا ہے۔ نسخ سے مراد مخدود حکم کو عام بنانا ہی

تبدیل آیت توراۃ | خدا کے قانون میں تبدیل و تحویل نہیں اگر ایسا ہو تو علت و معلول کا سلسلہ ہی ختم ہو جاتے اور یہ عالم عالم کون کی جگہ عالم فساد (CHAOS)

بن جائے لہذا جس طرح طبعی قوانین ناقابل تبدیل ہیں اسی طرح اخلاقی قوانین بھی اٹل ہیں مختلف احوال کے بدلنے پر جس طرح طبعی قوانین اپنے نئے اعمال کے پابند ہیں اسی طرح اخلاقی قوانین بھی مجبوراً پابند ہیں۔ احوال بدلتے ہیں۔ قانون نہیں بدلتے۔ قبلہ کی طرف منہ کرنیکا عام گیر قانون نہیں بدلا، بلکہ یہود کے مخصوص قانون کو صرف یروشلم قبلہ ہے،

حضرت موسیٰ نے جب بنو اسرائیل کو مصری غلامی سے آزاد کرایا تو ان کا مقصود دار السلام (یروشلم) تھا۔ ان کی قوم اپنے جدِ اعلیٰ ابراہیم کے قبلہ یعنی کعبۃ اللہ کو بھول چکی تھی۔ غلامی کی حالت میں مصری دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگی تھی۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس کے چچا زاد بھائی بنو اسماعیل ہمیشہ آزاد رہے ہیں اور اب بھی اُن کی مدد کر سکتے ہیں۔ بہرحال انھوں نے یروشلم کو قبلہ بنالیا۔ وہ بھول چکے تھے کہ اصلی ابراہیمی قبلہ مکہ میں ہے۔ قرآن نے اسے یاد دلایا۔

مدینہ آکر آنحضرت نے تسلیم کیا کہ توراۃ سچی کتاب ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل دونوں اپنے باپ ابراہیم کے قبلہ کی طرف رُخ کریں۔ یہ نئی آیت نہیں بلکہ بہتر آیت ہے۔ (نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ) یہی مراد ہے قبلہ ابراہیمی کے اختیار کر لینے سے وحدت دین و وحدت اقوام میں ترقی ہوتی ہے اور ایک بھولی ہوئی ابراہیمی آیت پر عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ کہا گیا ہے لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ (یعنی ہر زمانے و ماحول کے لئے ایک مخصوص قانون ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر قانون خداوندی قائم رہتا ہے لیکن ماحول کے اقتضا سے اس قانون کا عمل مختلف نتیجے پیدا کرتا ہے۔ قانون نہیں بدلتا بلکہ ماحول کے بدلنے سے اُس قانون کے اثرات بدل جاتے ہیں۔ یہی قانون الٰہی ہے۔ (دیکھئے البقرہ رکوع ۱۵ - دعائے ابراہیم۔ خدایا اس شہر مکہ کو دار الامن و دار السلام (یروشلم) بنادے اور کعبہ کو لوگوں کے لئے اجتماع اور امن کی جگہ بنائے: وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ...... السُّجُوْدِ)

ابراہیمی قانون کی بھولی ہوئی آیت

یہ ابراہیمی قانون یعنی صحف ابراہیم کی بھولی ہوئی آیت یا حکم ہے جو موسوی حکم متعلق قبلہ سے بہتر ہے لیکن یہود نے اس بھولے ہوئے اتحاد انسانیت کے بہتر حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔

مومنوں کو تحریف لفظی کی ممانعت

چونکہ یہودیوں کے ساتھ رہتے رہتے خود مومن بعض وہ لفظ اور محاورے بولنے لگے تھے جو یہود تحریف لفظی کے سلسلہ میں بولتے تھے۔ اس لئے انھیں حکم دیا گیا کہ سلیس اور غیر مبہم لفظ انظرنا (ادھر دیکھو) بولا کرو اور یہود

کی طرح راعینا (جس کے معنی ہمارے چرواہے بھی ہوتے ہیں) نہ بولا کرو یعنی زبان اٹھلا کر نہ بولو اور تحریف لفظی نہ کرو اس طرح کی تحریف سے الفاظ کے اصلی معنی بدل جاتے ہیں

تحریف کلمات بلیغات یہی بات سورۂ نساء رکوع ۸ میں اسی فصل میں آگے کہی گئی ہے کہ یہود زبان اٹھلا کر بولتے ہیں۔ اور یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ الفاظ توراۃ کے ہیں مگر وہ توراۃ کے الفاظ نہیں ہیں وہ توراۃ کی آیتوں اور احکام کو چھپاتے ہیں۔

توراۃ محرف نہیں ہے: مقصد کلام یہ ہے کہ توراۃ کلام اللہ ہے۔ وہ محرف نہیں۔ بلکہ یہود اس طرح بولتے ہیں کہ لفظوں کے معنی مبہم اور بسا اوقات غلط ہو جاتے ہیں۔ خود توراۃ کو دیکھا جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

بعض یہود شیطانی کلام کو توراۃ پر ترجیح دیتے ہیں

قرآن میں تحریف کے سلسلے میں چار آیتیں ہیں اور ہر جگہ ان سے یہی مراد ہے کہ بعض یہود توراۃ کو چھوڑ کر کلام شیطان یعنی کلام کاہن و جبت و طاغوت کو مانتے ہیں۔ دیکھئے بقرہ رکوع ۱۲: وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ .... يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ... اور اسی سلسلہ میں سورۂ نساء کے رکوع ۸ میں اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ .... یہ آگے اسی فصل میں مذکور ہے)

قرآن جملہ کتب الٰہیہ کو منوانا چاہتا ہے

غرض کہ نسخ و تبدیل آیات کے ذریعے حسب ضرورت و حسب احوال قرآن کل قوانین الٰہیہ کو منوانا چاہتا ہے۔ ان میں سے ہر وہ قانون داخل ہے جو وحدت الٰہیہ اور وحدت و مساوات انسانیہ کی طرف لے جائے۔ اس میں صرف توراۃ نہیں بلکہ صحف ابراہیم بھی داخل ہیں

۴۔ جبریل، وحی معنوی یا قول نفسی

"سحر" یعنی کلام کاہن و شیطان کے مقابلہ میں "حق" کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا کہ کلام حق کو فرشتے لاتے ہیں یہاں میں سے جبریل و میکال کا نام لیا۔ یہ عبرانی لفظ ہیں جن کے معنی اللہ کی قوتیں ہیں۔ مقصود یہ ہے۔ (جیسا کہ مکہ میں بار بار کہا گیا تھا) کہ جس طرح توراۃ مِن قِبَلِ اللّٰہ بذریعہ وحی معنوی نازل ہوئی تھی اور حضرت موسیٰ نے اسے الواح پر مصری رسم الخط میں لکھ لیا تھا۔ اسی طرح یہ قرآن بھی بذریعہ فرشتگان،

قلب رسولؐ پر معناً نازل ہوتا ہے (قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ بقرہ رکوع ۱۲) اور جبریلؑ نے بطور رسول کریم یا ایلچی کے خدا کے حکم سے (بِاِذْنِ اللّٰه) یہ کلام قلب رسول پر معنوی طور پر سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اسی کو عقائد کی کتابوں میں قول نفسی بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھئے عقائد نسفی وغیرہ) یہ کلام منجانب اللہ ہوتا ہے خود اللہ کا بلفظہٖ نہیں ہو سکتا۔ گویا یہ خدائی کلام ہوتا ہے۔ خدا کا کلام نہیں ہوتا۔

کتاب اللہ کا ترجمہ اور حدیث

اس بات کا ثبوت کہ الفاظ رسول اللہ کے ہیں یہ ہے کہ توراۃ کے الفاظ مصری تھے اور حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل مصری زبان بولتے تھے۔ اس کے بعد وہ توراۃ صحف ابراہیم کی طرح ضائع ہو گئی۔ اس کے مفہوم کو کئی سو سال بعد حضرت عزیر نے لکھوا دیا۔ پھر بھی اسے قرآن کتاب اللہ کہتا ہے۔ حالانکہ یہ مختلف الفاظ میں اور مختلف زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہو کر آنحضرتؐ کے زمانے میں رائج ہوئی۔ یعنی حقیقت میں کتاب اللہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ انہیں الفاظ میں ہو جو نبی نے بتائے تھے۔ اگر ان کا ترجمہ اور مفہوم بھی موجود ہو تو وہ اللہ کا حکم (کتاب اللہ) مانا جائے گا۔ اسی طرح حدیث رسول بھی کلام من عند اللہ یعنی خدائی کلام ہوتا ہے۔ اگرچہ الفاظ خود رسول کے ہوتے ہیں۔

رویائے صادقہ

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ نبیوں کو بہت سے خواب دکھائی دیتے تھے جن پر وہ عمل بھی کرتے تھے اور زبان سے بتاتے بھی تھے کہ یہ بات خدا نے خواب میں دکھائی جیسا کہ حضرت ابراہیم کا خواب تھا یا آئندہ سورہ انفال میں آنحضرتؐ کا خواب مذکور ہے کہ دشمن کی فوج کم دکھائی دی یا پھر حدیبیہ کے موقعہ پر آپؐ نے خواب دیکھا اور اُسے اپنے الفاظ میں بیان کیا اور بیان ہی نہیں، اُس پر عمل بھی کیا۔ یہ بھی کلام معنوی ہوتا ہے۔ کلام لفظی نہیں ہوتا۔

سورۃ الجمعہ: ع ۱

"یہودیو اللہ اور بعث بعد الموت کو مانو ورنہ تمہاری مثال گدھوں کی سی ہو گی کہ اُس پر کتابیں تو لدی ہیں مگر اُس پر عمل کرنا اس کی عقل سے باہر ہے (الجمعہ ع ۱)

یوم آزادی بنو اسرائیل کا روزہ

آنحضرتؐ جب مدینہ تشریف لائے تھے تو آپؐ نے دیکھا کہ اسرائیلی سال کے شروع یعنی رجب کے مہینہ میں یہودی روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا یہ روزہ کس لئے ہے۔ یہودیوں نے کہا ہمیں اس مہینے میں

فرعون کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی تھی اس کی یادگار مناتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم خود اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ سنّت موسوی پر عمل کریں اور آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس بات سے یہ بھی دکھانا تھا کہ مسلمان اور یہودی ایک ہی قوم ہیں لیکن یہود نے اسلامی مواخات میں شرکت نہ کی اور تحویل قبلہ کے بعد مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

بقرہ ع ۲۳۔ روزہ رمضان ۲ھ

نبوت سے پہلے آپ کا قاعدہ تھا کہ رمضان کے مہینہ میں غار حرا پر جا کر عبادت الٰہی اور روزہ میں وقت صرف کرتے تھے اسے تحنث یا تحنف کہتے تھے۔ اسی زمانے میں نصاریٰ بھی چالیس دن کے روزے ۱۵ر نومبر سے ۲۵ر دسمبر تک رکھتے تھے۔ یہ روزے ولادت مسیحؑ کی خوشی کے روزے تھے اور چونکہ جاڑوں ہی میں ہمیشہ رمضان ہوتا تھا اس لئے مومنوں کو تکلیف بھی نہ ہوتی تھی۔ اور جو خوراک بچتی تھی وہ نادار بھائیوں کے کام آتی تھی اسی لئے بدر سے پہلے ۲ھ پورا مہینہ رمضان کا روزوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور وحی الٰہی سے اس کی تصدیق ہو گئی اور اس میں بتایا گیا کہ جس طرح دوسری کتابی قوموں یعنی نصاریٰ پر روزہ رکھنا فرض ہے اسی طرح تم پر بھی فرض کیا جاتا ہے (تاکہ خوراک بچے اور غریب مہاجروں کے کام آئے) بہرحال جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور چاہے تو بخوشی زیادہ خیرات کرے، چاہے روزہ رکھے دونوں باتیں اچھی ہیں (بقرہ ۱۸۴)

اسلامی روزہ اور صدقہ

جب بیماری، کمزوری یا سفر کا عذر باقی نہ رہے تو باوجودیکہ خیرات کی ہو پھر بھی روزہ رکھو اور روزہ کی حکمت و رحمت سے محروم نہ رہو۔ یاد رکھو کہ روزہ سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے (بقرہ ۱۸۳) جسمانی و روحانی پاکی خود روزہ رکھ کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے معذوروں کے لئے روزہ نہ رکھنا خطا، قصور، گناہ یا جرم نہیں، لہذا روزہ کا فدیہ سزا نہیں ہے بلکہ وقتی رعایت و رحمت ہے اس فدیہ کا مقابلہ کفارہ سے کرنا صحیح نہیں۔

بدر کی لڑائی: یوم الفرقان ۔ ۱۷ر رمضان ۲ھ مطابق ۹ جنوری ۶۲۴ء

وہ لڑائی جس نے حق و باطل کو الگ کر دیا

جمادی الثانی ۲ھ (اکتوبر ۶۲۳ء) میں ذی العشیرہ کے قریب جس قافلے کے لئے ایک مہم بھیجی گئی تھی اب

یہی قافلہ شام کی تجارت سے فائدہ اُٹھاکر واپس آ رہا تھا۔ جناب سیدالمجاہدینؐ قافلوں کی آمد و رفت کے اوقات سے واقف تھے اس لئے آپؐ نے طلحہؓ اور سعیدؓ کو قافلہ کی خبر کے لئے روانہ فرمایا۔ ان کے بعد ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپؐ بھی روانہ ہو گئے۔ آپؐ کے ساتھ چوہتر مہاجر اور دو سو اکتیس انصار یعنی کل تین سو پندرہ آدمی تھے۔ ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے سواری اور باربرداری کے لئے تھے۔ لیکن چونکہ ابوسفیان کے قافلے میں صرف ساٹھ آدمی تھے اس لئے مسلمانوں کی تعداد اُن سے پانچ گنی تھی اور اُنھیں اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا اور روانگی محض اس لئے تھی کہ قافلے کو لوٹ لیا جائے (ابن سعد)

بدر، مدینہ سے اٹھانوے میل اور لال سمندر کے بندر ینبوع سے بیس میل پر واقع ہے۔ اس جگہ مسلمانوں کے جاسوس پہنچ چکے تھے اور خبر لائے تھے کہ دو تین دن میں ابوسفیان کا قافلہ وہاں پہنچ جائے گا۔ لیکن ابوسفیان بھی چوکنا تھا وہ خود بدر پہنچا اور اس کو خبر مل گئی کہ مدینہ والے ادھر آ رہے ہیں لہذا وہ واپس ہوا اور بدر کو چھوڑ کر سمندر کے راستے مکّہ کی طرف نکل گیا۔

اس سے پہلے شام ہی سے ابوسفیان نے ضمضم کو مکّہ روانہ کر دیا تھا کہ قافلہ کی حفاظت کے لئے آدمی آ جائیں۔ لیکن جب بدر کے قریب سے وہ بچ کر نکل گیا تو اُس نے ایک تیز رو سانڈنی سوار مکّہ بھیجا کہ اب تم لوگوں کے لئے آنے کی ضرورت نہیں۔ میں قافلے کو بچا لایا ہوں۔

مکّہ میں ابوجہل نے پوری تیاری کی اور جو لوگ نہیں جانا چاہتے تھے ان کو طعنہ تشنے دے کر ساتھ لے لیا وہ کسی طرح تیار نہیں تھا کہ مقتول حضرمی کا عذر بیکار یا کسی اور طرح پر صلح کرلے۔ لہذا اس نے اپنی فوج تیار کی اور بدر پر پہنچ گیا۔

سیدالمجاہدینؐ کا مسلمانوں سے مشورہ

وادی ذفران پہنچ کر رسول اللہؐ کو یہ معلوم ہوا کہ قریش نہایت سازوسامان سے اپنے قافلے کو بچانے کے لئے چل کھڑے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابوسفیان کے ساٹھ آدمیوں کے لئے تو صرف چوہتر مہاجر کافی تھے اسی لئے انصار بھی ساتھ ہو لئے تھے۔ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ دس مہاجر نخلہ تک پہنچ کر لوٹ مار کر سکتے ہیں تو اس قافلے کا لوٹ لینا کونسی مشکل بات ہے۔ گویا مفت میں مال غنیمت اور فدیہ کی رقم مل جائیں گے۔ لیکن اب سیدالمجاہدینؐ کو مسلمانوں سے مشورہ کی ضرورت ہوئی کہ آگے بڑھیں یا واپس چلیں۔ مہاجرین میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ و مقدادؓ نے آگے بڑھنے کا مشورہ دیا۔ پھر آپؐ نے اور مشورہ مانگا تو انصار بول اُٹھے کہ ہم آپؐ کے حکم سے سمندر تک میں گھسنے کو تیار ہیں۔ موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ "تم جا کے دشمنوں سے لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔" ہم جانتے ہیں کہ معاہدہ عقبہ میں

یہ شرط تھی کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوگا تو ہم آپ کی مدافعت کریں گے لیکن اب اتنی دور آکر ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے اس پر آپ بہت مسرور ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ آگے بڑھو! اللہ ان دونوں گروہوں میں سے ایک نہ ایک کو ضرور ہمارے پنجہ میں گرفتار کرانے گا۔" یہی بات آگے چل کر سورہ انفال میں وحی متلو بن گئی (سیروا و بشروا ان اللہ تعالیٰ قد وعدنی احد الطائفتین)

کتابی جمہوریت۔ جنگی ترتیب میں شوریٰ

ابو جہل کا لشکر قریب ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا مسلمان وہاں پہنچے تو انھیں قریش کی خبر نہ تھی۔ اسی لئے قرآن میں کہا گیا ہے کہ اگر اللہ نہ چاہتا کہ تمہاری مڈبھیڑ قریش سے ہو تو یکایک بغیر وعدہ کے تم ایک دوسرے کے مقابلے پر نہ پہنچ جاتے اور تمہاری فتح نہ ہوتی (انفال ع۵) اس کے علاوہ خدا نے کافروں کی تعداد مسلمانوں کی نظر میں حقیر کر کے دکھلائی حالانکہ وہ مسلمانوں سے تگنے (ایک ہزار کے قریب) تھے اور کفار پر مسلمانوں کا ایسا رعب چھایا کہ انھیں مسلمان زیادہ نظر آنے لگے (انفال نصف آخر رکوع ۶)

جنگی مشورہ

بہرحال حبابؓ بن منذر نے مشورہ دیا کہ جنگی کارروائی کے اعتبار سے جو میدان آپ نے پسند کیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ نے پوچھا۔ پھر کیا کریں۔ انھوں نے کہا کہ بہتر ہوگا کہ چشمہ پر قبضہ کر لیں وہاں حوض بنالیں تاکہ جنگ میں پیاسے نہ مریں۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ مقصد میں مشورہ تو اتنا ضروری نہیں جتنا کہ ذرائع مقصد میں ضروری ہے۔ اسی کو اسلامی سیاست میں کتابی شورائیت یا کتابی جمہوریت کہتے ہیں۔

بارش اور نیند

وہاں پہنچنے پر خدا نے پانی برسا دیا اور نہانے کے بعد مسلمانوں کے جسم و قلب پر سکون طاری ہو گیا (انفال ۲) اور ریتلی زمین اس قابل ہو گئی کہ مسلمان آسانی سے چل پھر سکیں۔ البتہ کافروں کی طرف کیچڑ ہو گیا جس سے وہ مصیبت میں پھنس گئے۔

سکینہ و جنود اللہ

"فرشتوں (سکینہ اور اللہ کے لشکر) نے مسلمانوں کے دلوں کو تقویت دی اور دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ (انفال ۷)

رحمان کا ذکر

آپؐ نے مسلمانوں کی جماعت کی باقاعدہ صف بندی کی۔ پھر مہاجروں کو بتایا کہ تم "بنی عبدالرحمان" ہو تمہارا شعار یا نعرۂ جنگ "یا رحمان" ہے۔ اس لفظ سے مشرکوں کو نہایت نفرت تھی۔ اس کے بعد آپؐ اس جھوپڑی میں گئے جو آپ کے لئے بنائی گئی تھی اور دعا کی کہ "خدایا اگر یہ مٹھی بھر مومن آج ہار گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہ بچے گا۔" اس کے بعد آپؐ نے یقین و

جزم کے ساتھ فرمایا کہ فتح انشاء اللہ مسلمانوں کی ہوگی اور مسلمانوں کو صبر و ثبات کی تلقین کی اور مٹھی بھر کنکریاں لے کر پھینکیں کہ دشمن ناکام و روسیاہ ہو جائیں۔

لڑائی قریش نے مسلمانوں کے عزم و ثبات کو دیکھ کر دل چھوڑ دیئے۔ حکیم بن حزام نے عتبہ بن ربیعہ کو راضی کر لیا کہ وہ حضرمی کا خونبہا ادا کر دے تو لڑائی ختم ہو سکتی ہے لیکن ابوجہل نہ مانا اور عامر کو اشارہ کر دیا جو ننگا ہو کر چلانے لگا واعمراہ واعمراہ۔ اب کیا تھا لڑائی چھڑ گئی اور دونوں طرف سے تیر اندازی ہونے لگی (یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ حکیم بن حزام کے متعلق خاص طور پر سید المجاہدین کا حکم تھا کہ ایسے شریف الطبع شخص کو کوئی قتل نہ کرے)

رحمان پرست اور شیطان پرست ایک طرف رحمان پرست تھے جن کا لیڈر رحمان اور رحمت کے نام پر دنیا کی کل قوموں کو خدا پرستی اور امن و اتحاد کی طرف بلا رہا تھا۔ دوسری طرف شیطان پرست تھے جو اپنی کثرت تعداد کے غرور میں چو ہتر مہاجروں کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ ایک طرف خانہ کعبہ کے بندوں (بنی عبدالدار) کے ہاتھوں میں یعنی ابوعزیز بن عمیر کے ہاتھ میں شیطانی علم بلند تھا۔ دوسری طرف اسی خاندان کے ایک شخص (حضرت بن مصعبؓ بن عمیر) رحمانی علمبردار تھے۔ ایک طرف خدا پرستی کا ولولہ (سکینہ و جنود اللہ) مدد کو تھا۔ دوسری طرف کعبہ کا ننگی دیوتا ہُبل اور لات و عزیٰ کا نام شیطان پرستوں کی زبان پر تھا۔

مبارزت طلبی اب مسلمانوں کو اس کا انتظار تھا کہ قریش کی طرف سے پہل ہو۔ اسی لئے یہ باقاعدہ صفوں میں منتظر تھے اتنے میں عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں آکر للکارنے لگے کہ جسے ہمت ہو آ جائے۔ ان کے مقابلہ میں تین انصاری نکلے۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے بتایا کہ ہم فلاں ہیں۔ عتبہ نے کہا کہ بھائی ہماری تمہاری کوئی لڑائی نہیں۔ اور پکارا کہ اے محمدؐ ہماری قوم کے آدمیوں کو بھیجو جو ہمارے ہمسر ہوں" اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ مہاجر ہمارے ہمسر اور دشمن ہیں۔ دوسرے یہ کہ انصار سے نہ ہم لڑنا چاہتے ہیں نہ انھیں ہم سے لڑنا چاہئے۔

عام لڑائی بہر حال ان تینوں کے مقابلہ میں رسول اللہؐ کے چچا حمزہؓ۔ آپؐ کے بھائی علیؓ اور آپ کے رشتہ دار عبیدہؓ بن الحارث المطلبی نکلے۔ اور اپنے مقابل کے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اب عام معرکہ شروع ہو گیا جس میں کافروں کو مسلمان دو چند نظر آنے لگے (آل عمران ۲)

اور مومنوں نے اُن کی بڑی تعداد کو تھوڑا سمجھا (آل عمران ۔۱) نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی ہلہ میں کفار بھاگ نکلے اور ستر مقتول اور ستر قیدی چھوڑ گئے ۔

ابوجہل زخمی پڑا تھا اور مر رہا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے سینہ پر پاؤں رکھ کر اس کا سر کاٹنا چاہا تو اُس نے کہا اے چرواہے بہت بلند جگہ پاؤں رکھے ہوئے ہے ۔ اچھا یہ بتا کہ فتح کس کی ہوئی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا اللہ والے جیتے ۔ تب وہ بولا میرا سر جڑ سے کاٹ ، تاکہ جب رکھا جائے تو اونچا رہے اور معلوم ہو کہ ایک سردار کا سر ہے ۔

ابوالبختری کو آنحضرتؐ نے معافی دیدی تھی ۔ لیکن جب مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا چاہا تو انھوں نے پوچھا میرے ساتھی کے لئے کیا حکم ہے ۔ لوگوں نے کہا کہ اُس کے لئے کوئی حکم نہیں ۔ تب ابوالبختری نے تلوار نکالی اور لڑ کر مر گئے اور کہا یہ ممکن نہیں کہ آزاد عورت کا بیٹا اپنے زمیل (ہمراہی) کو چھوڑ دے ۔

الرحمان اور امیہ بن خلف

اسی لڑائی میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ اُمیہ بن خلف نے عبدالرحمان بن عوف کو پکارا مگر اُن کا جاہلیہ کا نام لیا کہ اے عبد عمرو مجھے گرفتار کرلو ۔ لیکن انھوں نے جواب نہ دیا ۔ اس لئے کہ وہ اپنا نام بدل کر "رحمان کے بندے" (عبدالرحمان) بن چکے تھے مشرکوں کو رحمان سے اتنی چڑ تھی کہ مرتے مرتے بھی الرحمان کا نام زبان پر نہیں لانا چاہتے تھے ۔ بہرحال اُمیہ نے انھیں پکارا کہ اے عبدالالہ ۔ تب وہ اس کے پاس گئے اور اسے اور اُس کے بیٹے کو گرفتار کر کے لے چلے ۔ اتفاق سے حضرت بلالؓ نے اُمیہ کو دیکھ لیا اور دیوانہ وار دوڑ کر اس پر حملہ کر دیا ۔ اُس لئے کہ مکہ میں اُمیہ بلالؓ کا آقا تھا اور سخت مظالم کیا کرتا تھا ۔ اُمیہ اور اُس کا بیٹا دونوں قتل ہو گئے اور عبدالرحمانؓ بن عوف کو جو فدیہ مل جاتا وہ نہ ملا ۔ بلکہ اُنھوں نے اپنی حاصل کردہ دو زرہیں ان دونوں کو گرفتار کرتے وقت پھینک دی تھیں ۔ فدیہ بھی گیا اور زرہیں بھی ۔

الانفال ع ۵ ۔ قتال کا مقصد پہلی آیت قتال

قتال کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں رائے کو آزادی حاصل ہو اور کوئی شخص مجبور بنا کر دوسری رائے اختیار کرنے پر آمادہ نہ کیا جائے اسے عربی میں فتنہ کہتے ہیں ۔

فتح بدر کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں صراحۃً قتال کا حکم دیا گیا ہے اور وجہ قتال یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ کا قانون دنیا میں رائج کرنے اور شیطانی قوانین کو دنیا سے مٹانے کے لئے اور خدا بندگی کی آزادی حاصل

کرنے کے لئے قتال کرنا اور مظلوموں کو آزادی دلانا ہر مومن کے لئے فرض ہے۔ اس پر اگر ظالم شیطان پرست باز آجائیں تو معاف کردو۔

غنیمت: جو مال غنیمت ملا ہے اس میں پانچواں حصہ اللہ اور رسول کا ہے اور اسی میں رشتہ داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔

تقسیم مال غنیمت: عرب میں پہلے دستور تھا کہ مال غنیمت کے تین حصے سپاہیوں میں اور ایک حصہ سردار کو ملتا تھا۔ اب سید المجاہدین کے حکم سے یہ طے پایا کہ چار حصے مجاہدین پر تقسیم ہوں اور پانچواں حصہ سردار قوم یعنی آنحضرتؐ کو دیا جائے تاکہ وہ مجاہدوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کر سکیں۔ اس طرح کل مال غنیمت اور قیدی تقسیم کر دیئے گئے۔ پیدل کو ایک حصہ اور سوار کو دو حصے دیئے گئے اور آٹھ دس مسلمان جو شریک نہ ہو سکے تھے ان کا حصہ بھی لگایا گیا۔

وحی رویائی: وحی کی ایک قسم پہلے بیان ہو چکی ہے کہ خدا کا ایک فرشتہ قلب رسول پر کچھ معانی القا کرتا ہے (الفاظ رسول کے ہوتے ہیں)

یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سوتے کی حالت میں خدا نے مشرکین کی فوج کو قلیل تعداد میں دکھایا۔

ظاہر ہے کہ اس وحی کو رسول اللہؐ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے معنی یعنی خواب اللہ کی طرف سے تھا الفاظ جن میں فرمایا یہ تھے۔ اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ..... (الخ رکوع ۵)

بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ نبویؐ

ستر قیدیوں میں عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث عبدی (علم بردار قریش) بھی تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کی مکہ میں سازش کی تھی۔ دوسرے سازشی معرکہ بدر میں قتل ہو چکے تھے۔ ان دونوں کو بھی قتل کی سازش کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ بقیہ قیدیوں کے متعلق حسن سلوک کا حکم دیا۔ پھر صحابیوں کے مشورے سے حضرت زینبؓ بنت رسولؐ کے شوہر ابو العاص بن الربیعؓ کو بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا۔ اس کی تفصیل آگے ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے قیدیوں کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت عمرؓ اور سعدؓ بن معاذ کی رائے تھی کہ ان کو خود ان کے ہمارے رشتہ دار قتل کر دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے بحث سننے کے بعد بحیثیت امیر کے فیصلہ کیا کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور جو لوگ فدیہ دینے سے معذور ہیں ان کو بھی چھوڑ دیا جائے البتہ مقدور والے

بہ شرط ہو کہ اگر وہ کسی طرح کی مزدوری کر سکتے ہیں تو مزدوری کر کے اپنا فدیہ حاصل کریں اور ادا کر دیں، اگر وہ لکھنا پڑھنا جانتے ہوں تو انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھادیں۔ یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ زید بن ثابت انصاری نے سنہ ۲ھ میں کسی قرشی قیدی سے لکھنا سیکھا تھا۔ اس کے بعد کاتب قرآن مقرر ہوئے تھے (دیکھئے مکاتبت اور سورۃ النور۔ ع ۴)

غلاموں کی آزادی کا پہلا قانون

جنگی قیدیوں کو یا تو عام طور پر یا تو قتل کر دیا جاتا تھا یا غلام بنا لیا جاتا تھا جو موت سے بھی بدتر ہوتا تھا۔ سید المجاہدینؐ نے جو پہلا قانون اس سلسلہ میں بنایا وہ یہی تھا کہ فدیہ لے لیا جائے اور نہ تو قتل کیا جائے نہ غلام بنایا جائے اس کے علاوہ جو فدیہ بھی نہ دے سکیں تو انہیں مفت میں احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے۔ بعد میں یہی قانون سورۂ محمدؐ میں اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً کی شکل میں قرآن کا ایک حکم بن گیا۔

یہود کی ناراضگی

اس قانون سے یہود بہت برافروختہ ہوئے۔ اس لئے کہ وہ اکثر لوگوں کو اپنے قرضہ کے عوض میں غلام بنا لیا کرتے تھے۔ کسی کو مفت چھوڑنا جانتے ہی نہ تھے۔

ابوالعاص کو کیوں چھوڑا

رسول اللہؐ کے مشرک دامادوں نے جو آپؐ کے چچا ابولہب کے لڑکے تھے آپؐ کی لڑکیوں سے بہت برا سلوک کیا تھا۔ صرف ابوالعاص بن الربیع ایسے داماد تھے جو باوجود شرک کے حضرت بنت رسول سے محبت رکھتے تھے۔ ابوالعاص کے قید ہونے پر اُن سے بھی فدیہ طلب کیا گیا اور اُنھوں نے فدیہ کا روپیہ اور اپنی بیوی کا وہ ہار منگا کر دیا جو انھیں جہیز میں اپنی ماں بی بی خدیجہ سے ملا تھا۔ ہار کو دیکھ کر مرحومہ بی بی کی محبت کی یاد تازہ ہو گئی۔ آپ آبدیدہ ہو گئے اور صحابیوں کی اجازت سے اپنی بیٹی کو اُن کی ماں کی یادگار واپس کر دی گئی اور ابوالعاص نے حسب وعدہ آنحضرتؐ کی بیٹی زینب کو مدینہ بھیج دیا اور خود مکہ ہی میں رہے۔ گویا حضرت زینب کو ابوالعاص کے شرک کی وجہ سے طلاق ہو گئی۔ لیکن چند سال بعد وہ پھر گرفتار ہوئے۔ آنحضرت نے اُن کا کُل مال واپس کر دیا۔ وہ مکہ گئے سب کا قرض چکایا اور امانتیں واپس کیں اور علانیہ مسلمان ہو کر مدینہ چلے۔ لوگوں سے کہا کہ اگر میں مدینہ ہی میں مسلمان ہو کر رہ جاتا تو شاید تم یہ سمجھتے کہ مال مارنے کے لالچ میں مسلمان ہو گیا ہے۔ بہر حال جب وہ مدینہ پہنچے تو حضرت زینب اگرچہ مطلقہ تھیں۔ انھیں واپس کر دی گئیں اس سے ثابت ہے کہ طلاق بائن کے بعد بھی اگر وہ بیوی کی طلب پر بطور خلع نہ حاصل کی گئی ہو۔ اس طرح کی رجعت بقول قرآن ازکی و اطہر ہے۔

الانفال ع ۲: تم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا

اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ مومنوں کے دلوں کو قوی کرو یعنی خدا نے مومنوں کے دلوں کو قوی کیا تھا اور جب آنحضرت نے کفار کی طرف کنکریاں پھینکیں تو خدا نے کہا کہ وہ میں نے پھینکیں تھیں ۔ اسی طرح جب مسلمانوں نے کفار کو قتل کیا تو خدا نے کہا کہ انھیں میں نے قتل کیا تھا اور کافروں کی ترکیبوں کو میں نے سست کیا تھا (فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى) اسی طرح شہدا کے لئے کہا ہے کہ انھیں مردہ نہ سمجھو باوجودیکہ وہ فوت ہو گئے ۔ اسی طرح کا محاورہ شہادت مسیح کے سلسلے میں آگے (سورہ آل عمران) میں بیان ہوگا ۔

الانفال (ع ۱) ملائکہ کا ذکر محض خوشخبری تھا

سچے مومن وہ ہیں جو صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کرتے ہیں ۔ مومنوں کا ایک فریق مدینہ سے نکلتے وقت جنگ سے ڈر رہا تھا ۔ وہ چاہتے تھے کہ قریش سے لڑائی نہ ہو ۔ بلکہ ابوسفیان کا مالدار قافلہ انھیں مل جائے ۔ جب قریش کی بڑی فوج سے مقابلہ ہوا تو تم خدا سے فریاد کر رہے تھے کہ وہ تمہاری مدد کرے ۔ آخر خدا نے لگاتار ہزار ملک فرشتوں سے تمہاری مدد کی اور جیسا کہ رکوع ۲ میں بیان ہوا اُن فرشتوں نے تمہارے دلوں کو مضبوط کر دیا ۔ یہ نہیں ہوا کہ وہ تلوار سے لڑے ہوں ورنہ وہ لڑتے تو ہزاروں فرشتے اپنے مقابل کے ایک ہزار آدمیوں کو چشم زدن میں قتل کر دیتے ۔ واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کی بات محض ایک خوشخبری تا کہ مومنوں کے دل مطمئن ہو جائیں (وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ)

عید ۲ھ اور صدقہ عید

رمضان ۲ھ ختم ہوا اور اس کے ختم ہونے پر جو خوشی کا میلہ لگتا ہے اُسے عید کہتے ہیں ۔ یہ عید کرسمس کے زمانے میں ہوتی تھی ۔ اس وقت یہ حکم دیا گیا کہ ہر کھاتا پیتا مسلمان ایک مخصوص رقم صدقہ میں دے تا کہ کوئی بھوکا نہ رہے ۔

سورہ انفال

بدر کے بعد سورہ انفال نازل ہوئی ۔ اس میں بہت سی باتیں ہیں جو بدر میں گذر چکی ہیں یعنی اُن واقعات کا ذکر ہے جو وہاں پیش آئے اس فتح کے بعد اللہ اور رسول کا نام ساتھ ساتھ آنے لگا ہے ۔ اس سورہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تجارتی قافلہ نکل گیا اور مسلمانوں نے سنا کہ اب بجائے ساٹھ کے ایک ہزار سے مقابلہ ہے تو بعض مسلمان سہم گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ موت

کے منہ میں جاتے ہیں (رکوع ۲) اسی لئے یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک آیت قتال نازل نہیں ہوئی تھی۔ پھر یہ بتایا ہے کہ بدکاروں میں نہ رہنا چاہیئے، اس لئے کہ جب عذاب آتا ہے تو وہ بدکاروں کے ساتھ نیکوکاروں کو بھی پیس ڈالتا ہے (جیساکہ بدر میں ابوالبختری اور عتبہ وغیرہ مارے گئے) اور بزدلی سے انسان تباہ ہوتا ہے۔

نشان یا معجزہ عذاب

شکست قریش ایک معجزہ (آیت عذاب) ہے۔ یہ عذاب رسول اللہ کی موجودگی میں مکہ میں اس لئے نہیں آیا کہ وہاں خود آپ موجود تھے اور کثرت سے مسلمان بھی تھے۔ عذاب آتا تو بدوں کے ساتھ نیک بھی پس جاتے۔ (انفال ۱ ۲-۳)

انفال ۷ع۔ مسلمانوں پر ظلم ہوتا ہو تو بھی عہد شکنی جائز نہیں

لہذا اگر کسی قوم سے خیانت کا ڈر ہو تو انہیں پہلے خبر کر دو۔ کہ اب ہمارا تمہارا کوئی معاہدہ باقی نہیں ہے۔ خفیہ عہد شکنی کسی حال میں درست نہیں (یعنی یہود سے معاہدہ باقی ہے انھوں نے ابھی علانیہ معاہدہ کو نہیں توڑا۔ لہذا اس پر قائم رہو)

انفال ۹ع۔ لالچ کی وجہ سے لوٹ مار میں نہ پھنسو

"یہ بھی حکم دیا گیا کہ جنگ ختم ہونے سے پہلے یعنی مکمل فتح ہونے سے پہلے، مقتولوں کا سامان، یا قیدیوں کی گرفتاری درست نہیں۔ اگر بدر کے متعلق اللہ نے پہلے سے فیصلہ نہ کر دیا ہوتا (کتاب اللہ سبق) کہ تمہاری فتح ہوگی تو ظاہر ہے کہ ہر شخص فدیہ کی لالچ میں قیدیوں کو پکڑنے لگتا اور لوٹ مار میں پھنس کر رہ جاتا اور مشرکین حملہ کر دیتے تو سخت عذاب میں پھنس جاتے۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا۔ اب جو فدیہ ملے یا جو مال لوٹ لائے ہو وہ کھاؤ یہ سب حلال ہے۔" اسی لوٹ مار کے لالچ میں احد اور پھر حنین میں شکست ہوئی جن کے متعلق قرآن نے کہا۔ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ۔ اور تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ یعنی جنگ اللہ کی خوشنودی کیلئے کی جاتی ہے نہ کہ مال غنیمت کے لئے اور فدیہ حاصل کرنے کے لئے۔

انفال ۸ع

دشمن صلح کے لئے تیار ہو تو فوراً صلح کر لو۔ اس لئے کہ مقصود قتال نہیں بلکہ امن ہے امن سے فتنہ کم ہو جائے گا اور جو لوگ دین سے پھیرے جاتے ہیں انھیں آزادی خیال و مذہب کی دولت مل جائے گی۔"

سامان جنگ

مسلمانو سامان جنگ تیار کرنا اور اس کے لئے گھوڑے پالنا بھی کار ثواب ہے۔"

انفال رکوع ۔ منافق

منافق طعنہ دیتے ہیں کہ مسلمان فتح سے مغرور ہو گئے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اللہ

کسی قوم سے اپنی نعمت واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ خود نااہل ہو کر اس نعمت کو نہ چھوڑ دے

عمل سے زندگی بنتی ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیک عملی کرو گے تو خدا کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتے رہو گے۔

خانگی معاملات اور عورتوں کی عزت افزائی

فتح بدر کے بعد سید المجاہدینؐ کو مسلمانوں کے خانگی و عائلی معاملات پر توجہ کرنے کا موقع ملا۔ زمانہ جاہلیہ میں شادی شدہ عورتوں کی حالت بالکل لونڈی باندیوں کی سی تھی۔ اس لئے کہ اس زمانے کی زندگی میں وہ نہ تو حالت جنگ میں کارآمد تھیں، نہ حالت امن میں اقتصادی طور پر مفید تھیں۔ مردنے رفتہ رفتہ انھیں لونڈیوں کا درجہ دے دیا تھا۔ اُن کا کام مردوں کو خوش کرنا اور ان کی خدمت تھی۔ عام قانون جنگ کے مطابق عورتیں قتل نہیں کی جاتی تھیں۔ لہٰذا دشمن انھیں زندہ گرفتار کر کے لونڈیاں بنا لیتا تھا اور اُن کے بچوں کو اُن سے الگ کر کے غلامی میں بیچ ڈالتا تھا۔ یہ بھی دستور تھا کہ بعض دوست چند روز کے لئے اپنی بیویاں بدل لیتے تھے۔ یہ بھی رسم تھی کہ اپنی لونڈی باندیوں سے لوگ پیشہ کرا کے روپیہ کماتے تھے۔ قانون کے آگے عورت کی شہادت کوئی درجہ نہیں رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ خود اُسے جس طرح کی سزا چاہے دے سکتا تھا۔ کسی شخص کو مداخلت کا حق نہ تھا ان حالات میں بعض غیور اور مفلس عرب بچے کے پیدا ہونے سے پہلے ایک گڑھا کھود رکھتے تھے اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔

ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہے نکاح کر سکتا تھا اور ان کے علاوہ لاتعداد لونڈیوں کو بغیر نکاح کے رکھ سکتا تھا۔ اُسے یہ بھی اختیار تھا کہ جسے چاہے طلاق دیدے۔ پھر بھی نہ تو نان نفقہ دے نہ دوسرے سے نکاح کرنے دے۔ اُسے یہ بھی اختیار تھا کہ اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں کا عضو کہدے۔ مثلاً یہ کہ تیری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ ہے۔ اس طرح وہ عورت مطلقہ سمجھی جاتی تھی لیکن دوسرے سے نکاح نہ کر سکتی تھی اسے طلاق ظہار کہتے تھے۔ بعض یہ کرتے تھے کہ عورتوں کو سال دو سال کی مدت تک چھوڑ دینے کی قسم کھا لیتے تھے۔ اسے ایلاء کہتے تھے۔ عورت کو باوجود شوہر کے مظالم کے اُس سے طلاق لے کر آزاد ہونے کا حق نہ تھا۔ غرض کہ بیویوں کی حالت جانوروں سے بھی بدتر تھی اور باندیوں کو تو اپنے جسم پر بھی اختیار نہ تھا۔ بہت سے آقا اُن کے جسم کے ذریعہ روزی کماتے تھے۔

عورتوں کو اپنے شوہروں، بیٹیوں یا والدین کی متروکہ جائدادوں میں کوئی حق نہ تھا۔ البتہ نکاح سے پہلے

اُنھیں یہ حق تھا کہ اپنا ایک مہر مقرر کریں اور شوہروں سے وہ وصول کریں۔ اسی طرح انھیں یہ بھی حق تھا کہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہیں تصرف کریں اور تجارت یا سود وغیرہ سے اپنی دولت بڑھائیں اور اُسے اپنی ذاتی ملکیت میں رکھیں۔

بہرحال آنحضرت کو جونہی موقع ملا انھوں نے عورتوں کی حالت کو درست کرنے اور عائلی زندگی میں اُن کا درجہ بلند کرنے کے لئے جو کچھ کیا وہاں تک اس بیسویں صدی میں دنیا نہیں پہنچی۔

سورہ نساء ع ۱ یتیموں سے انصاف | لوگو یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ بلکہ ان کے ساتھ انصاف کرو اور جب بالغ وعاقل ہو جائیں تو ان کا مال انھیں دے دو۔ یتیم لڑکیوں کا مال مارنے کے لئے اُن سے نکاح نہ کرو۔

عورتوں کا مہر | عورتوں کا مہر خوشی سے ادا کرو

صرف ایک عورت سے نکاح کرو | اگرچہ تم کو اجازت ہے کہ چار عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھ سکتے ہو۔ لیکن اگر یہ خطرہ ہو کہ اُن میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے (عدم مساوات وانصاف کی صورت میں انسان کی زندگی اتنی تلخ ہو جاتی ہے کہ بیان سے باہر ہے) اسی چار کی تعداد کے اندر تم لونڈیوں سے بھی نکاح کرسکتے ہو لیکن شرط یہی ہے کہ ان کے مالکوں کی اجازت سے اُن سے نکاح کرو اور مہر دو۔

(نوٹ) اس وقت لونڈی غلام معاشرہ انسانی کا جز تھے۔ قرآن نے معاشی حالات کے اعتبار سے غلامی کو یک قلم ختم نہیں کیا۔ مگر حجۃ الوداع میں جو اعلان نبوی ہوا اس نے غلام کو آقا کے برابر درجہ دیدیا۔ اس طرح غلامی کا خاتمہ کردیا گیا۔

حق وراثت | عورتوں کو بھی مردوں کی طرح والدین اور اقربا کے مال میں حق وراثت دیا جائے۔

نساء رکوع ۲۔ وراثت | اس جگہ حق وراثت کی تفصیل دی گئی ہے اور عورتوں کی وراثت کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے۔

نساء ع ۳: زنا کی ابتدائی سزائیں | جو عورت بدکاری کرے تو چار مسلمانوں کی عینی شہادت ضروری ہے۔ جرم ثابت ہونے پر اس عورت کو مرتے دم تک گھر سے باہر نکلنے دیا جائے یا موت سے پہلے اللہ اس کے لئے کوئی اور راہ نکال دے یعنی

دوسرا شخص اس سے نکاح کرلے اور پہلا طلاق دیدے۔ اگر دو مرد کسی عورت سے بدفعلی کریں تو انھیں جسمانی سزا دی جائے۔ اس کے بعد وہ جلد توبہ کرکے صالح ہو جائیں تو اللہ معاف کردے گا۔ (چونکہ شراب کی طرح زنا بھی عام تھی۔ اس لئے یہ ابتدائی سزائیں ہیں۔ آئندہ سورہ نور میں عورت اور مرد دونوں کی سزائیں برابر کردی گئی ہیں اور زیادہ سخت ہیں)

عورتوں سے حسن معاشرت کا حکم | کسی عورت سے زبردستی میراث میں حصہ لینے کی کوشش نہ کرو۔ نہ ہدیہ دے کر واپس لو۔ اگر عورت ناپسند بھی ہو تو اس کے ساتھ رواداری سے پیش آو۔ اور مہر واپس لینا نہایت ہی ذلیل بات ہے (اسی سلسلے میں آئندہ طلاق خلع ہے۔ اگر روپیہ لے کر کوئی شخص طلاق دے تو کسی طرح وہ اس عورت سے رجوع نہیں کرسکتا۔ وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ ہاں وہ دوسرے مرد سے نکاح کرکے پھر مطلقہ ہو جائے اور دوبارہ مہر لے کر اپنے قدیم شوہر سے شادی کرنا چاہے تب حلال ہوگی)

بیوہ عورتوں کی آزادی | جو عورتیں بیوہ ہو جائیں وہ آزاد ہوں گی۔ مردہ شوہر کے بھائی یا رشتہ دار کو یہ حق نہ ہوگا کہ اُن پر قبضہ کرکے بیوی بنائے یا انھیں دوسروں سے نکاح کرنے سے روکے۔ نہ اپنے باپ کی بیواؤں سے نکاح کرے یہ بہت فحش بات ہے۔

نساء ع ۴۔ محرمات | یہاں اُن عورتوں کا ذکر ہے جن سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔

لونڈیوں سے نکاح کرو۔ | اب تک یہ رسم تھی کہ لوگ جتنی چاہیں لونڈیاں رکھتے تھے مگر بیویوں کی تعداد چار تک محدود کرنے کے بعد یہ شرط بھی بڑھادی گئی کہ اسی تعداد کے اندر اگر چاہو تو لونڈیوں سے نکاح کرسکتے ہو بشرطیکہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو۔ اور لونڈی کے مالک کی اجازت مہر دے کر اس سے نکاح کرو۔ اگر یہ لونڈیاں بدکاری کریں تو آزاد عورتوں کے مقابلے میں انھیں نصف عقوبت دی جائے گی۔

نساء ع ۵۔ قدیم مراسم معاشرت اختیار کرو | اللہ چاہتا ہے گذرے ہوئے مہذب لوگوں کی معاشرت تمہیں بتائے تاکہ تم اُن پر عمل کرو۔ چونکہ انسان کی خلقت کمزور ہے لہذا اللہ سخت سزائیں قائم نہیں رکھنا چاہتا (جیسا کہ عورتوں کے معاملے میں مختلف اقوام میں رائج تھیں یا ہیں)

عورتوں کا حق ملکیت | جس طرح مردوں کو اپنی کمائی ہوئی دولت اختیار ہے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی اپنی

دولت کا اختیار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح میراث میں بھی حق ہے۔

نساء ع عورتوں پر مردوں کی فضیلت کی وجہ اور محبت کا حکم

مردوں کو عورتوں پر جسمانی فضیلت ہے اور چونکہ وہ محنت کے کام کرتے ہیں اور روپیہ کما کر عورتوں پر خرچ کرتے ہیں اس لئے وہ اُن پر نگراں و مربی (قوام) بھی ہیں۔ لہٰذا عورتوں کا فرض ہے کہ وہ نیک خوئی سے خاندانی زندگی کو خوشگوار بنائیں اور مرد کا فرض ہے کہ عورتوں کی بدخوئی پر پہلے تو انھیں نصیحت کرے، اس پر نہ مانے تو اس کے ساتھ سونے سے کنارہ کشی کرلے۔ اس پر نہ ملنے تو مار پیٹ کے سمجھائے۔ اگر اس پر وہ مان جائے اور اطاعت کرے تو ذرا ذرا سی بات میں اُن سے نہ جھگڑے لیکن معاملہ نہ سلجھے تو خود فیصلہ نہ کرے بلکہ مرد اور عورت کے خاندان سے ایک ایک حَکَم (پنچ) مقرر کیا جائے تاکہ وہ میاں بی بی میں مصالحت کرادیں، اللہ ان کی مدد کرے گا۔

سب سے محبت و رواداری کا حکم

یہاں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ نہ صرف بیوی کے ساتھ محبت و رواداری سے رہنا چاہئے۔ بلکہ یتیموں، پڑوسیوں، مسافروں اور لونڈی غلاموں سے بھی قریبی رشتہ داروں کی طرح احسان سے پیش آؤ اور بخل نہ کرو۔

پھر یہودیوں کا ذکر

اوپر ہم دیکھ چکے ہیں کہ تحویل قبلہ اور یہود کی شرارتوں کے باوجود قرآں نے یہود سے معاہدہ توڑنے کا حکم نہیں دیا اور برابر انھیں اتحاد و ایمان بالآخرہ کی تعلیم دی جاتی رہی۔ بدر کی لڑائی سے یہودیوں نے محسوس کیا کہ آنحضرت کی توجہ پھر نصاریٰ کی طرف ہورہی ہے اور قرآن نے عاشورہ کے روزہ کا تو حکم نہیں دیا لیکن اس رمضان کا حکم دیدیا جس میں نصاریٰ بھی روزے رکھتے ہیں پھر بدر کی فتح کے بعد تنسیخ غلامی کا قانون بھی بن گیا ہے۔ (دیکھئے سورہ محمد ع ۱) اب یہ ممکن نہ ہوگا کہ جنگ یا قرضے کے عوض کوئی شخص کسی کو غلام بنا سکے۔ اس پر طرہ یہ کہ اکل مال بالباطل (سود۔ جوا) منع کردیا گیا ہے اور مسلمانوں کی عورتوں کو میراث اور مہر کے ذریعے وہ حقوق دیئے جارہے ہیں جو ان کے یہاں نہیں ہیں۔ وہ لڑکیوں کو شوہروں کے ہاتھ فروخت کردیتے تھے اور یہودی شوہر کو حق تھا کہ اُن کے ساتھ باندیوں کا سا سلوک کرے۔

چونکہ مسلمانوں کی توجہ نصرانیوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ لہذا یہود نے جو حضرت مسیح کے پشتینی دشمن تھے مسلمانوں کو دو باتیں بتائیں۔

۱۔ حضرت مریم پاکباز نہ تھیں

یہود کا قول تھا کہ حضرت مریم ، اگرچہ یوسف نجار سے منسوب تھیں لیکن وہ بیوی بننے سے پہلے ہی حاملہ تھیں مسیحی بھی اسے مانتے تھے لیکن وہ کہتے تھے کہ عیسیٰ بن مریم کا باپ کوئی انسان نہیں تھا بلکہ خدا تھا۔ مسیح کلمۃ اللہ تھے ۔ اللہ شوہر تھا اور مریم بیوی تھیں ۔

۲۔ عیسیٰ بن مریم کو ہم نے صلیب پر ذلیل کرایا

یہودیوں نے یہ بھی کہا کہ "عیسیٰ بن مریم ایک جھوٹا نبی تھا۔ اس لئے ہم نے اُسے رومی گورنر سے کہ کر صلیب پر چڑھا دیا اور دو چوروں کے درمیان ذلت کے ساتھ اُسے صلیب دی گئی۔ وہ ہرگز یہودیوں کا مسیح (بادشاہ) نہیں تھا بلکہ وہ رومن سامراج کا باغی تھا" مسیحی بھی یہ بات مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ دنیوی مسیح (بادشاہ) نہیں تھے بلکہ وہ دلوں میں محبت و رحمت کا راج قائم کرنے آئے تھے دنیا میں شیطان کے دیوؤں یعنی نفرت اور لالچ کی حکومت تھی، وہ دنیا میں خدا کی رحمت کی بادشاہی قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے خود اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کردیا تاکہ نسل انسانی جو حضرت آدم کے گناہ (یعنی زندگی اور علم غیب کی ہوس) کی وجہ سے دائمی طور پر گنہگار ہوگئی تھی ، اس قربانی سے پاک ہوجائے اور جو لوگ مسیح کو محبت کا بادشاہ مان لیں وہ ابدی زندگی یعنی محبت و رحمت کی دنیا میں پہنچ جائیں۔ لہٰذا مسیح کا مصلوب ہونا (بقول نصاریٰ کے) ایک قربانی تھی جس کی وجہ سے دنیا نے گناہ سے نجات پائی اور خود مسیح جو اللہ کے بیٹے تھے تیسرے دن خدا کے پاس اٹھا لئے گئے ۔"

قرآنی نقطۂ نظر

نساء ع ۲۲

یہودی شرانگیزی اور منافقت کا قرآن نے بارہا یہ جواب دیا کہ جس طرح قرآن توراۃ کا مصدق ہے اسی طرح انجیل کا بھی ہے ۔ وہ یہودیوں کی طرح مسیحؑ اور مسیحیوں کا دشمن نہیں ہے ۔ البتہ قرآن یہ تسلیم نہیں کرتا کہ مسیح کا باپ خدا ہے ۔ خدا کو کسی وارث یا مددگار کی ضرورت نہیں ۔ اسی طرح خود حضرت مریم محصنہ تھیں ۔ خدا نے اپنی قدرت سے انھیں حاملہ کیا ۔ وہ بدکار نہ تھیں ۔ اس کے علاوہ جس طرح حضرت آدم کا گناہ محض توبہ و انابت سے معاف کردیا گیا تھا ۔ اس لئے ہر انسان توبہ کرلے تو اللہ معاف کردیتا ہے اس کی ضرورت نہیں کہ وہ قربانی کر کے خدا کو خون اور گوشت پیش کرے ۔ البتہ مسکینوں کو کھلائے اور غلاموں کو آزاد کرے تو خدا اس پر خوش ہوگا ۔ لہٰذا مسیح سولی پر چڑھائے جانے سے ذلیل (قتل) نہیں ہوئے ۔ بلکہ اللہ نے اُن کا درجہ بلند کردیا ، یعنی وہ شہید راہ حق

ہوئے۔ اس مضمون کو سورۂ نساء ع ۲۲ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہودیوں سے کہا گیا کہ تمہاری شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں نئی نہیں تھیں پہلے بھی تم ایسا کرتے رہے اسی لئے اللہ نے تم پر بعض پاکیزہ چیزیں حرام کر دی تھیں۔ لیکن اب نبی رحمت آیا ہے اور اگر تم توراۃ کے ساتھ ساتھ انجیل اور قرآن پر بھی ایمان لاؤ تو وہ پابندیاں (اصروا غلال) دور ہو جائیں گی۔ شرط یہی ہے کہ نہ صرف قرآن کو مانو بلکہ مسیح بن مریم اور انجیل کو بھی مانو۔ مندرجہ ذیل رکوع میں یہود کی سیاہ کاریوں کی تفصیل کے بعد انھیں پیام رحمت و مغفرت دیا جا رہا ہے۔ (دیکھئے سورہ نساء ع ۲۲)

(۱) یہود چاہتے ہیں کہ آسمان سے لکھا ہوا قرآن نازل ہو

خیر یہ تو معمولی بات ہے ان لوگوں نے تو خدا پرستی اختیار کرنے کے لئے موسیٰ سے یہ شرط کی تھی کہ اللہ کو دکھا دو تو ہم اُسے مانیں گے اور جب کہ موسیٰ خدائی قانون لینے کے لئے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے تو انھوں نے مصری گوسالہ پرستی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوہ سینا سے بجلی اور گرج نے انھیں آپکڑا اور اپنے سروں پر پہاڑ کو گرتا ہوا دیکھ کر انھوں نے عہد کیا کہ ہم ایک نہ دکھائی دینے والے خدا کو مانیں گے۔ بہر حال ان کا یہ گناہ معاف کر دیا گیا۔ لیکن سزا کے طور پر یہ شرط کر دی گئی کہ سبت کے دن کوئی دنیوی کام اور تفریح نہ کریں

(۲) اس کے بعد انھوں نے خدا کے عہد و میثاق کو توڑا: یعنی

(الف) ناحق نبیوں کو قتل کیا۔

(ب) مریم پر بہتان عظیم لگایا۔

(ج) مسیح قتل نہیں ہوئے شہید ہوئے

مسیح کو ذلیل (قتل) کرنے کا دعویٰ کیا (حالانکہ وہ نہ مسیح کو قتل کر سکے۔ نہ صلیب پر چڑھا کر ذلیل کر سکے بلکہ دھوکے میں ہیں کہ مسیح کو ذلیل کر دیا اور اختلاف کرنے والے نصرانیوں کو بھی اس کا صحیح علم نہیں۔ لہٰذا وہ شک میں گرفتار ہیں اور محض اٹکل کی باتیں کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہودیوں نے ہرگز مسیح کو قتل (ذلیل) نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنے پاس اٹھا لیا (یعنی بذریعہ شہادت اس کا درجہ بلند کر دیا)۔ اسی طرح شہدائے راہ حق کو قرآن نے کہا ہے کہ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ ..... یعنی مسیح اگرچہ وفات پا گئے لیکن پھر بھی زندہ ہیں جس طرح ہر شہید زندہ رہتا ہے اور جانداروں کی طرح کھاتا پیتا ہے تاکہ جسمانی طور پر زندہ رہے۔ گویا اس کی

روحانی زندگی بھی جسمانی زندگی کی طرح ہوتی ہے) اور کوئی مومن باللہ کتابی ایسا نہیں ہوگا کہ اپنی موت سے پہلے یہ نہ تسلیم کرے کہ مسیح ذلیل نہیں ہوئے بلکہ شہید راہ حق ہونے کی وجہ سے بلند مرتبہ ہوگئے اور قیامت میں ظالم شک کرنے والوں کے خلاف وہ گواہی دے گا کہ یقیناً مسیح شہید ہوئے اور وہ رسول اللہ تھے (انسان تھے)

یہود کی نافرمانی پر سزائیں

چونکہ یہودیوں نے ظلم و کفر اختیار کر لیا تھا وہ سود لینے لگے تھے (جس کا لازمی نتیجہ قرضدار کی غلامی ہوتا ہے اگرچہ وہ فرعون کی غلامی کا مزہ چکھ چکے تھے) سود لینا اور بددیانتی سے دوسروں کا مال ہڑپ کر لینا ان کا شیوہ ہوگیا تھا۔ ان باتوں کی ہر شریعت میں ممانعت تھی۔ لہذا خدا نے ان پر بعض وہ پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو پہلے حلال تھیں (مثلاً سبت کے دن کام کرنا، یا اونٹ کا گوشت کھانا وغیرہ) یہ ممانعت صرف نافرمان یہودیوں کے لئے بطور سزا کے تھیں لیکن جو لوگ نافرمان نہیں تھے ان کے لئے یہ سزا تھی نہ اب ہے۔

ایمان داروں کو سزا نہ ملے گی

آل عمران ع ۱۹

لیکن ان یہودیوں کے پکے علم والے (اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْھُمْ) اور وہ مسلمان جو پچھلی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کو بھی مانتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں (ابھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی، یہ لفظ بعد میں نازل ہوا ہے) اور جو اللہ اور قیامت کو مانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بہت بڑا اجر دیا جائیگا (یعنی سزائیں تو اُن کے لئے ہیں جو نافرمان یہود نصرانی یا مسلمان ہیں جو جرم ہی نہ کرے اس کو سزا ہرگز نہ ملے گی نہ وہ سبت کا پابند ہوگا نہ نہ قبلہ موسوی کی طرف رُخ کرے گا نہ وہ اُن حلال چیزوں سے محروم رہے گا جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں حلال تھیں)

اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْھُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ قرآن نے اکثر جگہ الراسخون فی العلم، اہل الذکر، اولی العلم اہل کتاب کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان سے ہمیشہ گذشتہ نبیوں اور کتابوں کے ماننے والوں سے مراد لی ہے۔ اسی لئے اس جگہ والمومنون کہہ کر صاف ظاہر کر دیا کہ راسخون فی العلم سے مراد یہودی ہیں نہ کہ مسلمان۔ (النساء ع ۲۲)

سورہ آل عمران میں جہاں محکمات و متشابہات کی بحث ہے وہاں بھی راسخین فی العلم سے مراد یہی اہل کتاب ہیں خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ۔ اس لئے کہ مسلمان تو اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کی قدرت

اپنی عورتوں بچوں کو لے جائیں، اس پر سات سو یہودی جن میں تین سو زرہ پوش تھے شام کی طرف جلاوطن ہو گئے۔

نساء ع ۷ - شراب کی ممانعت کا پہلا حکم۔ مسلمانو اتنی شراب نہ پیو کہ جو تم بولو سمجھ بوجھ کے نہ کہہ سکو ایسی حالت میں نماز میں نہ آؤ۔

نماز میں صفائی سے آؤ - بلکہ نماز میں صفائی کے ساتھ غسل یا وضو کر کے آؤ اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے مسح کر کے آؤ۔

نساء (ع ۸) عام بات چیت میں یہودیوں کی تحریف " یہودی بعض الفاظ کو اس طرح بولتے ہیں کہ اُن کے بُرے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ خدا اُن پر لعنت کرے۔ وہ قرآن کو نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ توراۃ کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ یہودی شیطان پرست اور کہانت کے قائل ہیں اور توراۃ و صحف ابراہیم و قرآن کو نہیں ملنے ان کا سب سے بڑا عیب بخل ہے یہ بغیر سود کے کوئی چیز دینے کو تیار نہیں

کتاب اللہ کی جگہ طاغوت کی پیروی - یہ لوگ طاغوت اور کاہن سے فیصلہ کراتے ہیں۔ حالانکہ معاہدہ کے مطابق (جو سلمہ میں ہوا تھا) اللہ اور رسول سے اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرانا بہتر ہوتا۔ (نساء۔ ۷-۸)

یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ یہودیوں کی تحریف صرف گفتگو تک محدود تھی۔ وہ توراۃ (یعنی کلام اللہ) کی تحریف نہیں کرتے تھے۔ بلکہ زبان اٹھلا کر بعض باتیں بیان کرتے تھے تاکہ دو معنی پیدا ہوں۔ قرآن سے صاف ثابت ہے کہ وہ توراۃ کو محرف نہیں کرتے تھے۔

یہاں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ سورہ النساء (ع ۸) میں یہی بات اسی فصل میں کہی جا چکی ہے کہ یہود شیطان کے احکام مانتے ہیں۔ گویا احکام توراۃ کی شیطانی شرحیں کر کے یا کاہنوں کے بتلائے احکام بخلاف توراۃ پر عمل کر کے تحریف توراۃ کرتے تھے اور اصلی احکام توراۃ کو یا تو چھپاتے تھے یا ایسی عبارتیں پڑھتے تھے جو سننے میں تو توراتی معلوم ہوں، مگر درحقیقت وہ توراۃ کی نہیں ہوتی تھیں (وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ) بلکہ خود ساختہ ہوتی تھیں۔

یہودی اور غزوہ سویق - ابوسفیان نے انتقام کی قسم کھائی تھی۔ لہذا اس نے یہودی قبیلہ بنو نضیر سے سازش کی۔ مدینہ میں اُن کے محلہ میں آکر ٹھیرا اور واپسی میں ایک انصاری کو قتل اور چند جھونپڑیوں کو آگ لگا دی۔ گویا قسم پوری ہو گئی۔ سید المجاہدینؐ کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس کا پیچھا کیا۔ لیکن وہ

صورت گری فی الارحام کے قائل ہی ہیں۔ حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ کے اہل علم بھی اسے مانتے ہیں۔

یہود نے علانیہ جھگڑا شروع کر دیا

قریش کا خط :- بدر کی شکست کے بعد قریش نے یہود مدینہ کو لکھا کہ تم لوگوں کے پاس سامان جنگ بھی ہے مضبوط قلعے بھی ہیں۔ پھر کیوں مسلمانوں کا خاتمہ نہیں کر دیتے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اچھا نہ ہوگا اور کوئی چیز ہمیں تمہاری عورتوں تک پہنچنے سے نہ روک سکے گی۔" (ابوداؤد)

لہٰذا یہودیوں نے مسلمانوں سے معاہدہ صلح توڑ دیا۔ اور فتح بدر کے بعد مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہو کر انھوں نے قریش سے سازش شروع کر دی۔

مسلمان عورت کی بے عزتی

بنو قینقاع یہودی سنار تھے۔ جیسا کہ موجودہ زمانے میں سیکڑوں یہودی سنار یمن سے اسرائیل گئے ہیں۔ یہ لوگ سودی کاروبار اور چاندی سونے کے زیور بنایا کرتے تھے۔ ان کے محلہ میں ایک مسلمان عورت کسی زیور کے بنوانے کے لیے گئی۔ یہود نے شرارت سے اُسے ننگا کر دیا۔ وہ چلائی تو ایک مسلمان اس کی پکار پر دوڑا اور اس کی حالت دیکھ کر اس نے یہودی بدمعاش کو قتل کر دیا۔ سید المجاہدین کو خبر ہوئی تو وہ اس پر اس مسلمان سے ناراض ہوئے۔ اس لئے کہ معاہدہ میں یہ شرط تھی کہ آپس کے جھگڑوں کو آنحضرت کے فیصلے پر چھوڑا جائے گا۔ لہٰذا آپ خود یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے اور تجدید معاہدہ اور یہودی خونبہا دینے کے لئے تیار ہوئے۔ لیکن یہودیوں نے معاہدہ ختم کر دیا اور دوبارہ تجدید عہد سے انکار کر کے قلعہ بند ہو گئے۔

یہود کی دھمکی :- پھر یہود نے مسلمانوں کو یہ دھمکی دی کہ ہمیں قریش نہ سمجھنا جو بنئے اور پروہت تھے اور انھیں آسانی سے شکست دیدی تھی۔ ہم ایک جنگجو قوم ہیں ہم تمہارے دانت کھٹے کر دیں گے۔"

بنو قینقاع پر حملہ اور جان بخشی

شنبہ ۱۵ رشوال سنہ ۲ھ مطابق ۱۱ رفروری ۶۲۴ء کو سید المجاہدین نے یہود کے اعلان جنگ کو سنا اور سنتے ہی حملہ کر دیا۔ یہودی قلعہ بند تھے۔ انھوں نے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ عبداللہ بن اُبی (منافق) نے ان کی بہت سفارش کی۔ لہٰذا وہ قانون موسوی کے مطابق قتل نہیں گئے۔ سید المجاہدین نے ان کے بچوں اور عورتوں کو بھی غلام نہیں بنایا۔ بلکہ یہ طے کیا کہ وہ سب مدینہ چھوڑ دیں اور اپنے اموال کے بدلے

ستو کے تھیلے پھینک کر ہلکا ہوگیا اور بھاگ نکلا۔ یہ ذی الحجہ سنہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔

بی بی فاطمہ کا نکاح: ذی الحجہ سنہ ۲ھ میں بنت رسولؐ کا حضرت علیؓ سے نکاح ہوا۔

نساء رع ۔ قتال کی خوبیاں اب قرآن نے علانیہ قتال کی تعریف کی اور بتایا کہ اللہ کا نام بلند کرنے اور اس کی خوشنودی کے لئے قتال کرنے والوں کو ہر حال میں ثواب ملے گا خواہ وہ قتل ہوں یا فتح پائیں۔ انھیں چاہیئے کہ کمزوروں کی فتح کے لئے قتال کریں۔ انھیں طاغوت پرستوں سے ضرور لڑنا چاہیئے تاکہ دنیا میں اللہ کا نام (روحانیت) بلند ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ منافق جہاد میں دیر لگاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان فتح مند نہ ہوں۔

عام الامتحان یعنی سنہ ۳ھ

(اُحد کی لڑائی میں جس محنت و مصیبت میں مسلمان پڑے تھے اس کی وجہ سے یہ سال عام الامتحان کہلایا)

قریش کی عراقی تجارت کا انقطاع: غزوہ غطفان ۱۲ ربیع الاول سنہ ۳ھ (۵ جولائی ۶۲۴ء) کو سید المجاہدینؐ نے بنو غطفان پر حملہ کیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ نجد میں دو قبیلے اس ارادے سے جمع ہو رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کردیں۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ لوگ منتشر ہو چکے ہیں۔ حالانکہ ان کا لیڈر دعثور چھپا ہوا تھا۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ خواب کی حالت میں مسلمانوں کے لیڈر کو قتل کردے تو معاملہ ختم ہو جائے۔ بہر حال اُس نے سید المجاہدین کو سوتے میں آدبوچا۔ اور ننگی تلوار دکھا کر کہنے لگا کہ بتاؤ اب تمہیں کون بچا سکتا ہے۔ سید المجاہدین نے فرمایا "اللہ" اور چشم زدن میں اس کی تلوار چھین لی۔ اب وہ عاجزی کرنے لگا اور مسلمان ہوگیا۔ رحمۃ للعالمین نے اُسے معاف کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کی عراقی تجارت بھی منقطع ہوگئی اور وہ اپنے فارسی حلیفوں اور ہمدردوں کے پاس جانے سے ڈرنے لگے۔

کعب یہودی کا قتل: ۱۴ ربیع الاول ۔ ۷ جون ۶۲۴ء بنو نضیر کا شاعر کعب بن اشرف مکہ گیا اور قریش سے سازش کرکے سید المجاہدین اور مسلمانوں کی ہجویں لکھیں۔ پھر لوگوں کو بھڑکایا کہ کوئی جاکر سید المجاہدین کو دھوکے سے قتل کردے تو قصہ ختم ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت کی حفاظت کے لئے مسلمانوں نے مسلح پہرہ دینا شروع

کیا۔ آخر کعب مدینہ واپس آیا۔ آپ کو دعوت طعام دی۔ مقصد یہ تھا کہ بلا کر قتل کر دے (ابن حجر۔ ذکر کعب)
آخر حضرت محمد بن مسلمہ نے آنحضرت کی اجازت اور سعد بن معاذ کے مشورے سے کعب ہی کو قتل کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ لوگ قرضخواہ بن کر رات کو گئے۔ اور عورتوں اور بچوں کی جگہ اپنے ہتھیار رہن رکھنے پر آمادہ ہوئے۔ کعب نے یہ سُن کر دروازہ کھولا تو اندر جا کر ان لوگوں نے اُسے قتل کر دیا اور راتوں رات آکر سید المجاہدین کو اس کے قتل کی خوشخبری دی

سریہ قردہ: زید بن محمد (جمعہ ہلال جمادی الآخر ۳ھ۔ ۱۲ ستمبر ۶۲۴ء) عراقی تجارت کے سلسلے میں رجب کے مہینہ میں ایک قافلہ ہمیشہ عراق جایا کرتا تھا۔ اسی زمانے میں وہاں جشن نیم سردہ ہوتا تھا اور یہودیوں کے بنائے ہوئے زیورات خوب بکتے تھے۔ عرب کا چمڑا اور شراب اور چاندی کے برتن اور ہتھیار بھی وہاں پسند کئے جاتے تھے۔ اس قافلے میں ابوسفیان۔ صفوان بن امیہ اور عبداللہ بن ربیعہ تھے۔ حضرت زید کے فوجی دستہ کو دیکھتے ہی یہ لوگ فرار ہو گئے اور اتنا مال چھوڑ گئے کہ اس کی خمس بیس ہزار درہم تھی۔ اب قریش کی عراقی تجارت کا خاتمہ ہو گیا اور یہود منافق اور مجوسی تاجروں نے اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی پر کمر باندھ لی۔

نساء (ع ۱۲) منافقین وہ لوگ جو مکہ یا دوسرے مقامات پر ہیں اور ایک طرف تو مشرکوں سے ملے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں یہ منافق ہیں۔ جب تک ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس نہ آجائیں۔ اُن سے بھی اسی طرح قتال کرو جس طرح مشرکوں سے کرتے ہو۔ البتہ وہ منافق جو معاہد قوم سے تعلق رکھتے ہوں، یا وہ منافق جو صلح کر لیں ان سے جنگ نہ کرو۔

قتل مومن حرام ہے: اگر غلطی سے کوئی مومن قتل ہو جائے تو ایک غلام آزاد کرو اور اس کا خونبہا بھی دو لیکن اگر مومن دشمن قوم کا ہو، تب صرف غلام آزاد کرو اور اگر معاہد قوم کا مومن ہو تو ایک غلام آزاد کرو اور فدیہ بھی دو۔ اور اگر قاتل مفلس ہو تو دو مہینے پے در پے روزے رکھے اور توبہ کرے۔ جان بوجھ کر مومن کا قتل کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو شخص یہ کہے کہ وہ مومن ہے اس کو فوراً تسلیم کر لو۔

نساء ع ۱۳) مالی و جانی جہاد جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا اونچا درجہ ہے اور جو اُن مجاہدوں کا ہمدرد ہے وہ بھی مجاہد ہے۔

نساء رکوع ۱۴: ہجرت کی ترغیب | جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آسکتے ہوں اور نہ آئیں تو ان کا عذر نہ سنا جائے گا وہ جہنم میں جائیں گے انھیں چاہیئے کہ ہجرت کی کوشش کریں - اس کوشش میں اگر مر بھی گئے تو یہ ان کی زندگی ہوگی -

نساء رکوع ۲۱: حقیقی کافر کون ہیں | اللہ اور اس کے تمام رسوں کا نہ ماننا کفر ہے - جو لوگ چند کو مانتے ہیں اور چند کو نہیں مانتے وہ حقیقی کافر ہیں جو کسی نبی میں فرق نہیں کرتے وہ اصلی مومن ہیں -

نساء رکوع ۱۶ - ۱۷: قانون الٰہی کے مطابق فیصلہ کرو | اے رسول جو اللہ کا قانون ہے اس کے مطابق اپنی بہترین رائے سے فیصلہ کرو اور منافقوں کے بہکانے پر راہ عدل سے نہ ہٹو -

نساء رکوع ۱۸: دین ابراہیمی بہترین مذہب ہے | اللہ کو مانو اور نیک عملی کرو - یہ ابراہیم خلیل اللہ کا دین تھا - صرف اللہ کو ماننا کافی نہیں - اس کے ساتھ ساتھ عمل صالح ضروری ہے - شرک کبھی نہ بخشا جائے گا -

نساء رکوع ۱۹: عدل ہر حالت میں ضروری ہے | عدل کرو - اور سچی گواہی دو خواہ تمہارے رشتہ داروں اور خود اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو -

عدل و حسن معاشرت عورتوں کے لئے: مسلمانو تم سے جو کچھ یتیم لڑکیوں کے متعلق کہا گیا ہے ویسا ہی سلوک تمہیں عام عورتوں سے کرنا چاہیئے - عورتوں اور مردوں کو ہر طرح صلح کر لینا چاہیئے - لیکن مرد کو زیبا نہیں کہ کوشش کے باوجود اگر عورت سے صلح نہ ہو تو اسے ادھڑ میں چھوڑ دے - ان دونوں کو جدا ہو جانا چاہیئے - اللہ دونوں کو اپنی رحمت سے بے پروا (غنی) کر دے گا -

نکاح بی بی ام کلثوم: اسی زمانے میں بی ام کلثومؓ بنت رسول کا نکاح حضرت عثمان کے ساتھ ہوا - اس لئے کہ بدر کے حملہ کے زمانے میں حضرت عثمانؓ کی بیوی رقیہؓ بنت رسول کا انتقال ہو چکا تھا -

ولادت حسنؓ بن علیؓ: ۱۵ رمضان ۳ھ کو رسول اللہ کے نواسے حضرت حسنؓ پیدا ہوئے -

۳ھ میں آنحضرت نے بی بی حفصہؓ سے نکاح کیا: اسی زمانے میں حفصہؓ بنت عمرؓ سے آنحضرت نے کیا - یہ بیوہ تھیں - ان کے شوہر جنگ بدر میں شہید ہو چکے تھے -

سورۃ محمد رکوع ۱ - غلامی منسوخ | جنگ میں خوب دل کھول کر قتال کرو (لوٹ کی طرف توجہ نہ کرو) اس کے بعد جو قیدی ملیں - ان کو کسی حال میں غلام نہیں بنایا جا سکتا - یا تو احسان رکھکر چھوڑ دو یا جو فدیہ دے

سکتے ہیں ان سے فدیہ وصول کرو۔
سورہ محمد ع ۲۔ منافقوں کو تنبیہ : منافقوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ زمانۂ قدیم میں بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو چکی ہیں۔ مکہ کیا چیز ہے جو عذاب سے بچ سکے۔ قیامت اچانک آجائے گی، پھر ہوش وحواس درست نہ رہیں گے اور توبہ کرنا بے کار ہوگا۔
سورہ محمد ع ۳۔ حکم قتال پر منافقوں نے آنسو بہانا شروع کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان منافقوں کو موت نے گھیر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس حکم کے علاوہ دوسرے احکام کو ہم مانیں گے۔ اس سے ہمیں معاف کردو۔
سورہ محمد ع ۴۔ صلح کی باتیں کمزوری کی دلیل ہیں۔ مسلمانو! مشرکوں سے کسی سمجھوتہ کی امید نہ رکھو نہ صلح کی باتیں کرو۔ اگر صبر و ثبات سے کام لوگے تو تم ہی غالب ہوگے۔ یاد رکھو کہ جہاد کے لئے مال دینا خود اپنی مدد ہے۔ اگر تم اللہ کا نام بلند نہیں کرنا چاہتے تو خدا کو اس کی پروا نہیں، وہ دوسری قوم پیدا کردے گا جو یہ کام کرے گی۔ اللہ غنی ہے، تم فقیر ہو۔
سورہ الصف ع ۱۔ ایفائے عہد! مومنو جو کہو وہ کرو محض ڈینگیں مارنا تمہارا کام نہیں۔
بشارت نبی در توراۃ وانجیل : کافر کتنا ہی چاہیں کہ اللہ کے نور کو بجھادیں۔ یہ ممکن نہیں۔ سن لو کہ میں وہی احمد وفارقلیط ہوں خدا کا پیغام لایا ہوں کہ خدا پرستی کرو۔ توراۃ وانجیل سے میرے دعوے کی شہادت مل سکتی ہے سچا دین خدا بندگی ہے جو سب پر غالب آئے گا۔
الصف ع ۲ نفع کی تجارت یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں جان و مال لگادو تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور جلد فتح ہو جائے گی (نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ)
دین حق جھوٹے دینوں پر غالب ہوگا۔ خدا نے اپنے رسول محمد کو ہدایت اور سچا راستہ (دین الحق) دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ وہ دوسرے جھوٹے دینوں کا خاتمہ کرکے اُن سب پر غالب آجائے گا۔ (هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ)
مائدہ ع ۶ منافق یہودی۔ تحریف کلمات :۔ یہودی منافق جاسوسی کرتے ہیں اور کلام اللہ کو بدل کر بیان کرتے ہیں (وہ احمد کے دوسرے معنی بتاتے ہیں۔ وہ اگر تجھ سے فیصلہ کرانے آئیں تو جی چاہے کر۔ جی چاہے کہہ دے کہ تم خود توراۃ کے مطابق فیصلہ کرو۔ جب تم اس کلام الٰہی کو نہیں مانتے تو مجھے منصف

بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔

مائدہ ع۷، تصدیق توراۃ: اے یہودیو توراۃ میں تمہارے لئے ہدایت و نور ہے جس میں خدا نے تمہارے لئے آنکھ کے بدلے آنکھ اور جان کے بدلے جان کا قانون بنا دیا ہے۔ عیسیٰ بن مریم بھی توراۃ کو مانتا تھا اور خود قرآن بھی گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ لہذا قرآن کے مطابق جو فیصلہ ہوگا۔ وہ توراۃ (خدائی قانون) کے مطابق ہی ہوگا۔ بس انصاف کرنے میں یہ بات سامنے رہے کہ ایک دن مر کے جینا ہے اور ہر عمل کی جوابدہی کرنا ہے۔ اسی طرح عدل و احسان قائم ہو سکتا ہے اور ظلم و خود غرضی کم ہو سکتی ہے۔

مائدہ ع۸-۹۔ یہود و نصاریٰ سے ناامیدی: جو یہود و نصاریٰ کتاب اللہ ماننے پر تیار نہیں ہیں انھیں دوست نہ بناؤ۔ ان کی ہٹ دھرمی پر تعجب آتا ہے۔ انھیں چاہیے کہ کتب الہیہ توراۃ و انجیل پر عمل کریں مساوات کو پیش نظر رکھ کر سود خوری اور ظلم کو ترک کریں۔ فرقہ بندی سے باز آئیں۔ اور سب متفق ہو جائیں۔ اور جنگ کی آگ نہ بھڑکائیں۔

مائدہ ۱۰ع: مختلف اقوام کو توحید کلمہ کی دعوت اس دور کے آخر میں جملہ اقوام عالم خصوصاً اہل کتاب کو یہ دعوت دی گئی کہ سب مل کر احکام توراۃ و انجیل و قرآن پر عمل کریں۔ مومن، یہودی، نصرانی، صابی یا مجوس، بہر حال جو کوئی بھی اللہ کو مانتا ہے۔ یوم آخر میں جزاء و سزا کا قائل ہے اور اس تصور کو سامنے رکھکر نیک عمل کی زندگی بسر کرتا ہے وہ خوف اور رنج سے نجات پا جائے گا

نجات کیا ہے؟ اس دور کے آخر میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ آخرت میں جزاء و سزا کے خیال سے انسان نیک عمل بن سکتا ہے اور خوف اور رنج کی جو حالت اس دنیا میں، اور آئندہ زندگی کے لئے انسان پر طاری ہوتی ہے وہ ان دونوں سے نجات پا سکتا ہے۔ گویا خوف و حزن سے نجات پانا ہی اسلامی تصور نجات ہے (خوف بمقابلہ امن اور حزن بمقابلہ نعیم و راحت ہے۔ یعنی دنیا میں امن خوشحالی پھیلانا اور مرنے کے بعد نفس مطمئنہ و سرور و نعیم حاصل کرنا ہی اسلام کا پیغام ہے)

دین میں غلو نہ کرو: لہذا دین میں غلو کرنا فضول ہے۔ کوئی مریم کو خدا کی ماں بناتا ہے۔ کوئی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتا ہے۔ کوئی عزیر کو اللہ کا بیٹا بناتا ہے اور اس طرح خوف و حزن سے نجات پانا چاہتا ہے لیکن نصاف اور مختصر بات یہ ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کسی طرح کسی کو خدا بنانے سے تم اعمال کی جوابدہی سے (بصورت کفارہ) نہیں بچ سکتے۔ بس دین کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کو مان کر نیک عمل کرو۔ ورنہ کوئی تمہیں عذاب جہنم سے نہ بچا سکے گا۔

(نوٹ) بعد فتح بدر کے اللہ کے نام کے ساتھ رسول اللہ کا نام بھی آنے لگا ہے۔ یعنی قیام امر و حکومت کی بنیاد اگرچہ اوامر و حکومت الٰہیہ پر قائم ہے لیکن دنیا میں سلطنت کے قوانین اور فیصلہ (حکم) کرنے کا کام ایسے امیر کے ذمہ ہے جو کتب (قوانین الٰہیہ) کے مطابق عمل کرانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ زمانہ آگیا تھا کہ سوسائٹی اور سلطنت کے قانون کو جو مختلف زمانوں میں اللہ نے قوموں کو دیا تھا۔ جسے رسول اللہ نافذ کریں اور کمزور کو طاقتور سے اس کا حق دلوائیں، یعنی اللہ کے قانون کو جاری کریں۔ اس قانون کے جاری کرنے کے طریقوں پر ارباب حل وعقد سے شوریٰ کیا جا سکتا تھا، لیکن نفس قانون کتب الٰہیہ پر مبنی تھا جو رسول بذریعہ وحی بتاتے تھے، یا کتب اولین کی روشنی میں سوسائٹی کے بھلے کے لئے رائج کرتے تھے۔

انفال ۳ع: گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے

"اے مومنو اللہ کے حکموں پر رسول کے بتانے کے مطابق عمل کرو اور یہود یا مشرکین کی طرح سن کر ان سنی نہ کرو۔ اطاعت میں تمہاری زندگی ہے نیکی کرنے میں جلدی کرو اور اس فساد سے بچنے کی کوشش کرو، جو ظالموں کے ساتھ رہنے یا ان کے ظلم پر خاموش رہنے کی وجہ سے، صرف ظالموں ہی کو تباہ نہ کرے گا بلکہ ان کے مجہول ساتھیوں کو بھی گھن کی طرح پیس ڈالے گا (وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً)

وہ وقت یاد کرو کہ تم کمزور اور کم تھے مشرکوں کا ہر وقت خطرہ تھا۔ لیکن اللہ نے مدینہ میں پناہ دی اور اپنی مدد دی اور ستھری غذا دی۔ لہٰذا اللہ کا شکر کرو، خیانت نہ کرو۔ مال اور اولاد کی محبت میں اللہ کو نہ بھولو۔

انفال ۴ع: مشرکین مکہ کی ڈینگوں کا جواب

مومنو وہ وقت یاد کرو جب کفار مکہ مجھے (یعنی رسول اللہ کو) اپنی چالاکیوں سے قید کر دینا یا قتل کر ڈالنا یا جلا وطن کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن اللہ بڑا حفاظت کرنے والا ثابت ہوا (اس نے مجھے بچا لیا)

عذاب کا وعدہ پورا ہوا

مومنو تمہیں معلوم ہے کہ جب انھیں قرآن کی آیتیں مکہ میں سنائی جاتی تھیں تو وہ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام خود کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو محض گذرے ہوئے افسانے ہیں (لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا) وہ یہ بھی کہتے تھے کہ خدایا اگر یہ کلام واقعی تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر پتھر برسا دے یا اس طرح کا کوئی دردناک عذاب نازل کر دے۔ لیکن یہ کیسے

ممکن تھا کہ اللہ کا رسول (محمدؐ) اُن میں ہو اور عذاب نازل ہو، یا لوگ معافی مانگتے ہوں اور عذاب نازل ہو۔

بہرحال کوئی وجہ نہیں کہ (باوجودیکہ وہ مسجد حرام سے مومنوں کو روکتے ہیں) اللہ اُن پر عذاب نازل نہ کرے (یعنی اب وہاں نبی تو موجود نہیں اور نہ استغفار کرنے والے موجود ہیں) اب تو یہ حالت ہے کہ کعبہ کے گرداگرد کفار بجائے اللہ کے استغفار کرنے کے بتوں کے سامنے تالیاں اور سیٹیاں بجاتے ہیں لہٰذا شکست بدر میں اپنی کفر انگیزی کے عذاب کا مزہ چکھ لو۔ اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے بدر میں جو دولت خرچ کر چکے ہو ویسا ہی پھر کرو گے۔ پھر حسرت کے ساتھ مغلوب ہو جاؤ گے اس پر مزید خسارہ یہ ہو گا کہ تم جہنم میں ڈالے جاؤ گے۔

انفال ۷۰: مشرک قیدیوں کو نیکی کی ہدایت

قیدیو! اگر تم نے نیک چلنی اختیار کی تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے زیادہ اللہ دے گا۔ اور اگر خیانت کی تو خیانت کا مزہ چکھو گے جیسا کہ پہلے چکھ چکے ہو۔

مہاجر و انصار کی تعریف

وہ مومن جنھوں نے ہجرت کر کے اپنے اموال و نفس سے جہاد کیا، اور وہ انصار جنھوں نے مہاجروں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

•

لیکن جن مومنوں نے ہجرت نہیں کی، وہ جب تک ہجرت نہ کریں ہمارے رفیق نہیں ہیں۔ وہ اگر دینی مدد مانگیں تو مومنوں پر ان کی مدد واجب ہے البتہ اگر کسی قوم سے تمہارا دوستانہ معاہدہ ہے تو اُن کی مدد تم پر واجب ہے۔

سچے مومن وہ مہاجر و انصار ہیں جو مجاہد ہیں۔ فتح بدر کے بعد جو لوگ ایمان لا کر ہجرت کریں اور جہاد میں شریک ہوں وہ بھی ابتدائی مہاجر و انصار کے برابر سمجھے جائیں (البتہ جہاں تک وراثت کا تعلق ہے بعض رشتہ داروں کو دوسروں پر ترجیح ہوگی۔ یہی اللہ کا قانون ہے۔ یہ نہ ہو گا کہ قدیم مہاجر کو وراثت میں جدید مہاجر پر فضیلت دی جائے)، اللہ ہر چیز جانتا ہے۔"

آٹھویں فصل

خاتم النبیین یعنی مصدق النبیین

مسلسل تین سال تک عزم و عقل سے سیلاب بلا کا مقابلہ

(شوال ۳ھ ؍ جنوری ۶۲۵ء تا ذی قعدہ ۶ھ ؍ فروری ۶۲۸ء)

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

شکست اُحد اور پورے عرب کا نرغہ

بزدلی کفر ہے، یہ شیطان پرستوں کی خصلت ہے
شکستوں سے بددل ہونا کم ہمتوں کا کام ہے۔
جو لوگ اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہیں
اُن کے دل سکینہ اور جنود اللہ (اللہ کی رحمتوں) سے بھر جاتے ہیں
کُل شیطانی دنیا اگر مخالف ہو جائے۔
تو یہ ممکن نہیں کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والا ڈرے۔
امید ہی ایمان ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے!
یاد رکھو کہ مخالفت کے باوجود اللہ کا نور پھیل کر رہے گا!

مصیبت راہ حق میں ہمت مرداں بڑھاتی ہے
کہ جوہر اور بھی صیقل یہ خنجر سے کے نکلتے ہیں
(داغ جگر مرادآبادی)

گر خوری یک جرعۂ ز ساغر غم	جام جمشید را زنی برہم
ملک شادی ہمی دہند بباد	بارکلاں بلاد غم در دم
دردمندان زخم تیغ فراق	می نخواہند از کسے مرہم

(وصالی خراسانی)

لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین (الحدیث)

دیگر از وے مدار چشم وفا	ہر کہ شد با تو در جفا گستاخ
زانکہ ہرگز دو بارہ مومن را	نگزد مار از یکے سوراخ

(جامی)

خاتم النبیین

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب)

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا (مثل زیدؓ کے) باپ نہیں کہا جائے گا۔ وہ رسول اللہ ہے اور دوسرے رسولوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

بشارت ملائکہ

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ○

(آل عمران ع ۱۳)

(مفہوم)

رسول اللہ نے مومنین سے کہا تھا (احد میں) کہ کیا یہ کافی نہیں ہوگا کہ اللہ تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے (یعنی تمہارے دلوں میں فرشتوں کی سی قوت پیدا ہو جائے۔ بشرطیکہ صبر و تقویٰ سے کام لو) اگر تم صبر و تقویٰ سے کام لیتے (تو تم میں پانچ ہزار فرشتوں کی طاقت اللہ کی طرف سے پیدا ہو جاتی) وہ ایسے فرشتے ہوتے جو نشان زدہ گھوڑوں پر نظر آتے۔ (تم نے صبر و استقامت سے کام نہ لیا شکست ہوئی) بہر حال سمجھ لو کہ فرشتوں کی امداد کا ذکر محض بشارت تھی تاکہ تم مطمئن ہو جاؤ۔ ورنہ فتح و نصرت اللہ کے سوا کون دے سکتا ہے

(آل عمران ع ۱۳)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

(الاحزاب ع ۱)

اے مومنو۔ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ غزوۂ احزاب میں خدا نے آندھی چلا دی اور خدا نے ایسی فوجیں بھیجیں جو نظر نہ آتی تھیں (جن سے ڈر کر کفار بھاگ گئے)

(الاحزاب ع ۱)

تقسیم دولت کی غرض

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ

(الحشر ع ۱)

اللہ نے جو مال بغیر جنگ کے دیا ہے اسے اللہ کے کاموں میں رسول تقسیم کر دیں گے یعنی اُن بے زروں کو دیں گے جو رشتہ دار ہیں یا یتیم و مسکین و مسافر ہیں تاکہ یہ دولت زرداروں ہی میں ہر پھر کر نہ رہ جائے

(الحشر ع ۱)

تقویم فصل ھذا

	محرم	صفر ۱	صفر ۲	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذوالقعدہ	ذی الحجہ
عام الامتحان سنہ ۳ھ	*	*	*	*	*	*	*	*	*	*	جمعرات ۱۷ جنوری ۹۲۵	جمعہ ۱۵ فروری ۹۲۵	یکشنبہ ۱۷ مارچ ۹۲۵
عام التہنیت علی النکاح سنہ ۴ھ	دوشنبہ ۱۵ اپریل ۹۲۵	*	چارشنبہ ۱۵ مئی ۹۲۵	جمعرات ۱۳ جون ۹۲۵	شنبہ ۱۳ جولائی ۹۲۵	یکشنبہ ۱۰ اگست ۹۲۵	سہ شنبہ ۱۰ ستمبر ۹۲۵	چارشنبہ ۱۰ اکتوبر	جمعہ ۸ نومبر	شنبہ ۷ دسمبر	دوشنبہ ۶ جنوری ۹۲۶	شنبہ ۴ فروری ۹۲۶	جمعرات ۶ مارچ ۹۲۶
عام الزلزلہ سنہ ۵ھ	جمعہ ۴ اپریل ۹۲۶	یکشنبہ ۴ مئی ۹۲۶	دوشنبہ ۲ جون ۹۲۶	چارشنبہ ۲ جولائی ۹۲۶	جمعرات ۳۱ جولائی	شنبہ ۳۰ اگست	یکشنبہ ۲۸ ستمبر	سہ شنبہ ۲۸ اکتوبر	چارشنبہ ۲۶ نومبر	جمعہ ۲۶ دسمبر	شنبہ ۲۴ جنوری ۹۲۷	دوشنبہ ۲۳ فروری ۹۲۷	سہ شنبہ ۲۴ مارچ ۹۲۷
عام السوال سنہ ۶ھ	جمعرات ۱۳ اپریل ۹۲۷	*	شنبہ ۲۳ مئی ۹۲۷	دوشنبہ ۲۳ جون ۹۲۷	چارشنبہ ۲۱ جولائی ۹۲۷	جمعرات ۲۰ اگست ۹۲۷	جمعہ ۱۸ ستمبر ۹۲۷	یکشنبہ ۱۸ اکتوبر ۹۲۷	دوشنبہ ۱۶ نومبر ۹۲۷	چارشنبہ ۱۶ دسمبر ۹۲۷	جمعرات ۱۴ جنوری ۹۲۸	شنبہ ۱۳ فروری ۹۲۸	*

خاتم النبیین یعنی مصدق النبیین

(لوگو! میں نہ تو زید کا باپ ہوں، نہ تم میں سے کسی مرد کا والد ہوں۔ میں حضرت محمد رسول اللہ ہوں اور میں دوسرے رسولوں کی تصدیق کرتا ہوں (الاحزاب)

یونانی سالار جس ۶۲۲ء میں آذربائیجان کے مشہور آتش کدہ کو تباہ کر چکا ہے لیکن ایک سال بعد خسرو پرویز کی فوجیں ۶۲۳ء میں خالسی دون پہنچ جاتی ہیں۔ یہ مقام قسطنطنیہ کے بالمقابل ساحل پر واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر خسرو پرویز عہد کرتا ہے کہ وہ سورج کے ایک مصلوب دیوتا (مسیح ناصری) کی پرستش اور ہر قسم کی بت پرستی کا خاتمہ کر دے گا۔ اور "خالص نور" یا اہورا مزدا کی حکومت اس دنیا میں جاری کرے گا۔ ادھر صلیب پرستوں نے "اصلی صلیب" حاصل کرنے کے لئے ایک صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا ہے اور ہرقل کی فوجیں دجلہ کی ولایت میں ۶۲۷ء میں گھس آتی ہیں۔ بوڑھا خسرو تاب مقاومت نہ لا کر تیسی فون کی طرف فرار ہو جاتا ہے۔

لیکن دنیا والوں کو یہ خبر نہیں تھی کہ سو سے بھی کم مہاجر، حجاز کے ایک گاؤں میں پناہ لے کر قریش کے تاجروں کی تجارت منقطع کر چکے ہیں اب نہ تو وہ مدینہ کی طرف سے شام کی طرف جا سکتے ہیں، نہ نخلہ کی طرف سے یمن کا رخ کر سکتے ہیں اور نہ نجد کے راستے سے عراق جا سکتے ہیں۔ ہر طرف مجاہدین اسلام کے چھوٹے چھوٹے دستے تجارتی موسموں میں راستہ روکنے کے لئے موجود ہیں۔ انھوں نے اب یہ قانون بنا لیا ہے کہ جب تک بیت اللہ میں اللہ کا نام لینے کی اجازت نہ ہوگی اور دنیا بھر میں کسی کو اپنے دین اور رائے کی آزادی کے لئے فتنہ میں ڈالا جائے گا اس وقت تک یہ مٹھی بھر مومن اپنی جان و مال کو اللہ کے ہاتھ بیچ کر قریش کی زندگی دوبھر کر دیں گے (وَقَاتِلُوا حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فی الآسماف) مومنو قتال کرو تاکہ دنیا بھر میں ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی مذہب حاصل ہو جائے!

بدر کی فتح نے مسلمانوں کے دل بڑھا دیئے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہودی اور منافق دونوں قریش سے مل کر اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے تھے حتیٰ کہ اب تین سال کا وہ زمانہ شروع ہوا جس میں مخالفوں نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر دیا۔ اور حالت یہ ہوگئی کہ ہر طرف تاریکی اور یاس کے دیو منہ پھاڑے ہوئے نظر آنے لگے۔ اگر سید المجاہدین کو اپنے مشن کی کامیابی کا حق الیقین اور خدا کی مدد پر کامل بھروسہ نہ ہوتا

تو دنیا کو خبر بھی نہ ہوتی کہ عرب کے ایک دُور دراز خطے میں کوئی فوجداری بھی ہوئی تھی جس میں چوتھائی مہاجروں نے ایک ہزار دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا اور کوئی ایسا شخص بھی پیدا ہوا تھا جو یکہ و تنہا کل دنیا کو متحد کر کے امن و اتحاد کے راستے پر ڈالنا چاہتا تھا۔

معرکۂ احد: قریش کا دوسرا حملہ

(شنبہ ۱۴ر شوال ۳ھ = ۲۶ر جنوری ۶۲۵ء)

(نوٹ:- اگر قمری کی جائے تو شنبہ کو ۱۰ شوال تھی -)

ہندا اور دوسری عورتوں کا ترانہ

نحن بنات طارق — نمشی علی النمارق — ان تقبلوا نعانق — او تدبروا نفارق

ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں — ہم قالینوں پر چلتے ہیں — اگر لڑو گے تو سینہ لگا لیں گے — اگر بھاگے تو نہیں چھوڑ دیں گے

فراق غیر وامق

اور کبھی منہ نہ دیکھیں گے

یہودی مکہ جا کر قریش کو انتقام پر ابھارنے لگے تھے۔ ان کے مشہور شاعر کعب بن اشرف کو مسلمانوں نے اسی جرم میں قتل کر دیا تھا۔ قریش کے شاعروں اور کاہنوں نے بھی قبائل میں آگ لگا دی تھی۔ اب انھیں ایک ابن حضرمی ہی کا نہیں بلکہ ستر مقتولوں کا بھی قصاص لینا تھا۔ لہٰذا قریش نے یہ طے کیا کہ ابوسفیان کا قافلہ جو بدر سے بچ نکلا تھا اس کا پورا نفع انتقامی لڑائی میں صرف کر دیا جائے۔ یہ نفع ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار پر مشتمل تھا۔ سید المجاہدین بھی بے خبر نہ تھے۔ وہ انفاق فی سبیل اللہ کے نام پر چندہ جمع کر رہے تھے۔ اُدھر عباس بن عبدالمطلب رتّی رتّی کی خبر مکہ سے بھیج رہے تھے۔ اِدھر مدینہ کے منافق اور یہود اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے تھے اسی لئے سید المجاہدین کی رائے یہ تھی کہ قریش کی فوج کا مقابلہ باہر نکل کر نہ کیا جائے اور مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مدافعت کی جائے لیکن نوجوان صحابیوں کے اصرار پر آپ نے رائے بدل دی اور فرمایا کہ اگر تم ثابت قدم رہو گے تو کامیاب ہو گے۔

قریش نے تین چار ہزار آدمی جمع کر لئے تھے جن میں سات سو زرہ پوش دو سو سوار اور تین ہزار اونٹ تھے

ہندزوجہ ابوسفیان کی سرداری میں پندرہ عورتیں بھی تھیں جو فوج کو جوش دلانے اور مرہم پٹی کے لئے ساتھ تھیں۔ کعبہ کے پجاریوں یعنی بنی عبدالدار کے ہاتھوں میں کفر کا جھنڈا تھا ہر ایک کی زبان پر یا ہُبل تھا۔ یہ سب مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر پہلے سے پہنچ کر جم گئے تھے اور اس مرتبہ اپنے سواروں اور پیدل کو پہلے سے مرتب کر چکے تھے مسلمانوں نے بدر کی طرح یہ سمجھا تھا کہ ہمارے چند آدمی بھی اُن کے ہزاروں آدمیوں پر بھاری ہوں گے اس لئے اس دفعہ کسی قدر غرور میں ایک ہزار کی فوج جمعہ بعد مسلح ہو کر مدینہ سے نکلی تھی۔ اتنا جوش تھا کہ بعض کم سن بچے بھی ساتھ ہو لئے تھے۔ لوٹ مار کی ہوس میں بہت سے منافق بھی ساتھ ہو لئے تھے۔ میدان جنگ (اُحد) مدینہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر تھا اور مسلمانوں کو بدر کی طرح پہلے سے پہنچ کر جنگی ترتیب کا موقع نہ ملا تھا۔ پھر یہ غضب ہوا کہ منافق ابن سلول جمعہ کی شام ہی کو مدینہ ہی سے اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس ہو گیا تھا۔ اس نے کہا کہ ہمارا معاہدہ صرف یہ ہے کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہم رسول اللہ کی حفاظت کریں - باہر جا کر لڑنا ہمارا کام نہیں درحقیقت وہ قریش سے ساز باز کر چکا تھا اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے جن میں سے صرف سو کے پاس زرہیں تھیں۔ مقام جنگ بجائے جنوب کے مدینہ کے شمال میں تھا اور یہ انتخاب قریش نے اس لئے کیا تھا کہ مدینہ تک پہنچنے میں ادھر سے کوئی رکاوٹ راستے میں نہ تھی۔ اس لئے آنحضرت نے مسلمانوں کو پھر تاکید فرمائی کہ لوٹ مار سے پہلے قطعی طور پر فتح حاصل کر لینا۔ ورنہ عربی طرز ہمیشہ یہی رہا ہے کہ پہلے دکھاوے کے طور پر شکست مان کر بھاگ گئے ہیں اور جب دشمن حملہ کر کے غیر منظم ہو جاتا ہے تو اس پر حملہ کر کے ختم کر دیتے ہیں۔ اسی غرض سے آپؐ نے عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں پچاس تیر اندازوں کو ایک درّہ کی حفاظت کے لئے متعین فرما دیا تاکہ عقبی حملہ سے حفاظت رہے۔ غرض کہ رات بھر اسی ترتیب دہی میں گزری

مقابلہ | سنیچر کی صبح کو ابو عامر فاسق نے، جو مدینہ کا ایک منافق تھا۔ قریش کی طرف سے پچاس آدمیوں کو لے کر حملہ کیا۔ پنجہ آزمائی ہوا اور وہ واپس بھاگا۔ اب باقاعدہ عبدالدار کے قبیلے کا علمبردار طلحہ پکارا کہ ہے کوئی جو مجھے جہنم میں یا اپنے کو جنت میں پہنچانے کو تیار ہو۔ اُسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد پے در پے چھ عبدری میدان میں نکلے اور بنو ہاشم کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

قریش کا فرار پھر فتح | اب ہند اور گانے والی عورتیں بھاگیں اور قریش بھی میدان چھوڑ کر فرار ہونے لگے یہ دیکھ کر سادہ لوح مسلم تیر انداز یہ سمجھے کہ بس معاملہ ختم ہو گیا اور لوٹ کا موقع آ گیا ہے۔ انھوں نے گھاٹی کو چھوڑ کر لوٹ شروع کر دی اور دوسرے مسلمان بھی لوٹ میں لگ گئے۔ قریش تو

یہ چاہتے ہی تھے۔ یکایک جناب حمزہؓ کے ایک حربہ لگا وہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کے علمبردار مصعبؓ بن عمیر عبدری کو ابن قمیئہ نے شہید کر دیا۔ قریش کے جھنڈے کو صواب نے بلند کر دیا اس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو ایک ترشبہ عُمرہ نے اُسے بلند کیا۔ اتنے میں ابن قمیئہ نے آگے بڑھ کر خاتم النبیین کے سر پر ایسی تلوار لگائی کہ خود کی دو کڑیاں سر میں گھس گئیں۔ عُتبہ بن ابی وقاص نے ایسا پتھر مارا کہ آپؐ کا ہونٹ کٹ گیا اور دو دانت شہید ہو گئے اور آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ خالد بن ولید نے اپنے دو سو سواروں سے گھاٹی کے راستے سے حملہ کر دیا اور منٹوں کے اندر مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ آنحضرت زخموں سے چور تھے۔ جناب طلحہؓ نے انھیں اٹھا کر ایک بلند مقام تک پہنچا دیا جہاں حضرت فاطمہؓ مدینہ سے پہنچ گئیں اور علاج معالجہ میں مصروف ہو گئیں حضرت عائشہ بھی زخمیوں کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے میں مصروف تھیں۔ عام طور پر مشہور ہو گیا کہ آپؐ شہید ہو گئے اس لئے ابو سفیان نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ مشرکہ عورتوں نے مسلمانوں کی لاشوں کو مثلہ کر دیا یعنی ان کے کان ناک وغیرہ کاٹ ڈالے۔ ستر مسلمانوں کو بدر کے ستر قریشیوں کے بدلے قتل کر کے اپنا انتقام لے چکے۔ تو ٹھیرنے کی اب ضرورت نہ رہی اور سب واپس چل کھڑے ہوئے۔

اب ابو سفیان اس پہاڑی کے نیچے آیا جہاں خاتم النبیین مع چند اصحاب کے موجود تھے۔ آنحضرت کا نام لے کر پکارا۔ آپؐ نے ساتھیوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی پھر اس نے ابو بکرؓ و عمرؓ کو پکارا جب جواب نہ ملا تو کہا سب مر گئے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا کہ ہم بفضلہ زندہ ہیں اس پر ابو سفیان نے اُعل ھبل کا نعرہ بلند کیا اور کہا عزیٰ لنا ولا عزیٰ لکم (یعنی ھبل دیوتا جیت گیا۔ اور عزیٰ دیوی نے ہمارا ساتھ دیا تم ذلیل ہوئے) اس پر مسلمانوں نے جواب دیا اللہ اعلیٰ و اجل اور اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ سب سے بلند ہے وہی ہمارا آقا ہے)۔ پھر ابو سفیان نے کہا کہ عورتوں نے لاشوں کو مثلہ کر دیا ہے۔ یہ حکم میں نے نہیں دیا تھا۔ نہ میں اس پر ناراض ہی ہوں۔ بہر حال اب تم نے لڑائی کا مزہ چکھ لیا اور تجارتی راستوں کے روکنے کا نتیجہ دیکھ لیا۔ اب بھی ہمت باقی ہو تو آئندہ سال اسی موسم میں (رمضان یا شوال) میں بدر میں آجانا۔ وہ دو ہاتھ پھر ہو جائیں گے۔

تعداد مقتولین

مشرکوں کے تیئیس آدمی مرے تھے کہ انھوں نے فرار اختیار کیا تھا۔ مسلمانوں نے جونہی لوٹ مار شروع کی مشرک لوٹ آئے اور چار مہاجروں اور چھیاسٹھ انصار کو قتل کر ڈالا۔ شاید اس کی یہ وجہ بھی ہو کہ مہاجروں کو تو آنحضرت نے جنگی مشق شروع سے کرائی تھی لیکن

انصار بدر میں صرف مال غنیمت کے لالچ سے آئے تھے اور یہاں بھی یہی سمجھے تھے کہ فرشتے آکر لڑائی لڑیں گے۔ صبر و ثبات کے حکم کے عدول اور لوٹ کی لالچ نے فتح کو شکست میں تبدیل کرا دیا اور ستر آدمیوں کے شہید ہوتے ہی میدان قریش کے ہاتھ تھا۔ یہ ستر شہید دو دو کر کے ایک ہی قبر میں، خون آلود کپڑوں کے ساتھ رکھے گئے اور رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ سب زندہ جاوید ہیں اور جنتی ہیں۔

خصوصیات اُحد :-

۱۔ شعار بدر میں مسلمانوں کا شعار "اَحَدٌ اَحَدٌ" تھا۔ یعنی ایک طرف تو خدائے واحد کا نام بلند کرنے والے تھے اور دوسری طرف ہبل کی جے پکارنے والے تھے۔ لیکن اُحد میں مسلمانوں کا شعار یا منصور امت تھا

۲۔ جھنڈا لڑائی کی ایک بنیاد یہ بھی تھی کہ خانہ کعبہ مسجد اللہ ہے یا مسجد الشیطان۔ لطف یہ ہے کہ دونوں لڑائیوں میں دونوں طرف قبیلہ بنو عبدالدار (یعنی خانہ کعبہ کے پجاریوں کے خاندان والوں) کے ہاتھوں میں جھنڈے تھے۔ اُحد میں مصعبؓ بن عمیر عبدری علمبردار تھے جو مصدق النبیین کے ہم شکل اور مدینہ میں آپ کے رسول تھے آپ شہید ہو گئے (آپ کی بیوہ کا نام حمنہ بنت جحش تھا) تو آنحضرت نے حضرت علی مرتضیٰ ہاشمی کو جھنڈا سپرد کیا۔ آپ کے ہاتھوں سے منجملہ بارہ علمبرداران قریش کے آٹھ قتل ہو چکے تھے

عمرہ حارثیہ کی جرأت قریش کے علمبرداروں کے قتل ہونے کے بعد ابی طلحہ کے غلام صواب نامی نے جھنڈا اٹھا لیا تھا اور جب اس کے دونوں ہاتھ مسلمانوں نے کاٹ ڈالے تو وہ جھنڈے کی عزت بچانے کو اس پر گر پڑا اور سینہ سے لگائے ہوئے جان دی اس پر ایک حارثیہ عمرہ آگے بڑھی اور اس نے کفار کا جھنڈا بلند کر دیا۔ حسانؓ بن ثابت نے اُسے زندہ جاوید بنا دیا۔ ؎

فلولا لواء الحارثیه اصبحوا یباعون فی الاسواق بیع الجلائب

یعنی اگر وہ جھنڈا نہ اٹھاتی تو قریش دوبارہ اس کے گرد جمع نہ ہو سکتے اور وہ سب غلام بنا کر فروخت کر دیئے جاتے۔

۳۔ ام عمارہ کی شجاعت سیدہ ام عمارہ نسیبہ بنت کعب المازنیہ فرماتی ہیں کہ میں پانی پلانے کے لیے صبح سویرے چل کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے رسول اللہ کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو چکی۔ تو میں نے تیر و تلوار سے آنحضرت کی حفاظت شروع کر دی اور جب ابن قمیئہ آگے بڑھا تو میں نے اور مصعب بن عمیر اور دوسرے لوگوں نے جو رسول اللہ کے پاس رہ گئے تھے اس کو روکا اور اس پر تلوار

سے دو وار کئے لیکن حمد اللہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھا پھر اس نے ام عمارہ کے کندھے پر تلوار ماری جس کے زخم کا گڑھا زندگی بھر موجود رہا۔

۴۔ طلحہؓ و سعدؓ۔ اس لڑائی میں ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ صرف حضرات طلحہؓ و سعدؓ وقاصؓ ہی آپ کے پاس رہ گئے تھے یاد رکھئے کہ یہ دو حضرات وہ ہیں کہ دعوت سری کے زمانے میں سب سے پہلے مسلمانوں (سابقون الاولون) میں سے تھے (بخاری)

۵۔ زندہ شہید۔ جب آنحضرت زخمی ہو کر گڑھے میں گرے تھے تو حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ نے انھیں نکال کر کھڑا کیا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ ایسے شہید کو دیکھے جو زمین پر چلتا پھرتا ہو تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔

۶۔ یوم سبت۔ یہودیوں پر فرض تھا کہ وہ حسب معاہدہ قریش کا مقابلہ کرتے لیکن انھوں نے حمایت رسول تو درکنار خود جنگ کی آگ بھڑکائی تھی۔ اُن میں سے ایک یہودی مخیریق نے جب یہود کو ان کا وعدہ یاد دلایا تو وہ کہنے لگے کہ آج سنیچر کا دن ہے ہمارے لئے جنگ حرام ہے ورنہ ضرور مدد کرتے۔ یہ سن کر یہودی مخیریق تنہا نکل کھڑا ہوا اور لڑ کر شہید ہو گیا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ مخیریق بہترین یہودی تھا۔

۷۔ ملائکہ یا فرشتے: ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے فرشتوں کو ملنے یعنی اللہ کے ملائکہ پر ایمان لائے۔ مکی قرآن میں ملائکہ اور الروح کا ذکر ہے۔ انھیں رسول اللہ یعنی خدا کا ایلچی (فرشتہ بھیا مسرا) بھی کہا گیا ہے۔ سورہ الانفطار میں دو اچھے کاتبوں (کراماً کاتبین) کا ذکر ہے۔ یہ بھی فرشتے ہیں۔ سورہ المدثر کی ایک مدنی آیت میں ملائکہ کو جنود رب کہا گیا ہے۔ التطفیف میں انھیں المقربون اور التکویر میں انھیں رسول کریم کہا ہے۔ والنجم میں جبریل یا خدا کی قوت کا مترادف لفظ شدید القویٰ ہے۔ الحجر میں مرسل اور الشعراء میں روح الامین کہا ہے۔ المؤمن میں بتایا ہے کہ وہ عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں (اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ) اس میں الروح اور روح القدس کا بھی ذکر ہے۔ الفاطر میں بتایا ہے کہ ان کے دو دو تین تین چار چار پر بھی ہوتے ہیں۔ الجن میں حرساً شدیداً محافظ آسمان بتایا ہے۔ بنی اسرائیل میں کہا ہے کہ کفار ملائکہ کو مونث سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ مونث یعنی کمزور نہیں ہیں، مذکر ہیں۔

مدینہ میں آکر سب سے پہلے سورۃ الانفال میں ہزار ملائکہ سے بدر کے مسلمانوں کی مدد کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں صاف بتا دیا ہے کہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ خوشخبری تھی (وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ (الانفال) چونکہ فتح ہوئی تھی اس لئے عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ فرشتوں نے

اکر مقابلہ کیا تھا۔ لیکن جن ستر آدمیوں کو بدر میں مسلمانوں نے قتل کیا تھا ان کے قاتلوں کا پورا جریدہ موجود ہے وہ سب مجاہدین اسلام تھے (دیکھئے ابن ہشام) اور بدر میں بھی ملائکہ کی مدد کا وعدہ تھا۔ لیکن شکست ہوئی۔ اس لئے قرآن نے دوبارہ اس معاملہ کو صاف کیا کہ اگر تم صبر و استقامت سے کفار کا مقابلہ کرتے تو تین ہزار تو کیا پانچ ہزار فرشتے اللہ کی طرف سے مدد کرتے اور پھر بتایا کہ یہ محض ایک خوشخبری تھی (وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ (آل عمران ع ۱۳) اس سے صاف ثابت ہے کہ فرشتے سے مراد اللہ کی بخشی ہوئی صبر و استقامت کی قوت و ہمت ہے۔

مسلمانوں کا جوابی حملہ یا قریش کا تعاقب

دوسرے دن آنحضرت نے حضرت علیؓ کو کفار کی خبر لانے کے لئے روانہ کیا اور سمجھا دیا اگر گھوڑے کوتل ہوں اور وہ اونٹوں پر سوار ہوں تو سمجھ لینا کہ اب اُن کا واپسی کا ارادہ نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت نہ صرف عربوں کی نفسیاتی کیفیتوں کا درک رکھتے تھے بلکہ اُن کی معاشرت اور جنگی حیلہ بازیوں سے بھی پوری طرح واقف تھے حضرت علیؓ نے واپس آکر اطلاع دی کہ اگرچہ گھوڑے کوتل ہیں لیکن وہ دوبارہ حملہ کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کا پورا قلع قمع کر دیں۔ خاتم النبیین نے یہ سنتے ہی معبد خزاعی کو جس نے اپنا اسلام ابھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ ابوسفیان کے پاس دوستانہ مشورہ کے لئے روانہ کیا۔ اس نے جاکر انھیں خبر دی کہ مسلمانوں کا لشکر جرار انتقام لینے کے لئے آرہا ہے سنبھل جاؤ۔

ادھر آنحضرت نے منادی کرادی کہ جو لوگ احد میں ساتھ تھے وہ تیار ہوجائیں تاکہ دشمن پر جوابی حملہ کیا جائے اس دفعہ جھنڈا حضرت ابوبکرؓ کو دیا اور واقعہ اُحد کے دوسرے ہی دن لشکر اسلام حمراء الاسد پہنچ گیا۔ اور میدان میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے پانچ چھ ہزار چولھے روشن کرا دئے گئے۔ دشمن نے یہ دیکھا تو سمجھا کہ لشکر بہت بڑا ہے۔ اس لئے فرار ہوگیا۔ اور خاتم النبیین تین دن تک وہاں ٹھہرے پھر واپس ہوئے۔

اطاعت امیر ضروری ہے

یہود و منافقین پر اس ترکیب کا یہ اثر ہوا کہ وہ سمجھ گئے کہ مسلمانوں کو اتفاقیہ شکست ہوئی تھی۔ اِدھر مسلمانوں کو یقین ہوگیا کہ اگر ہم صبر و ثبات سے کام لیتے تو قریش کو شکست تو دے ہی چکے تھے۔ لوٹ مار اور ان کی جنگی پسپائی نے ہمارا نظم خراب کر دیا تھا۔ آئندہ اطاعت امیر سے سرمو تجاوز نہ کریں گے۔

اُحد کا ذکر قرآن میں

آل عمران ۱۳ع: کشمکش و پیچ سے بزدلی پیدا ہوتی ہے: بنو سلمہ اور بنو حارثہ بھی منافقوں کی پیروی میں واپس جانے والے تھے لیکن رسول اللہ نے سمجھایا کہ اگر صبر و ثبات سے کام لوگے تو اللہ اور اس کے فرشتے مدد کریں گے۔ وہ اگرچہ ساتھ آئے مگر کشمکش و پیچ میں رہے آخر شکست ہوئی۔

سکینہ و جنود اللہ، فرشتوں سے مراد اللہ کی بخشی ہوئی ہمت ہے۔ یہ بات محض بشارت کے طور پر کہی گئی تھی کہ فرشتے مدد کریں گے۔ اگر صبر و ثبات سے کام لیتے تو تین ہزار کیا پانچ ہزار فرشتوں کی قوت تم میں پیدا ہو جاتی۔ ہمت اور اطمینان یعنی اللہ کی مدد پر بھروسہ پیدا ہو جائے تو ہزاروں فرشتوں کی طاقت کے برابر ہے اللہ کافروں کے دل میں ایسا رعب پیدا کر دیتا کہ وہ بھاگ جاتے۔

آل عمران ۱۴ع یہود کو تنبیہ۔ دگنا تگنا سود کھانے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس سے بہتر ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے خرچ کریں (یعنی یہود جو اپنے بخل کی وجہ سے چندہ جنگ نہیں دیتے تھے)

شکست کی وجہ۔ بزدلی اور بدنظمی سے بڑی بڑی فوجیں ہار جاتی ہیں۔ بدر میں کتنے زیادہ مشرکوں کو تھوڑے سے مومنوں نے ہرا دیا تھا۔ اس مرتبہ منافقوں کی وجہ سے مسلمانوں میں ایمان و ہمت کی کمی ہو گئی۔ خیر یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ آئندہ کم ہمتی نہ دکھانا۔ یہ امتحان ہے اسکے بغیر جنت نہیں مل سکتی (دیکھیئے بقرہ ۲۶)

آل عمران ۱۵ع - ۱۶ع۔ مسلمانو! اب طریقہ جنگ بدلا جاتا ہے۔ فتح و شکست کا انحصار اس پر نہ ہونا چاہیئے کہ فوج کا امیر قتل ہو جائے تو تم بھاگ جاؤ۔ تم ایک اصول کے لئے لڑتے ہو۔ لہذا اب انفرادی موت جماعتی شکست کا باعث نہ بنے گی۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اصول کی فتح کے لئے آخر دم تک لڑو۔ اب جنگ قومی ہو گی یعنی خواہ امیر و سردار کتنے ہی قتل ہو جائیں۔ قدم پیچھے نہ ہٹے۔ محمد صرف رسول ہیں اُن کے مرنے یا قتل ہو جانے سے جماعتی وحدت و ترقی پر کوئی اثر نہ پڑنا چاہیئے۔ اُن کا پیغام باقی رہے گا اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔

لالچ شیطانی چیز ہے بزدلی پیدا کرتی ہے۔ دولت کی طمع سے تمہاری فتح شکست میں بدل گئی اللہ نے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا۔ بہر حال یہ امتحان تھا۔ آئندہ یہ غلطی نہ کرنا۔ اب تک جو کیا وہ معاف کیا جاتا ہے۔ تم بھاگ رہے تھے حالانکہ رسول تمہیں بلا رہا تھا۔ بہر حال شیطان کے دھوکے نے تمہیں کمزور کر دیا تھا اسکو

اللہ معاف کرتا ہے۔

راہ خدا کے شہید کو مردہ نہ سمجھو۔ آل عمران ۱۷ع : قوم کے لئے مرنا دولت جمع کرنے سے بہتر ہے۔ بہرحال
تم نے جو عدول حکمی کی اسے نرم دل نبی معاف کرتا ہے اور آئندہ بھی تم سے مشورہ کیا کرے گا۔ جو جماعت کے
بھلے کے لئے شہید ہوتا ہے اسے موت نہیں آتی (اسی طرح اس سورہ کے شروع میں مسیح کے سلسلے میں
کہا گیا کہ وہ مرے نہیں بلکہ شہید ہوئے (لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا)

خدا پرست بزدل نہیں ہوتا۔ آل عمران ۱۸ع۔ اللہ والوں کو خوف نہیں ہوتا۔ البتہ جو شیطان کے پرستار ہیں
وہی مرنے سے ڈرتے ہیں جو مومن ہیں وہ شیطان سے نہیں ڈرتے۔ اس لڑائی میں یہ بھید بھی کھل گیا کہ
منافق لوٹ مار کے لئے جاتے ہیں اور جب ان سے جنگی چندہ مانگو تو ایک پیسہ نہیں دیتے اور یہود کی تو یہ
حالت ہے (کہ باوجود معاہدہ کے) وہ اللہ کے نام پر قرض (بلا سودی) دینے کو تیار نہیں۔ حالانکہ انھیں
خوش دلی سے چندہ دینا چاہیئے تھا۔ وہ کہتے ہیں اللہ فقیر ہے۔

جانی و مالی آزمائش ۔ اللہ کا نام بلند کرنے والوں کا کام آسان نہیں۔ یہ جانی و مالی آزمائش ہوتی ہے
پھر اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے باوجودیکہ یہودی توراۃ کے احکام میں تحریف کرتے ہیں اور حق
کو باطل کے پردے میں چھپاتے ہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ صبر و تقویٰ سے کام لیں یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

آل عمران ۲۰ع۔ وجود باری کے لئے سائنس کی طرف توجہ کرو۔ زمین آسمان کی نشانیوں کو دیکھو معلوم
ہو جائے گا کہ ایک خالق ہے۔ جو اہل عقل و خرد ہیں وہ تفکر فی الخلق میں ڈوبے رہتے ہیں اور تاویل حادثات
یا حقائق کی تلاش میں اللہ سے مدد مانگتے ہیں

تخلیق عالم کی ایک غایت ہے۔ کل کائنات ایک بے معنی حادثہ نہیں ہے۔ اس کی ایک غایت ہے
(یہ بے کار نہیں پیدا کیا گیا)

کل مومن اور بعض اہل کتاب جنتی ہیں۔ جن لوگوں نے ہجرت کی یا زبردستی گھر سے نکالے گئے یا اللہ کی
راہ میں ستائے گئے اور پھر وہ لڑے یا قتل ہوئے وہ سب متقی ہیں اور ضرور جنت میں جائیں گے۔ اسی
طرح وہ اہل کتاب جو کتاب اللہ کو مانتے ہیں اور رشوت لے کر اللہ کے قوانین میں تحریف نہیں کرتے
وہ بھی اجر پائیں گے۔

صبر و اتحاد کرو۔ مومنوں صبر و اتحاد سے فتح ہوتی ہے۔ صرف اللہ سے ڈرو۔ یہی چیز تم میں ثبات و عزم

پیدا کرے گی۔ یہی ذریعہ کامیابی و کامرانی ہے۔"

یتیموں اور عورتوں کے حقوق میراث۔ سورہ نساء ۱تا ۴ع چونکہ واقعہ اُحد میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے تھے اور بہت سے بچے خصوصاً لڑکیاں یتیم ہو گئی تھیں اس لئے اس موقع پر میراث کا احکام بیان ہوئے اور میراث میں عورتوں کا حق قائم کیا گیا یہ دنیا میں پہلا قانون تھا جس نے عورتوں کے درجے کو اونچا کیا۔ آنحضرت خود یتیمی کی زندگی بسر کر چکے تھے اور جانتے تھے کہ یتیم لڑکیوں اور بیواؤں کے ساتھ دنیا میں کتنا برا سلوک ہوتا ہے کہ بعض ملکوں میں وہ مردہ شوہر کے ساتھ جل مرنا پسند کرتی ہیں۔ اس جگہ یہ بھی بتایا کہ مشرکہ کے مقابلہ میں مومنہ سے شادی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

کئی عورتوں سے برابر کی محبت مشکل ہے اس لئے کسی بیوی کو معلق چھوڑنے سے بہتر ہے کہ اس سے جدا ہو جاؤ (رکوع ۲ اور رکوع ۱۸ بھی دیکھئے)

سورہ نساء (۱۵ع) قصر صلوٰۃ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اگر کفار کے فتنہ کا خطرہ ہو تو سفر کی حالت میں نماز کو مختصر کر دیں اور اپنی حفاظت کا خیال رکھیں۔ آدھے نماز پڑھیں اور آدھے حفاظت کریں۔

عام التہنیت علی النکاح (۴ھ) اپریل ۶۲۵ء

دو سریئے خاتم النبیین نے مسلمانوں پر اُحد کی شکست کا اثر قائم نہیں ہونے دیا بلکہ اپنی جماعت کو مضبوط بنانے کی مشق جاری رکھی۔ اس لئے اُحد کے جوابی حملہ کے بعد محرم ۴ھ میں بنواسد کی سرکوبی کے لئے ابوسلمہ کے ماتحت ایک دستہ روانہ کیا۔ ان میں ایک سو پچاس مجاہد تھے اور کثرت انصار کی رکھی گئی تھی اس لئے کہ انھیں میدانی لڑائی کی مشق کم تھی۔ جب یہ دستہ فید تک پہنچا تو بنواسد فرار ہو گئے۔ مجاہدوں کو کچھ اونٹ بکریاں غنیمت میں ملیں۔

اسی مہینہ میں سفیان ھذلی کی جنگی تیاریوں کی خبر پہنچی۔ عبداللہ بن انیس نے اکیلے جا کر اسے قتل کر دیا اور یہ فتنہ ختم ہوا۔

اصحاب صُفّہ کے ستّر قاریوں کا قتل مدینہ کے مشرق میں نجد واقع ہے۔ اسی راستے سے قریش کا قافلہ تجارت عراق جاتا تھا۔ قریش کی سازش سے بنی لحیان وغیرہ قبائل کے چند لوگ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ تعلیم اسلام کے لئے کچھ لوگ ہمارے یہاں بھیج دیجئے۔ آپؐ نے ستّر

بزرگوں کو جو سوائے تعلیم قرآن کے اور کوئی کام نہ کرتے تھے اور آنحضرت کے مکان کے سامنے ایک چبوترہ پر زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے ساتھ کر دیا اور جب راستے میں بئر معونہ پر قیام ہوا تو قبائل نے گھیر کر انھیں قتل کر دیا۔ صرف عمرو بن امیہ بچ آئے اور اس واقعہ کی آنحضرت کو خبر دی۔ رستے میں عمروؓ کو دو عامری ملے جو سو رہے تھے اور مسلمانوں کے حلیف تھے۔ عمروؓ نے انھیں قتل کر دیا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ہم پر خون بہا واجب ہوا۔

دعائے قنوت اس واقعہ نے خاتم النبیین کو اتنا متاثر کیا کہ ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے رہے کہ

"خدایا ہم تجھی سے مدد مانگتے ہیں اور تجھی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ ہم تیری بندگی کرتے ہیں اور تیری رحمت طلب کرتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ تیرا عذاب کفار ہی کے لئے ہے۔"

یہ دعا قرآن میں نہیں ہے۔ ایک قاری اسے جزو قرآن سمجھتے تھے۔

دس مسلمانوں کا دھوکے سے قتل بنو لحیان نے دوبارہ یہی ترکیب چلی اور قبائل قارہ کے ذریعے چند مسلمانوں کو آنحضرت سے تعلیم اسلام کے لئے مانگا۔ آپ نے دس قاریوں کو ساتھ کر دیا۔ بنو لحیان نے انھیں گھیر لیا وہ آخر وقت تک لڑے۔ سات شہید ہوئے اور خبیب بن عدی اور زید بن وثنہ گرفتار ہوئے پھر مکہ میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے اور سخت ایذاؤں کے باوجود انھوں نے اسلام نہ چھوڑا۔ آخر بری طرح قتل کر دیئے گئے۔ ایک اور صحابی گرفتار کئے گئے تھے جو راستے ہی میں قتل کر دیئے گئے۔

وہ آیت جو بھلا دی گئی۔ ان شہدائے راہ حق کے متعلق بعض راویوں نے لکھا ہے کہ قرآن میں اُن کے متعلق ایک آیت نازل ہوئی تھی جو بھلا دی گئی ہے۔ یہ اس بات کی مثال ہے کہ تفسیر کرنے والے کس طرح کمزور روایتوں کو قبول کر لیتے ہیں حالانکہ اس فقرہ کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔ فقرہ یہ ہے (بلغو قومنا عنا انا لقینا ربنا فرضی عنا ورضینا عنہ) یعنی ہماری قوم کو خبر کر دو کہ ہم اپنے رب سے مل گئے۔ وہ ہم سے راضی ہوا ہم اس سے راضی ہیں۔

خاتم النبیین اور سورہ بینہ اس سورہ میں پھر اہل کتاب کو بتایا گیا ہے کہ خاتم النبیین بھی وہی تعلیم دیتے ہیں جو قدیم صحف میں دی گئی ہے کہ صرف اللہ کی بندگی کرو۔ لیکن نہ اہل کتاب مانتے ہیں نہ مشرک مانتے ہیں بلکہ اپنے حبروں اور راہبوں کے بنائے ہوئے رسم و رواج کو قانون الٰہی کا درجہ دیتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے فلاں حرام۔ کوئی کہتا کہ متبنی کی بیوی کو حقیقی بہو کی طرح حرام سمجھنا چاہیے۔ کوئی عورت کو معلق چھوڑ

دیتا ہے اور بعض تو اتنے ذلیل ہیں کہ عورت سے مہر واپس لے کر اور اسے جو تحفے تحائف دیئے ہیں وہ واپس لے کر اُسے طلاق دے دیتا ہے اور دوسروں کو بھی اُس بے چاری سے نکاح کرنے سے روکتا ہے۔ کوئی اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتا ہے اور اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔

لیکن خدائی قانون یہ نہیں ہے۔ تورات تو بعد کی چیز ہے۔ اس سے پہلے صحف ابراہیم تھے اور ان میں قدیم ترین قوانین الٰہیہ موجود تھے اُن میں بعض کی پیروی اب تک بنو اسماعیل مسلسل کرتے آرہے ہیں۔ مثلاً اونٹ کے گوشت کو حرام نہیں سمجھتے۔ البتہ متبنیٰ کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں کرتے۔ رسول اللہ ذبیحہ مصدق مرسلین تھے اس غیر ابراہیمی قانون کو توڑ دیا اور متبنیٰ کی بیوی سے خود نکاح کر کے اس بری رسم کو مٹا دیا۔ اسی طرح خلعی طلاق میں عورت کو حق دیا کہ وہ آزاد ہونے کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے اور قانون بنا دیا کہ ایسے ذلیل مرد کے لئے جو رو پیہ لے کر طلاق دے۔ وہ عورت حرام ہے۔ اصل میں یہ عورت کو یہ حق اسلام نے عطا کیا۔ ورنہ عام طلاق میں اجازت دی کہ طلاق بائن کے بعد بھی اگر عورت راضی ہے تو مرد رجوع کرسکتا ہے اسی طرح طلاق ظہار اور دوسری قسم کی طلاقوں میں عورت کے حقوق کا خیال رکھا گیا اور مرد کے ظلم سے اُسے بچا لیا۔

بنو نضیر کی جلاوطنی ربیع الاول ۴ھ جون ۶۲۵ء

چونکہ بنو نضیر سے اب تک معاہدہ امداد باہمی باقی تھا۔ لہٰذا خاتم النبیین ان کے محلہ میں خود تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ عمرؓو بن امیہ نے غلطی سے دو عامریوں کو قتل کر دیا ہے۔ ان کا خونبہا ادا کرنے کے لئے چندہ دو۔ تو یہودیوں نے آپؐ کو فصیل کے نیچے بٹھایا اور چاہا کہ اوپر سے ایک پتھر گرا کر آپ کو قتل کردیں آپؐ فطرتاً نہایت حساس تھے۔ یہ معاملہ تاڑ گئے اور اٹھ کر چلے آئے۔ بنو نضیر نے چندہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ انھیں ابن سلول منافق نے یہ اطلاع دی تھی کہ یہودیوں کا قبیلہ بنو قریظہ ان کی مدد کرے گا اس لئے قلعہ بند ہو گئے اور بغاوت کر دی۔

خاتم النبیین نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور جب انھیں منافقوں اور بنو قریظہ کے یہودیوں کی کوئی مدد نہ پہنچی تو انھوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ ہمیں قتل نہ کیا جائے بلکہ جلاوطن کر دیا جائے آنحضرت نے اس کی اجازت دیدی مگر شرط یہ کرلی کہ سامان جنگ کے علاوہ جو کچھ لے جانا چاہیں لے جائیں وہ اپنا کل سامان چھ سو اونٹوں پر بار کر کے شام اور خیبر کی طرف چلے گئے۔ البتہ جو یہودی مسلمان ہو گئے تھے اُن کا سامان اُن کے پاس رہنے دیا گیا۔

سورۂ آل عمران ۱۲ع - مسلمان وہ قوم ہیں جو اچھے (معروف) کاموں کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے یا گھناؤنے کاموں سے روکتے ہیں لیکن یہودی باوجود توراتی احکام کے ایسا نہیں کرتے۔

سورۂ حشر ۱ع بنو نضیر کی جلاوطنی (۱) یہودی اگرچہ اہل کتاب ہیں مگر ناشکرگزار (کافر) ہیں اسی وجہ سے ایک ہی حملہ میں شکست مان لی۔ اگر ان کے متعلق خدا کا حکم جلاوطنی کا نہ ہو گیا ہوتا تو اس سے بھی بڑی سزا ملتی۔ لہذا اُن کی چھوڑی ہوئی زمینیں اُن مہاجروں کو دی جاتی ہیں جو بے خانماں ہو کر آئے ہیں۔ انصار نے کافی ایثار کیا ہے، خود نہیں کھایا مہاجروں کو کھلایا ہے۔ اب اُن پر یہ بار نہیں رہے گا کہ وہ مہاجروں کی پرورش کریں۔

۲ع - منافقوں کی بزدلی کی وجہ یہ تھی کہ ان میں نفاق ہے، ورنہ ضرور یہودیوں کی مدد کرتے۔

۳ع سب اچھے نام اللہ کے ہیں یہ نہ سمجھو کہ صرف اللہ، رحمان یا یہوا ہی اللہ کے نام ہیں سب اچھے نام (خواہ کسی زبان میں ہوں) اللہ کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں "وہی" سب کا آقا ہے۔

ولادت حسینؓ ابن علیؓ - شعبان سنہ ۴ھ میں ولادت حسین ہوئی۔

نکاح ام المومنین ام سلمہؓ سے - شوال سنہ ۴ھ جناب ام سلمہ مخزومیہ سے آپ نے نکاح کیا۔ ان کا نام ہند تھا یہ عبداللہ بن الاسد کی بیوہ تھیں۔

غزوہ بدر ثانی یکم ذیقعدہ سنہ ۴ھ شنبہ : ۴ر فروری سنہ ۶۲۶ء

احد کی لڑائی کو ایک سال ہو چکا تھا - ابوسفیان کہہ گیا تھا کہ آئندہ سال بدر پر پھر دو دو ہاتھ ہوں گے - یہاں ہر سال میلہ لگتا تھا اور تجارت ہوتی تھی - آپ نے ڈیڑھ ہزار پیدل اور دس سواروں کے ساتھ کوچ کیا مال تجارت بھی ساتھ لیا - ابوسفیان ڈر کے مارے نہ آیا لیکن دوسرے قبائل آئے خوب چہل پہل رہی اور مسلمان اس میلہ سے سو فیصدی نفع کما کر واپس ہوئے۔

نکاح ووفات ام المومنین زینبؓ - حضرت عبیدۃ المطلبی، شہید احد کی بیوہ سے آپ نے نکاح کیا تھا یہ نہایت فیاض تھیں اور ام المساکین ان کا لقب تھا وہ نکاح کے بعد اسی سال انتقال کر گئیں۔

عام الزلزلہ (سنہ ۵ھ) ۴ر اپریل سنہ ۶۲۵ء

یہ سال نہایت ہی تکلیف دہ سال تھا شکست احد کے بعد مشرکوں کے دل بڑھ گئے تھے اور یہودیوں اور منافقوں نے بھی آنحضرت کی خانگی زندگی تلخ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی مختلف قبائل سازشیں کر کے

مسلمانوں کو دھوکہ سے قتل کر دینا اپنا فرض سمجھتے تھے بعض جگہ تو اتنا چوکنا رہنا پڑتا تھا کہ سب مسلمان ایک ساتھ نماز نہ پڑھ سکتے تھے آدھے نماز پڑھتے اور آدھے نمازیوں کی حفاظت کرتے تھے۔ اس حالت جنگ کی نماز کو صلاۃ خوف بھی کہتے ہیں۔

سورۃ النساء آیت ۴۳ تیمم: چونکہ زندگی کی راحتیں حالت جنگ اور سفر میں مہیا نہیں ہوسکتی تھیں اس لئے یہ حکم دے دیا گیا کہ پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کیا جا سکتا ہے۔ یہی حکم عام حالات میں مریضوں کے لئے بھی دے دیا گیا کہ وہ پانی سے غسل و وضو کی جگہ مٹی سے منہ ہاتھ صاف کرلیں۔ مجبوراً مٹی سے طہارت کرنے کو اللہ معاف کردے گا (اس رکوع کی دوسری آیتیں سلسلہ میں بیان ہو چکی ہیں)

غزوہ ذات الرقاع، عراقی شاہ راہ پر: خاتم النبیین کو خبر ملی کہ نجد میں انمار اور ثعلبہ جنگ کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ یہ قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتے تھے اور پہاڑیوں میں رہتے تھے۔ قریش کی عراقی تجارت ان ہی مقامات سے گذرتی تھی ۱۰ محرم کو آنحضرت ذات الرقاع تک چار سو مجاہدوں کے ساتھ گئے۔ وہ لوگ عورتوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ آپ پندرہ دن کے بعد واپس آئے۔

صلاۃ خوف: اس غزوہ میں ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت تھی لہٰذا نصف آدمی نماز پڑھتے اور نصف پہرہ دیتے تھے۔ اسے صلاۃ خوف کہتے ہیں۔ یعنی جنگ کی حالت میں جو نماز ہو وہ صلاۃ خوف ہے۔ (خوف ضد ہے امن کی: دیکھئے سورہ القریش)

غزوہ دومتہ الجندل: ۲۵ ربیع الاول ۵ھ مطابق ۲۶ جولائی ۶۲۶ء کو آنحضرت دومتہ الجندل کی کاروانی منزل تک ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ گئے۔ یہ مقام دمشق سے پانچ راتوں کے فاصلہ پر ہے اس جگہ کچھ بد معاش یہودیوں کی سازش سے جمع ہو کر تاجروں اور مسافروں کو ستانے لگے تھے۔ آخر وہ فرار ہو گئے۔ چند مویشی مال غنیمت میں ملے اور یہودیوں پر رعب طاری ہو گیا۔

سورہ نساء ع۹: طاغوت یا یہودی حبر: معاہدہ کے مطابق جو معاملہ ہوتا وہ آنحضرت کے سامنے پیش ہونا چاہیئے تھا لیکن یہودی اپنے حبروں کے پاس جھوٹے فیصلے لے جانے لگے تھے۔ یہ لوگ شیطان (طاغوت) کے احکام کے مطابق چلتے ہیں۔ یہود جو معاہدے کی پابندی کرو۔ اُن سے فیصلہ نہ کراؤ"

غزوہ مریسیع۔ شعبان ۵ھ، ۲۷ نومبر ۶۲۶ء: آنحضرت کو خبر لگی کہ بنو مصطلق جو مدینہ سے نو منزل پر آباد تھے اور قریش کے حلیف تھے جنگی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے مدینہ پر جناب زیدؓ بن محمدؐ کو

خلیفہ بنایا اور چل نکلے منافقوں کا سردار ابن اُبی بھی مال غنیمت کے لالچ میں ساتھ تھا۔ حملہ کی تاب نہ لا کر دس مقتول چھوڑ کر دشمن فرار ہو گیا۔ ایک ہزار اونٹ۔ پانچ ہزار بکریاں دو سو عورتیں اور چند مرد گرفتار ہوئے۔

حضرت جویریہ سے نکاح اور غلاموں کی آزادی:۔ اس قبیلہ کی ایک خاتون حضرت جویریہؓ تھیں جس شخص کے حصہ میں آئی تھیں اُس سے خرید کر آپؐ نے انھیں آزاد کر دیا۔ پھر آپ کے نکاح میں آگئیں۔ آپؐ نے اپنے حصے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے حضرت جویریہؓ کے قبیلے کے کل قیدیوں کو بغیر فدیہ لئے آزاد کر دیا۔

حضرت جویریہ سے نکاح کے اثرات۔ معاندین رسول اللہ تاریخی حالات کو توڑ مروڑ کر اس لئے بیان کرتے ہیں کہ اپنے مذہب کو بہتر ثابت کریں۔ اگر انھیں یہ معلوم ہوتا کہ قرآن کبھی خدا پرستی کے طریقے کو بُرا نہیں کہتا بلکہ بار بار کل نبیوں اور کل کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تو وہ آنحضرت کی شادیوں پر اعتراض نہ کرتے۔ یاد رہے کہ آنحضرتؐ نے جتنی شادیاں کیں وہ سب خدمت اسلام کے لئے کیں اور ہمیشہ خلق اللہ کا فائدہ اور دین اللہ کی برتری ان کے پیش نظر رہی۔

حضرت جویریہؓ قبیلہ خزاعہ سے تھیں۔ یہ قبیلہ نواحی مکہ میں آباد تھا۔ اس قبیلہ کو اسلام کا حلقہ بگوش بنانے کی صرف ایک صورت تھی کہ ان سے خاتم النبیین اپنا رشتہ قائم کریں اور پھر حسن تدبیر اس قبیلے پر احسان کا اتنا بڑا بوجھ ڈال دیں کہ اس سے وہ کبھی عہدہ برآ نہ ہو سکیں۔ آپؐ نے یہی کیا حضرت جویریہؓ سے نکاح کیا اور اپنے کل قیدیوں کو اس رشتہ داری کے نام پر آزاد کر دیا۔ اب کون ایسا مسلمان تھا جو رسول اللہؐ کے رشتہ داروں کو قید رکھتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب مفت میں آزاد ہو گئے لیکن اس احسان نے اُن کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے اسلام اور مصدق النبیین کا بن داموں غلام بنا دیا۔

نتیجہ کیا ہوا۔ کہ جب آپؐ نے سنہ ھ میں عمرہ کا احرام باندھا تو اسی قبیلے کے لوگوں نے مخبری کی کہ قریش مدافعت کے لئے تیار ہیں۔ پھر اسی قبیلے کے لوگوں نے قریش کو آنحضرت کی طاقت سے ڈرایا۔ اور صلح حدیبیہ پر مجبور کیا اور آخر اسی قبیلہ کی وجہ سے بغیر تلوار چلائے مکہ فتح ہو گیا۔ مقام غور ہے کہ صرف اس ایک نکاح نے کس طرح دنیا کی تاریخ کا رُخ بدل دیا اور اسلام کی سیاسی زندگی کا پیش خیمہ بن کر دنیا کو سلامتی کا گہوارہ بنا دیا۔

سورۃ المنافقون غزوہ مریسیع میں منافق پہلی مرتبہ ساتھ آئے تھے۔ یہاں اگر بھی شرارت سے نہ چوکے اور مسلمانوں کو ذلیل اور کمینہ بنا کر باتیں کرنے لگے۔ اس پر یہ سورہ نازل ہوئی: یہ منافق زبانی مسلمان ہیں دل سے اسلام کے دشمن ہیں وہ دیکھنے میں تو ہاتھی ہیں لیکن خشک لکڑی کی طرح کنجوس ہیں اے رسول انھیں کبھی اللہ معاف نہ کرے گا۔

مسلمانو! ان منافقوں اور یہودیوں کی طرح مال سے محبت نہ کرو۔ خدا جانے کب موت آجائے۔ لہذا مجاہدین کی مدد میں دریغ نہ کرو۔ نہ منافقوں کی طرح کنجوسی کرو۔

افک: اسی غزوہ میں منافقوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو بدنام کیا لیکن رسول اللہ کو اس تہمت پر بالکل یقین نہیں آیا۔ اس کی شہادت سورہ نور میں ہے۔

زنا اور سورہ نور ع ۱-۲ع: حد زنا یہ ہے کہ عورت مرد دونوں پر سو سو کوڑے لگائے جائیں اور قذف (یعنی زنا کی تہمت کسی عورت پر) کی سزا یہ ہے کہ اسی کوڑے لگائے جائیں اور ان تہمت لگانے والوں کی گواہی کبھی تسلیم نہ کی جائے۔

مسلمانو! اس تہمت کے واقعے میں بھی ایک بھلائی کا پہلو نکلتا ہے۔ تہمت لگانے والے سادہ لوح مومن تھے تمہیں چاہیئے تھا کہ سنتے ہی اس تہمت کو جھوٹ سمجھتے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ان بے وقوف مومنوں کو جنھوں نے تہمت لگائی تھی معاف کردیں اور ان سے کینہ نہ رکھیں بلکہ جو مدد معاش ان کی کرتے تھے کرتے رہیں۔

حیا، پردہ، حجاب: یہ بھی حکم دیا جاتا ہے کہ بلا اجازت گھروں میں داخل نہ ہو۔ عورتوں مردوں دونوں کو حیا و عصمت کا حکم دیا جاتا ہے اور نظر بازی سے روکا جاتا ہے عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے سنگھار نمایاں نہ کریں کہ لوگوں کی نظریں خود بخود ادھر اٹھیں۔ رانڈوں کا نکاح کردو اور لونڈی غلاموں کا بھی نکاح کردیا کرو۔

مکاتبت یعنی غلام کو آزادی کا حق: غلاموں کو آزاد ہونے کا حق دو کہ وہ مکاتبت کرلیں اور ایک مخصوص رقم مزدوری یا چندہ سے جمع کرکے مالک کو ادا کردیں۔ خود مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان کی آزادی کے لئے چندہ دیں اور لونڈیوں سے زنا نہ کرائیں ورنہ حد زنا جاری ہوگی۔ (بیت المال کے قیام کے بعد سلطنت کا فرض ہوگیا کہ غلاموں کو آزاد کرائے)۔

سورہ النور ع ۵-۶-۷) اللہ نور ہے اللہ زمین و آسمان کا نور ہے؟ اس کے قانون دائمی،

دونیا، دین یا دعا، ہیں ہر چیز بندھی ہوئی ہے۔ وہی سب کا بادشاہ وہی خالق ہے۔ قانون الٰہی پر چلنے سے زمین کی بادشاہت پاؤگے۔ خوف کی جگہ امن حاصل ہوگا۔

سورہ النور (۲ع ۹ع) چند آداب مجلس بغیر اجازت کے مجلس سے نہ اٹھو اور گفتگو میں حفظ مراتب کا خیال رکھو۔

زینب اور زید بن محمد کی خانگی لڑائی اور صلح زینب بنت جحش کو اب یہ ناگوار گذرنے لگا تھا کہ وہ ایک آزاد کردہ غلام کے نکاح میں رہیں خواہ وہ ابن محمدؐ ہی کیوں نہ کہلاتا ہو۔ قریشی عورتوں نے بھی طعنے دیئے تھے اور مدینہ کی عورتوں نے بھی شرانگیزی شروع کردی تھی۔ آخر انھوں نے رسول اللہ سے شکایت کہ زیدؓ مجھے دکھ دیتے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وہ مجھے طلاق دیدیں۔ آنحضرتؐ نے قرآنی حکم کے مطابق دونوں کی صلح کرادی اور زید کو طلاق سے باز رکھا۔ اگر حملہ احزاب بیچ میں نہ آگیا ہوتا تو شاید اسی وقت یہ لڑائی انتہا کو پہنچ جاتی۔ بہرحال اسی زمانے میں آنحضرتؐ نے خدا کے حکم سے طلاق ظہار کو منسوخ کردیا اور عورتوں کو زیادہ معزز بنانے کی طرف قدم بڑھ گیا

ظہار عربوں میں اپنی بیویوں کو لونڈی باندی کا درجہ دے رکھا تھا۔ ذرا سی خفگی ہوئی اور طلاق دیدی۔ ظہار کا یہ طریقہ تھا کہ اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں کا عضو کہدیا اور وہ عورت اپنے اوپر حرام کرلی لیکن یہ پوری طلاق (آزادی) نہ تھی۔ عورت کا آقا یا شوہر تو وہی رہتا تھا لیکن عورت کو دوسرے سے نکاح کا حق نہ تھا۔ نہ شوہر سے حقوق زوجیت کے حصول کا کوئی قانون تھا۔ عورت کی زندگی نہایت تلخ ہوجاتی تھی۔

سورۃ المجادلہ: ۱ع: ماں بنانے والے کی سزا ماں تو صرف وہی ہے جس نے جنا ہے لہذا اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو ماں بنا کے الگ کرے گا تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے یا دو مہینے مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے جو اس سے انکار کریں گے انھیں خدا دردناک عذاب دے گا۔

المجادلہ ع ۲ - کانا پھوسی نہ کرو گناہ اور سرکشی کی باتوں کے متعلق کانا پھوسی نہ کیا کرو۔ یہ شیطانی بات ہے رسول کی نافرمانی نہ کرو۔

المجادلہ ع ۳ حزب الشیطان یہ منافقوں پر شیطان نے قبضہ کرلیا ہے اس لئے وہ اللہ کو بھول گئے ہیں یہ شیطان کے گروہ والے خسارہ میں پڑیں گے۔ یہ اللہ رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ مومنوں کو ان سے دوستی نہ کرنا چاہیئے خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

حزب اللہ۔ مومنوں کو اللہ نے ایمان دیا اور روح القدس (جبریل) سے اُن کی مدد کی ہے وہ اللہ اور یوم آخر کو ملنتے ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہے وہ جنتی ہیں اور مراد کو پہنچے ہیں۔

مدینہ پر پورے عرب اور یہودیوں کا متحدہ حملہ

قریش کا تیسرا حملہ حملۂ احزاب۔ ۰ ذلیقعدہ ۵ھ = ۲ مارچ ۶۲۷ء

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر عرب اور مشرک اور یہود اُن کے دشمن ہوتے جاتے تھے۔ صرف شامی راستے پر جو قبیلے تھے وہ سچے حلیف تھے ورنہ عراقی شاہ راہ کے بنو غطفان اور یمنی راہ کے قبیلے بھی مسلمانوں کے دشمن ہو گئے تھے۔ خود مدینہ میں منافقوں نے جاسوسی کا جال بچھا رکھا تھا اور اب بنو قریظہ کے یہودی قبیلے کو بھی انھوں نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ غرضکہ رمضان ۲ھ میں سید المجاہدین بدر میں جیتے۔ شوال ۳ھ میں قریش نے اس کا احد میں بدلہ لیا اور قبائل نے اصحاب صفہ کو دھوکے سے قتل کیا لیکن اب ایسا وقت آگیا کہ یا تو اسلام اس آخری حملہ سے فنا ہو جائے یا عرب کے تجارتی راستوں پر خاتم النبیین کی سیادت کو مان لیا جائے۔ اس لئے منافق، یہود اور عرب کے جملہ قبائل مل کر ذلیقعدہ ۵ھ میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ خیبر میں یہودی قبیلہ بنو نضیر تھا۔ اس نے مدینہ کے بنو قریظہ کو عہد شکنی پر، اور قبائل غطفان و سلیم کو خیبر کے نخلستانوں کی ایک فصل دے کر مدینہ پر حملہ کے لئے تیار کر لیا۔

فوجوں کی طاقت:۔ ابو سفیان ابن حرب کی ماتحتی میں دس بارہ ہزار فوج تھی۔ عرب میں اتنی بڑی فوج کبھی نظر نہ آئی تھی۔ اگرچہ شکست قریش کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور انھیں اندازہ نہ تھا کہ عام عربی لڑائیوں کی طرح اس کا فیصلہ ایک دو دن میں نہ ہو گا بلکہ مقابلہ اتنا طول کھینچے گا کہ ان کی رسد ختم اور ان کا طرز جنگ بے کار ہو جائے گا۔

حضرت سلمان فارسی نے مسلمانوں کو بچا لیا لشکر کفار کی روانگی کی خبر آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ مصدق النبیین نے جنگی کونسل بلائی اور معاملہ کی اہمیت لوگوں پر ظاہر کی۔ خطرہ یہی تھا کہ جس طرح شمالی

کی طرف سے جنگ اُحد میں حملہ ہوا تھا اس مرتبہ بھی اُسی طرف سے حملہ ہوگا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی اس مرتبہ اُحد کی طرح صرف انتقام کے لئے نہیں بلکہ استیصال اسلام کے لئے کفار آرہے تھے لہٰذا باہر نکل کر لڑنا تہلکہ میں پڑنا تھا۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ جنگ کا ایک فارسی طریقہ یہ ہے کہ آبادی کے آگے ایک خندق (از کندن) کھودلی جائے اور دشمن کو مجبور کردیا جائے کہ وہ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

آنحضرت نے یہ رائے پسند کی اور کل مسلمانوں نے مل کر جن میں مصدق النبیین بھی شامل تھے شمال میں ساڑھے تین میل لمبی خندق کھود ڈالی اور مدینہ کے دوسرے مقامات پر جہاں جہاں باغات و مکانات کی دیواریں نہ تھیں وہاں بھی خندقیں کھودلی گئیں اور مجاہدوں کے دستوں نے مدینہ کی دن رات محافظت شروع کردی۔ مہاجرین کا جھنڈا زید بن محمدؐ کو اور انصار کا سعد بن عبادہ کو دیا گیا اور سب کا شعار "حامیم لاینصرون" مقرر ہوا۔ اتنے میں ابوسفیان کا لشکر پہنچ گیا اور خندق کو دیکھ کر وہ مجبوری کے غصے سے اپنی بےپناہ طاقت کے زعم باطل کو کھو بیٹھا۔

بنو قریظہ کی غداری اور آنحضرت کی جنگی چال: لشکر کفار کی عظمت دیکھ کر منافق اور یہودی خوش ہو رہے تھے۔ بنو قریظہ نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کردی اور آنحضرتؐ سے جو معاہدہ تھا وہ توڑ دیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہماری مدد کو اللہ کافی ہے (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ - نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ) اور لوگوں میں نفاق و خوف بڑھنے لگا۔ (اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا) لیکن آنحضرت ذرا بھی نہ گھبرائے اور وہ چال چلی کہ قریش اور یہود دونوں بیک وقت شکست کھا گئے۔

آپؐ نے نعیم غطفان کو، جو نومسلم تھے بنو قریظہ کے پاس بھیجا اُنھوں نے دوستی کا اظہار کر کے یہود سے کہا کہ بھائی کل کی بات ہے، قریش احد کی ادھوری لڑائی چھوڑ کر چل دیئے اگر اب بھی ایسا کیا کہ تم کہیں کے نہ رہوگے۔ پھر محمدؐ سے تم نہ لڑسکو گے لہٰذا قریش سے چند نوجوان بطور یرغمال (ضمانت) کے مانگ لو۔ تاکہ ادھوری لڑائی چھوڑ کر نہ جائیں۔ یہود کو یہ بات پسند آئی اور انھوں نے قریش سے یرغمال کا مطالبہ کردیا۔

ادھر نعیمؓ نے قریش سے کہا کہ یہود نے محمدؐ سے صلح کرلی ہے۔ وہ خفیہ حلبہ کرچکے ہیں اور تم سے یرغمال مانگ کر محمدؐ کے حوالہ کردیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہود نے یرغمال مانگے اور قریش نے نہ دیئے

تو دونوں میں پھوٹ پڑ گئی اور یہود نے مسلمانوں پر حملہ نہ کیا۔

الاحزاب ۲ع (آیت ۹۔۲۰) جنود اللہ (یعنی خوف اور آندھی | منافقوں نے دیکھا کہ محاصرہ طویل ہوتا ہے اور یہود بھی حملہ نہیں کرتا اس لئے انھوں نے خندق چھوڑ کر مدینہ واپس جانے کا ارادہ کیا اور کہا کہ ہمارے گھر حملے کے لئے کھلے ہوئے ہیں اُن کی حفاظت کریں گے لیکن اس درمیان میں جنود اللہ نے دشمن پر حملہ کر دیا۔ تیز آندھی چلی خیمے الٹ گئے اور ان میں چولھوں سے آگ لگ گئی۔ ایک عام پریشانی پھیل گئی۔ محاصرہ کرنے والے بھی یہود کی غداری سے بددل ہو گئے تھے اور طرز جنگ بھی ایسا تھا کہ مہینوں محاصرہ ختم نہ ہوتا۔ رسد کی کمی اور حج اکبر کی قربت اور عام گھبراہٹ نے ان کی ہمتوں کو پست کر دیا اس لئے بیس دن کے محاصرے کے بعد ۲۲ ذی قعدہ کو وہ سب خائب و خاسر واپس ہو گئے۔

غزوہ بنو قریظہ | دوسرے دن (۲۳۔ ذی قعدہ) کو لوگوں نے حضرت بلالؓ کی پکار سنی کہ لوگو عصر کی نماز بنی قریظہ کے محلہ میں پڑھی جائے گی۔ تین ہزار پیدل اور چھتیس سوار وہاں پہنچ گئے۔ یہودی پندرہ دن کے محاصرے کے بعد مجبور ہو گئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔ عبداللہ بن سلام (ایک نو مسلم یہودی) ان قیدیوں پر عامل بنائے گئے۔ یہودیوں نے سعدؓ بن معاذ کو حکم بنایا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔ سعد نے توراتی قانون کے مطابق مردوں کو قتل اور عورتوں بچوں کو غلام بنائے جانے کا فیصلہ کر دیا (کتاب تنبیہ واصلاح) بخاری میں عورتوں کے غلام بنائے جانے کا واقعہ درج نہیں ہے۔ پھر بھی آنحضرت نے چند یہودیوں کی جان بخشی کر دی اور بقیہ چار پانسو یہودی قتل کر دیئے گئے اور چونکہ آپ مصدق توراۃ تھے لہذا اسکے قانون پر عمل کیا گیا (طبری ۵۷۔ ۵۸) جناب ریحانہ بنت عمرو کو آزاد کر کے خود آپ نے نکاح کر لیا۔ اور باقی لونڈیوں کو نجد میں فروخت کر کے ان کے بدلے ہتھیار خرید دیئے گئے۔ سوائے ہتھیاروں کے جو مال ملا وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

الاحزاب ۳ع (۲۱۔۲۷) مسلمان کہتے تھے کہ رسول اللہ نے پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ ذی الحجہ سے پہلے دشمن بھاگ جائے گا۔ بنو قریظہ کے دلوں میں رعب سما گیا اور ان میں سے کچھ قتل ہوئے اور کچھ اسیر ہوئے اور ان کی دولت مسلمانوں کو ملی

نتیجہ | اب قریش کی طاقت بالکل ٹوٹ گئی۔ مدینہ بھی یہودیوں سے پاک ہو گیا۔ منافق بھی پست ہو گئے تو سورہ بقرہ ۲۶ نازل ہوا۔

بقرہ ۲۶ع آزادی جنت ہے بنی اسرائیل نے آزادی کی قدر نہ کی آخر بار بار غلام بنے اللہ کی راہ میں

مصیبت اٹھانے کے بعد ہی فتح اور آزادی ملتی ہے۔ فیاضی اور قربانی آزادی کی کنجی ہے

انفاق کا حکم | لہٰذا ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر اپنا مال خرچ کرو۔ نساء، الع۔

قتال بدر کی یاد | دیکھو جب بدر کے موقع پر تمہیں لڑنے کو کہا گیا تو تم ڈرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ بری چیز ہے۔ اب سمجھ لو کہ خدا کی مصلحت جو ہوتی ہے وہی بہتر ہوتی ہے۔

تدابیر منزل کا سال عام السوال ۵ھ ۔ ۶۲۷ء

متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح | حضرت زینب بنت جحش رسول اللہ کی پھوپی زاد بہن تھیں یعنی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ عبداللہ بن جحش ان کے بھائی تھے۔ انھوں نے پہلے حبشہ ہجرت کی اور پھر مدینہ میں اپنے پورے خاندان بنی دودان کے ساتھ ہجرت کر کے آئے۔ یہی عبداللہ بن جحش اس سریہ کے سردار تھے جس نے ابن حضرمی کو قتل کیا تھا اور اس کی وجہ سے بدر کا حملہ ہوا تھا۔ ان کے بھائی عبیداللہ بن جحش بھی ہجرت حبشہ کر گئے تھے جن کی بیوی سردار اعظم ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ تھیں۔ عبیداللہ حبشہ میں وفات پا گئے اور جب ام حبیبہ بنت ابوسفیان فتح خیبر کے بعد مدینہ آئیں تو آنحضرت نے ان سے نکاح کر کے ان کی اور ان کے بچوں کی پرورش اپنے ذمہ لے لی تھی۔

بنی دودان کی یہ خواہش تھی کہ حضرت زینبؓ سے رسول اللہ خود نکاح کر لیں لیکن مصدق النبیین ہمیشہ سے یہ خواہش رکھتے تھے کہ غلام و آزاد کے امتیاز کو مٹا دیا جائے اس لئے آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام یعنی زیدؓ بن حارثہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ یہ دونوں مسلمان تھے اور سچ پوچھئے تو یہ بیٹے سے زیادہ وفا شعار ثابت ہوئے اس لئے کہ جب ان کے اہل خاندان انھیں لینے آئے تو مکہ ہی میں انھوں نے المنذرؐ کی رفاقت میں مصائب گوارا کرنا پسند کیا اور اپنے خاندان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ صرف آپ ہی رسول اللہ کے ساتھ طائف گئے تھے اور غزوہ مریسیع میں رسول اللہ نے انھیں اپنا خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑا تھا۔ کئی لڑائیوں میں اجل صحابہ اُن کی ماتحتی میں کام کر چکے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر زید زندہ ہوتے تو رسول اللہ ان کے علاوہ کسی کو اپنا خلیفہ نہ بناتے۔ ان کا نکاح آنحضرت کی دائی اور کھلائی ام ایمن برکتؓ کے ساتھ کر دیا گیا تھا اور انہی کے بطن سے وہ اسامہؓ بن زید پیدا ہوئے تھے جو فتح مکہ کے دن آنحضرت کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے غرض کہ آنحضرت کی نظر میں زید بہت عزیز تھے۔ غزوہ خندق میں بھی علمبردار مہاجرین تھے۔ ان کے ساتھ حضرت

زینبؓ کی شادی کردی گئی تھی ملور یہ سمجھ کر کی گئی تھی کہ وہ ابن رسول یا محمدؐ اور معزز ترین شخص تھے

معلوم نہیں حضرت زینبؓ کو کیا تکلیف تھی شاید وہ قرشیہ اور آنحضرت کی بہن ہونے کی وجہ سے زیدؓ کو ذلیل نظروں سے دیکھتی تھیں۔ پھر گھر میں برکہؓ کا بیٹا ایمن اور خود اُسامہؓ بن زیدؓ موجود تھے۔ اس پر اس بات کا اضافہ ہوا کہ مصدق النبیین کو جب یہ خبر ملی کہ عبیداللہ بن جحش کی بیوی حبشہ میں بیوہ ہوگئی ہیں اور ان کے بچے بھی ہیں تو آپ نے مدینہ ہی سے سعیدؓ بن العاص کے ذریعہ انھیں نکاح کا پیام دیا اور وہ حبشہ ہی میں تھیں کہ آپ کے نکاح میں آگئیں یہ سن کر حضرت زینبؓ اور عبداللہ بن جحش نے پھر خواہش کی کہ رسول اللہ بی بی زینبؓ کو زیدؓ کی زوجیت کی ذلت سے نکال لیں۔ اسی زمانے میں اتنی لڑائی بڑھی کہ زیدؓ نے زینبؓ سے کہدیا کہ تم میری ماں ہو۔

(نوٹ۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اوس بن صامت اور خولہ بنت ثعلبہ کے درمیان ہوا تھا بہرحال واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ طلاق ظہار کو رسول اللہ نے منسوخ کر دیا لیکن باوجود زید کو روکنے کے وہ نہ مانے اور زینب کو طلاق دے ہی دی۔ اس موقع پر عام تصورات جاہلیہ کو مٹانے کے لئے ضروری ہو گیا کہ قرآن کچھ حکم دیتا۔

یہاں یہ یاد رکھیے کہ حضرت زینبؓ سے کوئی نکاح کرنے کو تیار نہ تھا۔ غالباً ان کو ایک مولیٰ کی بیوی ہو جانے کی وجہ سے ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ تیز مزاج رہی ہوں۔ اُن کے بھائی نے اگرچہ سابقون الاولون میں سے تھے لیکن انھوں نے جلد بازی کر کے حرام مہینہ میں ابن الحضرمی کو قتل کر دیا تھا جس سے بعد کی لڑائیاں ہوئیں اور خود حضرت زینب کی بہن حمنہؓ بنت جحش، یا تو سادہ لوح تھیں کہ منافقوں کی جھوٹی باتوں کو مان لیتی تھیں یا یہ بھی اپنی بہن کو حرم نبوی میں معزز بنانا چاہتی تھیں کہ انھوں نے بھی منافقوں کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ پر تہمت لگائی تھی۔ بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو حضرت زینبؓ نے جناب زیدؓ بن محمد کو اتنا پریشان کر دیا تھا کہ وہ طلاق دینے پر مجبور ہو گئے اور باوجود آنحضرت کی خواہش کے وہ دوبارہ اپنی بیوی سے صلح نہ کر سکے۔

<u>سورہ احزاب ۵ ع ظہار</u> اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہدے تو وہ ماں نہیں ہو جاتی۔ نہ کوئی شخص کسی کو بیٹا بنالے تو وہ بیٹا ہو سکتا ہے۔ لہذا زینبؓ زید کی ماں نہیں ہو سکتی، نہ زید آج سے زید بن محمد رہے گا بلکہ زید بن حارثہ کہلائے گا اور مسلمانوں کا اور رسول کا مولا یعنی رفیق اور بھائی کہا جائے گا۔ البتہ رسول کی بیویاں تمہاری ماؤں کا درجہ رکھتی ہیں یعنی وہ بدستور ماں کہلائیں گی۔

<u>احزاب ۵ ع خاتم یا مصدق النبیین</u>: اے مصدق النبیین تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ زیدؓ کو سمجھایا کہ اللہ اور رسول کا یہ انعام ہے کہ تیری زینب سے شادی ہوئی اور تجھ پر نعمت یہ ہے کہ تو اسے خوش رکھ اور مضبوط پکڑے رہے

طلاق نہ دے لیکن تیرے دل میں یہ بات تھی کہ اگر زید طلاق دے دے گا تو اس سے میں نکاح کرلوں گا، لیکن چونکہ یہ بات جاہلیہ کے رسم و رواج کے مطابق بہت ہی ناپسندیدہ تھی۔ لہٰذا اے مصدق الرسل لے خاتم النبیین! تجھے اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا یا شرمانا نہیں چاہیئے تھا۔ رسول کا یہی کام ہے کہ صاف صاف احکام لوگوں تک پہنچائے اور کہدے کہ میں کسی مرد کا باپ نہیں ہوں (یعنی زید کا باپ نہیں ہوں) اور میں نبیوں کا مصدق یا مہر (خاتم النبیین) ہوں۔ (میں) ہر اس حکم کو جو قدیم نبیوں کے ذریعے سے بھیجا گیا ہے لوگوں کو پہنچاؤں گا اور اس میں نہ شرماؤں گا اسی لئے میں زید کی مطلقہ سے قدیم قوانین الٰہیہ کے مطابق نکاح کرلوں گا اور دونوں رسوم جاہلیہ کا خدا کے حکم سے خاتمہ کر دوں گا تاکہ قدیم احکام الٰہیہ زندہ ہوں اور مراسم جاہلیہ فنا ہو جائیں۔ میں مصدق مرسل قدیم ہوں) میں رسولِ عربی ہوں اور عرب میں اس اسلام کو جاری کرنا چاہتا ہوں جو پہلے کل عالم میں آچکا۔

بی بی زینب سے نکاح "اس کے بعد زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور خدا کے حکم سے آپ نے اس سے اس سے نکاح کرلیا تاکہ مومنوں پر اپنے متبنی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی مانع (حرج) نہ رہے

یہی دستور پہلے بھی تھا: یہ اللہ کا حکم ہے۔ یہی گذرے ہوئے مومنوں میں سنت اللہ رہی ہے۔ اس حکم کے پہنچانے میں اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا چاہیئے۔"

خاتم النبیین: اس جملہ پر، اور خود واقعہ زید پر بیسوں بے سروپا باتیں، قرآن کو سیاق عبارت سے الگ کرکے پیدا کردی گئی ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت خدا کے حکم سے غلط رسوم جاہلیہ کو مٹانا چاہتے تھے اسی لئے آپ کو تنبیہ کی گئی کہ تم خاتم النبیین یعنی قدیم نبیوں کے لائے ہوئے احکام کے "مصدق" ہو تم کو چاہیئے کہ قدیم قوانین الٰہیہ پر عمل کرنے اور بیان کرنے میں نہ شرماؤ۔

اب زید بن محمد، زید بن حارثہ بن گئے لیکن اُن کی اور ان کے بیٹے کی عزت و بزرگی میں آنحضرت نے کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ عدوان کو بہت سے سرایا کا سردار بنا کے بھیجا اور وفات سے چند دن پہلے نوجوان اسامہ کو لیسے مہاجروں اور انصار کا سردار بنایا جن میں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ بھی تھے۔

نوٹ: خاتم سیاق عبارت سے الگ کرکے قرآن کے بعض الفاظ کے جو معنی پہنائے گئے اور پھر اُن کے اوپر ایک دیوار تعمیر کردی گئی، اس کی ایک مثال ختم اور خاتم ہے۔ قرآن میں کئی جگہ ختم اور طبع کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ طبع اور ختم دونوں کے بنیادی لغوی معنی مہر کرنے کے ہیں جس طرح کسی دستاویز پر مہر کی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ جس نے یہ مہر کی ہے وہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ قدیم زمانے میں ہر خط اور دستاویز پر

لکھنے والے کی مہر کی ضرورت ہوتی تھی۔ دستخط کے ساتھ مہر کا طریقہ اب بھی جاری ہے۔ اس طرح ختم کے معنی بآخر رسانیدن وتمام گردانیدن کے بھی ہیں۔ یعنی جو باتیں اس خط یا دستاویز میں لکھی گئی ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی چیز بعد میں بڑھائی جائے اور اس پر کاتب کی مہر نہ ہو تو وہ فرضی یا جعلی سمجھی جائے گی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خاتم کے معنی مصدق یا تصدیق کرنے والے کے ہیں۔ اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ کاتب اب دوسرا خط نہ لکھے گا۔

"ختم" سے عربی زبان میں بہت سے محاورے بھی بن گئے ہیں مختلف صلوں کے ساتھ اور مختلف ابواب میں محاورات کی چند مثالیں یہ ہیں :-

(۱) ختم علی قلبہ : دل پر مہر کر دی گئی یعنی دل کو پتھر بنا دیا گیا یا سخت کر دیا گیا۔

(۲) ختم لہ اللہ بالخیر = خدا نے اس کا خاتمہ یا انجام بخیر کیا

(۳) اِختتم (ضد افتتح) کسی چیز کو پورا کرنا یا بند کرنا

(۴) اَختم = تمام کیا

(۵) تختّم = اپنی انگلی میں انگوٹھی پہننا

(۶) تختم ب = کسی چیز کو پوشیدہ کرنا

(۷) خاتمہ = نہایت۔ آخر۔ تکمیل۔ نتیجہ

(۸) ختام : نہایت۔ آخر۔ مہر (ختامہ مسک)

(۹) خاتم : انگوٹھی مہر کرنے کی۔ مہر۔ انگوٹھی (حلی للاصبع) ما یختم بہ یعنی وہ انگوٹھی جس سے مہر کی جائے۔ اور جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تصدیق کی جائے۔

بہر حال خاتم النبیین کے کھلے ہوئے معنی ہیں کہ آنحضرت گذشتہ نبیوں کے اور ان کے لائے ہوئے احکام الٰہیہ کے مصدق تھے۔ آپ نے ان احکام کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ ان پر عمل کر کے دکھایا۔ حضرت ابراہیم کے زمانے میں اونٹ کا گوشت حلال تھا۔ آپ نے اس کی تصدیق کی اور یہودیوں سے کہا تم جھوٹے ہو جو اسے حرام سمجھتے ہو اسی طرح قدیم نبیوں کے زمانے میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ سے خسر کا نکاح جائز تھا آپ نے اس کی بھی تصدیق کی کہ یہ جائز ہے اور کر کے دکھا دیا تاکہ یہ رسم قائم ہو جائے۔ اسی طرح آپ نے خود صلح حدیبیہ کے وقت نحر اور حلق کر کے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ سر منڈائیں اور قربانی کریں۔

رہا یہ سوال کہ آپ نے نبوت کا خاتمہ کر دیا یا خدا نے نبوت کا خاتمہ کر دیا کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہ آئے

یا اس جملے سے ثابت نہیں۔ سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ آپ احکام انبیائے قدیم کی تصدیق کر رہے تھے یہ نہیں کر رہے تھے کہ یہ اعلان کریں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ پھر یہ زمانہ اتنی پریشانی کا تھا کہ اس وقت اس اعلان کی ضرورت نہ تھی کہ نبوت ختم کی جاتی ہے اور کوئی نبی اب نہ آئے گا۔ اگر اس طرح کے اعلان کی ضرورت تھی تو اس کا زمانہ بعد فتح مکہ ہو سکتا ہے یا وہ زمانہ ہو سکتا ہے جب آپؐ نے حجۃ الوداع میں خطبۂ حج فرمایا۔ یاد رہے کہ ابھی صلح حدیبیہ بھی نہیں ہوئی تھی اور اندرونی معاشرت اور بیرونی سیاست سخت ابتلا کے دور سے گذر رہی تھی لہذا اس وقت نبوت کو ختم کرنے کا سوال اٹھانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کہنا صرف یہ تھا کہ زید کی بیوی سے نکاح کر کے میں قدیم نبیوں کے دین کو زندہ کر رہا ہوں اور اس پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہوں لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ أُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ (یاسین)

اگر کوئی یہ پوچھے کہ اب کوئی نبی آئے گا یا نہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ اگر چاہے تو نبی بھیجے اور چاہے تو نہ بھیجے البتہ اگر کوئی نبی آئے تو اسے بتانا ہوگا کہ وہ کونسا نیا خدائی پیغام لایا ہے۔

مسلمان کہتے ہیں کہ کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی البتہ مصلح اور مجدد آسکتے ہیں جو دین قدیم یا اسلام کی تجدید کر سکتے ہیں۔ یہود کہتے ہیں کہ ایک مسیح آنے والا ہے۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ مسیح آچکا اور خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھا ہے اب دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں وہ ہمارے ساتھ موجود ہے۔ البتہ آریوں کا تصور باقی ہے کہ جب دین کی حالت خراب ہوتی ہے تو خدا خود اوتار لے کر زمین پر آجاتا ہے بہرحال مجدد آئیں گے نیا پیام نہ آئے گا۔

البقرہ ۲۸ع: عورتوں کے حقوق اور مسئلے اور بیہودہ طلاق

عام السوال میں جن مسئلوں کا آنحضرتؐ نے قرآنی جواب دیا ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی سوشل اور اخلاقی حالت کیا تھی مثلاً حالت حیض میں عورتوں سے قربت درست نہیں۔ لغو قسم کی قسمیں کھانا درست نہیں (جیسے کسی کی مالی امداد نہ کرنے یا لوگوں میں مصالحت نہ کرانے کی قسم کھانا) اسی طرح اپنی بیوی سے چار مہینے تک الگ رہنے (ایلاء) کی قسم کھانا درست نہیں۔ ان قسموں کو توڑ ڈالنا چاہیئے اور جرمانہ (کفارہ) دینا چاہیئے۔ لیکن ایلاء کی قسم کھانے والے کو یاد رکھنا چاہیئے کہ چار مہینے سے زیادہ بیوی سے کنارہ کشی کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ آزاد (مطلقہ) ہو جائے گی اور تین حیض گذرنے کے بعد جب یہ ظاہر ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے تو وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے لیکن مرد و زن مصالحت چاہیں تو بہتر یہی ہے کہ جلد سے جلد ایلائی طلاق دینے والا شوہر بیوی سے رجوع کر لے۔ یاد رہے کہ دستور کے مطابق عورتوں کا مردوں پر وہی حق ہے جو مردوں کا عورتوں پر ہے۔ اگرچہ مردوں کو عام حالات میں عورتوں پر فضیلت ہے لیکن ایلاء کے سلسلے میں مرد کی اپنی لغویت کی سزا اسے جرمانہ ملنا چاہیئے تاکہ وہ پھر

بیوی کے معاملہ میں لغو قسم نہ کھائے)

(نوٹ:۔ ایلار کا کوئی تعلق آنحضرت کی اُس خفگی سے نہیں جو بعض دوسرے وجوہ سے آنحضرت نے کی تھی)

البقرہ ۲۹ع جرآنہ کہ حلالہ ہزار ہا سال سے مرد نے عورت کو غلام سے بھی بدتر بنا رکھا تھا لیکن حقیقی اسلام یا خدابندگی یہ نہیں تھی کہ کمزوروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر جسمانی طاقت رکھنے والا مرد ہمیشہ کے لئے انسانوں کی آدھی آبادی کو پست، ذلیل اور کھلونا بنا کر چھوڑ دے۔ آنحضرت نے طلاق ظہار کو ختم کیا۔ ایلار کی قسم کی سزا مرد کو دی اور اس رکوع میں یہ بتایا کہ اگر مرد اتنا ذلیل ہے کہ عورت سے روپیہ لیکر اسے طلاق (خلع) دیتا ہے تو اُسے حق حاصل نہیں کہ اُسے معلق رکھے یا پھر اُس سے نکاح کرے۔ ظاہر ہے کہ جو عورت اپنے پاجی شوہر سے انتہائی طور پر تنگ آچکی ہوگی وہی خلع طلب کرے گی۔ یعنی اپنے شوہر کی دی ہوئی دولت واپس کر کے اُس سے پیچھا چھڑائے گی۔ اس طرح کی طلاق کے بعد کسی مرد کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ طلاق ایلار کی طرح رجوع کر سکے وہ عورت اس پر حرام ہوگئی (اُسے حلالہ کہنا چاہیئے۔)

طلاق بائن کے بعد رجعت لیکن اگر عورت نے روپیہ دے کر خلاصی (خلع) نہیں حاصل کی بلکہ کسی اور وجہ سے مرد نے طلاق دے دی تو طلاق ایلائی کی طرح طلاق بائن کے بعد بھی مصالحت کرلی جائے تو نہایت مناسب ہے یہ بات اللہ کے نزدیک انکی واطہر ہے۔

ہاں اگر طلاق خلعی کے بعد عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے کے بعد پھر مطلقہ یا آزاد ہو جائے تو عورت کو اختیار ہے کہ اپنے قدیم پاجی شوہر سے مصالحت کرلے اور نکاح کرلے۔ اسی طرح رضاعت کے معاملے میں بھی عورت کے حقوق مرد پر ہیں (دیکھئے آگے بقرہ ع ۳۰)

ازواج نبوی کی پورش اس زمانے میں ازواج نبوی نے خواہش کی کہ ان کا نفقہ بڑھا دیا جائے لیکن مصارف جنگ کہاں مہلت دیتے تھے کہ ازواج کی خواہشات کو پورا کیا جائے اور ذاتی راحتوں کو انسانی مفاد پر ترجیح دی جائے۔ قرآن نے بیویوں کو مخاطب کر کے کہا۔

سورہ احزاب ۴ع رسول کے یہاں تکلیف اٹھا کر رہنا ہو تو رہو ورنہ تمہیں اچھی طرح خوش دلی سے رخصت کر دیا جائے گا۔ تم عام عورتوں کی طرح نہیں کہ ماری ماری پھرو تمہیں چاہیئے کہ وقار کے ساتھ گھروں میں بیٹھو اور کلام اللہ اور حکمت کو یاد کرو۔

قتل سلام بن ابی حقیق یہودی جلاوطن قبیلہ بنی نضیر کا ایک سردار سلام تھا۔ اُس نے

غزوۂ خندق کی آگ لگائی تھی اور وہ خیبر کے قلعوں میں محفوظ تھا۔ پانچ خزرجی قرضخواہ بن کر گئے اور اُسے ساتوں رات قتل کرکے فرار ہو گئے۔

حوالی مدینہ کے قبائل کی سرکوبی

اس سال یہ ضروری تھا کہ جو قبائل دشمن سے ساتھی ان پر مدینہ کی حکومت کا وقار قائم کر دیا جائے اس لئے اطراف مدینہ میں بہت سی مہمیں روانہ کی گئیں۔ بعض میں آنحضرت خود تشریف لے گئے۔ ان مہموں میں خاص بات یہ رہی کہ باوجودیکہ حضرت زیدؓ اب زید بن محمدؐ کی جگہ زید بن حارثہ ہو گئے تھے لیکن ان کو بار بار مختلف سریوں کا سردار بنایا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک سال کے اندر چھ سریوں کے وہ سردار بنائے گئے۔ بقیہ سرایا میں محمدؐ بن مسلمہ دو مرتبہ اور عکاشہؓ۔ ابوعبیدہؓ بن الجراح، عبدالرحمان بن عوف، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ اور کرز بن جابر ایک ایک دفعہ بھیجے گئے۔ اس بات سے حضرت زیدؓ مولیٰ اور سابق محمدؐ کی بزرگی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

آیت بمعنی نشان شناخت ابن ہشام ج ۲۔ ص ۳۹۹ میں لفظ آیت کا استعمال سریہ حسمی کے سلسلے میں کرتا ہے۔ یہاں وہی معنی صاف ظاہر ہیں جو عرب اور ایشیا کے دوسرے ملکوں میں رائج تھے یعنی ایسا نشان یا علامت جو بجائے مہری خط کے استعمال ہو سکے اور جسے دیکھ کر زیدؓ بن حارثہ یہ یقین کر لیں کہ حضرت علیؓ کو آنحضرت نے بھیجا ہے۔ حضرت علی کو زید کے لئے آپ نے تلوار بطور آیت کے دی تھی۔ اسی طرح فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ کو واپس لانے کے لئے آپ نے اپنی پگڑی بطور آیۃ کے دی تھی تاکہ وہ سمجھ جائیں کہ واقعی یہ فرستادہ رسول اللہ ہیں۔

صحف ابراہیم و صحف موسیٰ وآل ابراہیم وآل عمران کے قوانین باوجودیکہ بنو عمران یعنی یہودیوں کے دو قبیلے مدینہ سے جلاوطن کر دئے گئے تھے اور بنو قریظہ کا قطعی استیصال کر دیا گیا تھا لیکن اطراف مدینہ اور خصوصاً خیبر میں بیٹھ کر یہودی اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہیں آتے تھے۔ قرآن میں اُن کے متعلق جو کچھ نازل ہوتا رہا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصدق النبیین یہ چاہتے تھے کہ جملہ اہل کتاب اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ دنیا میں سب نبیوں کا پیغام ایک ہی تھا اور سچائی کسی ایک قوم (مثل یہود یا مجوس) تک محدود نہیں بلکہ عالمگیر ہے تو سب ایک کلمہ متخذہ بنالیں اللہ سب کا اللہ ہے اور کوئی قوم نہ اپنا مخصوص خدا رکھتی ہے نہ وہ نسلی طور پر خدا کی چہیتی ہے نہ وہ اپنے نبیوں

مصلحوں اور فرشتوں کو دیوتا قرار دے سکتی ہے۔ یہ سب اس آقا و رب کے بندے اور غلام ہیں جس نے سب کو پیدا کیا ہے اس سلسلہ میں آل عمران کے مندرجہ ذیل رکوع دیکھئے۔ اور نوٹ کر لیجئے کہ سورہ بنو اسرائیل (آل اسحاق) اور آل عمران (آل موسیٰ بن عمران) دونوں یہودیوں سے متعلق چند بنیادی باتیں بتائی ہیں۔ بنو اسرائیل (آل اسحاق) وہ قوم ہے جو مصری غلامی میں رہتی تھی اور ان کا دین اس وقت تک دین ابراہیمی تھا، توراۃ نازل نہیں ہوئی تھی۔ سورہ آل عمران، اس قوم کے لئے ہے جو موسیٰ بن عمران سے قوم موسیٰ بنی جن کے عہد میں توراۃ نازل ہوئی تھی اس لئے اس سورہ میں یہ کہا گیا ہے کہ توراۃ سے پہلے جو قوانین تھے وہ توراۃ میں بھی ہیں وہ صحف ابراہیم میں تھے لیکن یہود اس حق بات کو اپنے باطل سے چھپاتے ہیں

آل عمران ۸ع: بعض یہودی احکام ابراہیم و موسیٰ کو چھپاتے ہیں اور صرف متشابہات کو مانتے ہیں

ان کے ربانی، ملائکہ اور نبیوں کو رب مانتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں اور خدا کی بندگی، جو حقیقی دین اور اصلی اسلام ہے، یہی دین ابراہیم ہے۔ اکثر یہودی اس سے روکتے ہیں بلکہ خدا پرستی کی جو تعلیم آنحضرت دیتے ہیں اس کو بھی غلط بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صبح کو قرآن پر ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ اور سوائے متشابہات کے یعنی جو باتیں قانون یہود کے مطابق ہیں اور باتوں کو نہ مانو۔ وہ زبان اٹھلا کر اس طرح بولتے ہیں گویا یہ عبارت توراۃ کی ہے۔ حالانکہ وہ عبارت توراۃ کی نہیں ہوتی لیکن ان میں سب ایسے نہیں ہیں کہ بے ایمان ہوں ان میں بڑے امین اور دیانت دار یہودی بھی ہیں۔

آل عمران ۹ع: عہد نامہ عتیق کیا تھا؟

عہد عتیق یہی تھا کہ اللہ کی بندگی کے علاوہ کسی دوسرے کی بندگی نہ کریں گے اور جو شخص یہ تعلیم دے گا اُسے نبی مانیں گے یہی اسلام (دین ابراہیم یا عہد عتیق) ہے اسی اطاعت الٰہی کی تعلیم ہر نبی دیتا آیا ہے اس میں سب نبی برابر ہیں (لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ) اس کے سوا کوئی دین قابل قبول نہیں (وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ)

آل عمران ۱۰ع: بہترین عمل انفاق ہے

توراۃ سے پہلے دین ابراہیم میں کوئی غذا حرام نہ تھی لیکن یہود نے توراۃ نازل ہونے سے پہلے چند قسم کے گوشت اپنے اوپر حرام کر لئے تھے۔ حالانکہ اصل حرام حلال کا تعلق تو اچھے برے اعمال سے ہے بہترین عمل

غریبوں کو کھلانا ہے اور بدترین عمل کنجوسی اور سود خوری ہے۔ یہ بنو اسرائیل خدا سے نیک عملی اور خدا پرستی کا عہد کر کے اُن سے پھر گئے ہیں اور دین ابراہیم اور صحف یا احکام ابراہیمی کے منکر ہو گئے ہیں

آل عمران ۱۱ع: اللہ کی رسی

لہٰذا اے انصار تم اللہ کی رسی یعنی اسلام کو مضبوط پکڑو اور یہود کے ورغلانے سے اس دین کو نہ چھوڑو۔ کل نبیوں نے یہی پیام دیا ہے میں بھی یہی کہتا ہوں۔ اِسی اسلام کی بدولت تمہارا نفاق مٹا اور تم یہود پر غالب آ گئے۔

نصاریٰ کے پاس وفد عبدالرحمان بن عوف

شعبان سنہ ۶ھ میں عبدالرحمان بن عوف کو دومۃ الجندل کے نصرانی رئیس کے پاس روانہ کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اگر نصاریٰ اطاعت کر لیں تو ان کی لڑکی سے شادی کر لینا۔ ابن عوف نے انھیں تین دن تک اسلام کے اصول سمجھائے۔ آخر اُن کا بادشاہ اور بہت سے نصرانی مسلمان ہو گئے اور سردار کی لڑکی تماضر سے عبدالرحمان نے نکاح کر لیا۔ یہ ابو سلمہؓ کی ماں تھیں۔

بغیر حلالے کے بی بی زینب کی واپسی شوہر کو

سنہ ۲ھ میں حضرت زینب بنت رسول اللہ کو ابوالعاص نے طلاق دے کر مدینہ بھیج دیا تھا۔ اب سنہ ۶ھ میں وہ دوبارہ گرفتار ہو گیا۔ آخر حضرت زینب نے اس کی سفارش کی۔ رسول اللہؐ نے اس کا مال واپس کرا دیا۔ وہ غیور آدمی تھا۔ مکہ جا کر سب کا مال ادا کیا۔ اور کہا لو اب میں مسلمان ہو کر مدینہ جاتا ہوں۔ میں مدینہ میں اسلئے مسلمان نہیں ہوا تھا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھو کہ مال مارنے کی نیت سے مسلمان ہو گیا ہے۔ وہ علانیہ مدینہ آ گیا اور آنحضرت نے کئی سال بعد حضرت زینب کو بغیر دوسرے نکاح یا حلالے کے حضرت ابوالعاصؓ کے ساتھ رہنے کی اجازت دیدی۔ اس سے پہلے یہ حکم قرآن میں آ چکا تھا کہ اگر کوئی شوہر بیوی سے مال لے کر اس کے خلع طلب کرنے پر طلاق دے دے تو وہ اس عورت سے رجوع اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ اس عورت کا نکاح دوسرے شخص سے نہ ہو اور وہ طلاق نہ دیدے۔ لیکن چونکہ یہ طلاق خلع نہ تھی یعنی ابوالعاص نے بیوی سے روپیہ لے کر طلاق نہیں دی تھی اس لئے رجعت بقول قرآن "ازکیٰ و اطہر" تھی۔

سورہ بقرہ ۳۰ع حکم رجعت کی تشریح مزید

جس عورت کو طلاق دی جا چکی ہو اور وہ اپنی عدت بھی پوری کر چکی ہو تو وہ پھر اپنے پہلے شوہر سے

نکاح کر سکتی ہے۔ یہ بات انکی واطہر ہے دلبشرطیکہ عورت اور مرد دونوں مصالحت سے رہیں اور عورت مرد دونوں کی خواہش ہو کہ رجعت کرنا بہتر ہے ،لیکن خلع کی صورت میں رجعت نہیں ہو سکتی -

صلاۃ وسطیٰ لبقرہ: ۱۳ع

طلاق کے بعد بیوہ کو حسب دستور نفقہ ملنا چاہیئے - یہ ہر مسلمان کے لئے صلاۃ وسطیٰ ہے یعنی عادلانہ فرض یا انصاف کی بات ہے جو غیر معمولی حالات میں دمثل جنگ یا مفلسی کے، ترک کیا جا سکتا ہے یا ترمیم ہو سکتی ہے جس طرح جنگ کی حالت میں نماز کے احکام میں ترمیم ہوتی ہے (وسطیٰ بمعنی انصاف یا بیچ کی راہ - اور صلاۃ بمعنی فرض)

مائدہ آیات ۳۴-۳۳ محاربین کی سزائے عبرتناک

اللہ اور رسول سے جو لوگ لڑیں گے اور ملک میں فساد کی کوشش کریں گے ان کو قتل، سولی، قطع دست و پا کی سزا دی جا سکتی ہے - البتہ جو مغلوب ہونے سے پہلے اس سے باز آجائیں گے تو انھیں اللہ معاف کر دے گا "

اس دور کے آخر میں مندرجہ بالا پیغام کفار اور یہود کے لئے دیا گیا تھا اور آئندہ معلوم ہوگا کہ اس خوفناک پیغام نے مشرکین مکہ پر کیا اثر ڈالا -

نویں فصل: محسن المفتوحین

ذی قعدہ ۶ھ تا ذی الحجہ ۸ھ
فروری ۶۲۸ء تا مارچ ۶۳۰ء

دولت کتابیہ کا عربی پروگرام، بیعت رضوان سے فتح مکہ تک

فتح حدیبیہ کا دن وہ مبارک دن ہے
جس دن مسلمانوں کی جماعت نے سرفروشی کا پیمان وفا باندھا
ان کے خوف سے خیبر کے یہودی اور مکہ کے مشرک کانپ اٹھے
عرب کے مرکز والوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔
کل عرب خود بخود نبی الرحمہ کا مطیع بن گیا
امن و محبت کے پیامبر نے مکہ کو پُرامن طریقہ پر فتح کرلیا
اور صرف سال میں چار مہینے نہیں بلکہ سال بھر کے لئے یہ حکم دیدیا
کہ خون بہانا حرام ہے، لوٹنا، چوری کرنا، دکھ دینا حرام ہے
پھر فرمایا۔ مکہ والو! آزادی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے
آج تم سب آزاد ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ عفو و محبت ہی شجاعت ہے۔
اور شجاعت و فیاضی اصل عدالت و ایمان ہے!!

باغ را مژدہ بہار آمد — نکہت نافہ تتار آمد
ہر طرف بانگ بلبلاں برخاست — مرغ در مرغزار زار آمد
مرغ شد پائے قمری از گل سرخ — زاغ را در دو دیدہ خار آمد

(وصالی خراسانی)

بیعت رضوان ہی فتح مبین ہے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ
لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ
عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ، وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا . . . . (سورۃ الفتح)

قول سہیل بن عمرو بیعت رضوان سے پہلے : واللہ ہم نہیں جانتے کہ رحمان کون ہے ؟ (بخاری الشروط فی الجہاد)

فَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ؟ (الفرقان)
جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمان کون ہے ؟ (مکہ میں)

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (الانبیاء)
وہ قریش ، رحمان کے ذکر سے انکار کرتے ہیں (قرآن مکیہ)

مسلمانو جو عہد کرو اسے وفا کرو
اور مجالس شوریٰ کے راز افشا نہ کرو

الوعدۃ دین
والمجالس بالامانۃ (الحدیث)

وعدہ بر صاحب کرم قرض ست
راز ہر مجلسے امانت تست

فرض باشد ادائے آں کردن
زانکہ افشائے آں خیانت تست (جامی)

تقویم دور نبوی	محرم	صفر ۱	صفر ۲	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ
سنہ ۶ھ عام السوال	*	*	*	*	*	*	*	*	*	*	*	شنبہ ۱۳ فروری ۶۲۸	یکشنبہ ۱۳ مارچ ۶۲۸
سنہ ۷ھ عام المساوات	۱۲ اپریل ۶۲۸		چارشنبہ ۱۱ مئی ۶۲۸	جمعہ ۱۰ جون ۶۲۸	شنبہ ۹ جولائی ۶۲۸	دوشنبہ ۸ اگست ۶۲۸	سہ شنبہ ۶ ستمبر ۶۲۸	پنجشنبہ ۶ اکتوبر ۶۲۸	جمعہ ۴ نومبر ۶۲۸	یکشنبہ ۴ دسمبر ۶۲۸	دوشنبہ ۲ جنوری ۶۲۹	چارشنبہ ۱ فروری ۶۲۹	جمعرات ۲ مارچ ۶۲۹
شنہ ۸ھ عام الفتح ج مخلوط	یکم اپریل ۶۲۹	دوشنبہ یکم مئی ۶۲۹	چارشنبہ ۳۱ مئی ۶۲۹	جمعرات ۲۹ جون ۶۲۹	شنبہ ۲۹ جولائی ۶۲۹	دوشنبہ ۲۷ اگست ۶۲۹	سہ شنبہ ۲۶ ستمبر ۶۲۹	چارشنبہ ۲۵ اکتوبر ۶۲۹	جمعہ ۲۴ نومبر ۶۲۹	شنبہ ۲۳ دسمبر ۶۲۹	دوشنبہ ۲۲ جنوری ۶۳۰	سہ شنبہ ۲۰ فروری ۶۳۰	پنجشنبہ ۲ مارچ ۶۲۹

محسن المفتوحین

تمہید

ہجرت کا چھٹا سال ختم ہونے والا ہے۔ مسیحی سال ۶۲۸ء کی ابتدا ہو چکی ہے اور کل دنیا میں نوروز، ہولی، ایسٹر اور عید کی تیاری کا زمانہ آگیا ہے۔ ایران ہو یا ہند، فلسطین ہو یا عرب، ہر جگہ ان میلوں میں ایک ہی دعا مانگی جاتی ہے کہ خدایا اہرمن کی شرارتوں سے بچا اور ظلمت سے نکال۔ خدائی فضل اور عدل و رحم سے اس دنیا کو جگمگا دے۔ یزداں کا نام اس دنیا میں بھی اسی طرح بلند ہو جائے جس طرح آسمان پر ہے۔ کوئی ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے نام پر امن و رحمت کا متلاشی تھا۔ کوئی رام اور کرشن کے نام پر حق، رحم اور شفقت کا طلبگار تھا۔ کوئی زرداشت اور مانی کے ذریعہ دنیا کی اہرمنی ظلمت سے دور رکھنے کا خواہش مند تھا اور کوئی یحییٰ و عیسیٰؑ کے نام پر غلاموں پر رحم کرنے اور عام رواداری پھیلانے کی آرزو رکھتا تھا مگر یہ سب اپنے اپنے بزرگوں اور خداؤں کو صرف اپنی قوم کے لئے محدود رکھتے تھے۔ کوئی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ ہر سچا دین صرف ایک تعلیم دیتا ہے کہ اللہ کو مانو، معروف پر کاربند ہو کر منکر سے بچو اور دنیا کو اتحاد و اتفاق سے جنت بنا دو۔ تاریخی دور انسانیت میں ہمیں بہت کم لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول عربی صلعم کی طرح امن و اتحاد اور ترقی کی آواز بلند کی ہو اور صرف آواز ہی بلند نہ کی ہو بلکہ اس کو عملی جامہ پہنا کر دکھایا ہو۔

جس طرح رسول اللہ الی العالمین نے مکہ میں یہ خواب دیکھا تھا کہ مکہ اور بیت المقدس دونوں دارالسلام اور ایک ہی اللہ کے گھر بیت اللہ ہیں اور کتابیوں کو ایک ہو کر دنیا بھر میں خدا پرستی پھیلانا چاہیئے۔ ویسے ہی اب آپ نے مدینہ میں یہ خواب دیکھا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان دارالسلام عتیق یا مسجد ابراہیمی کعبہ میں جا کر پرانے طریقہ پر بیت اللہ کا طواف کریں اور طواف کے بعد مسجد اقصیٰ کا رخ کریں اور دونوں خدا خانوں کو ایک مقصد پر جمع کر دیں یعنی اہرمنا پرستی کو مٹا کر یزداں پرستی رائج کر دیں۔ لہٰذا جب مہاجروں نے آپ کا یہ خیال معلوم کیا کہ آپ وطن کی طرف جانے کی خواہش رکھتے ہیں تو کثرت سے لوگ جمع ہو گئے اور دل و جان سے اس سفر پر آمادہ ہو گئے۔

مکہ کو پرامن روانگی ذی قعدہ سنہ ۶ھ

مدینہ پر پورے عرب کے حملے یعنی احزاب کے واقعہ کو ایک سال گذر چکا تھا۔ ذی قعدہ سنہ ۵ھ سے ذیقعدہ سنہ ۶ھ

تک مدینہ کی حکومت نے اطراف مدینہ کے قبائل پر اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا اور سرکش یہودیوں کو خارج اور باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا۔ اب جناب محسن المغفورین نے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا کہ مکہ چلنا چاہیئے اور اس نیت سے چلنا چاہیئے کہ زیارت بیت اللہ کریں اور پورے طور پر ان قوانین امن و حرمت پر عمل کریں جو اس موسم میں ذیقعدہ سے محرم تک جاری رہتے تھے۔ اس اعلان سے یہ بھی منشائے نبوی تھا کہ جو لوگ ساتھ چلیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ حملے کی نیت ہے۔ اس لئے کہ ہمیشہ اس موسم کے قریب قریش کے تجارتی قافلوں کی واپسی ہوتی تھی اور مسلمان یہ خیال کر سکتے تھے کہ حسب دستور توریہ کیا جا رہا ہے۔ ورنہ مقصد جنگ ہے۔

اس کے علاوہ زیارت بیت اللہ (یا عمرہ) کی نیت سے قریش پر بھی یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہماری نیت جنگ و جدال کی نہیں ہے اور اب ہم علانیہ مکہ کی طرف آئیں گے اور بہ امن طریقہ پر خدا کی عبودیت کا اعلان کر کے واپس چلے آئیں گے

اس اعلان کے ساتھ ماہ حرام ذی قعدہ سنہ ۶ ھ کی پہلی تاریخ یعنی ۱۳ رفروری سنہ ۶۲۸ء کو سولہ سو مسلمانوں کے ساتھ آپ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اس پر امن جماعت کی شان یہ تھی کہ صرف تلواریں ساتھ لی گئی تھیں۔ وہ بھی مدافعت کے لئے۔ ستر اونٹ قربانی کے ساتھ تھے۔ بیس سوار آگے آگے تھے اور آپ احرام باندھ کر بآواز بلند یہ تکبیر کہتے ہوئے چل رہے تھے۔

لبیك اللهم لبیك - لبیك لا شریك لك لبیك

ان الحمد والنعمة لك و الملك لا شریك لك

خدایا ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ حمد، نعمت اور بادشاہی تجھی کو زیب دیتی ہے۔ گویا کہ زبان قال سے آپ تلبیہ اور بزبان حال سے سورۃ الحمد پڑھ رہے تھے اور خدا کی وحدانیت اور اس کی عالمگیر شہنشاہیت کا اعلان کر کے غیر اللہ کی پرستش اور بندگی سے نفرت دلا رہے تھے۔

مکہ والے مدینہ کے مسلمانوں پر تین زبردست حملے کر چکے تھے۔ گذشتہ سال اسی مہینے میں احزاب کو جنود اللہ نے بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ کیسے یقین کر سکتے تھے کہ آنحضرت بہ امن عمرہ کے لئے آ رہے ہیں۔ انھوں نے آپکو روکنے کی تیاری شروع کر دی۔ بُسر خزاعی نے جو آنحضرت کا سسرالی رشتہ دار تھا ———— اور خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا تھا آپ کو آ کر خبر دی کہ خالد یا عکرمہ کی سرداری میں دو سو سوار حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں اور قریش و احابیش (مخلوط النسل قبیلے) ان کے پیچھے ہیں۔ رسول اللہؐ نے صف بندی کے

بعد صلوٰۃ خوف (جنگی نماز) پڑھی اور قریش کا راستہ چھوڑ کر دوسرے دشوار گزار راستہ سے مکہ کا رُخ کر دیا اور زمین حرم میں داخل ہو گئے۔ پھر مقام حدیبیہ پر جہاں ایک بڑا کنواں (بئر) ہے قیام فرمایا۔

ظاہر ہے کہ حرم مکہ سے اتنے قریب یعنی صرف نو میل کے فاصلہ پر قیام کرنے کے یہ معنی تھے کہ مسلمان لڑنا نہیں چاہتے نہ حرم کے اندر خونریزی کر سکتے ہیں۔ بدیل خزاعی نے مکہ والوں کی طرف سے آکر کہا کہ قریش نے احابیش کو تیار کر لیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر بھی بیت اللہ تک راستہ نہ دیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ہم لڑنے نہیں آئے اور اگر قریش لڑیں گے تو ہم کمزور نہیں ہیں۔ خزاعی آنحضرت کا سسرالی رشتہ دار تھا اس نے قریش کو خوب بڑھا چڑھا کے ڈرایا۔ مکرز نے بھی وہی پیغام قریش کو دیا اور وہی جواب پایا۔ پھر احابیش کا سردار حلیس بن علقمہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ قربانی کے اونٹوں کے گلوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں وہ دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ ان لوگوں کی نیت بخیر ہے۔ بغیر آنحضرت سے ملے واپس ہو گیا اور قریش سے کہنے لگا کہ وہ لوگ دین دار ہیں جنگ کے ارادے سے نہیں آئے۔ انھیں آنے دو۔ قریش نے اس سے کہا تو دیہاتی ہے تو ان باتوں کو کیا جانے! قریش کا آخری شخص عروہ ثقفی تھا۔ اس نے رسول اللہ کے ساتھیوں کی جاں نثاری اور ان کے عزم و ثبات کو دیکھا تو قریش سے جا کر کہا کہ واللہ وہ لوگ بیحد سخت ہیں بغیر عمرہ کئے واپس نہ جائیں گے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنو خزاعہ کی طرح بعض اور لوگوں کو بھی مکہ آنے سے پہلے آنحضرت نے ہموار کر لیا تھا۔

اب آنحضرت نے خود چند صحیح جو سفیر مکہ والوں کے پاس بھیجے کہ ہم پرامن طریقہ پر صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں لیکن جب حضرت عثمان غنیؓ کو ایک سفیر کی حیثیت سے بھیجا تو ان کے قبیلہ بنو امیہ والوں نے اندازہ کر لیا کہ سولہ سو آدمیوں کا روکنا آسان نہیں۔ ادھر کسی "دوست" نے یہ خبر اڑا دی کہ مکہ میں حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ واقعہ نگار اسے "شیطان" لکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی کسی بزرگ کی جنگی چال تھی تاکہ معلوم ہو سکے کہ سچا مسلمان کون ہے اور منافق کون ہے

مرنے کا معاہدہ یا بیعت رضوان

اس خبر وحشت اثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب محسن المظلومین ایک جھاڑی کے سایہ میں بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ پھیلائے کہ جو شخص بھی مرنے کا عہد باندھتا ہو اور جنت کے عوض اپنی جان بیچتا ہو وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر عہد کرے۔ یہ بیعت اللہ سے ہوگی اور رسول کا ہاتھ گویا اللہ کا ہاتھ ہوگا کہ براہ راست خدا سے عہد ہو رہا ہے۔ سولہ سو

آدمیوں نے جان دینے پر بیعت کر لی اور قریش کے جاسوسوں کے دل کانپنے لگے کہ ایک عثمان کے بدلے پورے مکہ کو سزا ملے گی

بیعت رضوان ہی فتح مبین ہے

جب قرآن میں سورۃ الفتح کا پہلا رکوع نازل ہوا تو اس میں بتایا گیا کہ مسلمانوں کی جماعت کا ایسا متحدہ محاذ آج تک نہیں بنا تھا۔ اُن میں شاید بعض منافق بھی تھے۔ کمزور دل والے بھی تھے۔ قریش کے ہمدرد بھی تھے اور بعض ایسے تھے جو اسلام کی انقلابی اسپرٹ سے ناآشنا تھے لیکن اب ایسی مرکزی پارٹی تیار ہو گئی ہے جو نہ صرف عرب میں بلکہ کُل دنیا میں انقلاب برپا کر سکے گی۔

قرآن نے کہا یہ کھلی ہوئی فتح ہے اور خدا اس کا یہ انعام دیتا ہے کہ اب تک رسول اللہ اور اُن کے ساتھیوں کی جو کچھ کوتاہیاں کفر کے مقابلہ میں ہوئی ہیں وہ سب معاف کی جاتی ہیں۔ کفر کے مقابلہ میں اب تم ہرگز لغزش نہ کرو گے اور اللہ تمہاری زبردست مدد کرے گا

سکینہ و جنود السماوات والارض

(دیکھئے احزاب ۲ع۔ اور توبہ ۱ع)

"اسی اللہ نے تمہارے دلوں پر سکینہ یا اطمینان اور زمین آسمان کی قوی دل بنانے والی فوجیں نازل کر دی ہیں" یعنی اب یہ مسلمان اتنے پکے مسلمان ہو گئے کہ انھیں کفر کی کوئی طاقت اپنی راہ سے نہیں ہٹا سکتی " اُن کا ایمان اور زیادہ قوی ہو گیا ہے اُنھوں نے محسن المفتوحین سے نہیں اللہ سے عہد کیا ہے کہ اللہ کا نام بلند کرنے اور شیطنت کے زیر کرنے کے لئے وہ اپنی جانیں بیچتے ہیں اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے"

قریش کی عاجزانہ درخواست صلح

جس طرح غزوہ حمراء الاسد کے ذریعے سید المجاہدین نے غزوہ اُحد کی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا تھا جس طرح قریش اور یہود میں احزاب کے موقع پر آپ نے یرغمال کی ترکیب سے پھوٹ ڈال دی تھی اور قریش کو پسپا ہونے پر مجبور کیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح قبیلہ خزاعہ میں اُم المومنین جویریہؓ سے نکاح کر کے آپؐ نے ہمنوا بنا لیا تھا اور جب اچانک آپؐ مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر سولہ سو آدمیوں کے ساتھ نمودار ہوئے تو اسی قبیلہ کے لوگوں نے قریش کو صلح پر مجبور کیا احابیش نے بھی بنو خزاعہ کی ہاں میں ہاں ملائی اور بیعت رضوان نے تو روئی میں چنگاری کا کام کیا۔ قریش کے دل ہل گئے اور اُنھوں نے سہیل بن عمرو کو شرائط صلح کے ساتھ محسن المفتوحینؐ کے پاس روانہ کیا۔ آنحضرتؐ تو

دل سے چاہتے تھے کہ کسی طرح قریش اپنی شرارتوں سے باز آجائیں یا کم از کم آپؐ انھیں معطل کر دیں۔ انھیں اپنے اللہ اور خود اپنے نفس پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ پورے عرب کو فتح کرلیں گے۔ بلکہ آپؐ نے مدینہ پہنچنے کے بعد پہلا پیغام ہی یہ دیا تھا: "اے قبائل قریش   تمہیں لڑائیوں نے کمزور کر دیا ہے اور تم میں سکت نہیں کہ تم کسی سے لڑ سکو، لیکن تم لڑنے پر تیار ہو۔ پہلے بھی تم پورے عرب کو جمع کرکے مٹھی بھر مسلمانوں سے نہ جیت سکے تو اب کیا بگاڑ سکو گے بہتر یہی ہے کہ مجھے اور عرب کو چھوڑ دو اور دیکھو کہ فتح کس کی ہوتی ہے۔ اگر میں جیت جاؤں تو یہ تمہارے لئے شرف کا باعث ہوگا۔ میں بھی قریشی ہوں اور پھر تم کو میرا ساتھ دینے میں کوئی بات مانع نہ ہوگی" یہی پیغام پہلے بھی کئی مرتبہ انھیں دیا جا چکا تھا۔

بہر حال سفیر نے کہا کہ ہمارے لئے بڑے شرم و عار کی بات ہوگی اگر آپ مکہ میں زبردستی داخل ہو کر عمرہ کریں۔ دوسرے قبائل ہم پر ہنسیں گے اس لئے اس سال آپ واپس تشریف لے جائیں۔ محسن المفتوحین نے اسے منظور کر لیا۔

پھر سہیل نے کہا کہ آئندہ سال آپ آئیں تو پُرامن طریقہ پر آئیں یعنی تلواریں سفری ہوں اور وہ بھی نیام میں ہوں اور تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ فرمائیں۔ آپؐ نے اسے بھی منظور کر لیا۔

سہیل نے پھر تجویز پیش کی کہ اگر کوئی قریشی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس چلا جائے تو اسے آپ واپس کر دیں گے اور جو مسلمان ہمارے پاس آجائے گا اور ہمارا ہمنوا بن جائے گا اُسے ہم واپس نہ کریں گے۔ محسن المفتوحینؐ نے اسے بھی منظور کر لیا۔ اس لئے کہ آپ تو اٹھارہ سال سے اسی آزادی کے لئے لڑ رہے تھے کہ کوئی شخص زبردستی فتنہ میں نہ ڈالا جائے یعنی کسی کو اپنی رائے یا دین بدلنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ لیکن قریش یہ سمجھتے تھے کہ کسی کو مجبور کرکے رائے بدلوانا اچھی بات ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ ایسا ظلم ہے جو مظلوم کو بغاوت کے لئے تیار کر دیتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالم تباہ و برباد ہو کے رہ جاتا ہے۔ انقلاباتِ عالم کی تاریخ دیکھ لیجئے ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ ظالم خود اپنے ظلم سے مظلوموں کو بغاوت پر تیار کرتا ہے اور جلد یا بدیر خود اسی آگ میں جل مرتا ہے۔

ظلم و عدل

یہ سال ۶۲۸ء مسیحی تھا اس وقت تک دنیا کی بیسیوں قومیں ظلم و عدوان کی وجہ سے تباہ ہو چکی تھیں۔ آنحضرتؐ سے زیادہ کون جانتا تھا کہ عاد و ثمود، قوم لوط و قوم فرعون، ساسانی و یونانی، فونیقی اور رومی سب یکے بعد دیگرے کس طرح اپنے ظلم کا شکار ہو چکے ہیں۔ غلامی، عورت کی ذلت، عدل کی کمی یا صرف یہ نظریہ کہ حکمراں جماعت کے لیے ایک قسم کا انصاف اور محکوم مجبور کے لئے دوسرے قسم کا

وہ جسد بے روح بن کر رہ گئی
انصاف یا قانون ہونا چاہیئے۔ ان سب باتوں نے مل جل کر قوموں کی جان نکال ڈالی تھی۔
حجاز یا عرب ہی ایک ایسا خطہ تھا جہاں اب تک بیرونی سامراجوں کا ہاتھ نہیں پہونچا تھا۔ لیکن یہ خطہ
مقیں۔ دوسرے خطے تھے
بھی قدامت پرستی، توہم، کہانت اور غلام سازی کا اسی طرح دلدادہ تھا جس طرح دنیا کے
بعض یورپین مورخ یہ سمجھتے ہیں کہ عرب پورے طور پر انقلاب کے لئے تیار تھا۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ چھوٹے چھوٹے
قبائل خانہ بدوش زندگی کی وجہ سے بالکل غیر متمدن زندگی پر مجبور تھے۔ مکہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو کاروانوں
کی گذرگاہ ہونے کی وجہ سے صرف ہزار دو ہزار آدمیوں کی مستقل آبادی رکھتا تھا۔ یہ صرف رسول عربی کی انتھک
کوشش اور درست اندیشی تھی کہ آپ نے ایک اُمی اور اکھڑ قبائلی انتشار کو ایک مہذب اور قانونی نظم کے شیرازہ
میں جکڑ دیا اور ایک سلطنت ہی نہیں بلکہ ایک ایسی قوم تعمیر کر دی جس کا شعار ہی ظلم کو مٹا کر عدل قائم کرنا تھا۔
بہرحال محسن المفتوحین نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں میں تو کوئی ایسا ہے نہیں جو قریش کی جامد اور خود غرضانہ سوسائٹی
میں واپس جائے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ چند نئے مسلمان مکہ میں پیدا ہوں تو اگر انھیں یہ لوگ روکے رہیں گے
تو خود اُن کے لئے خطرہ بن جائیں گے اس لئے آپؐ نے اس شرط کو بھی منظور کر لیا۔ یاد رہے کہ یہ شرط صرف
قریش کے مسلمانوں کے لئے تھی۔ دوسرے قبائل کو کامل آزادی تھی کہ وہ چاہیں تو قریش کے ہمنوا بن جائیں اور
چاہیں تو آنحضرتؐ کے عہد جوار میں داخل ہوں، یہ معاہدہ صلح یعنی التوائے جنگ دس سال کے لئے کیا گیا تھا
آنحضرتؐ کو کیا معلوم تھا کہ وہ پانچ سال کے اندر ہی اپنا کام مکمل کر کے دنیا سے رخصت ہو سکیں گے۔

تحریر معاہدہ اور پھر ذکر رحمان اور رسول اللہ

معاہدہ کی دفعات طے ہو گئیں تو حضرت علیؓ نے
لکھنا شروع کیا اور ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم
تحریر کی۔ سُہیل، زبردست خطیب و نقاد تھا یہ وہی شخص تھا جس نے اپنی آتش بیانی سے پورے عرب کو
آنحضرتؐ کے خلاف بھڑکا دیا تھا اور بدر میں جب گرفتار ہوا تو حضرت عمرؓ نے اُس کے اگلے دانت نکلوا دینے
کی سزا تجویز کی تھی تاکہ وہ اپنی فصاحت سے محروم ہو جائے مگر نبی کریم محسن المفتوحینؐ نے اس رسم جاہلیہ کو قطعی ناجائز
اور بے رحمانہ قرار دیا اور اس کے دانت باقی رہ گئے۔ غرضکہ اُس نے کہا کیا خوب! لڑائی تو اسی بات کی ہے
کہ ہم رحمان کو "اللہ" ماننے کے لئے تیار نہیں۔ واللہ ہم نہیں جانتے کہ رحمان کون ہے۔ اسے مٹا دیجئے۔ آنحضرتؐ
نے یہ بھی منظور کر لیا اور اس لفظ کو مٹا کر "بسمک اللّٰھم" لکھوا دیا۔
پھر حضرت علیؓ نے منجانب "محمد رسول اللہ" لکھا سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول

مان لیں تو جھگڑا ہی کیا ہے۔ لہٰذا اس جملے کو بھی نکال ڈالیے۔ آنحضرتؐ نے اسے مٹا کر "محمدؐ ابن عبداللہ" لکھوا دیا
اب معاہدہ لکھ دیا گیا اور حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمانؓ، سعد وقاصؓ، ابوعبیدہؓ۔ محمدؓ بن مسلمہ نے
مسلمانوں کی طرف سے دستخط کر دیئے اور کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ فریقین نے ایک ایک نقل
اپنے پاس رکھ لی۔

معاہدے کی جان۔ التوائے جنگ

قریش اپنے مذہبی اثر و تجارتی تعلقات کی بنا پر مختلف قبائل کو اسلام اور اسلامی جماعت کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے محسن المؤمنینؐ یہی چاہتے تھے کہ وہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں لیکن ذاتی منفعت اور پرستی ذہنیت نے اُن کے دل و دماغ کو اتنا ماؤف اور خود غرضی اور توہم پرستی کا اتنا دلدادہ بنا دیا تھا کہ اُن کو راہ راست پر ڈالنے کی بہت کم اُمید تھی۔ آنحضرتؐ خود قریشی تھے اور جانتے تھے کہ خود غرضی کی شیطنت اُن کے دلوں پر چھا چکی ہے۔ اسی مکّہ کے قرآن میں بار بار یہ کہا گیا کہ اُن سے اعراض کرو اور اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اُن کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔ وہ کبھی حق آشنا نہ ہوں گے (خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ)

آنحضرتؐ کی ڈپلومیسی کی یہ بہت بڑی جیت تھی کہ قریش نے دس سال کے لئے التوائے جنگ کے عہد نامہ پر دستخط کر دیئے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اُنھوں نے مختلف قبائل کو اسلام کی طرف لانے اور اتحاد کی طرف مائل کرنے کا راستہ کھول دیا۔ اسی لئے قرآن نے اسے فتح مبین کہا ہے۔

بنو خزاعہ اور بنو بکر

جونہی معاہدے پر دستخط ہو چکے، بنو خزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم عہد محمدؐ میں داخل ہوتے ہیں یاد رکھئے کہ اسی قبیلہ کے دو سو افراد کو ام المومنین جویریہ کی وجہ سے آنحضرتؐ نے آزادی تھی۔ اسی قبیلہ کی ریشہ دوانی نے فتح حدیبیہ کا دروازہ کھولا تھا اور اسی قبیلہ کی کوشش سے چند ہی دنوں میں پُرامن طریقے پر مکّہ بھی اطاعت رسول قبول کرے گا۔

بنو بکر نے بھی اسی وقت اعلان کر دیا کہ ہم قریش کے ساتھی ہیں اور عہد قریش میں داخل ہوتے ہیں

سورۃ الفتح اور بیعت رضوان کے خوف سے صلح ہوئی

درحقیقت بیعت رضواں ہی فتح مبین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی ایک ایسی مرکزی جماعت بن گئی جو اللہ کے نام پر مرنے کو تیار ہے۔ اس بیعت کے ڈر سے قریش نے صلح کی درخواست کی۔

سورۃ الفتح: ۲: صلح کے فوائد بہت سے گنوار عرب حدیبیہ آنے سے جی چراتے تھے۔ اب وہ بھی ساتھ چلنے کو تیار رہوں گے۔ رسولؐ کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو جو مال غنیمت کے لالچ میں ساتھ ہونا چاہیں ہرگز اپنے ساتھ نہ لے۔ البتہ وہ آزمائش میں پورے اُتریں تو جہاد میں ساتھ رکھے جا سکتے ہیں۔

عید یا خوشی کا میلہ یہ واقعہ ذی قعدہ کا ہے۔ آپؐ نے حج نہیں کیا۔ نہ عمرہ کر سکے۔ لیکن فتح مبین کی خوشی میں تین دن تک حدیبیہ میں عید منائی اس میں اونٹ نحر کئے گئے۔ بنو خزاعہ بھی اس عید میں شریک ہوئے۔

عام المساوات ۷ھ مطابق ۱۲ اپریل ۶۲۸ء

فتح حدیبیہ کے بعد کتابی جمہوریت کا قیام ابھی تک دولتِ مدینہ میں صرف رسول اللہؐ کی آمریت تھی یعنی رسول اللہ کا حکم خدا کا حکم تھا آپؐ ہی خدائی وحی کو بیان بھی کرتے تھے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خود ہی ذرائع عمل پر غور بھی فرماتے تھے کبھی کبھی مخصوص احباب سے ذرائع مقصد کے لئے مشورہ کرتے تھے۔

اب بیعت رضوان کے بعد ایک بہت بڑی جاں نثار انقلابی جماعت تیار ہو گئی جو حقیقت اسلام سے آشنا ہو گئی تھی اس لئے آپؐ نے یہ محسوس کیا کہ مختلف مسائل میں رضوانیوں کی رائے بھی مفید و صائب ہو سکتی ہے اس لئے سیاسی معاملات میں انسانیت کی فلاح کے پیش نظر آں حضرتؐ نے اس جماعت سے مشورہ لینا شروع کیا۔ ہم اسے پارٹی کی کتابی آمریت کہیں گے۔ یہ شورائی جمہوریت تھی جس میں اصول کتب الہیہ پر بحث نہ کی جا سکتی تھی۔ البتہ اصول کو عملی جامہ پہنانے کے ذریعوں اور طریقوں پر بحث ہو سکتی تھی۔ اس شورائی آمریت میں کثرت رائے سے فیصلہ نہیں ہوتا تھا بلکہ امیر جماعت سب سے زیادہ صائب رائے پر عمل کرنے کا حکم دیتا تھا۔ اصابت رائے کا معیار کتب الہیہ بناتی تھیں یعنی اطاعت الٰہی کی بنیاد پر دنیا سے خوف و جوع ذلت و مسکنت اور ظلم و نخوت کو مٹانا اس امریت کا نصب العین تھا۔

غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ اپریل ۶۲۸ء) بنو نضیر نے مدینہ سے اُجڑ کر خیبر آباد کیا تھا۔ یہ مقام مدینہ سے تین منزل (۱۰۰ میل) شمال میں ایک زرخیز خطہ میں واقع ہے۔ حجر کو یہیں سے راستہ جاتا تھا

یہ یہود کا بڑا مرکز تھا۔ بنو نضیر ہی نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی

سفارت عبداللہ بن رواحہ

خیبر کے قریب بنو غطفان رہتے تھے جن سے سازش کر کے یہود نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تھا منافقین مکہ اُن کے ہمدرد تھے۔ اس لئے رسول اللہؐ نے چاہا کہ جس طرح حدیبیہ میں قریش سے صلح ہوگئی ہے یہود سے بھی ہو جائے۔ آپؐ نے عبداللہ بن رواحہ کو تیس آدمیوں کے ساتھ خیبر بھیجا۔ اُنھوں نے اسیر بن زارم سردار یہود کو جاکر رسول اللہ کا پیغام دیا۔ اگر مدینہ سے صلح کرلو تو رسول اللہؐ تم کو خیبر کا حاکم تسلیم کرلیں گے۔ اُس نے اسے منظور کرلیا اور تیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ چلا۔ راستہ میں دونوں گروہوں میں لڑائی ہوگئی اور صرف ایک یہودی بچ نکلا (ابن سعد طبقات) اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ ابتدا کدھر سے ہوئی

اب یہود نے قبیلہ غطفان کو پورے طور پر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کرلیا اور اپنے نخلستان کی نصف پیداوار دینے کا وعدہ کیا۔ بنو فزارہ خود بخود اُن سے جا ملے۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو انھیں خط لکھا کہ اس رویہ سے باز آجائیں۔

واقعہ ذی قرد

واقعہ خیبر سے تین دن پہلے یہود نے مسلمانوں کے اونٹوں پر ڈاکہ ڈالا۔ ابن ابوذرؓ کو قتل کر کے اُن کی بیوی کو پکڑ لے گئے۔ لیکن سلمہ نے تیر اندازی کر کے اونٹ واپس چھین لئے (طبری و بخاری)

صرف رضوانی ساتھ لئے گئے

مکہ والوں سے صلح ہو چکی تھی اس لئے اُدھر سے مسلمانوں کو خطرہ نہ تھا۔ وقت آگیا تھا کہ یہود خیبر کو بھی امن پسند حلقے میں شامل کرلیا جائے۔ اس لئے رضوانیوں سے مشورہ ہوا۔ اور جس طرح مسلمان یکا یک مکہ پہنچ گئے تھے اُسی طرح خیبر جا پہنچے۔ البتہ اُن منافقوں کو ساتھ نہیں لیا گیا جو دل سے دشمن کے ساتھ تھے اور جن کی غرض سوائے لوٹ مار کے اور کچھ نہ تھی۔ اس جہاد فی سبیل الامن والاسلام میں صرف بیعت رضوان کرنے والوں کو ساتھ لیا گیا۔ ان چودہ سو رضوانیوں میں دو اسپ سوار تھے۔ زخمیوں کی خدمت کے لئے بیس صحابیہ عورتیں بھی ساتھ تھیں۔

قبیلہ غطفان یہود کا دوست تھا اس لئے جنرل حبابؓ بن المنذر کی رائے پر عمل ہوا اور فوج نے مقام رجیع پر پڑاؤ ڈالا تا کہ غطفان اور یہود کے بیچ میں اسلامی فوج رہے۔ اور یہ لوگ ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکیں۔

مختلف قلعوں پر مختلف جرنیلوں نے حملے کئے۔ پہلا قلعہ ناعم حضرت علیؓ نے فتح کیا۔ اس کے بعد الزبیرؓ اور حبابؓ نے دوسرے قلعوں کو فتح کرلیا۔ پھر باقی قلعوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔

کل محاصرہ میں پندرہ مسلمان شہید اور ترانوے یہود قتل ہوئے۔

خراج سوائے کنانہ کے، جس نے جنرل محمودؓ بن مسلمہ کو قتل کیا گیا تھا سب کی جان بخشی کی گئی اور طے ہوا کہ کل زمینیں اور باغیں حکومت مدینہ کی ملکیت ہوں گی اور یہودی کل پیداوار کا نصف بطور خراج کے مدینہ کو دیا کریں گے جسے یہود نے خوشی سے منظور کر لیا۔

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کا اعزاز حضرت اسامہؓ کو ہر شخص سے زیادہ غنیمت کا حصہ عطا ہوا اور انھیں سب سے قریب شمار کیا گیا۔

اُم المومنین صفیہؓ کنابیہ محسن المفتوحین کی عمر ساٹھ سال کی ہو چکی تھی لیکن یہود کو دوست بنانے کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ مسلمانوں نے انھیں اپنی حمایت میں لے کر محفوظ کر دیا اور اُن کی زمینوں اور اُن کے باغوں کو بھی اُن ہی کے قبضہ میں رکھا۔ دوسرا طریقہ مصاہرت کا تھا۔ آپؐ نے محسوس کیا کہ کنانہ کے قتل کے بعد شہزادی صفیہ بیوہ ہو گئی ہیں اور اُن کا والد (یعنی حیی بن اخطب) بھی بنو قریظہ کے قلعے میں سازش کی پاداش میں قتل ہو چکا ہے۔ لہذا یہودیوں کے ان دو قبیلوں کے خوش کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہ تھا کہ خود محسن المفتوحین ان سے نکاح کر لیں۔ اس لئے آپ نے اُن سے نکاح کر لیا اور اپنے ساتھ مدینہ لے گئے۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی چودہ سال سے بہت سے مسلمان حبشہ میں بے وطن نیم جان مہاجر بنے ہوئے پڑے تھے۔ فتح حدیبیہ کی خبر نے اُن کو دوبارہ زندہ کر دیا وہ سب بھی فتح خیبر کے دن دو کشتیوں کے ذریعے خیبر پہنچ گئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان بھی اسی قافلے میں تھیں۔ اُن کے شوہر حبشہ میں نصرانی ہو کر مر چکے تھے۔ اور آپ وہیں آنحضرتؐ کے نکاح میں آ چکی تھیں۔

محسنؐ المفتوحین کی اصلاحات غذاؤں کے معاملے میں آنحضرتؐ نے گندی غذاؤں کو منع فرمایا اب مسلمان مجبور نہ تھے کہ ہر قسم کے گوشت کھاتے رہتے۔ غذا یا طعام کے معنی ہی گوشت کے تھے۔ لہذا آپؐ نے حکم دیا کہ گدھوں اور خچروں کا گوشت ترک کر دیا جائے۔

سودی بیوپار تجارت کے بعض ایسے طریقے رائج تھے جن کی بُرائی سے آنحضرتؐ بحیثیت تاجر کے خوب واقف تھے۔ آپؐ نے ہر اُس تجارتی مبادلہ کو ناجائز قرار دیا جس میں مزدور یا صناع کا نقصان

ہوتا تھا اور دولت چالاک بیوپاریوں کے ہاتھ میں جمع ہوتی ہو۔ اس لئے چاندی کے عوض میں زیادہ سونے کا لین دین آپ نے ناجائز قرار دیدیا۔

سورۃ الفتح ع۳: بیعت رضوان فتح خیبر کا پیش خیمہ ہے

بیعت رضوان کی وجہ سے مسلمانوں کی جاں نثار جماعت پیدا ہوئی اور فتح خیبر اسی کا نتیجہ ہے۔ جہاں مال غنیمت بھی ملا۔ یہ خدا کے موجود ہونے کا نشان ہے کہ خدا کمزوروں کو قوی بنا دیتا ہے۔ اسی خدا نے تمہیں صراط مستقیم (اسلام۔ اتحاد اور بے خوفی) کے راستے پر ڈالا۔ اب ایک اور فتح قریب ہے (یعنی مکہ بھی ہتھیار ڈال دے گا)۔

قانون الٰہی نہیں بدلتا

تاریخ شاہد ہے کہ جو لوگ حق کے لئے جاں نثاری پر تیار ہوتے ہیں انہیں کبھی شکست نہیں ہوتی۔ یہ اللہ کا اٹل قانون ہے۔

بیعت رضوان کی تعریف

اللہ نے بیعت رضوان کی وجہ سے جنگ نہ ہونے دی۔ قریش ڈر گئے۔ اور اس سے یہ بھی فائدہ ہوا کہ جو مومن وہاں تھے وہ بھی پریشانی سے بچ گئے۔

سورۃ الفتح ع۴: رسول اللہ کا خواب سچا کر دیا گیا

حدیبیہ اور خیبر کی فتح سے مسلمانوں کا رعب بڑھ گیا ہے اور رسول اللہ کا خواب بھی سچا ہو گیا کہ امن و امان کے ساتھ اس سال عمرہ کرنے مکہ جائیں گے اور بیعت رضوان کرنے والوں سے اللہ راضی ہو گیا اُن کے پُرانے گناہ معاف کئے گئے اور آئندہ بھی اجر عظیم ملے گا۔

غزوہ وادی القریٰ ۷ھ

خیبر کی فتح کے بعد جو یہودی وادی القریٰ میں تھے اُنھوں نے بھی بغیر لڑے بھڑے اطاعت قبول کرلی۔ یہ وادی قدیم قوم عاد کی اُجڑی ہوئی بستیوں پر مشتمل ہے اور مدینہ سے خیبر کے راستے پر ہے۔ یہاں کے یہودیوں نے بھی آدھی پیداوار بطور خراج کے منظور کرلی۔

اطاعت فدک ۷ھ

اسی طرح فدک والوں نے بغیر لڑے بھڑے آنحضرتؐ کی اطاعت قبول کرلی اور چونکہ یہاں لڑائی نہیں ہوئی تھی اس لئے یہاں کی آمدنی میں نمازیوں کا کوئی حصہ نہیں لگا۔ یہ آنحضرتؐ کی خالص ملکیت قرار پائی۔

اسلام ابو ہریرہؓ

جس زمانہ میں رسول اللہ خیبر میں تھے ابو ہریرہؓ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے

اور خیبر جاکر مشرف باسلام ہوئے۔ جاہلیہ میں آپ کا نام عبد شمس تھا۔ مسلمان ہونے پر عبدالرحمان نام رکھا۔ اٹھتر سال کی عمر میں ۵۸ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت کی صحبت میں تین سال رہے ان سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) حدیثیں مروی ہیں۔ وہ کثرت روایت کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ مہاجر و انصار کاروبار میں لگے رہتے تھے اور میں آنحضرت سے علم حاصل کیا کرتا تھا۔

صفر ۷ھ دنیا کو اسلام یا اطاعت الٰہی کی دعوت

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (الفتح ۲)

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف ۲)

نصرانی بادشاہوں کو دعوت خدا بندگی

سورہ آل عمران (ع ۷) میں کہا جا چکا تھا کہ یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد و الا اللہ ... ... (اے اہل کتاب آؤ ایک کلمہ پر متفق ہو جائیں کہ سوائے اللہ کے کسی کی غلامی نہ کریں۔ وہ اللہ جس کا شریک ہے نہ سہیم، اور نہ کسی انسان یا پروہت کو دیوتا مانیں نہ اوتار سمجھ کر اس کی پوجا کریں اس لئے کہ اس سے انسان کی خودداری ختم ہو جاتی ہے اور انسانی مساوات اور عزت نفس کا خاتمہ ہو جاتا ہے) لہذا نصرانی بادشاہوں اور سرداروں کو وحدت خدا اور وحدت انسانیت کی دعوت دی گئی اور بتایا گیا کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو معبود نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ وہ مخلوق ہے اور مخلوق کو خالق کے برابر درجہ دے کر ایک پروہتوں یا خداؤں کی جماعت کو پیدا کرنا، اپنی اور خدا کی دونوں کی توہین ہے وہ خدا کتنا بیچارہ اور مجبور ہوگا جسے معمولی انسان ذلیل کر سکیں۔ یا وہ انسانی دیوتا کتنے پست ہونگے جو اپنا پیٹ پالنے کے لئے پجاری، پوپ، یا دستور بن گئے ہوں اور دوسروں کی خیرات پر زندگی بسر کرتے ہوں۔ اس دعوت کو لے جانے والے یہ تھے۔ اور یہ سب ان ملکوں کی زبان میں پیغام سناتے تھے

(۱) عمرؓو بن امیہ شاہ نجاشی اصحم کے پاس پیغام توحید لے کر گئے۔ وہ مسلمان ہو گیا۔

(۲) دحیۃ الکلبی ہرقل شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس ربیع الاول ۷ھ (جون ۶۲۸ء) میں بذریعہ حارث والئی بُصری خط لے گئے تو وہ غالباً سیاسی وجوہ سے اسلامی توحید کو مان لیتا لیکن پوپوں نے توحید باری اور مساوات انسانی یعنی حضرت عیسیٰؑ کو صرف انسان ماننے سے انکار کر دیا۔ (بخاری کتاب الجہاد)

([illegible])

(۳) حارث غسانی رومی سلطنت سے وابستہ تھا۔ اس نے کہا کہ اس دعوت کا جواب زبان شمشیر سے دونگا۔
(۴) حضرت حاطب مقوقس شاہ اسکندریہ کے پاس حسن للمقتوحین کا پیغام لے گئے۔ مصر کی حالت زار تھی۔ ساسانی اور رومی فوجوں کی لوٹ مار نے اُسے تباہ کر رکھا تھا مقوقس اس پیغام سے بہت خوش ہوا۔ اور نصرانی تثلیث و مجوسی ثنویت سے نکل کر اسلامی توحید کو بہت پسند کیا۔ خود اُس کے ملک میں نصرانیت کی موحد شاخ پہلے سے موجود تھی۔ اُس نے آنحضرت کو دوستانہ جواب دیا اور لکھا کہ میں جانتا ہوں کہ ایک نبی آنے والا ہے جو دین ابراہیمؑ موسیٰؑ اور یحییٰؑ و عیسیٰؑ کو زندہ کرے گا۔ میں دو لڑکیاں۔ پوشاک، ایک خچر تحفہ بھیجتا ہوں"
حضرت ماریہ قبطیہؓ کو آنحضرت نے اپنے پاس رکھ لیا۔ یہ ربیع الثانی ۷ھ (جولائی ۶۲۸ء) میں مدینہ پہنچی تھیں۔ ان کے بطن سے جناب ابراہیمؓ بن محمدؐ کی ولادت ربیع الثانی یا جمادی الاول ۸ھ میں ہوئی۔

مجوسیوں کو ایک خدا کے ماننے کی دعوت

(۱) ۶۲۸ء میں خسرو پرویز رومیوں سے شکست کھانے کے بعد انتقام کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس زمانے میں عبداللہ بن حذافہ سہمی آنحضرت کا مکتوب لیکر پہنچے خط میں لکھا تھا کہ دو خداؤں کی جگہ ایک ہی خدا کو خالق خیر و شر مانو۔ یہی تمہاری اصلی تعلیم ہے (جو زرداشت نے دی تھی اور جسے بعد میں مسخ کر کے لوگوں نے یزدان و اہرمن پرستی میں تبدیل کر دیا تھا) لہذا اگر توحید باری کو مان کر میری اطاعت کر لوگے تو امن و سلامتی کا دروازہ کھل جائے گا ورنہ تم اپنی قوم کی گمراہی کے ذمہ دار ہو گے" خسرو نے آپؐ کا خط پھاڑ ڈالا اور یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ حجاز کے نبی کو گرفتار کر کے یہاں بھیجدو۔ لیکن باذان نے جب تحقیق حال کیا تو وہ خود مسلمان ہو گیا اور اسی زمانے میں خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔
(۲) منذر بن ساوی رئیس بحرین کے پاس علاءؓ بن الحضرمی بھیجے گئے اور اکثر رعایا مسلمان ہو گئی
اسی زمانے میں سورۃ الاعراف ۲ع اور سورہ آل عمران رکوع، کو زیر نظر رکھنا چاہیئے۔ وہ یہ ہیں۔

الاعراف ع ۲۰ میں کل انسانوں کے لئے اللہ کا پیام لایا ہوں

لوگو! میں کل انسانوں کے لئے اس اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر ہے۔ اس کے سوا کوئی معبودی نہیں۔ وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ لہذا اللہ کو مانو اور اس کے نبی امی کو مانو۔ جو خود اللہ کو اور اس کے جملہ کلاموں (احکام) کو مانتا ہے۔

آل موسیٰ کی تعریف

قوم موسیٰ کا ایک گروہ حق کی راہ بتاتا ہے اور اسی کے مطابق وہ عدل کرتے ہیں

خدا نے موسیٰ کی قوم کے بارہ قبیلے کر دیئے تھے اور اُن پر بڑے احسانات کئے۔ لیکن انھوں نے بدعملی کی وجہ سے خدا کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اپنا ہی نقصان کیا اور جب (پہلی تباہی کے بعد) دوبارہ بیت المقدس میں آباد ہونے کا موقع ملا، تو بجائے توبہ اور نیک عملی کے (جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا) انھوں نے حکم بدل دیا یعنی پھر بدعملی اور نفاق پیدا ہو گیا اور اُن کی شرارت کی وجہ سے اُن پر پھر عذاب نازل ہوا "

(نوٹ :- بالکل ان ہی الفاظ میں سورۃ البقرہ کے ساتویں رکوع میں یہ ذکر ہے۔ البتہ البقرہ میں بجائے یظلمون کے یفسقون ہے)

آل عمران ۷ع - اہل کتاب کو اتحاد کلمہ کی دعوت

"اے اہل کتاب آؤ اس بات پر متفق ہو جائیں جو ہم میں اور تم میں مساوی طور پر موجود ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں۔ اور اللہ کے سوا کسی انسان کو اپنا آقا (رب) نہ بنائیں۔ بہر حال اگر تم اس کا انکار کرتے ہو تو دیکھ لو ہم اللہ کے مطیع ہیں اے اہل کتاب (یعنی توراۃ و انجیل کے ماننے والو) تم صحف ابراہیم کو کیوں نہیں مانتے۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ صحف پہلے ... نازل ہوئے اور توراۃ و انجیل بہت بعد کی ہیں۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھا نہ نصرانی وہ حنیف (یعنی جھوٹے مذہبوں سے بیزار تھا) اور مسلم (یعنی خدا کا مطیع تھا) مشرک نہ تھا۔ ابراہیم سے قریب ترین مناسبت اُن لوگوں کی تھی جو اس کے پیرو تھے اور رسول عربی اور اس کے ماننے والے ہیں

لہٰذا اے اہل کتاب حق (یعنی احکام ابراہیمی) میں جان بوجھ کر باطل (یعنی اپنی خواہشات نفسانی) کو نہ ملاؤ اور مومنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کرو "

(نوٹ :- یہی دعوت توحید سورۃ المائدہ رکوع ۱۰ میں ہے اور یہی حکم سورۃ النساء کے آخری رکوع[۲] میں ہے کہ اپنی کتابوں کو بھی مانو اور قرآن کو بھی مانو۔ دونوں متفق ہیں کہ خدا ہے۔ لاشریک ہے اور سب انسانوں کے لئے خدا پرستی کا پیغام ہے۔ صرف یہود یا نصاریٰ کے لئے نہیں ہے۔ سب انسان بحیثیت بندے کے برابر ہیں۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ یہی دعوت توحید ثنویت پرستوں یعنی مجوس کے لئے بھی تھی اور ان کے علاوہ مشرکوں کے لئے بھی تھی)

جزیہ کی ابتدا

منذر کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی رعایا میں ایسے لوگ بھی تھے جو مجوسیت اور یہودیت وغیرہ پر قائم رہنا چاہتے تھے۔ ان کے بارے میں منذر نے پوچھا کہ کیا

کیا جلئے۔ دربار رسالت سے یہ جواب گیا اگر وہ اسلام قبول کرلیتے تو اُن ہی کے لئے اچھا تھا اور اگر اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو اُن کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہوگی اور اُن پر ایک ٹکس اسی طرح لگایا جائیگا جس طرح ایران میں گزید (جزیہ) ہے یہی لفظ بعد میں جزیہ بن گیا۔

مکہ کے مجبور مسلمان ڈاکو بن گئے

فتح حدیبیہ کے بعد ابوجندل رضؓ مسلمان ہوکر آنحضرت کے پاس حدیبیہ پہنچے تھے لیکن معاہدہ پر دستخط ہوچکے تھے۔ اسلئے انکے باپ سہیل بن عمرو کے ساتھ واپس کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک مسلمان ابوبصیرؓ مکہ بھاگ آئے انہیں دو قریشی لینے آئے۔ آپ نے حسب معاہدہ انہیں واپس کردیا۔ لیکن وہ رستہ میں ایک آدمی کو قتل کرکے بھاگ نکلے اور قریش کی شامی تجارت کی صراط پر اپنا اڈہ بنالیا۔ مکہ کے بے کس مسلمانوں کو خبر پہنچی تو وہ بھی وہاں پہنچنے لگے اور ایک سال کے اندر وہاں تقریباً تین سو مسلمان جمع ہوگئے اور قریش کے تجارتی راستے کو قطع کرنے لگے۔

اب مکہ والے سخت نادم ہوئے اور چاہا کہ آنحضرتؐ معاہدہ کی اس دفعہ کو توڑ دیں اور انہیں مدینہ لے جائیں لیکن آپؐ نے قبول نہ فرمایا۔

چند تادیبی مہمیں

اس درمیان میں بعض جنگی مہمیں اطراف مدینہ میں شریر ڈاکوؤں کی تادیب کے لئے روانہ کی گئیں جن سے دولت مدینہ کی طاقت بڑھ گئی اور جنگی قبیلوں نے محسوس کیا کہ ایک مضبوط حکومت مدینہ میں قائم ہوگئی ہے۔

بقرہ ع۲۴ : مدافعانہ قتال نیکی ہے

اب عمرۃ القصٰی کی تیاری تھی اور یہ احتمال تھا کہ حرم کے اندر لڑائی ہوجلئے۔ لہذا قرآن نے کہا "قتال میں حد سے نہ بڑھو۔ اللہ کو یہ پسند نہیں۔ اور اگر کوئی مسجد حرام میں تم سے لڑے تو مدافعت میں تم بھی لڑو۔ یاد رکھو کہ جو لوگ دین سے پھیرتے ہیں اور اس معاہدہ میں جبر سے کام لے کر تمہیں گھروں سے نکال چکے ہیں وہ قتل سے بھی زیادہ بڑا کام کرچکے ہیں قتل کرنا دین اور راہ سے پھیرنے کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ پھر بھی تم حد سے نہ گزرو۔ اور جو مسکین۔ یتیم۔ غلام رشتہ دار۔ مجاہد، قیدی اور بھوکا ہو اس کی مدد کرو اور اس کے آزاد کرانے کے لئے اتفاق کرو۔

قربانی سے بھوکوں کا پیٹ بھرتا ہے اس لیے عمرہ کے شکر میں قربانی کرو اور لوگوں کو کھلاؤ

عمرۃ القصاص: ذی قعدہ ۷ھ فروری ۶۲۹ء

ذی قعدہ ۷ھ میں آنحضرت دو ہزار آدمیوں اور ساٹھ قربانی کے اونٹوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے حسب معاہدہ مکہ سے آٹھ میل اُدھر کل ہتھیار چھوڑ دیئے گئے۔ مکہ میں جملہ مسلمان ذوق شوق سے داخل ہوئے مکہ والے مشرک حرم چھوڑ کر باہر چلے گئے اور ابو قبیس کی چوٹی سے مسلمانوں کی حالت دیکھنے لگے مسلمانوں نے بھی کعبہ کے اُس رُخ پر اکڑ کے تیز تیز چلنا شروع کر دیا تاکہ مشرک یہ نہ سمجھیں کہ ہم کمزور ہوگئے ہیں۔ حسب فرمان نبوی سب کی زبانوں پر یہ الفاظ جاری تھے:-

لا الٰه الا الله وحدہ	اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہی معبود ہے
نصر عبدہ و اعز جندہ	اسی نے اپنے بندے محمدؐ کی مدد کی اور اسکی فوج کو فتح دی
وھزم الاحزاب وحدہ	اور صرف خدا ہی نے دشمن کے گروہوں کو بھگایا۔

تین دن کے بعد مسلمانوں نے مکہ خالی کر دیا۔ کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ بلکہ محسن المفتوحین نے قریش کو دعوت دی کہ آؤ ہم اونٹ نحر کریں اور سب مل کر خوشی منائیں لیکن مکہ والوں نے دعوت رد کر دی۔

آخری نکاح آپ نے حرم سے باہر آکر مقام سریف پر میمونہ ہلالیہ سے نکاح کیا۔ یہ خالد بن الولید کی پھوپھی اور العباس کی سالی تھیں۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ دوسرے یا تیسرے مہینے خالد مدینہ پہنچے اور مسلمان ہوگئے۔

چند سرداروں کا اسلام عثمانؓ بن طلحہ، کعبہ کا بڑا انچارج تھا۔ اب اس نے محسوس کر لیا کہ رحمان نے ھبل کو شکست دیدی۔ یہ مدینہ آکر مسلمان ہوگئے اسی طرح ذی الحجہ ۷ھ میں خالدؓ بن الولید (فاتح اُحد) اور عمروؓ بن العاص (فاتح مصر) اللہ کی اطاعت کے لئے تیار ہوگئے اور مدینہ آکر مسلمان ہوگئے۔

عام المساوات ۷ھ کے اہم واقعات (۱) صلح حدیبیہ کی وجہ سے سال بھر امن عام رہا۔ اور خیبر کے یہودی بھی مسلمانوں کے دوست بن گئے۔

(۲) مکہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور قرآن علانیہ پڑھا جانے لگا۔ اب مسلمان "الرحمان" کا نام لیتے تھے اور آنحضرت کو "رسول اللہ" کہتے تھے۔ حالانکہ ان دونوں ناموں سے مشرکین کو سخت نفرت تھی۔

(۳) حضرت ماریہ قبطیہؓ حاملہ تھیں، اور غالباً اسی زمانے میں بعض زوجات نبوی کو ان سے جلاپا شروع ہوگیا تھا۔

(۴) اسی ذی قعدہ میں آنحضرتؐ نے میمونہ ہلالیہ بنت حارث سے نکاح کیا اور اعلان کر دیا کہ یہ آخری نکاح ہے اس وقت آپ بیوہ تھیں اور عمر اکیاون سال تھی حضرت خالد بن ولید آپ کے بھانجے تھے

(۵) اس امن و سکون کے زمانہ میں آنحضرتؐ کو پھر موقع ملا کہ یتیموں، مسکینوں اور خصوصیت سے عورتوں کے متعلق قانون سازی فرمائیں۔ اسی زمانہ میں خانگی زندگی اور تمدن و معاشرت کے انقلابی احکام جاری کئے گئے اور عورتوں اور مسکینوں کو سوسائٹی میں بلند درجہ دیا گیا۔

عام الفتح ۸ھ مطابق یکم اپریل سنہ ۶۲۹ء

اس سال مکہ پرامن طریقہ پر فتح ہوا۔ فتح سے پہلے نو مہینے تک مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کی اصلاح پر توجہ رہی اور پڑوسی امراء و سلاطین کو امن و آشتی کا پیغام دیا گیا۔

فتح مکہ سے پہلے صرف ایک سریہ جمادی الاول میں بھیجا گیا۔ اس کے دو مقصد تھے

(۱) غلاموں کی خواجگی یعنی سریہ موتہ میں حضرت زید بن حارثہؓ مولیٰ رسول اللہ کو سب صحابیوں کا خواجہ بنا کر بھیجا گیا اور یہ بتایا گیا کہ اسلام جس مساوات کو چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اب غلام و آزاد میں کوئی فرق نہیں۔

(۲) قاصد کی حرمت مختلف اقوام کو یہ بتانا تھا کہ قاصد کا قتل کرنا اصول جنگ اور اصول شرافت کے خلاف ہے اور قاصد کا قتل حرام ہے۔

ولادت ابراہیمؑ بن محمدؐ

ربیع الثانی یا جمادی الاول ۸ھ میں جناب ابراہیم بن محمد حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

اس ولادت باسعادت کی مسلمانوں کو کیا کیا خوشی ہوئی تھی۔ ہمیں تفصیلات نہیں ملتیں۔ لیکن عربوں کے جو خصائل قرآن نے بیان کئے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کی ولادت کی خبر سنتے ہی شدت غم و حسرت سے اس کے رخسار سیاہ پڑ جاتے ہیں اور اس عار کی وجہ سے دل میں پیچ و تاب کھاتا ہے اور وہ اپنی قوم سے منہ چھپاتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس لڑکی کو ذلت و خواری کے باوجود زندہ رکھے یا زندہ درگور کر دے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (سورۃ النحل ۵۸-۵۹)

اسی طرح سورۃ الزخرف میں فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اُن کی دیویاں رحمان کی بیٹیاں ہیں حالانکہ وہ خود بیٹیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ جب بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو ان کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور اس عار کی وجہ سے دل میں پیچ و تاب کھاتا ہے اور کہتا ہے ایسی اولاد کس کام کی جو نازونعیم میں پرورش پائے اور لڑائی جھگڑا ہو تو منہ سے بول بھی نہ سکے (وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ (رکوع ۲، آیات ۱۶-۱۷) چونکہ بیٹیوں کو مار ڈالتے تھے اس لئے مکی دور میں قرآن نے ایسے لوگوں کو جہنم کا مژدہ سنایا ہے (وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (سورۃ التکویر)

ام ولد باندیوں کی آزادی

بہر حال جناب ابراہیمؓ کی ولادت نے دنیا کی باندیوں کے لئے رحمت کا دروازہ کھول دیا۔ رحمت اللعالمین نے قانون بنا دیا کہ جس باندی کے بچہ پیدا ہو جائے گا وہ آزاد ہو جائے گی۔ اسے اصطلاح شرع میں ام ولد کہتے ہیں۔ کوئی بچہ غلام نہیں پیدا ہوتا: اس کی وجہ آنحضرتؐ نے یہ بیان فرمائی کہ اب تک جو دستور تھا کہ لونڈی کے بطن سے جو بچہ پیدا ہو وہ بھی غلام سمجھا جاتا تھا۔ یہ سراسر غلط تھا کوئی بچہ غلام نہیں پیدا ہوتا جو بچہ باندی سے ہوگا وہ ابن حرہ کہلائے گا۔

بی بی ماریہ کا پردہ

آزاد ہونے کے بعد بی بی ماریہؓ کا درجہ آنحضرتؐ کی آزاد زوجات کے برابر ہو گیا اور اُن کو بھی حجاب کا وہی حکم دیا گیا جو دوسری زوجات نبوی کے لئے تھا۔ (طبقات ابن سعد ص ۹۲)

اس سلسلے میں فصل دہم میں زوجات نبوی کے احتجاج پر نظر ڈالئے

زوجات نبوی

ابھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ساٹھ سال کی عمر میں آخری نکاح کیا۔ ضرورت ہے کہ مختصراً ہم آپ کے مختلف نکاحوں کے متعلق یہ بتا دیں کہ ان کی نوعیت کیا تھی، اور نصاریٰ جو صرف ایک نکاح کے پابند ہیں اس چیز کو کیوں پسند نہیں کرتے۔

خالص یک زنی یا ایک مرد کی ایک بیوی

قرآنی نصب العین یہ ہے کہ ایک مرد کی ایک ہی بیوی ہو۔

لیکن اگر حالات کا اقتضا یہ ہے کہ کوئی شخص ایک سے زیادہ عورتوں کی پرورش کرنا چاہتا ہے اور اُن میں عدل بھی رکھ سکتا ہے تو وہ چار بیویوں سے زیادہ سے شادی نہیں کر سکتا۔

تعدد زنان بھی "یک زنی" ہے درحقیقت کئی بیویوں کو الگ الگ مکان میں رکھنا اور ہر ایک کے ساتھ مساوی برتاؤ کرنا اور باری باری سب کے پاس جانا اور رہنا بھی "یک زنی" نکاح کا درجہ رکھتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ "خالص یک زنی" کی حالت میں مرد مسلسل ایک ہی عورت کے پاس رہتا ہے اور سب کو علیحدہ علیحدہ رکھنے میں . . ایک ایک کے پاس وقفہ سے جاتا ہے۔ "ہر عورت سے الگ الگ نکاح کا معاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ خالص یک زنی سے بنیادی طور پر مختلف نہیں ہوتا" (انسائیکلو پیڈیا برطانکا ہیرج پالی گنی (POLYGNY)۔

صرف مالدار کثرت زنان کرتے ہیں یہ یاد رہے کہ صرف مالدار بادشاہ یا امیر کثرت زنان پر عمل کر سکتے تھے اس کو قرآن نے محدود کر دیا۔

مہر قرآن نے عورت کا یہ حق رکھا ہے کہ وہ جتنا چاہے اپنا مہر مقرر کرے اور شوہر سے وصول کرے قانون عورت کو اس کا حق دلوائے گا۔ عورت کو یہ بھی حق ہے کہ جس شخص کو خود پسند کرے اس سے نکاح کرے۔

یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ وہ اپنی بیویوں کو اُن کے والدین سے خریدتے تھے۔ قرآن نے والدین کو روپیہ لینے کا حق نہیں دیا۔ بلکہ یہ حق عورتوں کو دیا ہے۔

اونچے ہندوؤں میں یہ رسم ہے کہ والدین اپنی لڑکیوں کے لئے شوہر خریدتے ہیں۔ مگر چہ قدیم زمانے میں یہ دستور تھا کہ مرد لڑکی کی طلب گاری میں والدین کے پاس آتے تھے اور جس مرد کو لڑکی پسند کرتی تھی اس سے شادی کرتی تھی۔

طلاق عرب میں طلاق کی رسم جاہلیہ سے قائم تھی۔ قرآن نے اُسے بھی محدود کر دیا۔ رسول اللہ نے طلاق کو بہت بُری چیز بتایا اور قرآن نے ہر قسم کی طلاقوں کے بعد رجعت یعنی عورت مرد کی صلح کو جائز کر دیا۔

خلع البتہ وہ طلاق جسکو بیوی روپیہ دے کر حاصل کرے اور اپنے شوہر سے اتنی نفرت کرنے لگی ہو کہ کسی صورت سے اس کے ساتھ رہنا گوارا نہ کرے۔ اس حال میں اگر شوہر طلاق دے تو وہ دوسری طلاق

کی طرح رجعت نہیں کرسکتا۔ یہاں بھی قرآن نے عورت کو جاہلیہ کے ظلم سے بچایا ہے تاکہ وہ معلق نہ نہ رہے اور دوسرے مرد سے نکاح کر سکے۔

تعدد شوہران

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جس طرح قرآن نے مرد کو چار بیویوں تک کا اختیار دیا ہے۔ اسی طرح عورت کو کیوں یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ بھی کم از کم چار شوہروں سے بیک وقت نکاح کرسکتی۔

اس کا حیاتیاتی (BIOLOGICAL) جواب اکثر لوگوں نے دیا ہے یعنی اونچے درجے کے دودھ پلانے والے جانوروں میں تعدد شوہران مفقود ہے۔ اس کے علاوہ حیوانی جنسی تعلق کا مقصد قدرت نے متعین کر دیا ہے یعنی نسل حیوانی کی ترقی۔ یہی نہیں بلکہ حیوانات کے لئے جنسی تعلق کا موسم بھی ہر ملک میں متعین ہے۔ انسان کا مقصد اس سے بلند تر ہونا چاہئیے۔ وہ نہ صرف نسل انسانی کو ترقی دے بلکہ عائلی زندگی میں بچے کی تربیت میں ایک دوسرے کی مدد کرے۔ اس طرح عام خاندانی و انسانی زندگی حیوانات کے مقابلہ میں زیادہ دیرپا اور خوشگوار بنے یہ نہ ہو کہ اولاد اور رشتہ داروں سے محبت کا سلسلہ بچوں کے نشوونما کے بعد ختم ہو جائے۔ یہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ بچوں کو یہ معلوم ہو کہ اُن کے والدین اور رشتہ دار کون کون ہیں۔ تعدد شوہران کی صورت میں یہ خوبی انسانی نہیں رہتا۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ اسلام نے عورتوں کو متعدد شوہر کرنے سے روکا ہے۔ قرآن چاہتا ہے تو یہی ہے کہ شوہر و زن خوشگوار ازدواجی زندگی کے معاہدہ پر قائم رہیں۔ لیکن اگر عورت چاہے کہ وہ دوسرا شوہر کرے تو اُسے حق ہے کہ وہ اپنے شوہر سے علاحدگی لے یا نکاح کے وقت ہی شوہر سے یہ معاہدہ کرے کہ مجھے حق حاصل ہے کہ جب چاہوں آزاد ہو جاؤں۔ شرط صرف یہ ہے کہ اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ اولاد کو یہ معلوم ہو کہ ان کا باپ کون ہے۔

زنا

قرآن نے زنا کی بہت سخت سزا مقرر کی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ جب کسی مرد یا عورت کو قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ جس مرد یا عورت سے چاہے وہ ازدواجی زندگی قائم کرسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دونوں چھپ کر بدکاری کریں۔

اس بدکاری کا سب سے بڑا اثر خود اس عورت کی اولاد پر پڑتا ہے جو زانیہ ہو۔ کوئی مرد اس معصوم بچے کا باپ اور نگراں بننے کو تیار نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ جس مرد نے زنا کی ہے وہ بھی اپنی بزدلی کی

کی وجہ سے اس بچے کا باپ ہونے سے منکر ہو جاتا تب معصوم عورت مرد کے دھوکہ میں آکر اپنی پوری زندگی تباہ کر لیتی ہے اور بچہ بھی کہیں کا نہیں رہتا۔ اسلام نے بزدلی سے زیادہ کسی چیز کو ذلیل نہیں سمجھا۔ اس لئے زانی سے زیادہ بزدل چور کو بھی نہیں ۔ چور کو صرف قطع ید کی سزا ہے۔ زانی کو سنگسار کئے جانے کا حکم ہے۔

غرض کہ رسول اللہ نے عورت کا درجہ بلند کرنے میں جو کام کیا اُس سلسلے کی یہ ایک کڑی ہے کہ انھوں نے بیواؤں اور بے کس عورتوں سے نکاح کر کے انھیں اپنی پناہ میں لیا۔ صرف ایک حضرت عائشہ کنواری بی بی تھیں اور باقی سب بیوائیں تھیں۔ "بغیر ایک زنی" نظریہ کے ماتحت اُن سب کے گھر الگ الگ تھے۔ اور ان کے ساتھ پورا عدل کیا جاتا تھا۔

الاحزاب رکوع ۶ : تاریکی سے روشنی کی طرف

اے مومنو اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ اس نے اپنی رحمت سے تمہیں تاریکی و جہالت سے نور و محبت کی طرف نکالا ہے اور خود رسول کو روشن چراغ (سراج منیر) بنایا ہے۔ لہٰذا :-

۱۔ اگر کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد بغیر مباشرت کے طلاق دو۔ تو اُسے عدت میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں (عدت تو یہ معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عورت حاملہ تو نہیں ہے) اور ان کو حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دو۔

۲۔ بلا مہر کے کسی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا (بجز عورت کی اپنی مرضی کے جس سے مہر لیا جائے گا)

۳۔ رسول اللہ کو مخصوص حالات میں بیواؤں سے نکاح کرنے کی اجازت تھی وہ اب ختم کر دی گئی اس لئے کہ مکہ فتح ہو چکا۔ اسلام عام طور پر پھیل گیا۔ مالدار مسلمانوں کی کمی نہیں رہی کہ جن غریب عورتوں کو شوہروں کی سرپرستی کی ضرورت ہو ایسی عورتوں کو مہر ملنے میں کوئی دقت باقی نہ رہی۔

الاحزاب رکوع ۷۔ مردوں کو پردے کے پیچھے رہنے کا حکم

(۱) نبی کی بیویوں کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ کوئی چیز مانگنے جاؤ تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ البتہ ان کے مخصوص رشتہ دار گھروں میں جا سکتے ہیں

(۲) اپنے دلوں میں رسول کی بیویوں کی طرف کوئی گندہ خیال نہ لاؤ اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ رسول کے مرنے کے بعد کبھی ان سے نکاح کرنا ہے۔ اللہ کے نزدیک یہ چیز بہت بری ہے۔

الاحزاب رکوع ۸ ۔ مومنات کو گھونگھٹ کا حکم

مدینہ کے منافقوں اور بدکردار ملعونوں اور جھوٹی خبریں اڑانے والوں سے محفوظ رہنے کے لئے مومنات کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ باہر نکلیں تو گھونگھٹ نکال لیں ۔ ان کے لئے جلد انتظام کیا جائے گا کہ جہاں بھی ملیں قتل کر دیئے جائیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کا حکم بعض احوال پر مبنی ہے)

الاحزاب رکوع ۹ اصلاح اعمال کا حکم

اللہ اور رسول کی اطاعت میں فوز عظیم ہے ۔ مومن امانت الٰہیہ کے حامل ہیں ۔ منافق اور مشرک سخت عذاب پائیں گے اور مومنوں کی غلطیوں کو اللہ معاف کر دے گا ، وغفور الرحیم ہے (یعنی بعض قوموں کے خدا کی طرح عدل ہی پر مجبور نہیں ہے) وہ جسے چاہے بخش دے ۔

(سریہ مؤتہ (جمادی الاولیٰ ۸ھ : اگست ۶۲۹ء)

۸ھ کے نصف اول میں چند معمولی مہمیں روانہ کی گئیں ان کے بعد سریہ مؤتہ بھیجا گیا ۔ یہ مقام دمشق سے ادھر بلقار کے قریب واقع ہے وہاں شرحبیل غسانی نے آنحضرت کے ایک قاصد کو قتل کر دیا گیا تھا نصاریٰ اس کی مدد پر تھے ۔ ان کی تادیب کے لئے تین ہزار کا ایک لشکر جرار حضرت زید بن حارثہ کی سرداری میں روانہ کیا گیا ۔ ان کا ماتحت افسر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو بنایا جعفرؓ کا ماتحت عبداللہؓ بن رواحہ کو بنایا اور فرمایا اگر یہ قتل ہو جائیں تو مسلمان کسی کو اپنا امیر منتخب کر لیں ۔ فوج کو رخصت کرنے خود آنحضرت ثنیۃ الوداع تک آئے اور زید کو سفید جھنڈا دیتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ ان لوگوں کو اطاعت الٰہی (اسلام) کی طرف بلاؤ ۔

شہنشاہ ہرقل مآب کے مقام پر موجود تھا اور شرحبیل نے بہرا ، وائل ، لخم ، جذام وغیرہ قبیلوں کے ایک لاکھ آدمی جمع کر لئے تھے ۔ مقابلہ سخت تھا تینوں جرنیل شہید ہو گئے تو خالدؓ کو امامت ملی ۔ وہ بڑی شجاعت سے لڑے اور پھر اپنی فوج کو باقاعدہ پیپا کر لائے ۔ یہ حضرت خالدؓ کا بڑا کارنامہ تھا ۔

واپسی پر اہل مدینہ نے ان کا بڑا استقبال کیا ۔ لیکن آنحضرت نے ان کی جنگی ترکیب کی تعریف کی اور حضرت جعفرؓ کی یتیم لڑکی کو گود میں لیکر اور اپنے مولیٰ اور بھائی زید کو یاد کر کے خوب روئے ۔

اس کے بعد چند اور معمولی مہمیں روانہ کی گئیں ۔ ان میں سے بطن اضم کے مقام پر ابو قتادہ نے ایک شخص کو قتل کر کے لوٹ لیا حالانکہ اس نے اسلامی طریقہ پر السلام علیکم کہا تھا محسن للمفتوحین نے یہ سنکر افسوس

کہا اور کہا جو شخص سلامتی اور اسلام کا قائل ہو اور کہے کہ میں مسلمان ہوں اُسے مسلمان سمجھو۔ پھر یہ قرآن نازل ہوا۔

نساء ۱۳ع جو سلامتی چاہے اس سے نہ لڑو

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۞

مکہ میں پرامن داخلہ: رمضان ۸ھ جنوری ۶۳۰ء

بیعت رضواں اور فتح حدیبیہ کے بائیس مہینے بعد یہ خبر پہنچی کہ حکومت مدینہ کے حلیف بنو خزاعہ پر قریش نے بنو بکر کے ساتھ حملہ کر دیا اور بہت سے بے گناہ قتل کر دیئے ہیں۔ آنحضرت نے یہ فریاد سنتے ہی قریش کے پاس یہ پیغام بھیجا۔

تین شرطوں میں سے کوئی بھی منظور کر لو:- (۱) مقتولوں کا خوں بہا دو یا (۲) بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ (تو خود خزاعہ معاملہ طے کر لیں گے) یا (۳) یہ اعلان کر دو کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا۔ قریش نے آخری شرط منظور کر لی اور ایک شخص نے اعلان کر دیا کہ معاہدہ ٹوٹ گیا یعنی اب پھر مکہ اور مدینہ میں جنگ قائم ہو گئی۔

اہل مکہ بعد میں پچھتائے اور خود ابوسفیان سردار مکہ مدینہ میں آیا کہ دوبارہ تجدید صلح ہو جائے لیکن مقصد حاصل نہ ہوا۔ ادھر آنحضرت نے مکہ جانے کی خفیہ تیاری شروع کر دی۔ شروع زمانے میں تو یہ ممکن تھا کہ فوج کی روانگی کے بعد یہ نہ ظاہر ہو سکے کہ کس مقام پر حملہ کا ارادہ ہے لیکن اب تو یہ کھلا ہوا راز تھا۔ مگر حکم یہی تھا کہ حسب معمول رازداری برتی جائے۔ اتفاق سے جناب حاطب نے قریش کو ایک خط لکھ دیا کہ آنحضرت مکہ آ رہے ہیں اور اپنے حلیف بنو خزاعہ کے مقتولوں کا سخت بدلہ لیں گے۔ ان کا منشا یہ تھا کہ ان کے اہل و عیال جو مکہ میں تھے۔ اس خبر رسانی کے بدلہ میں محفوظ رہیں خط پکڑا گیا۔ لیکن آنحضرت نے انھیں کے ٹال دیا اور فرمایا کہ یہ بدری ہیں۔ ان کے سب گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ پھر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

الممتحنہ ۱۔ دشمن سے معاملات خفیہ رکھو

دیکھو اللہ کی راہ میں اپنے اہل و عیال کی پروا نہ کرو جس طرح ابراہیم نے اپنے باپ کی پروا نہ کی تھی۔ اُن سے اپنے معاملات خفیہ رکھو۔

الممتحنہ ۲: نہ لڑنے والے دشمن سے نیکی کرو

لیکن جو لوگ تم سے نہیں لڑتے اُن سے بھلائی اور انصاف کرو۔ ہاں جنھوں نے جلاوطن کیا ہے اُن سے دوستی کرنا گناہ ہے۔ (اس کے بعد بیعت مومنات کا ذکر ہے)

الرحمان اور فتح مکہ

مختلف معاہد قبائل کو ساتھ لے کر دس ہزار کی تعداد سے رمضان ۸ھ کو محسن المقتومین مکہ روانہ ہوئے۔ اب پھر مہاجرین کا شعار یا بنی عبدالرحمان مقرر ہوا اور سب مکہ کے قریب مرّ الظہران پر پہنچ کر ٹھیر گئے۔ وہاں ابوسفیان نے آکر لشکر اسلام کی کثرت کو دیکھا اور اتنا خائف ہوا کہ حضرت عباسؓ کے ساتھ آنحضرت کے پاس آکر قائل ہو گیا کہ "رحمانؐ" کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو کیوں آج مدد نہ کرتا اور بے دلی کے ساتھ آنحضرت کی رسالت کا بھی قائل ہو گیا۔ آپؐ نے اس شیتینی دشمن کا تالیف قلب اس طرح فرمایا کہ اعلان کر دیا کہ ابوسفیان کے گھر میں جو پناہ لے گا وہ معاف کر دیا جائے گا۔

مکہ میں پرامن داخلہ

۲۰ رمضان ۸ھ صبح صادق کے وقت آپ قصوا پر سوار ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ آپ کے جان نثار رسولی زید بن حارثہ کا بیٹا اسامہ بن زید سوار تھا۔ زید سریہ موتہ میں شہید ہو چکے تھے۔ لیکن جہاں مکہ والوں کو بنی عبدالرحمان یعنی مہاجرین رحمانؐ کی یاد دلا رہے تھے وہاں آنحضرتؐ مکہ والوں کو یہ بھی بتا رہے تھے کہ غلاموں اور یتیموں سے زیادہ آنحضرت کی نظر میں دنیا کا کوئی بشر نہیں ہے۔ مکہ پہنچ کر آپ حجون کی پہاڑی پر ٹھیرے وہاں سے پورا مکہ سامنے تھا۔ دس سال کے واقعات چشم زدن میں نظروں میں پھر گئے اور آپ نہایت عاجزانہ طریقہ پر اونٹ ہی کے اوپر سجدہ شکر میں جھک گئے۔ آپؐ نے اعلان عام کر دیا کہ داخلہ پرامن ہو اور خانہ کعبہ حکیم بن حزام اور ابوسفیان کے گھر دارالامان سمجھے جائیں۔ یہ بھی فرمایا کہ ان مقاموں کے علاوہ جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے گا اس پر حملہ نہ ہوگا اور جو ہتھیار ڈال دے گا وہ محفوظ رہے گا۔ پھر بھی بنو کنانہ نے حضرت خالدؓ کے دستہ پر حملہ کر دیا اور چند کنانی قتل ہوئے۔ آنحضرت نے اُن کو کہا کہ خدا کی یہی مرضی تھی اور مکرر تاکید کی کہ تلوار نہ نکالی جائے۔ آپ نے اعلان کر دیا کہ یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو بخشا تھا۔ آج میں اپنے قاتل دشمنوں کو بھی معاف کرتا ہوں۔ (لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ)

آپ سورۃ الفتح پڑھتے ہوئے بیت اللہ کعبہ کے پاس آئے اور بلند آواز سے فرمایا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل ۹) عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی کنجی لے کر بیش کی

بلالؓ اور طلحہؓ کے ساتھ آپؐ اندر گئے۔ مختلف الہون (بتوں) سے کعبہ کو پاک کیا اور الٰہ الّٰہ کے اکبر ہونے کا اعلان کر دیا اس کے بعد ھبل کو کعبہ کی چھت سے نیچے پھینک دیا گیا۔ اور بلال نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اللہ کو سب الہون سب انسانوں، کل کائنات سے بڑا ہونے اور محمد بن عبداللہ کو خدائی پیامبر ہونے کا بلند آواز سے اعلان کر دیا

اطاعت الٰہی یا اسلام پر بیعت

طواف و تطہیر کے بعد آپ صفا کی پہاڑی پر بیٹھ گئے اور جو لوگ مسلمان ہونا چاہتے تھے اُن سے مندرجہ ذیل باتوں کا عہد لینے لگے :۔ (۱) الرحمان ہی اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں

(۲) محمد اسی اللہ کے پیامبر ہیں (شیطانی ایلچی نہیں ہیں)

اس لیے ہم جملہ شیطانی باتوں سے توبہ کرتے ہیں: خود غرضی، انتقام اور نسب پر فخر کر کے کسی کو حرؑ اور کسی کو عبد سمجھنے (یعنی تعظم بالآبا ترک کے مساوات انسانی کو مٹانے) اور اکھڑپن کے زمانے کے غرور (نخوت الجاہلیہ) سے باز آجائیں گے۔

(۳) چوری، زنا، قتل، لڑکیوں کو مار ڈالنا بہتان لگانا چھوڑ دیں گے۔

(۴) امرِ حق میں اطاعت رسول کریں گے (یہ دفعہ اس لیے نہایت اہم ہے کہ لوگوں کو ضمیر کی قطعی آزادی دی گئی تاکہ وہ جن باتوں کو مندرجہ بالا اصول علہ و ۲ کی روشنی میں معروف سمجھیں اُن پر عمل کریں اور جن باتوں کو وہ سمجھیں کہ شیطانی ہیں ان کو ترک کر دیں۔

(۵) عورتوں سے شرک، چوری، زنا، بہتان، قتل مودہ کے ترک کرنے کے علاوہ یہ بھی عہد لیا گیا کہ ہم جاہلیہ کی طرح سوگ میں بال نہ کھسوٹیں گے، نہ سینہ کوبی کریں گے۔ نہ قبروں پر جا کر ماتم کریں گے۔

سورہ ممتحنہ ۲ع : بیعت مومنات

اس رکوع میں بیعت مومنات کا ذکر ہے۔

واجب القتل افراد کی معافی

اس کے بعد سات واجب القتل مجرموں کی معافی کا اعلان کر دیا گیا۔ اور خصوصیت سے صفوانؓ بن امیہ بن خلف کو اپنا عمامہ بطور آیت (نشان) کے بھیجکر محسن المفتوحیت نے معاف کر دیا۔ معافی کے بعد بھی وہ اپنے کفر پر قائم رہا لیکن حنین کے بعد جب اسے کثرت سے مال بطور انعام کے دیا گیا تو قائل ہو گیا کہ بجز رسول کے اور کوئی اتنی فیاضی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا الرحمان اور رسول پر ایمان لے آیا۔

خطبہ نبوی

خطبات کی تاریخ دنیا کی ادبی تاریخ کا غالب حصہ ہے۔ آدم کے وقت سے لوگوں نے

نطق وکلام کے ذریعے انسانوں کے جذبات کی لہروں میں ہمیشہ طوفان بپا کیا ہے۔ کرشن کے نام پر جو نغمہ خداوندی ویاس نے تصنیف کیا تھا۔ توراۃ میں جو احکام اور زبور میں جو ترانے سنائے گئے تھے مگاستھنیز (شاگرد ارسطو) نے مسیح سے تین سو سال پہلے جو گہر پاشیاں کی تھیں وہ سب حقیقتاً خطاباتی ادب کے تخلیقی آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں۔ لیکن جب ہم محسن المفتوحین کے اس خطبہ فتح پر نظر ڈالتے ہیں جو ایک نبی، ایک فاتح، ایک مصلح اور ایک محسن کی حیثیت سے آپ نے مسیح سے ۶۲۸ سال بعد دیا تھا تو وہ آپ اپنی ہی نظیر معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس تعلیم کا خلاصہ ہے جس کے لئے آنحضرتؐ کے تیرہ سال مکے میں اور سات سال مدینہ میں بسر ہو چکے تھے۔ خطبہ یہ ہے:-

لا اله الا الله وحده۔ لا شريك له صدق وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده

کوئی معبود سوائے اللہ کے بندگی کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے (محمدؐ) کی مدد کی اور اسی نے مشرکوں کی فوجوں کو تن تنہا شکست دی

الا كل مأثرة او دم او مال يدعى فهو تحت قدمي هاتين۔ الا سدانة البيت وسقاية الحاج

سن لو تمام مراسم جاہلیہ، (قصاص و خون بہا کے دعوے) میرے دونوں قدموں کے نیچے کچلے جاتے ہیں۔ البتہ کعبہ کی تولیت و دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا عہدہ (سقایہ) باقی رہے گا۔

الا وقتيل الخطا شبه العمد بالسوط والعصا ففيه الدية المغلظة في بطونها اولادها

سن لو اگر کوئی شخص کوڑے اور ڈنڈوں سے کسی کو مارے اور اس کی نیت قتل کی نہ ہو لیکن وہ مر جائے تو اس میں بھی پورا خون بہا سو اونٹوں کا دینا ہوگا۔ ان میں ایسی چالیس اونٹنیاں بھی ہوں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔

يا معشر القريش! ان الله قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء الناس كلهم من آدم وآدم من تراب

اے قوم قریش، اللہ نے تم سے جاہلیت کے زمانے کی نخوت دور کر دی ہے اب تم کو اپنی نسل پر غرور نہ کرنا چاہیئے۔ کل انسان نسل آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے ہے (جو پست ترین عنصر مانا جاتا ہے) (مقصد یہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں)

يا ايها الناس! ان اكرمكم عند الله اتقاكم

لوگو یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک وہی معزز ہے جو برائیوں سے بچتا ہے اور نیکیاں کرتا ہے

ان الله قد حرم مكة يوم خلق

مکہ کو اللہ نے اس وقت سے قابل احترام بنایا ہے جب کہ

السماوات والارض، فهی حرام إلی یوم القیامه فلیبلغ شاهدکم غائبکم ولا یحل لنا من غنائمها من شی۔ مثلی ومثلکم کما قال یوسف لاخوته، لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقاء یغفر الله لکم وهو ارحم الراحمین

یہ کائنات پیدا کی تھی ۔ یہ قیامت تک اسی طرح قابل احترام رہے گا اس بات کی خبر اُن لوگوں کو بھی پہنچا دو جو یہاں نہیں ہیں اس شہر کی کسی چیز کو لوٹنا ہمارے لئے حلال نہیں ہے میری اور تمہاری مثال ویسی ہے جیسی کہ یوسف اور اسکے بھائیوں کی تھی ۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم بالکل آزاد ہو۔ خدا تمہیں معاف کرے ۔ وہ بہت ہی بڑا رحمت والا ہے ۔

اس کے بعد آپؐ نے کعبہ کی کنجی عثمان بن ابی طلحہ کو دی سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا محکمہ العباسؓ کے پاس رہنے دیا اور باقی محکمہ توڑ دئے ان محکموں کے ذریعے کعبہ کے پروہت حاجیوں کو لوٹتے تھے ۔ کوئی جوتشی تھا اور نسائت شہور یعنی قمری سال کے مہینوں کو شمسی بنایا کرتا تھا ۔ کوئی غیب کی باتیں بتاتا تھا اور کاہن تھا ۔ کوئی کرائے پر کعبہ کے طواف کرنے کے کپڑے دیتا تھا ۔ ورنہ ننگے ہو کر طواف کرنا پڑتا تھا ۔ کوئی مختلف بتوں کے نام پر قربانی کراتا تھا ۔ غرضکہ پجاریوں کی جتنی خرافات تھی وہ ختم کر دی گئی اور ہر شخص کو بلا واسطہ یعنی بلا واسطہ پجاری یا بغیر شفیع کے خدا کی عبادت کرنے کا حق حاصل ہو گیا ۔ ہندوستان میں اس واقعہ کے ساڑھے تیرہ سو برس بعد اچھوتوں کو عبادت گاہوں میں جا کر عبادت کرنے کا آئینی حق دیا گیا ہے لیکن ابھی ہر شخص کو برہمن بننے کا حق نہیں ملا ۔ یہی حال مسیحی اور مجوسی پادریوں اور دستوروں کا ہے کہ ان کے بغیر دوسرے لوگ بلا واسطہ خدا تک نہیں پہنچ سکتے ۔ یہ اسلام ہی کا اثر ہے کہ عبادت کی آزادی اور بغیر کسی درمیانی شخص کے خدا تک اپنی پکار دعا پہنچانے کا تصور کئی سو سال بعد پروٹسٹنٹ اور آریہ سماج تحریکوں کی شکل میں ظاہر ہوا مگر اب ان اصلاحی تحریکوں کا ظہور ہی بے معنی ہے ۔ اس لئے کمیونسٹ تصور نے ان مذہبی اجارہ داروں کے خلاف اتنی نفرت پھیلا دی ہے کہ لوگ خود مذہب ہی کو توہم پرستی اور خرافات سمجھنے لگے ہیں ۔

مدنی دور کا مکی قرآن

قرآن کے بہت سے اجزا ایسے ہیں جو اگرچہ مکی ہیں لیکن وہ ہجرت کے بعد کے ہیں اس لیے ان کو متداول صحف میں مدنی شمار کیا جاتا ہے ۔ داخلہ مکہ کے بعد تحسین المفتوحین پر جو قرآن نازل ہوا وہ چند پرانی بحثوں کو پھر زندہ

کرتا ہے اور اُن کے جوابات دیتا ہے ، اور لطف یہ ہے کہ اس مکی قرآن کا طرزِ بیان و طرزِ خطاب بھی مکی ہے یعنی مدنی سے مختلف ہے :-

(مکہ چھوڑنے سے پہلے قریش بار بار آنحضرت سے آیت (نشان کا ثبوت یا معجزہ) مانگتے تھے یعنی وہ یہ کہتے تھے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ اللہ موجود ہے جو آپ کے پاس پیغامات بھیجتا ہے اور آپ اس کے ایلچی ہیں یعنی دو چیزوں کا بدیہی ثبوت مانگتے تھے ۔ ایک تو وجود باری کا اور دوسرے یہ کہ اس نے آپ کو اپنا رسول (رسول اللہ) بنایا ہے مکہ میں یہ قرآن اس پرانے سوال کے جواب میں نازل ہوا ۔ اس کا روئے سخن قریش کی طرف ہے

سورہ بقرہ ۲ع اللہ کے وجود کا ثبوت

آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ؟ دن رات میں کون تبدیلی کرتا ہے ۔ سمندر میں کشتیاں کس کے قانون کے مطابق تیرتی ہیں ۔ پانی کون برساتا ہے ؟ ہوائیں کس کے قانون اور حکم سے چلتی ہیں ؟ اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو کہ یہی خدا کے موجود ہونے کی آیات (دلیلیں) ہیں (کوئی دوسرا نہ خالق کائنات ہے نہ کائنات کا حاکم ہے ۔ اس کے قانون کے خلاف ایک ذرہ بھی نہیں ہل سکتا لہٰذا ہر مخلوق خدا کے وجود کی دلیل یا اس کی آیت (نشانی) ہے ۔

بلاشبہ الکتاب میں ہدایت ہے سورہ بقرہ ۱ع

یہی الف ، لام ، میم جن سے کلمات بنتے ہیں اور جن سے صاف اور واضح سمجھ میں آنے والا قانون (الکتاب) بنتا ہے اس میں (بلاشک و شبہ) ہدایت بھری ہوئی ہے (یہ سحر یا کہانت نہیں کہ ذو معنی ہو یا تم سے خفیہ رکھا جائے یا اس کے ذریعہ پروہت اور شاعر دولت کمائیں)

اصحاب بیعت رضوان

جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں (اور اس کے سوا کسی کی عبودیت نہیں کرتے) اُن کو اور اُن لوگوں کو جو غیب یعنی اللہ کو مانتے ہیں ، جو اپنے فرائض (صلاۃ) کے پابند ہیں اور جو اپنا مال غریبوں اور مجاہدین پر خرچ کرتے ہیں ۔ ان کو اس الکتاب (قانون علم) سے ہدایت حاصل ہوئی ہے اور وہی فلاح پائے ہوئے ہیں ۔

سب کتابوں پر ایمان لاؤ

اللہ کو ماننے کے بعد جو لوگ پرانی کتابوں کو بھی موجودہ تعلیم (یعنی قرآن) کے ساتھ ساتھ مانتے ہیں ۔

آخرۃ کو مانو

یہ بھی مانتے ہیں کہ اچھے یا برے کام کی قیامت میں بھی جزا سزا ملے گی ۔ یہی لوگ اپنے آقا کی راہ پر ہیں اور ان ہی کا بھلا ہو گا ۔

سورہ بقرہ ۳ع: اعجاز کتب الہیہ نہ کہ اعجاز قرآن

مکہ میں مشرکین نے یہ بحث بھی چھیڑ رکھی تھی کہ کوئی تعلیم خدا کے پاس سے نہیں آئی۔ علم غیب شیاطین کے ذریعے سے شعرا اور کاہنوں وغیرہ کو حاصل ہوتا ہے۔ آپ نے بار بار قرآن کے ذریعہ سے یہی جواب دیا کہ غیب کا علم خدا اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے اپنے جس بندے کو چاہے دے سکتا ہے۔ یعنی بحث یہ نہیں تھی کہ قرآن معجزہ ہے بلکہ یہ بحث تھی کہ جملہ وحی منجانب اللہ ہوتی ہے خواہ وہ انزل علیک (قرآنی تنزیل) ہو یا انزل من قبلک (توراۃ، زبور، انجیل وغیرہ)۔ یعنی بحث اعجاز قرآن کی نہیں بلکہ جملہ کتب الہیہ کے خدائی ہونے کی ہے۔ ظاہر ہے کہ مشرکین عرب کے پاس جو کلام تھا اسے وہ خود شیطانی کہتے تھے۔ وہ کہاں سے کلام الہی لاتے اور اگر لاتے تو انھیں قائل ہونا پڑتا کہ خدا ہے اور وہ اپنے رسولوں پر وحی کرتا ہے۔ لہذا مکہ میں آکر محسن المفتوحین نے قرآنی وحی سے یہ بحث ختم کر دی۔ اگرچہ آج تک بعض اصحاب علم اس غلطی میں پھنسے ہوئے ہیں کہ یہ بحث صرف اعجاز قرآن سے متعلق ہے حالانکہ بقرہ کا پہلا رکوع صاف صاف کہہ رہا ہے کہ کل کتابیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان کو سچا ماننا چاہیئے اور جہاں تک ان کے منجانب اللہ ہونے کا تعلق ہے وہ سب معجز ہیں، یعنی منکرین خدا انھیں ہرگز خدا کی طرف سے نہیں مان سکتے نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا رسولوں کو بھیجتا ہے۔ اگر ایسا کہہ دیں تو وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ "اور اے لوگو اگر تمہیں شک ہے کہ جو کچھ خدا نے اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کیا ہے وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے تو تم ہی اس قسم کی (توحید و معاد و اصلاح کی تعلیم کے چند جملے (ایک ہی سورہ) بنا لاؤ اور اپنے ساتھ اپنے ہی گواہوں کو بھی لے آؤ (جو یہ کہیں کہ یہ تعلیم جو تم بنا کر لائے ہو شیطان نے بنا کر تمہیں دی بلکہ خدا پرستی کی تعلیم ہے)، تو میں تم کو سچا مان لوں لیکن میں جانتا ہوں کہ نہ تو تم ایسا کر دگے۔ نہ ایسا کر ہی سکتے ہو تو اس کے سوا اس کا کیا نتیجہ ہوگا کہ تم انکار و الحاد کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جاؤ۔"

"اور جو لوگ ایمان کے ساتھ ساتھ نیک عملی اختیار کریں گے ان کو جنت کی خوشخبری دیجاتی ہے"۔

"خدا سے جو معاہدہ نیک عملی اور خدا پرستی کا (حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے برابر ہوتا آیا ہے) اُسے نہ توڑو دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔ یہ شیطانی کام ہیں۔ ایسے لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔ یاد رکھو کہ خدا ہی خالق و علیم ہے"۔

مکی تعلیم کی مکی انتہا

غرض کہ روحانیت اور نیک عملی کی جو تعلیم مکہ میں شروع کی گئی تھی اس پر دوبارہ مکہ ہی میں آکر خاتمہ کر دیا گیا اور لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ تعلیم رحمانی اور تعلیم شیطانی میں کیا فرق ہے اور اللہ اور بعث بعد الموت کا ماننا نیک عملی کی پر امن زندگی (اسلام) کے لئے ضروری ہے۔

کلام من عنداللہ اور القائے شیطان

اس رکوع میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ رحمانی تعلیم لوگوں کو خوف و جوع سے بچاتی ہے فساد فی الارض سے روکتی ہے اور عمل صالح کی ہدایت کرتی ہے۔

القائے شیطان جو کاہنوں یا شاعروں کے ذریعہ سے تم حاصل کرنے کے مدعی ہو یہ جھوٹی پیشین گوئیوں جھوٹی تعریفوں اور مکاری سے دولت حاصل کرنے کے سوا ہو کیا ہے تمہارے شاعر قتل و نہب کی تعلیم دیتے ہیں ظلم و جور و جنگ یعنی فساد فی الارض پر ابھارتے ہیں تمہارے کاہن ایسی تاریخیں اور شگون بتاتے ہیں جن پر عمل کر کے تم مظلوموں کو قتل کر سکو اور ان کے بچوں کو یتیم اور عورتوں کو غلام بنا سکو (الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ) اسی لئے رسول اللہ کو جب کفار نے چیلنج دیا کہ شعر کہو تو آپ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ شیطانی کلام مجھے خدا نے نہیں سکھایا (وما علمناہ الشعر)

آخری چیلنج یا تحدی

کیا مندرجہ بالا باتوں میں ایک بات بھی قرآن یا کسی کتاب اللہ میں ملتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی خدائی تعلیم میں شیطانی تعلیم نہیں مل سکتی ہے لہٰذا اگر ان میں خرافات نہیں ملتی تو تم خود ان کتب الہیہ اور قرآن کی مانند کوئی سورت بنا لاؤ۔ اسی بات کو دوسری جگہ کہا کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ أَهْدٰی مِنْهُمَا اَتَّبِعْهُ یعنی توراۃ و قرآن سے بہتر تعلیم بنا لاؤ تو میں اس کی پیروی کو تیار رہوں۔) یہاں بھی یہی کہا ہے کہ خود تمہارے آدمی فیصلہ کریں کہ تمہاری تصنیف کلام من عنداللہ کی مانند ہے تو میں مان لوں گا کہ تم سچے ہو یعنی تم مسلمان ہو جاؤ گے اور خدا اور بعث بعد الموت پر ایمان لا کر عمل صالح کو جزو ایمان بنا لو گے اسی لئے کفار اگرچہ ایسا کلام کہنے پر قادر تھے (لو نشاء لقلنا مثل ھذا) لیکن ضد کی وجہ سے نہیں کہتے تھے۔ بلکہ رسول اللہ سے کہتے تھے کہ تم شعر کی سی خرافات کہو۔

کل کتب الہیہ منکروں کے لئے معجزہ ہیں

مشرکین عجیب کشمکش و پیچ میں تھے۔ اگر وہ کتب الہیہ کی مانند کوئی عبارت گڑھتے ہیں تو مسلمان ہو جاتے ہیں نہیں گڑھتے تو شکست کھاتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے تھے کہ تم شعر بنا لاؤ جس کا جواب رسول اللہ پہلے دے چکے ہیں کہ شعر میں خرافات باتیں ہوتی ہیں جو میرے لئے مناسب نہیں ہیں۔ خدا نے مجھے اس طرح کی شاعری نہیں سکھائی۔

بہر حال وہ کوئی عبارت نہ بنا سکے اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرآن، توراۃ، انجیل وغیرہ سب کتب الہیہ

ان کے لئے معجزہ ہیں اور کلام جاہلیہ یعنی شعر و سجع و کہانت کا بیشتر حصہ شیطنت کی راہ دکھاتا ہے یعنی یا تو اس میں نسیب ہے یا قصیدہ۔ مرثیہ ہے یا اشعار حماسہ اور تقریباً سب فساد فی الارض اور قتل و ظلم و طغیان اور جھوٹی غیب دانی پر مشتمل ہیں۔ اسی لئے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نیکی باتیں سکھانے کے لئے شعر نہیں کہہ سکتا۔ یقولون ما لا تفعلون۔

اسی زمانے میں سورۃ النصر نازل ہوئی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کثرت سے لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔

سورۃ النصر

اے رسول خدا کا شکر کر کہ اللہ کی مدد سے جوق جوق لوگ دین اللہ میں داخل ہو رہے ہیں یعنی وہ اللہ کو مان کر نیک عملی کا عہد کر رہے ہیں اور یہ سمجھ گئے ہیں کہ بدعملی کا نتیجہ یہاں نہیں تو وہاں برا ہوگا۔

کعبہ کا خزانہ اور نبیوں کے بت

کعبہ کے خزانہ کا مال جوں کا توں رہنے دیا گیا۔ بت توڑ دیئے گئے۔ وہاں حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و عیسیٰؑ کی تصاویر بھی تھیں جو مٹی ہوئی شکل میں عرصہ تک کعبہ میں باقی رہیں۔ اس کے بعد مختلف قبائل نے اپنی دیویوں اور بتوں کو مسلمان ہو کر توڑ ڈالا اور اللہ کی براہ راست بندگی شروع ہو گئی۔ یعنی پروہتوں کی جماعت بھی ختم کر دی گئی۔ یہ اسلام کا دنیا پر ایک احسان عظیم ہے۔

مہاجروں کی متروکہ جائداد

محسن الملفوحین کا مقصد مشرکوں کے دلوں کی تسخیر تھا۔ لہٰذا انھوں نے مہاجروں کو وہ جائداد واپس نہیں لینے دی جو وہ مکہ میں چھوڑ گئے تھے اور جس پر مشرکین نے قبضہ کر لیا تھا۔

تالیف قلوب

مشرکوں کی تالیف قلوب کا ایک ذریعہ یہ بھی اختیار کیا گیا تھا کہ مختلف غزوات میں جو مال ملتا تھا وہ نہایت فیاضی سے مشرکوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

مشرکوں کو مذہبی آزادی

جو مشرک آنحضرت سے جنگ نہیں کرتے تھے ان کو پوری مذہبی آزادی مل گئی تھی۔ اسی لئے دو ہزار کی تعداد میں وہ جنگ حنین میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے اور مسلمانوں کو ان ہی کی وجہ سے شکست ہوئی۔ پھر اصحاب بیعت رضوان نے بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالا۔ اب حمد الٰہی کے دو بے مثال خطبے نازل ہوئے۔

سورۃ الحدید ع ۱۔ خدا کی حمد کا خلاصہ یعنی پوری حمد کا عطر

کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کی

پاکی بیان کرتا ہے۔ اسی کا ہر جگہ راج ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ وہی خالق ہے وہی علیم ہے وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ وہی خلوت وجلوت میں تمہارے ساتھ ہے

انفاق اللہ اور رسول کو مان کر انفاق کرو۔ اسی خدا نے اپنے بندے محمد کے ذریعے تمہیں تاریکی سے نکالا اور روشنی دکھلائی۔ لہٰذا جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس کی راہ میں خرچ کرو۔

الحدید ۱ع۔ اللہ کو قرض دیکر نفع کماؤ | جو خیرات کریں گے انہیں دُگنا نفع ہوگا اور اجرِ عظیم بھی پائیں گے۔ منافق اور یہودی دولت کے لالچ میں اس نفع سے محروم ہیں

الحدید ۳ع۔ دنیوی زندگی محض فریب ہے | ہر مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے لہٰذا جو نہ ملے اس پر غم نہ کرو۔ جو مل جائے اس پر نہ اتراؤ۔ بخل سے دولت نہیں بڑھتی۔ نبی اس واسطے بھیجے جاتے ہیں کہ دنیا میں عدل قائم کریں اور لوہے سے مدد لیں جس میں عدل کی سی سختی اور نفع دونوں موجود ہیں

الحدید رکوع ۴ع۔ نبوت وحکمت | نوح اور ابراہیم کی اولاد میں خدا نے نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت یعنی قانونی فیصلہ کی طاقت بھی دی۔ اُن میں سے بعض راہ راست پر چلے (یعنی عدل کیا) اور بعض بھٹک گئے

عیسیٰ اور رحم | سب سے آخر میں عیسیٰ بن مریم نے خوش خبری (انجیل) سنائی کہ رحم ومحبت کرنے والوں کو نجات ہوگی۔

رہبانیت | خدا نے رہبانیت یا سنیاس کی تعلیم نہیں دی لیکن اگر کوئی اللہ کو اپنے زہد وتنسک سے راضی کرنا چاہے تو محض ریاکار سادھو یا راہب نہ بنے بلکہ سنیاس وزہد کا پورا پورا حق ادا کردے۔ نصرانیوں نے یہ بات شروع کی لیکن اس کا پورا پورا حق ادا نہ کر سکے۔

رحمت ونور وا لانبی | مومنو! آخر میں اس نبی (محمدؐ) کو مانو جو خدا کی طرف سے مہربانی اور روشنی کے تہیں دُہرے حصے دلواتا ہے (یعنی کل دینوں کو مان کر اگر تم محمدؐ کو بھی مانوگے تو) اللہ کا فضل تمہارے شامل حال رہے گا "

مسلمانوں کو تنبیہ | یاد رکھئے کہ اس سورہ میں آنحضرت کی بست سالہ تعلیم الٰہیات کا خلاصہ ہے۔ لوگ

اس سورہ کی آیتوں سے وحدت وجود بھی ثابت کرتے ہیں اور وحدت شہود بھی۔ اسی سے عملی دنیوی کا راستہ پاتے ہیں اور اسی سے زہد و رہبانیت کے معتدل راستے پر بھی چل سکتے ہیں اور نہ صرف یہود و نصاریٰ بلکہ دوسری خدا پرست قومیں، اور نور کی پرستش کرنے والی آرین قومیں (مثل مجوسی و براہمہ) بھی اس سورہ سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ بہر حال مسلمانوں کو روز اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اس میں الٰہیات، اخلاقیات اور سیاسیات سب کا خلاصہ ہے۔

اسی زمانے کی ایک سورہ درج ذیل ہے۔ اس کے مطالب بھی تقریباً سورہ الحدید کے مانند ہیں۔

حمد الٰہی کا دوسرا بے مثل خطبہ سورۃ التغابن ۱ع: اللہ بادشاہ ہے

کل کائنات میں اسی کا راج ہے لہٰذا اس کی حمد کرو۔ جسے راج دیا، خدا ہی نے دیا، لہٰذا اس کی راہ میں انفاق کرو۔ انسان کی ہدایت کو انسان ہی آتا ہے۔ بعث بعد الموت یقینی ہے یعنی جزا و سزا کا قانون اٹل ہے اور یہ تعلیم (قرآن) نور ہے۔

تغابن: ۲ع: اللہ ہی پر بھروسہ

کسی غیر پر بھروسہ نہ کرو۔ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ مال اور اولاد کے فتنے سے بچو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

قبائل ہوازن و ثقیف کی مدافعت ۶ شوال ۸ھ جنوری ۶۳۰ء

مکہ کے پرامن انقلاب کے بعد عرب کے دو بڑے قبیلے ہوازن اور ثقیف مسلمانوں پر حملہ کرنے کی سازش کرنے لگے۔ یہ لوگ چار ہزار فوج کے ساتھ مکہ سے تین رات کے فاصلہ پر بمقام حنین جمع ہوئے۔ یہ مقام نخلہ، طائف اور اوطاس سے یکساں فاصلہ پر ہے۔

محسن المفتوحین نے یہ خبر سن کر فوجی چندہ جمع کرنا شروع کیا اور اس میں مشرکین سے بھی بعض چیزیں مستعار اور روپیہ قرض لیا اور ۶ شوال کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان میں دو ہزار کے قریب نو مسلم اور مشرک بھی تھے اور یہ سب اپنی کثرت تعداد پر غرور کر رہے تھے۔

غزوہ حنین: عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت

ہوازن نے صف بندی کا انتظار نہیں کیا بلکہ مختلف دروں سے سخت تیر اندازی کی اور اتنا سخت حملہ کیا کہ اسلامی فوج کے پیر اکھڑ گئے۔ بھاگنے والوں کی یہ حالت تھی کہ ایک دوسرے کو روندے ڈالتا تھا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ تنہا رہ گئے۔ آپؐ نے پکارا "یا انصار اللہ و رسولہ" مگر کسی نے گھبراہٹ

میں نہ سُنا آخر آپ نے حضرت عباسؓ سے پکارنے کو کہا - ان کی آواز بلند تھی اور وہ پکارے - یا معشر الانصار ، اور اے بیعت رضوان کرنے والو دوڑو - یہ سننا تھا کہ مہاجر و انصار دیوانہ وار آنحضرت کے گرد دوڑ کر جمع ہو گئے - اب ہوازن بھاگنے لگے اور ثقیف کے ستر آدمی مارے گئے - اس لڑائی میں آپ نے حکم دیا کہ ہرگز عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے - اس سے زیادہ کوئی بات بزدلی کی نہیں ہو سکتی ۔

<u>سریہ اوطاس</u> جو لوگ اوطاس کی طرف بھاگے تھے ان کا پیچھا کیا گیا اور وہاں سے چھ ہزار عورت بچے ، چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت میں ملا ۔

<u>سکینہ و جنود اللہ</u> اس فتح کا ذکر بعد میں سورہ توبہ میں ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ نے تمہارے قلوب کو اطمینان بخشا اور اطمینان کی فوجیں (فرشتے) تمہارے دلوں پر نازل ہوئیں - اسلئے شکست کے بعد فتح ہوئی ۔

<u>غزوہ طائف</u> اوطاس سے فارغ ہو کر آنحضرت نے طائف کا رُخ کیا - بنو ثقیف قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے مسلمانوں نے منجنیقیں استعمال کیں - ثقیف نے بارہ مسلمانوں کو تیروں سے شہید کر دیا - آخر اٹھارہ دن محاصرہ کرنے کے بعد محاصرہ اٹھا دیا گیا اور جعرانہ میں آکر مال غنیمت تقسیم ہوا -

<u>غلاموں کی رہائی</u> - محاصرہ کے دوران میں آپ نے اعلان کر دیا کہ اسلام غلاموں کا حامی ہے جو غلام قلعہ سے نکل کر ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد سمجھا جائے گا - اس پر چالیس پچاس غلام نکل آئے اور آزاد کر دیئے گئے اس کے علاوہ جب اوطاس کا مال غنیمت تقسیم ہوا تو قیدی بھی تقسیم کر دیئے گئے - یہ وہ قبیلہ تھا جس میں آپ نے بچپن میں حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا - آپ کی رضاعی بہن بھی قیدیوں میں تھی - لہٰذا جب ہوازن کے مردوں نے آکر آپ سے خوشامد کی تو آپ نے فرمایا کہ میرے اور میرے قبیلے کے قیدی آزاد ہیں - مہاجر و انصار نے یہ سنا تو انھوں نے بھی اپنے حصے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا - صرف بنی تمیم اور بنو فزارہ نے قیدیوں کو بغیر فدیہ کے آزاد کرنے سے اسلئے انکار کر دیا کہ وہ مشرک تھے ، اس لئے محسن المفتوحین نے اُن سے فرمایا کہ بنو ہوازن مسلم (مطیع) ہو کر آئے ہیں ، ان کے قیدیوں کو آزاد کر دو - ان کے ہر قیدی کے بدلے میں چھ اونٹنیاں دی جائیں گی - لہٰذا بیک وقت چھ ہزار عورتیں اور بچے آزاد ہو گئے -

<u>عمرہ جعرانہ</u> ۱۸ ذی قعدہ ۸ھ کو آپ نے عمرہ کی نیت کی - مکہ آکر عمرہ ادا کیا - عتاب بن اسید کو مکہ کا گورنر مقرر کیا اور حضرت معاذ بن جبل کو ان کے ساتھ چھوڑا - تاکہ لوگوں کو قرآنی تعلیم دیں - عتاب کی تنخواہ ایک درہم (۴۰) روزانہ مقرر کی اور آپ مدینہ واپس تشریف لائے اور احکام حج سورہ بقرہ کے رکوع ۲۵ اور رکوع ۱۹ میں اور

اور سورۃ الحج میں بیان فرمائے گئے ۔

مولفۃ قلوب | جتنا مال ملا تھا وہ نومسلموں میں نہایت فیاضی سے تقسیم کردیا گیا۔ انصار سمجھے کہ مکہ والوں پر خاص عنایت ہے ۔ آپ نے انھیں سمجھایا کہ یہ لوگ دولت کے بھوکے تھے ۔ میں نے انھیں مال دے دیا لیکن میں تمہارا ہوں اور تم میرے ۔ میں تمہارے ساتھ مدینہ چلوں گا ۔ اس پر سب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اپنے سوء ظن پر وہ لوگ نادم ہوئے

بقرہ ع۲۵ احکام حج | جو شخص حج کا احرام باندھ لے وہ عورت سے الگ رہے گناہوں سے بچے اور لڑائی جھگڑے میں نہ پڑے ۔ اپنے ساتھ کافی زادِ راہ لے جائے کہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ تجارت کرے اور نفع کمائے لیکن باپ دادا کے کارنامے بیان کرنے کی جگہ اللہ کی رحمتوں کا ذکر کرے منافقوں سے ہوشیار رہو اور جو مرکزی جماعت " بیعت رضوان کرنے والوں کی بنی ہے ان کی عزت کرو۔ یہ امن و امان چاہتے ہیں ۔ منافقوں کی طرح فساد نہیں پھیلانا چاہتے ۔ ان ہی جان فروشوں کی وجہ سے حنین میں فتح ہوئی ۔

سلامتی فساد سے بہتر ہے | مقصدِ اسلام امن و سلامتی ہے ۔ یہ فساد سے بہتر ہے ۔ خدا پرستی سے حلم و بردباری پیدا ہوتی ہے شیطان کے بہکانے پر عمل کروگے تو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے ۔

البقرہ ع۱۹ : اللہ کی رحمت کے مستحق | جو شخص اللہ سے مدد مانگتا ہے اور ساتھ ساتھ صبر سے مقصد کے لئے قائم رہتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور جب اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اسی کے پاس واپس جائیں گے ان پر اللہ کی عنایت و رحمت ہوتی ہے۔

شہید مردہ نہیں زندہ ہیں | اس طرح صبر و استقامت سے ، اللہ کی راہ میں جان دینے والے مرتے نہیں بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں ۔ البتہ تم اس کا شعور نہیں کرسکتے ۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں خوف ، بھوک ، مالی نقصان ، جانی نقصان اور اپنے حاصل کئے ہوئے پھلوں کا نقصان خوشی سے برداشت کرتے ہیں (اور زندہ ہو جاتے ہیں) اس روشنی میں قتل و رفع مسیح کو دیکھئے تو مطلب واضح ہے کہ وہ بھی شہید راہ حق ہیں اور زندہ ہیں ۔

صفا اور مروہ | صفا اور مروہ کی پہاڑیاں ، خدا کی ان نشانیوں میں سے ہیں جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کی خدا پرستی کو یاد دلاتی ہیں ۔ حج یا عمرہ (یعنی زیارت بیت اللہ) کرتے وقت اگر ان

دونوں پہاڑوں کا طواف کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں (جاہلیہ میں یہاں بت نصب کر دیئے گئے تھے۔ اب وہاں بت نہیں ہیں۔ یہ پہاڑیاں حضرت ابراہیم کے مکہ آنے اور حضرت ہاجرہ کے پانی تلاش کرنے کی یاد دلاتی ہیں)

اللہ کے سوا کوئی غفار نہیں

جو لوگ اللہ کے منکر ہوئے وہ لعنتی، ابدی عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے اس سے توبہ کرو۔ اللہ بہت بڑا بخشنے والا اور رحمت والا ہے اسے اختیار کامل ہے کہ معاف کر دے۔ سب کا ایک ہی معبود ہے۔ وہی رحمان ہے اور رحمت والا ہے (لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ)

حج

زراعتی تمدن کے زمانے کی یادگار ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ یہ ایک میلہ ہوتا تھا جس میں معتدل موسم میں اپنی فصلیں کاٹنے کے بعد ہر قوم خوشیاں مناتی تھی اور اپنے دیوتاؤں کو بھی پھول پھل، پرندوں اور جانوروں کے نذرانے یا قربانیاں پیش کرتی تھی۔ عبرانی اور سنسکرت میں ذبح اور بھینٹ کے معنی ہی کسی چیز کو نذر کرنے کے ہیں۔ مثلاً حضرت اسماعیل کو ذبح عظیم اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ "خدا کے گھر" (بیت ایل) کے لئے بطور نذرانہ پیش کر دیئے گئے تھے تاکہ وہ خانہ خدا کے مجاور بنیں اور خدا کی بندگی کرنے والوں کو اس کا راستہ دکھائیں۔

بہر حال سال میں دو مرتبہ یعنی ربیع اور خریف کی فصل کے زمانے میں اعتدال شمسی (۲۱ مارچ اور ۲۱ ستمبر) کے قریب دنیا کے ہر ملک میں میلے لگتے تھے۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ مختلف بازاروں یا میلوں سے گذرتے ہوئے ذی الحج (فروری۔ مارچ) میں عرفات، مزدلفہ اور منی میں میلے لگتے تھے۔ یہ حج اکبر کہلاتا تھا اور اس زمانے میں تین ماہ تک قتل و نہب بند کر دیا جاتا تھا۔ یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم (جسے صفر الاول بھی کہتے ہیں) الحرم مہینے سمجھے جاتے تھے۔ حتی کہ اپنے جانی دشمن کو قتل کرنا یا مسافر کو لوٹنا بھی ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اسی زمانے میں ایران میں نوروز جمشیدی، ہند میں ہولی، فلسطین میں یہودی عید فصح اور نوروز نصاری (ایسٹر) منایا جاتا تھا۔ عرب میں مکہ والے اس موسم حج میں گرمی کا سفر (رحلۃ الصیف) کرتے تھے جو عموماً ٹھنڈے ملکوں کی طرف ہوتا تھا۔

خریف کے زمانے میں یعنی ۲۱ ستمبر کے قریب ایک چھوٹا سا میلہ لگتا تھا جسے عرب والے حج اصغر کہتے تھے اس مہینے میں رحلۃ الشتاء ہوتی تھی اور چونکہ ربیع کے مقابلے میں یہ فصل معمولی ہوتی تھی اس لئے صرف ایک مہینہ یعنی رجب اس کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا۔ ایران میں اسے جشن نوسردہ کہتے تھے۔ ہند میں اسے دسہرہ کہتے ہیں جو کم از کم دس دن اور بنگال میں ایک مہینہ منایا جاتا ہے اور دیوتاؤں کو بھی قربانی وغیرہ سے

خوش کیا جاتا ہے

قربانی ہر ملک میں کسی نہ کسی شکل میں قربانی کی رسم جاری تھی اور پرندوں، جانوروں اور انسانوں کی قربانی کے مختلف طریقے رائج تھے۔ قرآن نے بتایا کہ مقصد جانوروں کا خون اور گوشت اللہ کے سامنے پیش کرنا نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ان چیزوں کی احتیاج نہیں رکھتا مقصد صرف یہ ہے کہ خدا کے بندے اس کے احکام پر عمل کریں اور گناہوں سے بچیں۔ ظاہر ہے کہ گناہ کی جتنی صورتیں ہیں وہ انسان کو کسی نہ کسی شکل میں دکھ پہنچانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ قتل چوری۔ زنا۔ جھوٹی شہادت۔ جنگ۔ سود وغیرہ، اس لئے قرآن نے تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنے کو عبودیت کا درجہ دیا، دیکھئے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (ع) اور سورۃ الحج میں وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (الحج ۴) یعنی اصل غرض بدحالوں اور محتاجوں کو کھلانا ہے۔ اسی طرح آگے بھی فرمایا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج ۵)

سورۃ الحج اس معنی کر کے مدنیہ ہے کہ بعد ہجرت نازل ہوئی۔ لیکن یہ اس لئے مکیہ ہے کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا اور محسن المفتوحین نے کفار کی پرانی معجزہ طلبی اور دوسری باتوں کی یاد دلائی۔ اس سورہ میں یہ بھی بتایا کہ قتال کیوں فرض ہوا تھا اور مذہبی رسوم خصوصاً قربانی کے لئے بتایا کہ ہر قوم میں یہ رسم ہے لیکن اسلام یا دین ابراہیم حنیف میں قربانی خدا کے نام پر ہوتی ہے بتوں کے نام پر نہیں ہوتی اور اس لئے ہوتی ہے کہ محتاجوں کی مدد ہو نہ کہ خدا اس خون اور گوشت سے خوش ہو۔ خدا کو وہ خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ خدا کو پرہیزگاری یعنی بری باتوں سے بچنا پسند ہے اور قربانی یا خدا سے نزدیکی کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کے حکموں کو مانا جائے اور اس کی غلامی سے سرتابی نہ ہو۔ لہذا عبادت کے طریقوں پر جھگڑنا نہ چاہیئے بلکہ عبادت کی غایت کو سمجھنا چاہئے۔

خلاصہ سورۃ الحج: ۱ع قیامت ضرور آئے گی خدا کے وجود میں شک نہیں۔ لوگو اس میں ذرا شبہ نہ کرو قیامت کا آنا برحق ہے اور اے مکہ کے منکرو اللہ کے وجود میں جھگڑا نہ کرو۔ یہ شیطان کی پیروی ہے۔ اللہ ہی خالق ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا وہ ہر شے پر قادر ہے۔

الحج ۲ع مذبذب انسان بعض لوگ ایسے ہیں کہ خوشحالی میں خدا پرست بن جاتے ہیں اور بدحالی میں شیطان پرست۔ ان کی دنیا و آخرت خراب ہوگی۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ کائنات کی ہر شے خدا کو سجدہ کرتی ہے

(یعنی اُس کے قانون کے پابند ہے۔

الحج ۳ع نیک عمل مومن جنت میں جائیں گے اور مسجد حرام سے روکنے والے کافر جہنم میں داخل کئے جائیں گے
(مسجد حرام: مسجد کعبہ کو کہتے ہیں جو حضرت ابراہیم کا بیت اللہ ہے۔)

الحج ۴ع جانوروں کی قربانی اور حج

بیت اللہ میں جو عبادات کے طریقے ہیں یعنی طواف۔ قیام و رکوع و سجود، ابراہیمؑ کے وقت سے قائم ہیں اس کے علاوہ یہاں دوسرے تجارتی، سوشل اور اقتصادی منافع بھی ہیں۔ قربانی سے مقصد صرف محتاجوں کا پیٹ بھرنا ہے۔ قول زور یعنی شرک سے بچنے کے لئے بتوں کے نام کی قربانی درست نہیں

الحج ۵ع قربانی اور مناسک حج

قربانی کی رسم ہر قوم میں ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کے ذریعے اللہ کا نام بلند ہو اور غریبوں کا پیٹ بھرے۔ اس طرح اللہ سے قربت حاصل ہو۔ یاد رکھو کہ خدا کو خون و گوشت نہیں پہنچتا بلکہ خدمت خلق اللہ (تقویٰ یا گناہوں سے بچنے کا خیال و عمل) اللہ کو پسند ہے (یہی بہترین طریقہ قربانی یا قربت الی اللہ ہے)

الحج ۶ع: اذن قتال کی توجیہ

بعض کا خیال ہے کہ یہ پہلی آیت قتال ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ قتال کے جواز کے متعلق ایک بیان ہے" قتال اسلئے فرض کیا گیا تھا کہ مسلمان مظلوم تھے۔ وہ ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے تھے۔ قصور صرف یہ تھا کہ وہ اللہ کو اپنا آقا ماننے پر مصر تھے۔ اگر اللہ خدا پرستوں کی مدد نہ کیا کرتا تو مشرک کب کے صومعوں، مدرسوں، عبادت خانوں اور اللہ کی مسجدوں کو ڈھا دیتے۔

مسلم فاتحوں کو نصیحت

جب خدا کسی مسلم یا خدا پرست قوم کو کسی ملک کا مالک کرے تو اس کا فرض ہے کہ وہ نماز قائم کرے۔ زکوٰۃ دے۔ معروف کا حکم اور منکر سے روکے پھر اللہ پر نتیجہ کو چھوڑ دے۔

مکذبوں پر عذاب ضرور آئے گا

دیکھو پرانی مکذب قومیں خدا ہی نے تباہ کی ہیں۔ افسوس ہے کہ تمہاری آنکھیں ہیں مگر سجھائی نہیں دیتا اور دل ہیں لیکن اندھے ہو رہے ہو۔

الحج ۷ع اس رکوع کی آیت وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

الجحیم، پہلے بھی مکی دور میں نازل ہو چکی ہے اور اسی سلسلے میں اُس القائے شیطانی کا بھی ذکر ہے جس کی وجہ سے مہاجرین حبشہ ۵ سنہ نبوی میں واپس آ گئے تھے۔ یہاں یعنی مکہ میں اگر اس قدیم بات کا پھر جواب دیا گیا ہے کہ القائے شیطانی تو آدمؑ سے لے کر اب تک ہوتی رہی لیکن نبی کو اللہ نے خبردار کر دیا اور محفوظ رکھا۔ اس لئے کوئی نبی راہ حق سے نہیں ہٹا۔ یہ آیت اس آیت کی تشریح ہے جو مکہ میں سورۃ والنجم میں لات منات کے متعلق ذکر کی جا چکی ہے۔

کفار مکہ کو لات منات کے متعلق جواب

جو لوگ ہماری آیتوں کو ہرانے کے لئے اُن کے پیچھے پڑتے تھے انھیں معلوم ہونا چاہیے پہلے بھی جو رسول اور نبی آئے ہیں اُن کے خیالات میں شیطان القا کرنے کی یا ملاوٹ کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن خدا نے شیطانی خیالات (القائے شیطان) کو مٹا دیا اور اپنی باتوں کو رسول کے دلوں میں راسخ کر دیا یعنی ان آیات کو محکم کر دیا۔ لیکن جب القائے شیطان کو سخت دل مشرکوں نے سنا تو وہ جملے ان کے لئے فتنہ (جانچ) بن گئے اور چونکہ وہ ظالم سخت مخالفت پر آمادہ تھے وہ اور زیادہ سخت دل بن گئے۔

یہ محکم آیتیں (یعنی خدا کے کہے ہوئے مضبوط خیالات کا علم) جب اُن لوگوں نے سُنیں جو اہل علم (کتابی) ہیں تو انھوں نے معلوم کر لیا کہ یہ اللہ کی دی ہوئی حق باتیں ہیں۔ اسے سن کر وہ ایمان لے آئے اور ان کے دل نرم ہو گئے۔

مُلک و حکم

لیکن کافر اس معاملہ میں قیامت تک شک میں رہیں گے۔ اس دن اللہ کی بادشاہت (ملک) ہوگی اور اُن لوگوں کا وہی فیصلہ (حکم) کرے گا اور جھٹلانے والوں پر ذلت آمیز عذاب ہوگا۔

الحج: رکوع ۸ ۔ مہاجر اور شہید

وہ لوگ جنھوں نے اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ہجرت کی اور راہ حق میں قتل ہوئے یا مر گئے انھیں اللہ اچھا بدلہ (رزق) دے گا اور پسندیدہ جگہ میں داخل کرے گا اور ہر مظلوم کی خدا مدد کرے گا۔

الحج ۹ ع ۔ مناسک اقوام

خدا نے ہر اُمت کے لئے منسک (بندگی کا طریقہ) مقرر کر دیا ہے۔ یعنی جو طریقِ عبودیت خدا نے بتایا ہے اس میں کسی (کافر) کو جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہی ھدیٰ مستقیم (صراط مستقیم) ہے بحث کرنے والوں سے کہہ دو کہ خدا قیامت کے دن

اس کا بھی فیصلہ کر دے گا (کہ قربانی یا بندگی کا مقصد کون سمجھا)، یہ لوگ قرآن سن کر مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں - اس کا نتیجہ جہنم ہے - خدا کی طرف سے خدا پرستی کے طریقے ہر قوم میں رائج ہیں اور سب سچے ہیں -

الحج ۱۰ع : وجود باری کی دلیل لوگو! ایک مثل سنو - کیا ان دیوتاؤں نے جنہیں تم پوجتے ہو ایک مکھی تک پیدا کی ہے - اللہ قوی و عزیز ہے - سمیع و بصیر ہے - اچھا مولی اور اچھا نصیر ہے جسے چاہتا ہے فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنا رسول بنا دیتا ہے - وہی عالم الغیب ہے مومنو اپنے رب (آقا) کا حکم مانو - بھلائی کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو - اس ملت کا نام ملت ابراہیم ہے اُسی نے تمہارا نام مسلم (اللہ کا مطیع) رکھا تھا - قرآن نے بھی یہی نام تم کو دیا ہے لہذا صلات و زکات پر قائم رہو اور اللہ کو مضبوط پکڑو (یعنی شیطان سے دور بھاگو) هُوَ مَوْلٰىكُمْ : فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ٥ وہی تمہارا آقا ہے کتنا اچھا آقا اور کتنا اچھا مددگار ہے (!)

حج مخلوط ۸ھ یہ حج مخلوط تھا - یعنی اس میں مومنوں کے امیر الحج حضرت عتابؓ بن اسید تھے اور مشرکوں نے اپنے طریقہ پر حج کیا تھا

رسول اللہؐ سیاسی ضروریات کے پیش نظر مدینہ واپس تشریف لے آئے تھے

ابراہیمؓ بن محمدؐ سے نفرت یہاں آکر آپؐ نے اپنے بچے ابراہیمؓ کو دیکھا تو وہ ساتھ آٹھ مہینے کا ہو چکا تھا - آپؐ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے - دوسری بیبیاں نہ صرف حضرت ماریہ قبطیہ سے حسد کرنے لگی تھیں بلکہ بعض کو جناب ابراہیمؓ سے بھی جلن پیدا ہو گئی تھی - ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ دیکھو یہ بچہ مجھ سے کتنا مشابہ ہے تو وہ بولیں مجھے تو مشابہ نہیں معلوم ہوتا - دوبارہ آپؐ نے فرمایا کہ دیکھو ماشاء اللہ کتنا موٹا تازہ ہے تو انھوں نے کہا موٹا کیوں نہ ہوگا جس بچے کو بھی دس بارہ بکریوں کا دودھ پلایا جائے گا وہی موٹا تازہ ہو جائیگا -

واپسی مدینہ کے بعد آنحضرت مدینہ تشریف لے آئے تھے - یہاں منافقوں نے پھر سرکشی شروع کر دی تھی مندرجہ ذیل رکوع میں اسی کا ذکر ہے -

النسا ۲۱ع منافقین مدینہ منافق محض دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں - وہ کفر و ایمان کے بیچ میں مذبذب ہیں -

مومنو! تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ سوائے مومنوں کے کافروں کو دوست نہ بناؤ - یہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے درجے میں ڈالے جائیں گے - ہاں اگر توبہ کر کے خالص مومن اور دیندار بن گئے تو وہ مومنوں کے ساتھ

رہیں گے۔ سوائے مظلوم کے کسی کو نہ چاہیئے کہ لوگوں کی شکایت کرتا پھرے۔ بہرحال برائی کو معاف کر دینا بہتر ہے

اصلی کافر اصلی کافر وہ ہیں جو اللہ اور اس کے کل رسولوں کو نہیں مانتے یعنی بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے وہ بیچ کی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔

اصلی ایمان اللہ کو اور سب رسولوں کو اس طرح سے ماننا کہ ان میں کوئی فرق نہ کیا جائے۔ یہی اصلی ایمان ہے (یعنی اللہ کے ہر رسول کو ماننا چاہیے اور کسی رسول کو دوسرے پر فضیلت نہ دینا چاہیئے۔ پیغام کے اعتبار سے سب کا پیغام یہی ہے کہ اللہ کو مانو اور بد عملی کی سزا سے ڈر و نیک عملی کرو)

النساء ۲۳ ع سب نبی برابر ہیں (وحی کے اعتبار سے) اے رسول جس طرح ہم نے پہلے نبیوں پر وحی کی اور زبور و توراۃ نازل کی ویسا ہی رسول تو بھی ہے۔ تجھ پر قرآن نازل کیا۔ رسولوں کا کام جنت کی بشارت اور سوئے عملی کے عذاب سے ڈرانا ہے (پہلے نبیوں پر بھی معناً یا رؤیا میں احکام خداوندی آئے تھے اور اب تک ان لفظوں کے ترجمے موجود ہیں سو ہی کلام خداوندی ہیں۔)

وحی کی نوعیت۔ قرآن اللہ کے علم سے نازل ہوا اللہ اور فرشتے گواہ ہیں کہ قرآن کی تعلیم خدا کے علم سے آئی ہے۔ یہ حق بات جسے رسول اللہ کے پاس سے لایا ہے اس کے ماننے میں تمہارا بھلا ہے (یعنی قرآن معنوی طور پر اللہ کے پاس سے آیا ہے) کلام من علم اللہ اور کلام اللہ کا فرق ظاہر ہے لفظاً یہ قول رسول کریم یعنی جبریل ہے جسے آنحضرت بولتے تھے)

متشابہات اور نصرانیوں کو دعوت توحید المسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا تھا۔ وہ رسول اللہ اور اللہ کا کلمہ تھا اُسے اللہ نے مریم کے پیٹ میں ڈالا تھا وہ اللہ کی طرف سے ایک روح تھا۔ اللہ ایک ہے تین نہیں ہیں۔ اللہ کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کل زمین و آسمان اُس کے ہیں (تو بیٹا اس کی کیا مدد کرے گا جو وہ بیٹا بنائے)

متشابہات آئندہ فصل میں سورہ آل عمران میں متشابہات کی مفصل بحث ہے لیکن اس جگہ یہ نوٹ کر لینا ضروری ہے کہ روئے سخن نصاریٰ کی طرف ہے — اور وہ مخصوص ملتی جلتی ہوئی آیتیں (متشابہات) جن کو نصرانیوں کے اہل زیغ مانتے تھے۔ ان کا خصوصی تعلق سورۃ للنساء کے

اسی رکوع سے ہے۔ یاد رکھئے کہ قرآن اُن دلائل (آیات) قرآنیہ کو محکمات کہتا ہے جو بنیادی ہیں۔ مثلاً خدا بعث بعد الموت وغیرہ اور متشابہات اُن آیتوں کو کہتا ہے جو محکمات کی تفصیل ہیں یا اُن سے نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً "خدا خالق و مصور ہے" یہ محکم بات مان لی گئی تو اس کا نتیجہ یعنی وہ بے باپ کے بھی پیدا کرسکتا ہے۔ متشابہ یا نتیجہ یا تفصیل ہے۔ یہ دلیل (آیت) خود انجیل میں موجود ہے (دیکھئے انجیل۔ یوحنا باب اول)

"۱۔ ابتدا میں کلمہ تھا۔ کلمہ خدا کے ساتھ تھا، کلمہ ہی خدا تھا۔

۲۔ ابتدا میں یہی کلمہ (لوگاس یا عقل اول) خدا کے ساتھ تھا

۳۔ اسی کلمہ (یا لوگاس) نے سب چیزیں بنائیں (خلق کیں)، اور کوئی چیز بھی جو پیدا ہوئی بغیر اس کی مدد کے نہیں ہوئی۔

۴۔ اس میں روح تھی اور وہ روح انسانوں کے لئے نور تھی۔"

۶۔ ۱۶۔ یوحنا کو خدا نے بھیجا کہ اس نور کی گواہی دے کہ ایک مسیح آنے والا ہے جس نے دنیا کو بنایا ہے۔ یہ کلمہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے اور نور ہے۔"

اسی کے آگے باب ہشتم کی آیت ۱۲ میں ہے کہ مسیح نے کہا کہ "میں دنیا کا نور ہوں جو میری پیروی کریگا وہ تاریکی میں نہ جائے گا بلکہ زندگی کا نور پائے گا۔"

قرآن ان متشابہ یعنی قرآن و انجیل کی ملتی جلتی ہوئی آیتوں کو بڑی حد تک مانتا ہے۔ وہ مانتا ہے کہ مسیح کلمہ تھے۔ مگر یوحنا ایک فلسفی شخص تھا۔ اس نے مسیح کو خدا کا ہمسر بنا دیا ہے کہ وہ کلمہ خدا کے ساتھ تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ کلمہ بھی خدا کا حکم یا امر تھا۔ "يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ (مِّنْهُ) اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ" (آل عمران ۴۵) یعنی وہ کلمہ یا مسیح خدا نے پیدا کیا ہے۔ (کلمۃ منہ) اللہ کا حکم

اسی طرح اسی سورہ میں پہلے کہا إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ (آل عمران ۳۹) حکم الٰہی یعنی المسیح جو مخلوق ہوا امر الٰہی سے۔

یہاں سورہ نساء میں صاف صاف کہا ہے کہ مسیح خدا کے ہمسر نہ تھے بلکہ اس کے مخلوق تھے۔ وہ برابر کے کلمہ نہ تھے بلکہ اللہ کے حکم سے مخلوق تھے (وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ)

۸ھ کے مختلف واقعات

۱- اس سال بی بی ماریہ قبطیہ کے بطن سے ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور ان کی آزادی کی وجہ سے کل امہات ولد کی آزادی کا اعلان ہوا -

۲- زینبؓ بنت رسولؐ (زوجہ ابوالعاصؓ) کا انتقال ہوا -

۳- حضرت سودہ بہت بوڑھی ہوگئی تھیں، انھوں نے حضرت عائشہؓ کو اپنی باری بخشدی اور رسول اللہ اُن کی باری میں حضرت عائشہ کے یہاں رہنے لگے -

۴- مکہ اور حنین کی فتح کے بعد بت قلنے خداخانے بنالئے گئے

۵- ابوسفیان - یزید بن ابوسفیان - عروہ بن مسعود ثقفی - عکرمہ بن ابی جہل - شیبہ بن عثمان عبدری، حکیم بن حزام - ابوقحافہ پدر حضرت ابوبکر - خویلد بن اسد - مالک بن عوف نضری مسلمان ہوئے -

دسویں فصل   رحمۃ للعالمین

محرم ۹ھ تا ربیع الاول ۱۱ھ مارچ ۶۳۰ء تا جون ۶۳۲ء

دولت کتابیہ کا عالمی پروگرام

الحمدللہ کہ دین اللہ آج تم لوگوں کے سامنے بھی کامل طور پر نمایاں کر دیا گیا
اب نورِ حق کی روشنی میں نہ تو کاہن و ساحر فریب دے سکیں گے نہ خودغرض اہل کتاب

الحمدللہ کہ امن و سلامتی کی بنیادوں پر تمہاری سلطنت بھی قائم ہو گئی۔
اب نفرت و فساد، سحر و کہانت، نفاق و بزدلی پھیلانے والے ملیامیٹ ہو جائیں گے۔
اہل کتاب سے زکوٰۃ نہ لی جائے گی۔ نہ اُن پر فوجی خدمت فرض ہو گی
غلام، مسکین، یتیم اور بیوہ، کمزور و مجرم اور باتمیز و بے تمیز
سب کی پرورش (تربیت اور حفاظت) کی ذمہ داری سلطنت پر ہو گی

کوئی فتنہ میں نہ ڈالا جائے گا یعنی کسی سے آزادیٔ خیال نہ چھینی جائے گی۔
البتہ علم و دولت حاصل کرنے کے لئے ہر عورت مرد مجبور کیا جائے گا۔
تاکہ اقوام پارینہ کے زوال سے سبق لے کر جہالت، خودغرضی، بزدلی اور قدامت پرستی مٹ جائے۔

ہر مومن اللہ کا سپاہی ہے اور امن و علم پھیلانے کے لئے بلا اجرت کام کرے گا۔
اس کا اولین فرض یہ ہو گا کہ غیر مسلموں کو پستی سے بلندی تک، تاریکی سے روشنی میں پہنچائے۔

آؤ خود پرستی چھوڑ کے تعمیر انسانیت کی سرفروشانہ جدوجہد میں ہم سب لگ جائیں۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

رحمۃ للعالمینؐ

۱۔ حمد الٰہی

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

(الحشر آخری آیات)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں، وہی چھپی اور کھلی باتوں کا علم رکھتا ہے۔ اس کا نام رحمان ہے، وہ بڑا رحیم والا ہے۔

اُس اللہ کے سوا کوئی اور اللہ نہیں ہے وہ بادشاہ ہے۔ پاک ہے۔ سب عیبوں سے سالم ہے وہی امان دیتا ہے پناہ میں لیتا ہے زبردست دباؤ والا اور بہت ہی بڑائی والا ہے۔ وہ شرک سے پاک ہے۔

وہی پیدا کرتا ہے وہ نکال کھڑا کرتا ہے (رحم مادر میں) صورت گری کرتا ہے۔ اسی کے سب اچھے اچھے نام (مثل رحمان کے) ہیں۔ آسمان زمین کی ہر شے اسکی پاکی کا اظہار کرتی ہے۔ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے (الحشر)

۲۔ عدل و تقویٰ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ

عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۝ لَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْهِمْ

اے مومنو۔ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ (الممتحنہ)

بہت ممکن ہے کہ اللہ تم میں اور تمہارے دشمنوں میں دوستی پیدا کر دے۔ بہر حال جن لوگوں سے دینی جنگ نہیں ہوئی اور جنھوں نے تمہیں گھروں سے نہیں نکالا، اُن سے بھلائی اور انصاف کرنے سے اللہ نہیں روکتا بلکہ اللہ انصاف

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (الممتحنہ)

کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الممتحنہ)

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ ۲)

اے مومنو۔ اللہ والے بن کر انصاف کی حمایت کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ دیکھو اگر کسی قوم سے دشمنی بھی ہو تو عدل کو نہ چھوڑو۔ عدل کرو۔ عدل کا حامی ہونا ہی نیکی و پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔ خدا سے ڈرو وہ تمہارے ہر کام کی خبر رکھتا ہے۔ (المائدہ)

۳۔ توکل علی اللہ

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران)

اگر تم اللہ والے بن جاؤ گے تو کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ کو چھوڑ کر (شیطانی گروہ میں شامل ہو جاؤ گے) تو جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی مدد دینے والا نہیں۔ بھروسہ کرنے والے اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں (اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے) (آل عمران)

۴۔ اللہ والوں کو دعوت اتحاد

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ (آل عمران)

اے علم و قانون والو، اُس چیز (یعنی قرآن) کو بھی مانو یہ قرآن تمہارے قوانین و احکام الکتاب کی تصدیق کرتا ہے (وہ انھیں جھٹلاتا نہیں ہے (آل عمران)

السماح رباح : فیاضی سے دولت بڑھتی ہے (الحدیث)

سود اگر بایدت ز مایۂ خویش دستِ بخشش کشا و بخشائش (جامی)

تقویم فصل دہم

	یکم محرم	صفر ۱	سفر ۲	ربیع ۱	ربیع ۲	جمادی ۱	جمادی ۲	رجب	شعبان	رمضان	شوال	ذی قعدہ	ذی الحجہ
سنہ ۹ھ عام الوفود، یا عام البراءت حج ابوبکر	جمعہ ۳۰ اپریل ۶۳۰	* * *	یکشنبہ ۲۰ مئی ۶۳۰	دوشنبہ ۱۸ جون ۶۳۰	چارشنبہ ۱۸ جولائی ۶۳۰	جمعرات ۱۲ اگست ۶۳۰	شنبہ ۱۵ ستمبر ۶۳۰	یکشنبہ ۱۴ اکتوبر ۶۳۰	سہ شنبہ ۱۳ نومبر ۶۳۰	چارشنبہ ۱۲ دسمبر ۶۳۰	جمعہ ۱۱ جنوری ۶۳۱	شنبہ ۹ فروری ۶۳۱	دوشنبہ ۱۱ مارچ ۶۳۱
سنہ ۱۰ھ عام الوداع	چارشنبہ ۹ اپریل ۶۳۱	* * *	جمعرات ۹ مئی ۶۳۱	جمعہ ۷ جون ۶۳۱	یکشنبہ ۷ جولائی ۶۳۱	دوشنبہ ۵ اگست ۶۳۱	چارشنبہ ۴ ستمبر ۶۳۱	پنجشنبہ ۳ اکتوبر ۶۳۱	شنبہ ۲ نومبر ۶۳۱	یکشنبہ یکم دسمبر ۶۳۱	سہ شنبہ ۳۱ دسمبر ۶۳۱	چارشنبہ ۲۹ جنوری ۶۳۲	جمعہ ۲۸ فروری نسی حرام ہے
سنہ ۱۱ھ عام الوفاۃ	یکشنبہ ۲۹ مارچ ۶۳۲	* * *	سہ شنبہ ۲۸ اپریل ۶۳۲	چارشنبہ ۲۷ مئی ۶۳۲	*	*	*	*	*	*	*	*	*

وفات نبوی ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مطابق یکشنبہ ۸ جون سنہ ۶۳۲ء

عام البرأت یا عام الوفود یکم محرم سنہ ۹ھ = ۲۰ اپریل سنہ ۶۳۰ء

فتح مکہ کے بعد چونکہ مرکز تجارت و عبادت رحمۃ للعالمین کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اس لئے عرب کے مختلف قبائل نے کثرت سے وفود بھیجے۔ اسی لئے یہ سال وفود کا سال کہلاتا ہے۔ اب جو لوگ اسلام (یعنی حکومت مدینہ) قبول کرتے تھے۔ ان میں سے بعض سمجھتے تھے کہ ہم نے صرف آنحضرت کی اطاعت قبول کی ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں یہ تصور جاگزیں نہیں ہوا کہ اب عرب کا نظام حکومت ایک حزب اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کے امیر رحمۃ للعالمین ہیں۔

بہرحال جو اس نظم اطاعت یا اسلام قبول کرتے تھے۔ وہ دو باتیں تسلیم کرتے تھے (۱) اول یہ کہ جناب محمد۔ اللہ کے رسول اور دولت کتابیہ کے امیر ہیں جو صلوٰۃ یا خدا بندگی کا حکم دیتے ہیں (۲) دوسرے یہ کہ اطاعت امیر کا بنیادی ثبوت نہ صرف صلوٰۃ ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ ہر مسلم دولت کتابیہ کو چلانے کے لئے اپنے مال کا وہ حصہ بطور زکوٰۃ کے دے۔ جو اس کی ضروریات سے فاضل ہو۔

اس سلسلے میں یمامہ۔ طائف۔ یمن۔ نجران اور دوسرے مقامات سے برابر سنہ ۱۰ھ تک مختلف قبیلوں کے وفد آتے رہے اور اطاعت کرتے رہے

ان میں بہت سوں نے حقیقت دین کو سمجھ کر اللہ اور رسول اللہ کو مانا تھا۔ یہ مومن کہلائے۔ ورنہ جو صرف سطحی طور پر مطیع ہو گئے تھے اور بعد وفات نبوی باغی ہو گئے وہ مومن نہ تھے مسلم تھے یعنی انھوں نے صرف رسول اللہ کی اطاعت (اسلام) قبول کی تھی۔

نصارائے نجران و اصحاب الاخدود

ہم نے آنحضرت کی مکی زندگی میں دیکھا ہے کہ نصارائے حبش نے سب سے پہلے مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ اس کے بعد مدینہ آکر جب یہود نے ابراہیمی قبلہ (بیت العتیق) کو اپنا قبلہ ماننے سے سنہ ۲ھ میں انکار کر دیا تو آنحضرت نے پھر نصاریٰ کی طرف توجہ کی اور حکم الٰہی سے ماہ صیام کے روزے اسی طرح اور اسی موسم میں فرض کر دیئے جس طرح نصاریٰ میں تھے

مکہ میں آنحضرتؐ نے نہ صرف قرآن کے ذریعے نصاریٰ کی تعریف کی بلکہ یہ بھی بتایا کہ حق پرستی کی راہ میں نجران کے نصرانیوں نے ۵۶۰ء میں، آگ میں جل جانا پسند کیا۔ لیکن خدا پرستی سے انحراف نہیں کیا "قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ" (مسیحیوں کو زندہ جلانے والے ذلیل ہوئے: سورہ ۸۵ البروج) ان مسیحیوں کو قرآن مومن باللہ کہتا ہے اور بتاتا ہے کہ اُن پر یہ مظالم محض اس لئے کئے گئے تھے کہ وہ اللہ کو مانتے تھے جو زبردست ہے اور تعریف کے لائق ہے۔ آسمان وزمین کا بادشاہ ہے اور اس کے سامنے ہر پوشیدہ چیز ظاہر ہے (وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ۝ البروج)

وفد نجران نجران کے ان مسیحیوں کی اولاد کا وفد آنحضرتؐ کے پاس آیا تھا۔ ان میں سے بعض اہل زیغ تھے جو کج بحثیاں کرتے تھے، ان کو حقیقت ولادت مسیح بتائی گئی اور ان کے راسخین فی العلم نے اسے تسلیم کرلیا۔

مقام آمد وفد نجران ابن ہشام وابن سعد نے اس وفد کا ذکر نہیں کیا۔

بہرحال احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نجران کے نصرانیوں کے دو وفد آنحضرتؐ کے پاس آئے تھے۔ یونس بن بکیر سے حاکم نے جو روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے نصارائے نجران کو دعوت اسلام کا خط لکھا تھا۔ اور اسقف نجران نے تین آدمیوں کو مدینہ بھیجا تھا۔ ان ہی سے ابتہال کی گفتگو ہوئی تھی اور بجائے مباہلہ کے یہ لوگ جزیہ دینے پر راضی ہوگئے تھے۔ حضرت مغیرہ نے جزیہ اور جوار نبوی کا معاہدہ لکھا جس میں نصرانیوں کے گرجوں کی اور خود نصاریٰ کی حفاظت کا عہد ہے (دیکھئے فتوح البلدان۔ البلاذری اور زاد المعاد) (ابن قیم ۲۹۵) بہت ممکن ہے کہ فتح مکہ کے بعد یہ وفد مکہ ہی میں آیا ہو۔

دوسرا وفد مدینہ میں کچھ عرصہ بعد آیا تھا جس میں ابو الحارث، اسقف نجران، ایہم، عبد المسیح، اور چوبیس دوسرے سردار تھے۔ یہ مسجد نبوی میں ٹھہرے تھے اور وہاں اپنے طریقے پر نماز بھی پڑھتے تھے۔ ان کی موجودگی میں سورہ آل عمران کا ساتواں اور آٹھواں رکوع نازل ہوا تھا۔

محکمات ومتشابہات سورہ آل عمران یہ سورہ الف لام میم (حروف مقطعات) سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ حصہ مکی ہے۔ یعنی رسول اللہؐ پر اس زمانے میں نازل ہوا ہے جب آپ یا تو مکہ تشریف لائے تھے، یا کوئی جماعت

نصاریٰ آنحضرت سے مکہ میں ملی تھی۔ سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع کی طرح یہ رکوع بھی مکی زبان میں نازل ہوا ہے۔
یاد رہے کہ جس طرح نصارائے حبشہ مکہ سے قریب تھے اسی طرح نجران بھی مکہ سے قریب تھا۔ یہ مقام یمن کے
شمال میں صنعائے سے ایک سو پچاس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اور آنحضرت ان کے حالات سے واقف تھے۔
غالباً ان ہی نصرانیوں کا ذکر سورۃ المائدہ کے دسویں رکوع میں اس طرح کیا گیا ہے کہ مومنوں سے وہ لوگ
زیادہ محبت اور نزدیکی رکھتے ہیں جو نصاریٰ ہیں وہ قرآن کو سن کر آبدیدہ ہو جاتے ہیں اور ان میں عالم قسیس (؟)
اور درویش (راہب) ہیں (وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى) (المائدہ ۸۲)
بہر حال ان نصرانیوں کے سامنے کتب الٰہیہ کی محکم اور مفصل باتوں کا ذکر ہوا۔ انھیں محکمات و متشابہات بھی
کہتے ہیں۔

"متشابہات" سے متعلق ترتیب نزول کی اہمیت

ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ سورۃ العلق سے قرآن نہ شروع کرنے کی وجہ سے زندگی
کے بنیادی مسائل وجود و علم نظر سے اوجھل ہو گئے۔ پھر سورۃ الحمد کو سورۃ الفاتحہ قرار دینے کی وجہ سے اس
سورہ کا مفہوم کیا سے کیا ہو گیا۔ اس کے علاوہ سورۃ البقرہ کے چالیس رکوعوں کو جو دس سال میں مختلف
اوقات میں نازل ہوئے۔ ایک جگہ جمع کر دینے کی وجہ سے نہ صرف یہود کی دوستی و دشمنی مخلوط ہو گئی بلکہ
مسائل نسا۔ میں ایلاء بعض راویوں نے مظاہرہ ازواج نبوی سے ملا دیا۔ اعجاز کتب الٰہیہ کو صرف اعجاز
قرآن بنا دیا۔ آیات کے معنی معجزات بن گئے اور حج ۹ھ کا ذکر فتح مکہ کے بعد نہیں بلکہ ہجرت مدینہ کے
بعد ہی سامنے آ گیا۔

سورۂ آل عمران کو تیسری سورۃ قرار دینے کی وجہ سے قرآن کے اکثر مضامین متشابہ یعنی غیر محکم سمجھے گئے۔
نتیجہ یہ ہوا کہ مومنین بھی پکار اٹھے کہ اگر قرآن میں ایسی باتیں ہیں "جن کی مراد معلوم و متعین کرنے میں اشتباہ و
التباس واقع ہو جائے"۔ (بقول مولوی شبیر احمد عثمانی مرحوم) یا وہ "مشتبہ المراد" ہوں (بقول مولوی اشرف علی
تھانوی مرحوم) تو مومن کیا کریں؟ اور کس طرح کلام الٰہی کو سمجھ کر اس پر خود عمل کریں اور غیر مسلموں کو کیا بتائیں؟
امام نووی، شارح صحیح مسلم کو کہنا پڑا کہ "یہ امر خدا سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنی مخلوقات سے ایسے الفاظ میں
کلام کرے کہ وہ اسے کسی طرح نہ سمجھ سکیں"۔ قتادہ و عکرمہ کا قول ہے کہ "متشابہ ضد یا نقیض ہے محکم کی۔"
اس قول کو امام نووی بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کا کوئی حل نہیں نکال سکے۔

بہرحال اگر یہ مان لیا جائے کہ رسول اللہ نے تیرہ سال تک مکہ والوں کو وجود باری و لبعث بعد الموت وغیرہ کو بغیر دلیل کے منوانا چاہا اور انھیں بہت ہی کم کامیابی ہوئی تو متشابہات کا معاملہ محکمات تک پھیل جاتا ہے اور اسلام کی یہ بنیادی حقیقتیں بھی ایسی ہو جاتی ہیں کہ بغیر دلیل کے مانو تو مانو ورنہ جہنم میں جاؤ یعنی یہ ایسی باتیں ہیں کہ انسان کی سمجھ سے باہر ہیں۔

چونکہ اس مسئلہ پر پورے قرآن اور اسلام کی وضاحت کا دارومدار ہے۔ اس لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے:-

(۱) قرآن کی کوئی آیت مشتبہ المراد نہیں

اگر متشابہ کو محکم کی نقیض کہا جائے تو یہ سراسر غلط ہے متشابہ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے مشابہت رکھنے کے یعنی قرآن میں ایسی آیتیں (دلائل و احکام) ہیں جو ایک دوسرے سے (مشابہ) ہیں اور پورا قرآن متشابہ ہے (کِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ الزمر ۲۳) یہ تعلیمات نہ صرف کتب قدیمہ الٰہیہ توراۃ و انجیل وغیرہ سے مشابہ ہیں بلکہ مثانی ہیں یعنی بار بار دہرائی گئی ہیں۔ یہ احسن الحدیث ہے۔ یہ آیت سورہ الزمر کی ہے جو "مکیہ" ہے اسے پہلے پڑھ لیا جائے تو شبہ باقی نہیں رہتا۔

یہ "بیان للناس" ہے اسے خدا نے "عربی مبین" میں بیان کیا ہے، اس میں سب باتیں عربی جاننے والوں کی سمجھ میں آنے والی ہیں (یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ) یہ نور ہے جس سے راستہ ملتا ہے (جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ) اس نور کے لئے عربی زبان جاننے کی ضرورت نہیں کسی زبان کے ذریعہ سے یہ روشنی پہنچ سکتی ہے

(۲) اس کی کُل آیتیں محکم ہیں

اس قرآن کی کل آیتیں مضبوط اور جنچی تلی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ اُن کی تفصیل بھی ہے۔ اس لئے کہ یہ اُس خدا کی طرف سے ہے جو حکمت والا اور خبردار ہے (الرٰ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ○ ھود ۱-۲) اس آیت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ محکم آیتوں کی جو تفصیل و توضیح ہے وہ بھی محکم کا جزء ہے۔ (یہ سورہ مکیہ ہے اس کو پہلے پڑھ لیا جائے تو محکم یعنی بنیادی آیتوں اور مفصل یعنی تفصیلی اور توضیحی آیتوں کی وحدت سمجھ میں آجاتی ہے۔ یعنی محکم و متشابہ دونوں ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں)

آل عمران میں بھی کہا ہے کہ محکمات ام الکتاب ہیں اور متشابہات یا بنت الکتاب اُن اصولی باتوں کی ضد نہیں بلکہ اُن کی بیٹیاں ہیں۔ تفصیلات ہیں۔ یعنی صرف متشابہ، بنت الکتاب (یا تفصیل) پر بغیر محکم سے ملائے ہوئے غور کریں تو بات نہیں بنتی۔

۳۔ اللہ کی قدرت میں شک کی گنجائش نہیں

مندرجہ بالا تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کو خالق و علیم مان چکے ہیں (دیکھیے سورۃ العلق) وہ قدرت الٰہیہ میں کسی طرح شک نہیں کر سکتے۔ مکہ کی زندگی میں آنحضرتؐ نے دیکھا کہ مشرکین نہ تو خدا کی قدرت کو مانتے ہیں نہ بعث بعد الموت کو نہ وحی کو منجانب اللہ ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن حبشہ اور دوسرے مقامات کے نصرانی قرآن کی اکثر تعلیم کو مانتے ہیں مگر اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو اسکو تسلیم نہیں کرتے کہ مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسیح کا باپ خدا ہے۔ یہ اہل زیغ ہیں جو توراۃ و قرآن کی محکم دلیلوں کو چھوڑ کر دوسری تفصیلی دلیلوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کلام اللہ (یعنی انجیل و قرآن) یہ کہتا ہے کہ مسیح کلمۃ اللہ تھے جنھیں خدا نے مریم پر القا کیا تھا تو ظاہر ہے کہ خدا مسیح کا باپ ہے۔ (دیکھیے انجیل و سورۃ النساء) دونوں میں لکھا ہے کہ "المسیح کلمۃ اللہ القاہا الی مریم" تھے۔

(۴) اہل زیغ اور راسخون فی العلم

قرآن کہتا ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک اہل زیغ ہیں جو یہ نہیں مانتے کہ خدا جس طرح چاہے خلق کرنے پر قادر ہے (ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ) باوجودیکہ توراۃ مانتی ہے کہ خدا قادر ہے۔ اور بعث بعد الموت بھی حق ہے۔ ان کی کوتہ عقلی کا یہ جواب دیا گیا کہ آؤ ابتہال کرلیں جو جھوٹا ہوگا ملعون قرار پائے گا۔

راسخون فی العلم منہم

اہل کتاب کی دوسری جماعت راسخون فی العلم کی تھی جو توراۃ و انجیل کو بھی مانتے تھے اور قرآن کو بھی مانتے تھے۔ قرآن میں جہاں کہیں راسخون فی العلم یا اہل الذکر وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اُن سے مراد اہل کتاب ہیں، اسی لئے سورۂ نساء میں مومنوں کو ان سے الگ کرلیا ہے اگر اس سورہ کو پہلے پڑھا جائے گا تو "راسخون فی العلم" سے مومنوں کی جماعت کا تصور پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں روئے سخن نصاریٰ کے اہل زیغ اور اُن ہی کے راسخون فی العلم کی طرف ہے اسی لئے

پہلے کہا گیا کہ اہل کتاب نہ صرف توراۃ وغیرہ کو مانتے ہیں بلکہ قرآن کو بھی مانتے ہیں (دیکھئے لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ سورہ نساء ۱۶۲) یعنی مؤمن تو مانتے ہیں کہ مسیح کو جس طرح چاہا خدا نے رحم مادر میں خلق کیا ۔ نصاریٰ کے راسخون فی العلم بھی اسے مانتے ہیں کہ خدا جس طرح چاہے خلق کر سکتا ہے ۔ وہ ماں باپ تو کیا ۔ بغیر والدین کے آدم کی طرح پیدا کر سکتا ہے ۔

اہل کتاب کی تعریف

پھر اسی سورہ میں فرمایا کہ اہل کتاب میں مؤمن بھی ہیں لیکن اکثر فاسق ہیں سب برابر نہیں بعض ایسے ہیں کہ خزانے کا ڈھیر بھی دیدو تو واپس کر دیں ۔ بعض ایک روپے پر ایمان بیچ ڈالیں ۔ اُن میں جو صالح ہیں وہ توراۃ کی آیات اللہ تلاوت کرتے ہیں اور راتوں کو سجدے کرتے ہیں

(۵) بحث تصور فی الارحام کی تھی آل عمران رکوع ۱

چونکہ متشابہات بھی محکمات سے ماخوذ ہیں لہذا بحث صرف یہ تھی کہ خدا نے مسیح کو بغیر باپ کے کیسے پیدا کیا ۔ قرآن نے اہل تثلیث کو یہ جواب دیا کہ خود تمہارے راسخین فی العلم مانتے ہیں کہ خدا نے زکریا بوڑھے کو ایک بانجھ عورت سے بیٹا دیا وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا تو پھر تم یہ کیوں نہیں مانتے کہ خدا نے مسیح کو بے باپ کے پیدا کیا ۔ لطف یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ مسیح کو سولی پر چڑھا کے دو چوروں کے درمیان قتل یعنی ذلیل کیا گیا ۔ گویا تم یہ بھی سمجھتے ہو کہ خدا قتل اور ذلیل کیا جا سکتا ہے ۔ حالانکہ وہ اللہ زندہ ہے مر نہیں سکتا اور ایسا ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور اُسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ معزز ہے اور بدلا لینے پر قادر ہے (وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۔ آل عمران ۳) اس کے علاوہ تم اپنے راسخین فی العلم سے پوچھ لو وہ بھی (هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ) کو مانتے ہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا "حی" ہے وہ مر نہیں سکتا ۔ اسلئے مشرک نہ بنو اور محکمات کی روشنی میں تفصیلی آیتوں کو دیکھو ۔

خلاصہ کلام

متشابہات کے سلسلے میں یہ بس ہمت ہوئی کہ صرف ایک آیت کو سامنے رکھکر اس کی تشریح و تفسیر کی گئی اور نتیجہ پیدا کیا گیا کہ قرآن کی آیات یعنی اُس کے "جملے" مومنوں کی سمجھ سے باہر ہیں ۔ ان کا کنہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے حالانکہ واقعہ سراسر اس کے خلاف ہے ۔ اس سورہ کے درمیان میں بدر وغیرہ کا ذکر آجاتا ہے ۔ اُسے الگ کر دیا جائے اور سیدھی سادی زبان میں اُس کا

مفہوم بیان کیا جائے تو یہ ہے :۔

۱۔خدا قادر مطلق ہے اور حی قیوم ہے

اے نصرانیو تم میں بہت سے راسخین فی العلم ہیں وہ جانتے ہیں کہ قرآن بھی اسی طرح خدا کا نازل کردہ کلام ہے جیسا کہ توراۃ وانجیل ہے وہ جانتے ہیں کہ الکتاب کی بنیادی نعرہ (ام الکتاب) یہ ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، وہ زندہ (حی) ہے اور اسی کے خلق کرنے سے ہر چیز قائم ہے۔

۲۔مسیح کا باپ خدا نہیں ہے

لیکن تم میں جو اہل زیغ ہیں نہ صرف تفصیلی آیتوں بنات الکتاب (متشابہات) کی پیروی کرتے ہیں اور ام الکتاب (محکمات) کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب انجیل میں (اور قرآن میں بھی) یہ لکھا ہے کہ مسیح کا کوئی انسان باپ نہیں تھا اور مسیح کلمۃ اللہ القاہا الی مریم تھے (" ابتدا میں خدا تھا، کلمہ ہی خدا تھا - انجیل) تو ظاہر ہے مسیح کا باپ سوائے خدا کے کوئی نہیں ہو سکتا - بغیر باپ کے کوئی کیسے پیدا ہو سکتا ہے!۔

اس قول کی تردید میں اسی سورہ میں قرآن نے تین مثالیں دی ہیں جو نصاریٰ کی توراۃ وانجیل میں بھی ہیں۔ ان کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے قرآن کا بہت سا حصہ مومنون تک کے لئے "مشتبہ المراد" بنایا جاتا ہے۔

الف: زکریا کا بیٹا

اے نصرانیو کیا تم نے توراۃ میں نہیں پڑھا کہ خدا نے زکریا کو بیٹا دیا جس کا نام یحییٰ تھا حالانکہ زکریا اتنا بوڑھا ہو گیا تھا کہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ تھا اور اس پر طرہ یہ کہ اس کی بیوی بانجھ تھی اور وہ خود اس مجبوری کو جانتا تھا (قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ آل عمران) تو خدا نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ میں اس طرح کے والدین سے بیٹا پیدا کرنے پر قادر ہوں (قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ آل عمران)

ب مسیح کو بے باپ پیدا کیا

اے نصرانیو! اسی طرح جب مسیح "کلمۃ اللہ" کی خوشخبری مریم کو دی گئی تو اسے تعجب تھا کہ میرے بچہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ کسی مرد نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا (قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ آل عمران ع ۵) تو خدا نے کہا میں ایسا کرنے پر قادر ہوں۔ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو میرے کہتے ہی وہ بات ہو جاتی ہے۔ اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی (قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ)

اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۔ آل عمران ۵) یہ بات بھی متشابہ ہے ۔یعنی تمہاری انجیل میں موجود ہے کہ خدا قادر مطلق ہے۔ اس کے حکم سے مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے ۔

ج: آدم کی مثال دیکھو تمہاری کتابوں میں یہ بھی موجود ہے کہ آدم کو خدا نے کیچڑ سے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ اس لئے عیسیٰ کی مثال بھی آدم کی سی سمجھ لو کہ خدا نے اُسے بے باپ کے پیدا کر دیا۔ اس میں شک نہ کرو (اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۔ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ آل عمران ع ۶)

آخر کار دعوت مباہلہ لیکن ان تین کھلی کھلی دلیلوں کے بعد اگر تم نہیں مانتے اور حجت کرتے ہو تو آؤ مباہلہ کر لو کہ خدا قادر مطلق ہے عیسیٰ بن مریم کا باپ نہیں ہے بلکہ اس کے حکم سے وہ بے باپ کے پیدا ہوا ہے۔ اور جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو (فَمَنۡ حَآجَّکَ ․․․․ لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ․․․ آل عمران ع ۶)

مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی حقیقت میں اشکال یہ نہیں ہے کہ متشابہ کے کیا معنی ہیں۔ دقت یہ ہے کہ قرآن خود کہتا ہے کہ محکمات کے علاوہ بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کی کُنہ اور حقیقت سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان باتوں کی حقیقت پہنچنے اور اُن کی کُنہ معلوم کرنے سے خدا روکتا ہے۔ قرآن کی کوئی آیت (بمعنی فقرہ یا بات) ایسی نہیں کہ خدا نے ایسی زبان میں ہمیں بتایا ہو کہ ہم نہ سمجھ سکیں۔ خواہ محکم (بنیادی) باتیں ہوں یا متشابہ (یعنی تفصیلی) باتیں ہوں۔

ہم سورۃ العلق میں پہلے ہی دیکھ چکے کہ ہمیں جو کچھ علم دیتا ہے وہ خدا ہی دیتا ہے اور جتنا علم وہ دیتا ہے اس سے زیادہ کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔ "علم الانسان مالم یعلم" کے یہی معنی ہیں کہ فیضان علم اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا خواہ وہ ام الکتاب (محکمات) ہوں یا بنت الکتاب (متشابہات) دونوں اللہ کے دیئے ہوئے علوم (کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ) ہیں وہ حق ہیں باطل نہیں وہ خدائے خالق کے دیئے ہوئے ہیں۔ شیطان مخلوق کے دیئے ہوئے نہیں یعنی "متشابہات" بھی "محکمات" سے پیدا ہوئے ہیں اور دونوں اہل ایمان کے لئے واضح ہیں، اس لئے کہ اللہ ان کا معلم ہے۔

مختصر یہ کہ جو لوگ صرف متشابہات کو مانتے ہیں اور بغیر محکم کے مانتے ہوئے اُن کے بال کی کھال نکالتے

میں وہ غلطی پر ہیں ا نھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کی تاویل یا حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ تم ضرور ان کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرو، لیکن محکمات کی روشنی میں کرو۔ اس کے بعد تم پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ جتنا علم اللہ دینا چاہتا ہے اس سے زیادہ نہیں ملتا۔ تمیر نے اس بے بسی کا اس طرح اعتراف کیا ہے

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا، ہائے پھر بھی اک عمر میں ہوا معلوم

طبعی علوم یعنی نیچرل سائنس کے ماہرین بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے تجربے اور مشاہدے سے صرف اتنا جانتے ہیں کہ طبیعات، کیمیا، حیاتیات وغیرہ کے سلسلے میں کیا" مشاہدہ کیا۔ مثلاً وہ یہ جان سکتے ہیں کہ پانی دو اجزاء سے مرکب ہے۔ اس میں ہائڈروجن کے دو ذرے اور آکسیجن کا ایک ذرہ ہے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ایسا "کیوں" ہے جب اُن سے پوچھو کہ ایسا کیوں ہوتا ہے تو وہ اعتراف عجز کرنے پر مجبور ہیں کہ "ہم نہیں جانتے اللہ ہی جانے" کہ دو اور ایک کی نسبت سے یہ ذرے کیوں ملتے ہیں اور کیوں پانی بن جاتا ہے ؎

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں ملا ہزاروں پنڈت کروڑوں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

اس عجز کے یہ معنی نہیں کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ ہم سائنٹیفک تحقیقات اور "تفکر فی الخلق" سے باز آجائیں، نہیں، خدا بار بار ہمیں اپنے عقل و حواس کے استعمال کا حکم دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ جتنا علم وہ دینا چاہتا ہے اتنا ضرور دے گا اور ہر قدم پر تم محسوس کروگے کہ سچا اور حقیقی علم، اپنی عقل و کوشش سے اس وقت تک نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ تمہیں اللہ کی طرف سے غیبی مدد نہ ہو۔ اپنی کوششوں کی ناکامی ہر قدم پر ایک قادر و توانا حی و قیوم خالق کی یاد دلاتی ہے معرفت اللہ بفسخ العزائم (قول حضرت علیؓ)

اہل زیغ کی ہٹ دھرمی

سورہ آل عمران میں متشابہات کے سلسلے میں اہل زیغ کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے۔ کہا گیا ہے کہ تم اس محکم آیت کو تو چھوڑ دیتے ہو کہ خدا بغیر کسی علت کے صرف اپنے حکم سے مٹی تک سے آدم کو پیدا کر سکتا ہے لیکن اس بات کے پیچھے پڑ جاتے ہو کہ عیسیٰ بن مریم کو بغیر باپ کے پیدا نہیں کر سکتا بلکہ وہ خود اس کا باپ ہے اور مریم خدا کی بیوی ہے۔ حالانکہ جب یہ مان لیا جائے کہ خدا خلق پر قادر ہے تو اس کی کھوج (تاویل) میں کیوں پڑتے ہو کہ خدا نے بغیر باپ کے "کس طرح" اور "کیونکر" عیسیٰ کو پیدا کیا یہ ایسی بات ہے کہ اس کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا تو یہ مان لو کہ صرف خدا ہی خلق پر قادر ہے یا اس سے بھی انکار کردو کہ آدم کو خدا نے پیدا کیا تھا۔ گویا

"خدا کی قدرت" ہی کا انکار کردو۔ پھر نہ تو عیسیٰ خدا بن سکے گا، نہ خدا کو عیسیٰ کا باپ بناؤ گے۔ بہرحال یہاں تک بحث "تصور فی الارحام" کی تھی کہ خدا ہر طرح خلق کرنے پر قادر ہے۔ یہ نہیں تھی کہ اس حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ ضرور تحقیق کرو۔ جب عاجز ہو جاؤ گے تو یا تو اہل زیغ کی طرح منکر ہو جاؤ گے ؎

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اور یا اعتراف عجز کر کے خدا رسیدہ بن جاؤ گے اور بول اُٹھو گے سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (اے اللہ ہمیں اتنا ہی علم حاصل ہوتا ہے جتنا تو دیتا ہے۔ تو ہی علم و حکمت والا ہے)

بہرحال نصاریٰ نجران کے سامنے سورۂ آل عمران نازل ہوئی اور اگرچہ انھوں نے صاف صاف مسیح بن مریم کی الوہیت اور ابنیت سے انکار نہیں کیا لیکن مباہلے کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن پر دلائل قرآن و توراۃ سے واضح ہو گیا کہ خدا بغیر معمولی اسباب کے صرف اپنے حکم سے جو چاہے خلق کر سکتا ہے۔ وہی "مصور فی الارحام" ہے اور وہی لفظ "کن" سے عدم سے وجود میں لا سکتا ہے۔ سورہ آل عمران کے مفہوم کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

آل عمران ع ۱۔ نصرانیو وہ خدا ہی کیا جو سولی پر مر جائے

الم: (اے نصرانیو جیسا کہ تم کہتے ہو کہ خدا مر سکتا ہے، یہ غلط ہے) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ صرف وہ زندہ ہے (مرتا نہیں جیسا کہ مسیح کے متعلق تمہارا اقرار ہے کہ وہ مر گیا) بلکہ اس سے ہر شے زندہ و قائم ہے (یعنی مسیح کو اسی نے پیدا کیا تھا۔ بھلا ایک مخلوق کیسے خالق ہو سکتا ہے) دیکھو جس سر چشمہ علم سے توراۃ و انجیل آئی ہے اُسی سے فرقان یعنی قرآن بھی آیا ہے۔ اور یہ پچھلے قوانین (کتب) کی تصدیق کرتا ہے (یعنی اس کی آیتیں اور احکام پرانی کتابوں سے مشابہ ہیں اور اس میں بھی خدا کی خالقیت کی وہی مثالیں ہیں جو اُن کتابوں میں آدم، عیسیٰ، یحییٰ کی تخلیق کے متعلق ہیں کہ وہ بغیر کسی سبب کے صرف حکم الٰہی سے وجود میں آئے) جو لوگ ان آیات (دلائل) کو نہیں مانتے ان کے لئے عذاب شدید ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے (جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے)۔

تصور فی الارحام: اور علم غیب

نصرانیو تم سے بارہا کہا گیا ہے کہ چھپی ہوئی باتیں اللہ ہی جانتا ہے۔ اسی طرح وہی جانتا ہے کہ ماں کے

پیٹ میں بچے کی صورت گری کیسے کرتا ہے کوئی اور معبود ایسا نہیں جو اس کی طاقت و حکمت کی کُنہ کو پہنچ سکے۔

محکمات یا ام الکتاب اور متشابہات یا بنت الکتاب

(پہلے کہا جا چکا ہے کہ "ام الکتاب" یعنی قوانین و احکام الٰہیہ کی جڑ یا ماں خدا کے پاس ہے: وَ اِنَّہٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا) یہاں نصرانیوں کو بتایا ہے کہ خواہ قرآن ہو یا توراۃ و انجیل ان میں بعض اصولی باتیں بتائی گئی ہیں۔ جیسا کہ اس سورہ کے شروع میں بتا دیا گیا ہے کہ خدا زندہ ہے اور سب کا تھامنے والا "قیوم" ہے) خدا نے رسول عربی پر کچھ ایسی باتیں اتاری ہیں جو محکم یا ماں کی حیثیت رکھتی ہیں اور کچھ باتیں ایسی ہیں جو محکم باتوں سے متشابہ ہیں گویا ان کی بیٹیاں ہیں لیکن افسوس ہے کہ وہ لوگ خصوصاً نصرانی جن کے دلوں میں کجی ہے وہ بنیادی یا محکم باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں کہ اللہ حی و قیوم ہے اور ان باتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو بنیادی باتوں سے متشابہ ہیں اور انجیل و قرآن دونوں میں ہیں۔ ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس حرکت سے فتنہ پیدا کریں اور اس حقیقت کی کنہ معلوم کریں کہ خدا کس طرح بغیر باپ کے بچہ پیدا کر سکتا ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ بہت سی باتیں ہیں جن کی کنہ و حقیقت تک پہنچنے سے تم عاجز ہو اللہ ہی جانے وہ کیسے کسی چیز کو خلق کرتا ہے۔

راسخین فی العلم

جو لوگ پکا علم رکھتے ہیں (خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی) وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ خدا بغیر اسباب کے خلق کرتا ہے۔ ہر چیز کا وجود اللہ ہی کے حکم پر منحصر ہے (کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا) یہ بات اہل زیغ نہیں سمجھتے صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

خدایا ہدایت کے بعد ہمیں گمراہ نہ کر۔ یعنی جب ہم خدا کو قادر مطلق اور حی و قیوم مان چکے تو کسی اور بندے کو مثل عیسیٰ کے ہم ہرگز معبود نہیں مان سکتے نہ خدا کو مجبور مان سکتے ہیں۔

(نوٹ: دیکھئے راسخون فی العلم سورہ نساء رکوع ۲۲ آیت ۱۶۲ اس سے پہلے گزری)

آل عمران۔ رکوع ۲ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ

خود اللہ اور فرشتے اور جاننے والے (یعنی اولو العلم اہل کتاب اور مومن) گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا (عیسیٰ یا عزیر) معبود نہیں ہو سکتا۔ وہی طاقت و حکمت والا ہے اور اللہ کو جو دین پسند ہے وہ یہی ہے کہ اس کا حکم مانا جائے۔ اس

اطاعت کو اسلام کہتے ہیں۔ اور اہل کتاب میں یہ اختلاف کہ عیسیٰ بھی خدا ہے۔ اس وقت پیدا ہوا جب ایک دوسرے سے حسد اور ضد بڑھ گئی۔ بہرحال اگر اطاعت الٰہی (یا اسلام) کے معاملے میں وہ حجت کریں تو اہل کتاب اور اُمّی دونوں سے کہدو کہ میں سوائے اللہ کے کسی کی اطاعت نہیں کرتا۔

آل عمران ۳ع: اہل کتاب کی برگزیدگی پر تنبیہ

یہ نہ سمجھو کہ تم خدا کے چہیتے بندے ہو۔ کوئی قانون مکافات سے نہیں بچ سکتا۔ یقیناً دوبارہ پیدا ہوگے اور جزا سزا ملے گی وہ اللہ بادشاہ ہے وہی بطور قاضی کے آخری فیصلہ کرے گا وہ اس دنیا میں جسے چاہے عزت (سلطنت) دے اور جسے چاہے ذلت (غلامی و محکومی میں ڈالے لہذا مومنوں کو چاہیئے کہ منکروں اور مشرکوں کو اپنا دوست نہ سمجھیں

آل عمران ۴ع: میری پیروی اللہ کو پسند ہے

اللہ کی محبت کا ثبوت یہ ہے کہ میری باتوں کو مان کر ان پر عمل کرو۔ اللہ اس سے خوش ہوگا۔ اس کے بعد حضرت مریم کا قصہ بیان ہوا ہے اور بتایا ہے کہ جو خدا بوڑھے آدمی کو عاقر سے بچہ دے سکتا ہے۔ جو خدا مٹی سے آدم کو بنا سکتا ہے وہی کنواری سے بھی اولاد پیدا کر سکتا ہے ولادت مسیح کا ذکر انجیل کے ذکر سے متشابہ ہے۔ اس لئے اصل محکم آیت کو نہ بھولو کہ خدا خالق کل ہے۔ مسیح خالق نہیں ہے۔

آل عمران ۵ع: قدرت باری پر مسیح کی گواہی

مسیح کی بچپن سے کہولت تک یہی تعلیم تھی کہ میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔ اس تعلیم توحید باری تعالیٰ کو چند کافر یہودیوں نے یہ نہ مانا اور مسیح کو سولی کی سزا دلوائی۔ لیکن اللہ نے ان کا مکر نہ چلنے دیا (یعنی اصل محکم آیت اللہ کی الوہیت ہے جسے یہود و نصاری کو توراۃ و انجیل میں تلاش کرنا چاہیئے باقی تفصیلات متشابہات ہیں اور اس بنیادی تصور الوہیت کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں)

آل عمران ۶ع: مسیح کی شہادت

اس رکوع میں خدا فرماتا ہے کہ اے مسیح میں تجھے وفات دے کر تیرا درجہ بلند کروں گا۔ تو شہید ہے اور تیرا رتبہ میرے نزدیک (بوجہ شہادت) بلند ہے اور سچے مسیحیوں (یعنی مسیح کو رسول اللہ ماننے والوں کو) قیامت تک یہودی کافروں پر غالب رکھوں گا اور قیامت میں اس جھگڑے کا فیصلہ میں ہی کروں گا (کہ مریم پاکباز تھیں۔ اور

مسیح ابن اللہ نہ تھے۔ اللہ کے بندے اور رسول تھے اور اُن کی ولادت کس طرح ہوئی تھی، بس یہ سمجھ لو کہ جس طرح خدا نے آدم کو مٹی سے بے ماں باپ کے پیدا کر دیا۔ اس کے نزدیک یہ مشکل نہیں کہ صرف ماں سے اولاد پیدا کردے۔ یہی حق ہے۔ اس میں شک نہ کرو۔

آؤ مباہلہ کرلو اگر اس پر بھی نصاریٰ مسیح کو ابن اللہ کہتے رہیں یا یہودی مریم پر بہتان لگاتے رہیں تو سوائے اس کے چارہ نہیں کہ تم مباہلہ کرو اور کہدو کہ جو جھوٹا ہو اسے خدا تباہ کرے اور جہنم میں ڈالے۔

آل عمران ع ۷- اہل کتاب کو اتحاد کلمہ کی دعوت

سوائے اسلام کے کسی دین نے مختلف خدا پرست اقوام کو اتحاد کلمہ کی دعوت نہیں دی اور یہ نہیں کہا کہ سب انسان برابر ہیں اور سب کو رنگ و نسل و ملک کے امتیازات مٹا کر خدا بندگی میں متحد ہو جانا چاہیے (یہی بات سورۂ مائدہ ۱۰ میں کہی گئی ہے کہ) اے اہل کتاب آؤ ہم سب متحد ہو جائیں کہ سوائے خدا کے کسی کی بندگی نہ کریں گے نہ کسی انسان (مثل مسیح وغیرہ) کو اپنا معبود بنائیں گے۔

دین قدیم کیا ہے؟ اے اہل کتاب آؤ سب مل کر ایک اللہ کی بندگی کریں۔ یہی دین قدیم ہے۔ **پروہتوں کا خاتمہ کردو:** آؤ پجاریوں اور احبار وغیرہ کی جماعت کو ختم کردیں۔ تاکہ ہر شخص بغیر کسی شفیع یا درمیانی دیوتا کے خدا تک اپنی آواز پہنچا سکے۔ لہٰذا اے اہل کتاب اس تعلیم حق کو جو خود تمہاری کتابوں میں موجود ہے نہ چھپاؤ اور حق میں باطل کی آمیزش نہ کرو"۔

اہل کتاب سے خاص رعایت اس کے بعد نصارائے نجران سے معاہدہ ہو گیا۔ معاہدہ یہ تھا کہ وہ خدا پرستی کریں گے اور خدا اور رسول کی حمایت میں آجائیں گے۔ ان کے کسی دینی یا دنیوی کام میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ بشرطیکہ وہ رعایا کے اصلاح حال کی کوشش کریں اور ظالم کا ساتھ نہ دیں۔ ان پر ایک ٹکس (جزیہ) عائد کیا جائے گا اور اُن محصول اور فوجی خدمتوں سے مستثنیٰ رہیں گے جو مسلمانوں پر عائد ہوں گی۔ یعنی ان سے زکوٰۃ اور فوجی خدمت نہ لی جائے گی لیکن اُن کی حفاظت جان و مال و آبرو ایسی ہی ہوگی جیسی مسلمان خود اپنی کرتے ہیں۔

ارسال المصدقین ۹ھ شروع سال ۹ھ میں صدقہ یا زکوٰۃ جمع کرنے والوں کو روانہ

کیا گیا تھا اور انھیں فاضل رقوم (عفو) کے وصول کرنے کا حکم تھا۔

مسلمانوں پر شرح زکات منصوص نہیں

(مسلمانوں پر زکات اسی طرح فرض ہے جیسے خدا اور رسول پر ایمان لانا لیکن اس کی شرح متعین نہیں۔ بلکہ دولت کتابیہ کی ضروریات کے اعتبار سے گھٹ بڑھ سکتی ہے۔ اس لئے جب آنحضرت نے غزوہ تبوک کے لئے چندہ جنگ جمع کرنا شروع کیا تو حضرت ابوبکر نے اپنا کل مال اور حضرت عمر نے نصف دے ڈالا۔

بقرہ ع۲۶: زکوٰۃ کتنی دیجائے

مسلمانوں نے پوچھا کہ انفاق کے لئے کیا دیں تو قرآن نے بتایا کہ جو کچھ بھی دے سکو دے دو۔ اور والدین، اقربین یتیم، مسکین و مسافر کے ساتھ جو بھی خیر کر سکو کرو (خیر: مدد مالی وغیرہ)

(بقرہ ع۲۷) کل فاضل رقم دیدو

اور پھر فرمایا کہ اپنی ضروریات سے جو فاضل رقم بچے وہ دولت کتابیہ کی ترقی کے لئے دے ڈالو۔ اس لئے کہ سلطنت کی ترقی ہر فرد کی ترقی ہے اور عالم انسانیت کی فلاح کے کام بھی اس انفاق سے ہوسکتے ہیں۔ (قتال شہر حرام کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ دیکھئے فصل ہفتم)

سورہ توبہ ع۸: مصارف زکوٰۃ

صدقات کا مال حسب ضرورت آٹھ مدوں پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (۱) فقیروں پر (۲) مسکینوں پر (۳) صدقہ وصول کرنے والوں پر (۴) مولفۃ القلوب یعنی اُن لوگوں پر جن کا ایمان کمزور ہو (۵) رقاب پر یعنی لوگوں کو قرض کی غلامی، عام غلامی اور خونبہا ادا کرنے کے سلسلے میں (۶) تاوان بھرنے والوں پر یعنی جو لوگ قرض یا جرمانہ ادا کرسکتے ہوں (۷) اللہ کی راہ پر یعنی مجاہدوں اور مبلغین اسلام علمی تحقیقات اور قحط و وبا کے دور کرنے کے سلسلے میں اور (۸) مسافروں کی تکلیفیں دور کرنے کے لئے (سڑکیں بنوانا اور مختلف امور عامہ کے لئے)

سورۃ الحجرات: مسلمانوں کو ادب آموزی

اب مسلمان ایک مہذب (کتابی) قوم بن رہے تھے۔ اس لئے اس سورہ میں ان کو چند اصول و آداب مجلس بھی سکھائے گئے۔ تاکہ وہ زمانہ جاہلیہ کے اکھڑپن کو چھوڑ دیں اور متمدن اور مہذب زندگی کے قواعد پر عمل کرنے لگیں۔ اُن سے کہا گیا کہ قطع کلام نہ کیا کرو۔ دیوار کے پیچھے سے نہ پکارا کرو۔ چھوٹے کی بات

کی تحقیق کر کے عمل کیا کرو۔ آپس میں لڑائی ہو تو صلح کرادو۔ جتنے مومن ہیں یعنی جو اللہ کو مانتے ہیں) وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے کسی بھائی کا مذاق نہ اڑاؤ۔ بدگمانی اور تجسس نہ کرو اور سب سے بڑی بات یہ کہ نسل ورنگ پر فخر نہ کرو۔ یاد رکھو کہ اسلام اور ایمان میں بہت فرق ہے ایمان کا دل سے تعلق ہے اللہ کو مان کر جو شخص مصدق یوم الدین ہے وہی عمل صالح کرے گا اور وہی اصل مومن ہے۔

زوجات نبوی کا احتجاج

دولت کتابیہ کے قیام کے بعد خیبر میں اور اس سے پہلے یہود مدینہ سے جو مال بغیر لڑے بھڑے ملا تھا اس میں) مجاہدین کا حصہ لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ اسے قرآن کی زبان میں فئ کہتے ہیں یہ مال وجائداد رحمۃ للعالمین کی ذاتی ملکیت تھی چونکہ آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر زکات وصدقات کا روپیہ حرام تھا اس لئے زوجات کی معیشت اچھی نہ تھی۔ اموال ہوازن سے بہت بڑا حصہ نومسلموں کے تالیف قلوب کے لئے خرچ کردیا گیا تھا اور مکہ ہی میں بعض انصار ومنافقین نے اس فیاضی پر چہ میگوئیاں شروع کردی تھیں حتی کہ بعض نے یہ کہا تھا کہ محسن المفتوحین قریش کو سب مال دیئے دیتے ہیں۔ اگرچہ ہماری تلواروں سے ابھی تک اُن کا خون ٹپک رہا ہے۔ بہر حال ان منافقوں نے مدینہ پہنچکر زوجات نبوی کو بھڑکایا کہ تمہارا شوہر تو اب بادشاہ بن گیا ہے۔ لیکن دشمنوں میں دولت بانٹ رہا ہے اور تم اسی طرح فقر وفاقہ میں گرفتار ہو جیسی پہلے تھیں۔ ہم تو ہر حال میں خوش ہیں لیکن آپ کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔ لیکن بیبیوں نے جواب دیا کہ ہم اور عام عورتیں برابر نہیں ہم تکلیف اٹھائیں گے تو ہمیں دُگنا ثواب ملے گا۔ (دیکھئے سورۂ احزاب)

بی بی صفیہؓ

منافقوں نے اب یہ چال چلی کہ یہودی النسل حضرت صفیہؓ سے نکاح کرنے اور ان کی عزت افزائی کرنے کے معاملہ کو قرشی بیبیوں تک پہنچایا۔ انھوں نے حضرت صفیہؓ پر طعن وتشنیع شروع کردی۔ لیکن آنحضرتؐ نے بی بی صفیہؓ سے فرمایا کہ تم سے زیادہ شریف کون ہوسکتا ہے تم پیغمبروں کی نسل سے ہو اور تمہارا شوہر بھی پیغمبر ہے۔ غرض کہ آنحضرت کی خانگی زندگی میں تلخی بڑھتی رہی۔

بی بی ماریہؓ کی عزت افزائی

حضرت ماریہ قبطیہؓ سے جناب ابراہیمؑ کی ولادت ہونے پر آنحضرت نے اُن کا بھی پردہ کرادیا۔ یعنی ایک باندی کو بی بی کا درجہ مل گیا۔ اس پر قرشی آزاد بیبیوں کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے آنحضرت پر نرغہ کیا اور رشادت کی (طبقات ۹۲) یہاں یہ بات نوٹ کرلیجئے کہ جناب ابراہیم کی ولادت پر قرآن نے یہ قانون عام

جاری کردیا تھا کہ اگر کسی باندی کے بطن سے بچہ پیدا ہوا تو اس باندی کا درجہ آزاد عورتوں کے برابر ہو جائے گا وجہ یہ بتائی گئی کہ کوئی بچہ غلام نہیں پیدا ہوتا تو جب بچہ غلام نہیں تو ماں کیسے باندی ہو سکتی ہے۔

رحمۃ للعالمین کی ولی عہدی کا معاملہ

۹ھ کی ابتدا میں منافقوں نے بی بی عائشہ کو ورغلانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ انھیں حضرت ماریہؓ سے تو نفرت تھی ہی لیکن اب یہ بدیہی بات تھی کہ ابراہیمؓ محمد آنحضرت کے صلبی فرزند پیدا ہو گئے تھے۔ اور جاہلیہ اور دوسرے ملکوں کے عام رواج کے مطابق بیٹا ہی سردار قبیلہ یا امیر قوم بنایا جاتا تھا۔ منافقوں نے بھولی بھالی بی بی عائشہ اور تیز مزاج بی بی حفصہؓ کو اتنا اکسایا کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے بی بی ماریہ کی عزت افزائی اور مساوات (اور جناب ابراہیم کی ولی عہدی کے مسئلہ) پر سخت احتجاج کیا۔ وہ منافقوں کے بھڑکانے پر یہی سمجھیں کہ عام دستور کے مطابق بیٹا باپ کی گدی سنبھالے گا اور ابراہیم امیر قوم بنیں گے نیز ان سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کے کوئی اور نرینہ اولاد نہیں ہے۔ زید بن حارثہؓ (جو پہلے زید بن محمد تھے) غزوہ موتہ میں شہید ہو چکے ہیں اور سوائے اسامہ بن زید اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کے کوئی قریبی رشتہ دار باقی نہیں ہے۔ البتہ سب سے پرانے رفیق، بی بی عائشہ کے والد حضرت ابوبکرؓ جو آنحضرت کے خسر بھی تھے موجود ہیں اور اُن کے کئی لڑکے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ بھی آنحضرت کے خسر ہیں یعنی بی بی حفصہؓ کے والد ہیں۔ اس لئے جب بی بی عائشہؓ اور بی بی حفصہؓ نے بی بی ماریہؓ اور ابراہیم بن محمد کے خلاف محاذ بنایا تو غالباً آنحضرت نے ابراہیمؓ بن محمدؐ کو ولی عہد نہ بنانے کا عہد کرلیا۔ بلکہ شاید اُن کے والدوں کا ذکر کیا۔ پھر اُن میں سے ایک کو خلافت کے معاملہ میں یہی ادھوری بات بتائی یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ میں سے کون خلیفہ ہوگا بلکہ تاکید کی کہ اسے راز میں رکھنا مگر عورتوں کی جیسی عادت ہوتی ہے انھوں نے ایک دوسرے سے خلافت کے معاملہ میں کچھ نہ کچھ کہنا شروع کیا۔ اس پر قرآن میں یہ احکام نازل ہوئے کہ نہ تو کسی کے لئے کوئی حلال چیز حرام ہو سکتی ہے۔ نہ نا سمجھ عورتوں کو راز دار بنایا جا سکتا ہے

سورہ تحریم اے حلال کو حرام نہ بناؤ

اے رسول اپنی بعض بیبیوں کو خوش کرنے کے لئے حلال کو حرام کرنے کا تمہیں اختیار نہیں۔ اگر تم نے یہ عہد کیا ہے تو غلطی ہے اسے توڑ ڈالو۔ کسی اہم مسئلے کے سلسلے میں راز داری کے ساتھ کچھ باتیں ایک بیوی سے کہی گئی تھیں وہ اُسے نہ چھپا سکی بلکہ دوسری سے کہہ دیا۔ لہٰذا دونوں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ

رسول اللہ سے اس معاملہ پر مظاہرہ نہ کریں ورنہ جب معاملہ علانیہ زیر بحث آئے گا تو سوائے منافقوں کے دجو ہر معاملہ میں اسلام کی مخالفت کرتے ہیں) جتنے صالح مومن (یعنی غیر منافق) ہیں اور خدا اور جبریل اور فرشتے سب رسول کے ساتھ ہوں گے۔ یعنی رسول کو اختیار ہو گا کہ مسلہ خلافت و امامت پر جو چاہیں فیصلہ کریں) یاد رکھو کہ معاملات دینی وملکی میں تمہیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ رسول تمہیں طلاق دے دے اور تمہاری جگہ پر نیک خصال اور نوجوان بیبیاں خدا عنایت کردے

تحریم ۲ع: کفار اور منافق جہنمی ہیں | رسول کو سختی کے ساتھ ان سے لڑائی لڑنا چاہیئے (یہ دولت کتابیہ کے قائم ہونے کے بعد اب خلافت اور وراثت کے جھگڑے شروع کر کے مسلمانوں میں انتشار پیدا کر رہے ہیں) اور اے مومنہ عورتو یہ سمجھ لو کہ اگر شوہر اچھا ہے تو تمہیں جنت نہ ملے گی اور شوہر برا ہے تو تم جہنم میں نہ ڈالی جاؤ گی۔ جس میں تمہارے اعمال تمہارا ساتھ دیں گے۔ جیسا کرو گی ویسا پاؤ گی۔ (یعنی یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔ تو تم محض رسول کی بیوی ہونے کی وجہ سے جنت میں چلی جاؤ گی۔ یاد رکھو ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے)

لہٰذا عورتوں کو سیاسیات میں دخیل ہونا اور مردوں کا امور خانہ داری میں زیادہ دخل دینا مناسب نہیں۔ عورتوں اور مردوں کے اعمال زندگی کے حدود ہیں۔ ان میں ایک خاص نظم ہونا ضروری ہے۔

رومی سامراج سے مقابلہ کی تیاری | اب رحمۃ للعالمین نے ارادہ کیا کہ دولت کتابیہ میں اہل کتاب کو شریک کرلیں۔ اس لئے خصوصیت سے رومی سامراج کی توجہ کی اور فوجی مصارف کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ قرآن نے انفاق او بصدقہ کی اس طرح تعریف کی۔

سورہ توبہ ۶ع: جہاد کی تعریف | مومنو جہاد فی سبیل اللہ سے نہ گھبراؤ اور بہانے نہ کرو اگر تم آگے نہ بڑھو گے تو اللہ دوسری قوم کو پیدا کر دیگا۔ جو یہ کام کرے گی۔

غار ثور اور سکینہ و جنود اللہ | دیکھو صرف دو شخص ایک رسول اور دوسرے ابو بکر غار ثور میں تھے لیکن ایک تیسرا بھی تھا یعنی اللہ۔ اس نے اپنے رسول پر سکینہ اور اللہ کے فرشتے نازل کئے اور آج وہ مدینہ اور مکہ کا مالک ہے۔ اس لئے رومی سامراج کے مقابلہ میں چلنے پر

بہانے نہ کرو۔ یاد رکھو کہ جہاد نہ کروگے تو ہلاکت میں پڑوگے۔ تمہاری قوم ہی ختم ہو جائے گی۔ تم کہاں بچ سکتے ہو۔

توبہ ۱۲ع: نافرمانوں کا صدقہ بھی نہ قبول کرو (بعض منافق تبوک میں جانے پر تیار نہ تھے لیکن مال سے مدد کرنا چاہتے تھے۔ ان کے متعلق قرآن نے حکم دیا کہ "یہ منافق خوشی سے مال دیں، یا مجبوراً دینا چاہیں، کسی حال میں ان سے مدد نہ لی جائے نہ تو ان کی نماز قبول ہوتی ہے نہ ان کا انفاق قابل قبول ہے۔ خدا بندگی اور انفاق (جو بنیاد اسلام ہیں) ہرگز قابل قبول نہیں۔ اگر وہ بددلی سے کئے جائیں۔

سریہ فلس: حاتم کی بیٹی کی عزت ربیع الآخر ۹ھ میں حضرت علی بن ابی طالب نے قبیلہ طے پر حملہ کیا اور قبیلے کے بت فلس کو توڑ کر مال غنیمت اور قیدیوں کو مدینہ لائے۔ ان میں عرب کے مشہور فیاض حاتم کی لڑکی بھی تھی۔ خود حاتم کا لڑکا عدی ملک شام کی طرف چل دیا تھا۔ رحمۃ اللعالمین نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ اس شخص کی لڑکی ہے جس میں مومن کی سب سے اچھی خصلت یعنی سخاوت پائی جاتی تھی۔ اس لئے آپؐ نے نہ صرف اس لڑکی کو لباس اور زادِ راہ دے کر آزاد کر دیا بلکہ اس کے قبیلے کے جملہ قیدیوں کو بغیر کسی فدیہ کے چھوڑ دیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ رومی سرحد پر مسلمانوں کا ایک وفادار دوست قبیلہ قائم ہو گیا۔ اس قبیلہ میں کثرت سے عیسائی تھے۔ عدی بن حاتم بھی عیسائی تھا۔ رحمۃ للعالمین کی رحمت و فیاضی سے اتنا متاثر ہوا کہ آ کر مسلمان ہو گیا اور ۶۸ھ میں ایک سو بیس کی عمر میں وفات پائی۔

اب بعض ازدواجی مسائل پھر سامنے آگئے جو آئندہ سورہ میں بیان ہوئے

سورۃ الطلاق مسلمان عورتوں کو طلاق دے سکتے ہیں۔ لیکن بیک وقت تین طلاقیں دیکر انھیں آزاد نہیں کر سکتے۔ بلکہ اُن کو چاہیئے کہ جب تک وہ عورتیں کھلی ہوئی بے حیائی نہ کریں اُن کو گھروں سے نہ نکالیں اور اصلاح حال کی کوشش کریں۔ عدت اور نفقہ کا خیال رکھیں اور بچے کو دودھ پلائے تو اس کی بھی اجرت دیں اور اللہ سے ڈرتے رہیں ناانصافی نہ کریں۔

غزوہ تبوک رجب ۹ھ = ۱۴ اکتوبر ۶۳۰ء شکست موتہ کے بعد نصاریٰ کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ یہ خبریں نبطی روغن فروشوں سے جب مدینہ پہنچیں تو آنحضرت نے فوجی چندہ تیزی سے جمع کیا۔ حضرت عثمان نے اس لشکر کی تیاری میں

بہت کافی مدد کی اور دوسرے صحابہ نے بھی دل کھول کر چندہ دیا۔ موسم سخت تھا اور کھجوروں کی فصل تیار ہو کر بازاروں میں آ رہی تھی۔ اس لئے بہت سے منافقوں نے جہاد کی شرکت سے کسی نہ کسی بہانے سے معذوری ظاہر کی۔ ان میں تین مخلص مسلمان بھی تھے اور جب غزوہ سے واپسی ہوئی تو صرف ان تینوں نے اقبال جرم کیا اور سزا کے بعد ان کی معافی ہوئی۔ منافقوں سے نہ چندہ لیا گیا نہ واپس آنے کے بعد ان کی عدم شرکت جہاد پر کوئی بازپرس ہوئی۔ ان پر قرآن نے اس طرح تنبیہ کی۔

سورہ توبہ ۹ع : طمع مال پر تنبیہ | منافقو، طمع مال کی وجہ سے پہلے بھی بہت سی قومیں تباہ ہو چکی ہیں۔ یہ بات یاد رکھو۔

سورہ توبہ ۱۰ع : منافقوں پر سختی کا حکم | "منافق چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اپنی چغل خوری کی وجہ سے پھوٹ ڈالیں (دیکھ

انھوں نے مسئلہ خلافت کو اٹھا کر بیبیوں کو ورغلایا تھا) لہٰذا ان پر سختی کرو۔ لیکن جو وہ چاہتے تھے وہ نہ ہو اگر یہ توبہ نہ کریں گے تو ان پر دردناک عذاب ہو گا۔ انھوں نے انفاق کا عہد کیا تھا۔ لیکن دولت پا کر اب منکر ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ جو مسلمان انفاق کر رہے ہیں اُن کا بھی یہ مذاق اڑاتے ہیں۔ اے رسول تو اُن کے لئے لاکھ معافی مانگے۔ خدا انھیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔"

غرض کہ آپ نے تیس ہزار فوج کے ساتھ جن میں دس ہزار سوار تھے۔ تبوک کی طرف کوچ کیا۔ یہ مقام دمشق کے قریب واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہرقل شہنشاہ قسطنطنیہ حمص میں ہے آپ وہاں ایک مہینے تک مقیم رہے اور نصرانی بادشاہ کی ہمت نہ ہوئی کہ آ کر مقابلہ کرے۔ اس درمیان میں آنحضرت نے قرب و جوار میں چھوٹے چھوٹے فوجی دستے روانہ کئے۔ دومۃ الجندل کا رئیس اکیدر نصرانی تھا۔ اُسے خالد گرفتار کر لائے اور اُس نے جزیہ پر اطاعت قبول کر لی۔ اسی طرح بعض اور نصرانی رئیس بھی جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ اور دولت کتابیہ مدینہ کی سرپرستی میں اپنے مذہب پر قائم رہے۔

جماعتی انقلاب | چونکہ اس فوجی نقل و حرکت میں تیس ہزار فوج نے دو مہینے باہر رہنے میں صرف کئے۔ اس لئے کل نفقہ ختم ہو گیا۔ اکثر جگہ اتنی کثیر فوج کو پانی بھی نہ ملا بعض جگہ لوگوں نے پتے کھا کر گزارا کیا۔ غرض کہ اس فوجی مشق یا گرداوری نے مسلمانوں کو آزمائش میں ڈال کر پکا سپاہی بنا دیا۔ ان کی ہمت دیکھیے اور اللہ کے نام پر رضاکارانہ خدمت سے یہ ثابت

ہوگیا کہ مسلمانوں کی ایک مرکزی پارٹی بھی بن گئی ہے اور وہ پارٹی اس قابل ہوگئی ہے کہ بڑی بڑی جماعتوں اور قوموں میں ذہنی ومادی انقلاب پیدا کر سکے۔

یہ جماعتی انقلاب ایک دن کا کام نہ تھا۔ نہ یہ انقلابی سپرٹ عربوں میں پہلے سے موجود تھی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ان میں سوائے انفرادی تکبر ونخوت اور انتقام کی عادت کے، جماعتی فلاح وبہبود کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ صرف آنحضرت کی ایک شخصیت ایسی تھی جس نے نراج کو نظم وضبط کے سانچے میں ڈھال کر بے مقصد افراد کو ایک صاحب مقصد قوم بنا دیا یا یوں کہنا چاہیئے کہ آنحضرت کے عملی دل ودماغ نے بیس سال کے اندر شکستہ اور پامال مٹی کے ڈھیلوں کو نئے سانچوں میں ڈھال کر ایک خوبصورت پیمانہ بنا دیا۔ پھر اس پیمانے کے ذریعے سے امن وترقی کا روح پرور مشروب ہر ملک وقوم کو بقدر ذوق وطلب سیراب کرنے لگا۔

حاجی برہ کعبہ ومن طالب دیدار ‌ ‌ ‌ او خانہ ہمی جوید ومن صاحب خانہ

رمضان میں واپسی پر منافقوں کو یہ قرآنی وعید سنائی گئی۔

سورہ توبہ ۱۱ع: قاعدین پر عتاب جو لوگ جنگ میں نہیں گئے نہ مال سے مدد کی وہ جہنمی ہیں۔ اب کسی مہم پر یہ جانا بھی چاہیں تو انھیں ساتھ نہ لیا جائے۔

سورہ توبہ ۱۲ع کمزور اور مفلس جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔ لیکن مالدار منافقوں سے پرہیز کیا جائے۔ ان کی خطا معاف نہیں ہو سکتی۔ اگر تم نے معاف بھی کر دیا تو خدا معاف نہ کرے گا۔

مسجد ضرار منافقوں نے فتنہ انگیزی اور پھوٹ ڈالنے کی ایک نئی ترکیب یہ کی تھی کہ قبا میں اپنی مسجد الگ بنائی تھی اور اس میں بیٹھ کر یکے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے تھے بلکہ نصرانیوں سے ساز باز کر کے وہاں ابو عامر راہب کو بلانے اور سازشیں کرنے کا سامان کیا تھا۔ آنحضرت سے چاہا کہ آپ بھی وہاں نماز پڑھ لیں تو گویا یہ مسجد بھی مقدس سمجھی جائے۔

سورہ توبہ ۱۳ع مسجد ضرار اس مسجد کے متعلق قرآن کا یہ حکم ہوا کہ یہ مسجد مسلمانوں کی یکجہتی کو ضرر پہنچانے کی نیت سے بنائی گئی ہے اور ابو عامر فاسق کی سازشوں کے لئے کام میں لائی گئی ہے۔ اس میں نہ جا۔ بلکہ اس مسجد میں جا جو قبا میں پہلے تعمیر ہو چکی ہے۔

اس حکم کے بعد یہ مسجد توڑ دی گئی۔

سورہ توبہ ۱۳ع قبول توبہ | تین مسلمانوں نے تبوک میں نہ جانے پر اظہار ندامت کیا اور اقبال جرم کر لیا۔ ان کی توبہ قبول کی گئی اور ان کی تعریف کی گئی۔

سورہ توبہ ۱۵ع سچوں کو نجات | سچوں کا ساتھ دینے والوں کو نجات کی خوشخبری دی جاتی ہے اور سفر تبوک میں مصیبتوں اور بھوک پیاس کی تکلیفوں کے امتحان سے جو لوگ گذر گئے وہ اس کا اجر پائیں گے۔

سورہ توبہ ۱۶ع قتال میں سختی کا حکم | قتال میں سختی کرو۔ نرمی کو راہ نہ دو۔ آپس میں محبت رکھو۔ رحمۃ للعالمین مومنوں سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جاتے ہیں لیکن جو منافق آپ سے منہ موڑتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ رسول کو صرف اللہ کی مدد پر بھروسہ ہے۔ جو عرش عظیم کا مالک ہے اُسے منافقوں کی مدد کی ضرورت نہیں۔

وفد ثقیف: رمضان سنہ ۹ ھ

طائف کے رہنے والے بنو ثقیف نے اب محسوس کیا کہ دولت مدینہ (یعنی آنحضرتؐ) کی اطاعت کے سوا چارہ نہیں۔ نہ تو مکہ کی تجارت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ نہ عراق یمن جا سکتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے ایک وفد مدینہ بھیجا اور بت پرستی سے توبہ کی لیکن وہ بت شکنی سے ڈرتے تھے۔ اس لئے کہ لات دیوی کا رعب اُن کے دلوں پر چھایا ہوا تھا۔

جہاد و زکات سے معافی | اس کے علاوہ انھوں نے جہاد اور زکات سے بھی معافی مانگی۔ آنحضرتؐ نے انھیں ان دو باتوں سے مستثنیٰ کر دیا اور فرمایا کہ جب اسلام کی خوبیاں اُن کے دلوں میں جاگزیں ہو جائیں گی تو وہ بھی ان فرائض کے محاسن سے واقف ہو کر جہاد و انفاق میں مسابقت کرنے لگیں گے (سنن ابوداؤد۔ خبر طائف) لیکن چونکہ بت شکنی سے وہ ڈرتے تھے، اس لئے اس دیوی کی بے چارگی ثابت کرنا ضروری تھا۔ اس لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جا کر اس دیوی کو ڈھا دیا اور جیسا کہ اہل طائف سمجھتے تھے کہ کوئی بلا نازل ہو گی کچھ بھی نہ ہوا بلکہ اس بت کے اندر سے مسلمانوں کو بہت سا خزانہ ملا۔

حجۃ الاسلام سنہ ۹ھ (یکم ذی الحجہ سنہ ۹ھ ۔ ۱۱ مارچ سنہ ۶۳۱ء)

یہ حج خالص مسلمانوں کے طریقے کا تھا۔ اگرچہ اس میں مشرک شریک تھے، لیکن اس حج میں سنہ ۸ھ کے حج کی طرح دونوں نے الگ الگ حج نہیں کیا۔ نہ مشرکوں کا گذشتہ سال کی طرح کوئی امیر الحج تھا۔ مکہ اور طائف دونوں فتح ہو چکے تھے اور عرب اور بیرون عرب سے جو لوگ بغرض حج کے میلے میں شریک ہوئے اُن سب کو اس حج میں یہ حکم سنا دیا گیا کہ آئندہ یہ حج صرف اُن لوگوں کا ہوگا جو اللہ کو مانتے ہیں اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس حج میں مدینہ سے حضرت ابوبکرؓ امیر الحج بنا کر بھیجے گئے اور ان کے ساتھ تین سو مسلمان حج کرنے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو اعلان برأت سنانے کے لئے روانہ کیا اور انھوں نے حج کے دوسرے دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۹ھ کو مندرجہ ذیل قرآنی اعلان سب لوگوں کو سنا دیا۔

سورہ توبہ ۱ع مشرکین کے معاہدے

جن مشرکوں سے معاہدے کئے گئے تھے اور وہ توڑتے رہے تھے اب وہ سب معاہدے ختم ہیں۔ پھر بھی یہ رعایت کی جاتی ہے کہ چار مہینے کی انھیں مہلت دی جاتی ہے۔ اگر وہ اللہ پر ایمان لے آئے اور اس کے رسول کی اطاعت کرلی تو خیر ورنہ اُن سے جنگ کی جائے گی۔ ہاں وہ کلام الٰہی سننے کے لئے مہلت چاہیں تو انھیں امن دیا جائے گا۔ اس کے بعد انھیں صلات و زکات کو ماننا پڑے گا۔

البتہ بنو ضمرہ، بنو مدلج، بنو کنانہ وغیرہ سے (یعنی جن لوگوں سے کسی خاص مدت تک کے معاہدے ہیں) وہ باقی رکھے جائیں گے۔ اس لئے کہ عہد شکنی بہت بڑا گناہ ہے۔

توبہ ۲ع

جن لوگوں سے معاہدے ختم کئے جاتے ہیں وہ ناقابل اعتبار ہیں اور بار بار عہد شکنی کر چکے ہیں

توبہ ۳ع : صلاۃ مع زکوٰۃ

اس کے علاوہ انھیں ایسی عبادت گاہوں سے کیا واسطہ جن میں اللہ کی عبادت ہوتی ہے اور وہاں بت باقی نہیں۔ ان میں وہی لوگ جا سکتے ہیں جو اللہ کو مانتے ہوں اور زکات بھی دیتے ہوں (صرف اللہ کو ماننا کافی نہیں)

توبہ ۴ع : سکینہ و جنود اللہ

حنین میں سکینہ اور جنود اللہ نازل ہوئیں تب فتح ہوئی۔ حالانکہ کثرت سے مشرک اور منافق ساتھ تھے لیکن ان کی وجہ سے مسلمان بھی بھاگ نکلے آخر وہ مجاہد جو بیعت رضوان کر چکے تھے فتحیاب ہوئے۔ اس لئے ان ناپاک مشرکوں کو اللہ کی مسجد میں نہ آنے دو

وہ اللہ کے علاوہ دیوتاؤں سے ڈرتے ہیں مشرکوں کے نہ آنے سے حج کے میلے کی رونق کم نہ ہوگی بلکہ تھوڑے دنوں میں یہ مشرک بھی تجارت کی کساد بازاری سے تنگ آکر مومن بن جائیں گے۔

اہل کتاب پر جزیہ اور جو اہل کتاب ہیں انھیں جزیہ دینا ہوگا۔ وہ اپنے مذہب پر باقی رہ سکتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ کو مانتے ہیں اور اللہ کے قوانین کو تسلیم کرتے ہیں۔

سورہ توبہ ع۵: اہل کتاب کے متعلق مگر وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ انسانوں کو ابن اللہ مانتے ہیں اور اپنے پروہتوں کی پرستش کرکے انسانی وقار کو خاک میں ملاتے ہیں۔ بہر حال اب اللہ کا نور (اسلام) پھیل کر رہے گا اور یہ غلط کار اہل کتاب بھی راہ پر آجائیں گے۔ اور سچے دین کی فتح ہوگی۔ جو یہودی سودی روپیہ کھاتے ہیں وہ بھی پشیمان ہوں گے۔ دولت کتابیہ میں دھوکے سے (سود، اجارہ وغیرہ) سے مال لوٹنے کی گنجائش نہ رہے گی اور جو لوگ خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں کنجوسی اختیار کرکے مال و دولت جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے وہ بھی جہنم میں جائیں گے اور وہاں اسی مال و دولت سے ان کو دلغا جائے گا۔

عام الوداع سنہ ۱۰ھ ۹ راپریل سنہ ۶۳۱ء

محسن الملفوصین کی زندگی کا یہ سال امن و امان کے زمانے میں تعمیری کاموں کی طرف متوجہ ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی سال اگرچہ معمولی سریے بھی روانہ کئے گئے۔ مگر اصل کام دو تھے۔ ایک تو تدوین قرآن، اور دوسرا امن و ترقی اور حقیقت اسلام کا پیغام تھا جو حج کے موقع پر آپؐ نے دنیا کو دیا۔

تدوین قرآن: رمضان سنہ ۱۰ھ رمضان کا مہینہ ہمیشہ کرسمس کے زمانے کے قریب ہوتا تھا اور مسیحی دنیا میں ۱۵ نومبر سے ۲۵ دسمبر تک ولادت مسیح کی آمد کی خوشی منائی جاتی تھی اور سچے مسیحی چالیس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ آنحضرتؐ بھی نبوت سے پہلے عیسائی اسلام کے پابند تھے اور غارِ حرا پر روزہ اور تحنث میں اسی رمضان کے موسم میں وقت صرف کیا کرتے تھے۔

مدینہ میں رمضان کے روزے فرض کئے گئے اور آپؐ نے یہ دستور مقرر کرلیا تھا کہ اس مہینے کے دس دن دنیا کے کاروبار سے الگ ہوکر مسجد میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے تھے اور خاموشی سے یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اسی زمانے میں ہر سال جتنا قرآن نازل ہوچکا تھا۔ اس کو مختلف سورتوں میں مرتب کردیتے تھے

سنہ ۱۰ھ میں آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔ اور اس سال آپؐ قرآن کو دو مرتبہ دہرایا اور سورتوں کو ترتیب کیا۔ اس میں فرشتۂ وحی (جبریلؑ) نے آپؐ کا ساتھ دیا۔

اس کے بعد بھی قرآن کی تنزیل جاری رہی اور الگ الگ قرطاسوں پر ان کی کتابت بھی ہوئی۔ لیکن ان میں سے ایک یعنی سورۂ توبہ کو بقیہ تنزیل یعنی سورۂ مائدہ سے بسم اللہ لکھ کر الگ نہیں کیا گیا۔ اسی لئے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اگرچہ سورہ مائدہ اور سورہ توبہ دو سورتیں کر دی گئیں۔ لیکن سورہ توبہ کو بسم اللہ لکھ کر علیحدہ نہیں کیا گیا تھا اس لئے وہ اسی طرح موجودہ مصاحف میں باقی ہے۔

البقرہ۔ ع ۳۸-۳۹ (۲۷۴-۲۸۳) | انفاق سے خوف و حزن دور ہوتا ہے۔ قرض تحریری ہو تو بہتر ہے، اور رہن باقبضہ ہونا چاہیئے۔

وفات جناب ابراہیم بن محمدؐ (۲۹ شوال سنہ ۱۰ھ، ۲۷ جنوری سنہ ۶۳۲ء)

سنہ ۸ھ زید بن حارثہ (جو پہلے زید بن محمد تھے) غزوہ موتہ میں شہید ہو چکے تھے۔ اب آپؐ کے صلبی بیٹے جناب ابراہیمؑ کی عمر سترہ اٹھارہ مہینے کی تھی کہ ۲۹ شوال سنہ ۱۰ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اس دن سنہ ۱۰ھ میں سورج گہن پڑا (بخاری) حساب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(دیکھئے انڈین کلنڈر از سیول (SEWELL) مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۹۶ء نقشہ کسوف و خسوف از ڈاکٹر شرام (SCHRAM) آف ویانا)

منافقوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جناب ابراہیم آنحضرتؐ کے ولی عہد ہوں گے۔ اسی لئے انھوں نے اُن کے اور ان کی ماں کے خلاف تحریک شروع کر دی تھی۔ اب اس انتقال سے ان کی زبان بند ہو گئی۔ لوگوں نے کہا کہ سورج گہن اس لئے پڑا ہے کہ ابن النبی کا انتقال ہوا ہے۔ آپؐ نے فوراً اس کی تردید کی اور کہا کہ چاند سورج خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے جینے سے ان میں گہن نہیں لگتا۔ اس موت پر آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو بہت رنج ہوا۔ حضرت عائشہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ ابراہیم کے مرنے پر خوش ہوئیں اور آنحضرتؐ کے رنج و ملال پر تعجب کرنے لگیں اور بولیں کہ اتنے سے بچے کے مرنے پر اتنا رنج کرنا ضروری نہیں۔

حج سنہ ۱۰ھ کی تیاری | اس سال رحمۃ للعالمین نے اعلان کر دیا کہ خود حج میں جائیں گے اور سوائے ان مشرکوں کے جن سے دوستانہ معاہدوں کی میعاد باقی ہے اور کوئی مشرک اس میں شریک نہ ہو سکے گا۔

فاتح اور نبی کا فرق | پوری سیرت پڑھ جائیے آپ کو آنحضرتؐ کے جارحانہ حملہ کا کہیں نام و نشان

نے لگا۔ مکہ میں تیرہ سال تو تلوار کا ذکر ہی نہیں۔ البتہ مدینہ کے دوسرے سال سے تلوار کا نام بدرسے شروع ہوتا ہے کسی بھی تاریخ کے ورق الٹ کر دیکھ لیجیے۔ بدر میں قریش نے حملہ کیا۔ رسول اللہ نے مدافعت کی۔ اُحد میں حملہ کیا، مدافعت کی۔ پھر خندق میں پورے عرب اور یہود کو ساتھ لے کر حملہ کیا۔ آپ نے مدافعت کی۔ عمرہ حدیبیہ، ذی قعدہ کے پرامن مہینہ میں آپ نے عمرہ بیت اللہ کرنا چاہا۔ قریش نے روک دیا۔ آپ کے ساتھ اگرچہ بڑی طاقت تھی مگر قتال نہیں کیا۔ آخر ۸ھ میں قریش نے معاہدہ شکنی کی کہ مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کا قتل عام کیا۔ اس وقت بیعت رضوان کرنے والوں نے مظلوموں کی دادرسی کے لئے مکہ کا رخ کیا۔ لیکن قتال کی نوبت نہ آئی۔ اس لئے کہ رحمۃ للعالمین نے اپنے ساتھیوں کو اتنا پھیلا دیا تھا اور مسلسل مختلف قبائل کو کس طرح ابوسفیان کے سامنے سے گزارا تھا کہ اس کا دل دہل گیا اور وہ مطیع ہو گیا۔ پھر رحمۃ للعالمین نے اعلان عام کر دیا کہ جو شخص حرم کعبہ میں یا ابو سفیان کے یہاں یا اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا وہ قتل نہ ہوگا۔ اس اعلان کے یہ بھی معنے تھے کہ ہم اتنے طاقتور رہیں کہ ہم سے لڑنا بے سود ہے۔ بہتر ہے کہ گھروں میں چھپ رہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر قتال کے مکہ میں داخلہ اور قبضہ ہو گیا اگرچہ اسے عام مورخ فتح مکہ لکھتے ہیں۔ لیکن واقعہ صرف یہ ہے کہ مکہ ایک کھلا شہر بن گیا تھا اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد حنین کا واقعہ بھی دفاعی تھا۔ طائف کا محاصرہ بھی کیا گیا۔ مگر چند روز کے بعد اٹھا لیا گیا۔ تبوک بھی نصرانیوں کے اشتعال پر فوج گئی لیکن قتال نہیں ہوئی۔ آخر کس جگہ آنحضرت یا مسلمانوں نے بزور شمشیر کسی ملک یا قوم کو فتح کیا اور فتح کرنے کے بعد بجبر مسلمان بنایا۔ تاریخ ان واقعات سے خالی ہے اگر آنحضرت نبی نہ ہوتے اور معمولی فاتح ہوتے تو آپ کی پوری زندگی خون و آتش کا ایک افسانہ ہوتی۔ اور دنیا میں امن و ترقی کی جگہ یا تو بے کس مصلح اور سنیاسی نظر آتے، یا ایسے پروہت اور پجاری باقی رہ جاتے جو ظالموں کا دست راست بن کر انسان کے جسم و جان کا جوہر نکالا کرتے اور حق پرستوں کا خون چوس کر نہ صرف خوش ہوتے بلکہ غلامی اور جہل کو رائج کر کے انسانی دماغ کی تخلیقی قوتوں کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیتے۔ آج ہم فخر و غرور سے کہہ سکتے ہیں کہ جناب محسن المفتوحین رحمۃ للعالمین تھے اور آپ نے علوم و معارف کے دروازے کھول کر مساوات انسانی کی جو بنیاد ڈالی تھی اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی پامال قوموں میں بہم انقلاب آتے ہیں اور آتے رہیں گے یہاں تک کہ پوری انسانیت مساوات عدل و علم کی علمبردار بن جائے گی۔

اس زمانہ میں سورہ مائدہ نازل ہو رہی تھی۔ اس کے احکام پرامن سوسائٹی کی ترقی کے لئے آج بھی مشعل راہ ہیں اور جو لوگ ابدی سچائیوں کی تلاش میں ہیں انھیں جماعت انسانی کے اُس دور میں جس میں کہ ۱۰ھ

کا عرب تھا۔ سورہ مائدہ کی حقیقت افروز نصیحتیں قانون حیات کا کام دے سکتی ہیں:۔

سورۃ المائدہ (رکوع ۱) وفائے عہد کی تعلیم

مسلمانو! یہ نہ سمجھنا کہ سب مشرک واجب القتال ہیں جن مشرکوں نے بدعہدی نہیں کی اُن سے عہد پورا کرو۔ بدعہدی کرنا نہایت ہی ذلیل حرکت ہے۔ دشمن سے بھی انصاف کرو۔

احرام میں خونریزی نہ کرو

حج کا احرام باندھ لینے کے بعد کسی کی جان نہ لو حتیٰ کہ درخت کا پتہ بھی نہ توڑو۔ مکمل امن و محبت کا نمونہ بن جاؤ۔ نہ لوٹ مار کرو۔

الاسلام

سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرو۔ اسی کے بندے ہونے کا اعلان کرو۔ یہی الاسلام ہے اہل کتاب کے پاکیزہ گوشت کھا سکتے ہو اور ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو (یعنی قدیم یہودیوں اور ہندوؤں کی سی چھوت چھات اور شادی بیاہ سے نفرت ختم کی جاتی ہے۔

مائدہ ۲ع: دشمن سے بھی انصاف کرو

یعنی دشمن کے خلاف بھی جھوٹی شہادت نہ دو۔ عدل ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ یہودیوں نے احزاب میں مسلمانوں کو تباہ کر ڈالنا چاہا تھا۔ اُن کے متعلق بھی کہا گیا کہ اُن کے دشمن ہو جانے کے باوجود اُن سے انصاف کرو اور معاف کر دو۔

مائدہ ۳ع: یہود و نصاریٰ کو معاف کر دو

اے رسول یہود و نصاریٰ کی پچھلی حرکتوں کو معاف کر دو۔ یہ لوگ خدا سے خدا پرستی کا عہد کر چکے ہیں۔ اگرچہ اپنی بات چیت میں تحریف کرتے ہیں اور آپس میں لڑتے ہیں لیکن اللہ کو معاف کر دینا اور احسان کرنا پسند ہے۔ معاف کر دو (یہاں یہ نوٹ لیجئے کہ یہود سے نفرت اس زمانے میں تھی جبکہ وہ مخالفین اسلام و بدعہد تھے۔ فتح خیبر کے بعد وہ دولت مدینہ میں داخل ہو چکے تھے اور اُن کی حفاظت مسلمانوں پر واجب تھی)

اسمہٗ احمد

نصف اول: مائدہ ۶ع

یہاں چند سزاؤں کا ذکر ہے۔ مفسروں نے یحرفون الکلم سے تحریف کلام اللہ یا توراۃ مراد لی ہے۔ یہ درست نہیں۔ قرآن پہلے بھی کہہ چکا ہے کہ وہ اپنی بات چیت میں اس طرح زبان کو اٹھلاتے ہیں جیسے سلام کو سام یا انظرنا کی جگہ راعنا بولتے ہیں حتیٰ کہ وہ بعض ایسی عبارتیں پڑھتے ہیں کہ بظاہر ترتیل سے معلوم ہو کہ یہ توراۃ ہے حالانکہ وہ توراۃ نہیں

ہوتی - اسی طرح وہ بہت سی باتیں چھپاتے ہیں . فارقلیط (احمد) کے ذکر کو جو توراۃ میں ہے ظاہر نہیں کرنا چاہتے . بہر حال قرآن نے ان سب باتوں کو افشا کر دیا ہے -

مائدہ : ۱۱ع - یہود کے مقابلہ میں نصاریٰ زیادہ رحمی ہیں

نصاریٰ کے دل ایمان والوں سے زیادہ قریب ہیں ان میں عالم اور راہب (سنیاسی) بھی ہیں اور جب قرآن سنتے ہیں تو وہ حق بات کو پہچان کر رونے لگتے ہیں -

مائدہ ۱۲ع - ۱۳ع - ۱۴ع چند ہدایات

چوری کی سزا قطع ید ہے لیکن توبہ کرے تو معاف کیا جا سکتا ہے پاکیزہ چیزیں کھاؤ لیکن صرف کھانا پینا ہی مقصد زندگی نہیں . حد سے نہ گزرو اور اگر جھوٹی قسم کھاؤ یا عہد کر کے توڑ دو تو جرمانہ دو یا ایک غلام آزاد کرو - شراب جوا ، شگون اور کہانت گندی چیزیں ہیں ان سے اسی طرح بھاگو جیسے شیطانی گندگی سے بھاگتے ہو - احرام کی حالت میں شکار نہ کھیلو - فضول باتیں نہ پوچھا کرو تمہیں دوسروں سے کیا مطلب اپنے کام سے کام رکھو - وصیت کے لئے گواہ کر لیا کرو - (یاد رکھئے کہ جوا کھیل کر شراب پلانا جاہلیہ میں فیاضی کا طریقہ تھا)

مائدہ ۱۵ع ۱۶ع عیسیٰ کی تعلیم توحید

عیسیٰ نے جب خدا کے حکم سے مردے زندہ کئے تو یہودی کہتے تھے کہ یہ ساحر ہے خدا نے یہودیوں کے ہاتھ سے اُسے بچایا اور بہت سے حواری ایمان لائے کہ یہ خدا کے حکم سے کرتا ہے - عیسیٰ کے حواری بھی نہایت سادہ لوح تھے وہ کہتے تھے کہ خدا سے دعا کرو کہ آسمان سے کھانا نازل ہوا کرے - عیسیٰ نے اُن سے کہا کہ یہ بھی ممکن ہے لیکن اگر پھر تم نے نافرمانی کی تو بجائے کھانے کے عذاب نازل ہوگا - خبردار مجھے یا میری ماں کو معبود نہ ماننا کہ میں خود مردے کو زندہ کر سکتا ہوں - میں خود خدا کی بندگی کرتا ہوں - میں بندہ ہوں خدا کیسے ہو سکتا ہوں !

وفات یا شہادت مسیح کے بعد !

خدایا جب تک میں لوگوں میں موجود تھا اس وقت تک میں نے انھیں وہی تعلیم دی جس کا تو نے حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے - جب تک میں اُن میں موجود رہا - میں اُن کا حال دیکھتا رہا - لیکن جب تو نے میرا وقت حیات پورا کر دیا (اور میں شہید ہو گیا) ، تو تو ہی اُن کا نگراں ہے اور اُن کے

ہر حال سے واقف ہے۔ چاہے انھیں معاف کر چاہے سزا دے۔ ہر جگہ تیری بادشاہی ہے۔ اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

حجۃ الوداع یا حج محمدی سنہ ۱۰ھ

۲۵ ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ کو رحمۃ للعالمین نے غسل فرماکر احرام باندھا۔ کل زوجات کو ساتھ لیا۔ اور لبیک اللھم لبیک کہتے ہوئے مر الظہران پہنچے اور غسل کے بعد باب بنی شیبہ سے مکہ میں داخل ہوئے۔ ۷ ذی الحجہ کو مکہ میں ایک خطبہ دیا۔ ۸۔ کو مکہ سے منی گئے۔ رات کو وہاں قیام فرمایا اور ۹۔ ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد میدان عرفات کی طرف چلے۔ راستہ میں مزدلفہ سے آگے وادی نمرہ میں قیام فرمایا اور ظہر کے بعد عرفات کے میدان میں داخل ہو کر مقام ہضاب میں وقوف فرمایا۔ آپ دعا مانگتے رہے اور غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ آئے۔ مغرب و عشا کی نمازوں کو جمع کیا۔ صبح کو عورتوں اور بچوں کو آگے روانہ کر دیا اور وہاں سے طلوع شمس سے پہلے روانہ ہو گئے اور منی پہنچ کر رمی جمار کیا۔ پھر ۶۳ اونٹ خود نحر کئے اور ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ نے آپ کی طرف سے نحر کئے۔ اس کے بعد سر منڈایا۔ ناخن ترشوائے اور کپڑے پہن کر خوشبو لگائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ خوشی مناؤ اور خوب کھاؤ پیو۔

خطبۂ حج: یعنی دنیا کو خوف اور بھوک سے بچانے کی تعلیم کا خلاصہ ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ

آج وہ یتیم جو بچپن میں اسی میدان میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک شہنشاہ قلوب کی حیثیت سے ایک اونٹنی پر سوار ہے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ انسانوں کا مجمع اس کا آخری پیام سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہے نہیں وہ معمولی بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنے لباس میں کسی دوسرے سے ممتاز نہیں۔ وہ بالکل اسی طرح ایک معمولی تہ بند باندھے ہوئے ہے جس طرح دوسرے۔ وہ اسی طرح ایک چادر اوڑھے ہوئے ہے جس طرح کوئی معمولی مسکین۔ وہ اسی طرح ناخن اور بال بڑھائے ہوئے مسافر کی طرح نظر آرہا ہے جس طرح کوئی مسافر دور دراز کا سفر کر کے آیا ہو۔ اور اپنے بادشاہ، اپنے آقا، اپنے مولا کے پاس پہنچ کر زبان حال سے اپنی عمر بھر کی کمائی پیش کر رہا ہو۔

آج جناب امیر العالمین، سید المجاہدین، مصدق المرسلین، محسن للمفتوحین، رحمۃ للعالمین ایک مسکین غلام کی طرح اپنے آقا کے سامنے، اپنی بائیس سالہ کھیتی کا ماحصل لئے ہوئے کھڑے تھے اور اپنے دل کی گہرائیوں اور دماغ کے گوشوں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان باتوں کو بیان کرنا چاہتے تھے جو دُنیا کو صراط مستقیم، نعمت و رحمت کی طرف لے جاتی ہیں۔

یکایک آپؐ کی نظر مکہ کے سب سے بڑے کافر امیہ بن خلف کے مسلمان بیٹے ربیعہؓ پر پڑی۔ آپؐ نے ربیعہؓ کو جو بہت بلند آواز تھے اپنے قریب بلایا۔ شاید اس میں یہ بھی مصلحت ہو کہ دنیا دیکھ لے کہ آج سب سے بڑے کافر وسرکش کا بیٹا ایک یتیم و مسکین کا حلقہ بگوش ہے۔ پھر ربیعہ سے فرمایا کہ جو کچھ میں کہوں وہ بلند آواز سے کہتے جاؤ۔ اور کمال شان بلاغت سے پوچھا:

لوگو آج کونسا مہینہ ہے؟	لوگوں نے کہا شہر الحرام
لوگو یہ کونسا مقام ہے؟	جواب ملا کہ بلد الحرام
پھر پوچھا کہ یہ دن کونسا ہے؟	لوگوں نے کہا کہ حج اکبر (یعنی بڑے میلے) کا دن

اس پر آپؐ نے منتظر دل و دماغ پر جن کلمات کی ضرب لگائی وہ یہ تھے۔

۱۔ قصاص، سرقہ، تہمت وغیرہ حرام ہیں

"مسلمانو! جس طرح آج کا دن، آج کا مہینہ اور آج کا مقام حرام اور مقدس ہے اسی طرح تمہاری جان، مال، عزت آبرو، ایک دوسرے کے لئے قابل احترام ہے۔ دیکھو میں تمہیں حکم دینے سے پہلے خود اپنے خاندان سے پہل کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں نہ ربیعہ بن حارث بن مطلب کا ایک بچہ جو بنولیث میں رضاعت کے لئے بھیجا گیا تھا وہاں بنو ھذیل نے اُسے قتل کر دیا تھا۔ میں وہ خون معاف کرتا ہوں۔ اب قصاص باقی نہیں۔"

۲۔ بے محنت کے کسی کا مال کھانا حرام ہے

"اسی طرح میرے چچا عباسؓ بن عبد المطلب سود سے مال کماتے ہیں۔ یہ اکل مال بالباطل ہے۔ میں سب سود معاف کرتا ہوں۔"

۳۔ نخوت جاہلیہ اور افتخار نسل و رنگ ختم کیا جاتا ہے

"لوگو! جو شیطانی نخوت و غرور جاہلیہ میں تھا۔ اور نسل و رنگ کی بنا پر ایک قبیلہ دوسرے سے اور ایک غلام آقا سے امتیاز رکھتا تھا وہ سب جھگڑے میں اپنے دونوں پیروں

کے نیچے روندے ڈالتا ہوں۔ لوگو یاد رکھو کہ تم سب نسل آدم سے ہو اور آدم محض معمولی کیچڑ سے بنے تھے۔ فخر و بزرگی تو صرف وہی کر سکتے ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہوں اور اللہ کی بندگی کرتے ہوں۔"

۴۔ خطاکار ہی سزا کا مستحق ہے

عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جو خطا کرے وہی سزا پائے (یعنی قصاص کا یہ طریقہ نہایت غلط ہے کہ قبیلے کے کسی بھی بے گناہ شخص کو خون کے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔ یا کسی گنہگار قافلے کے بدلے غلاموں کو قتل کرکے یہ سمجھا جائے کہ انصاف ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ یہ نہ سمجھو کہ خون اور گوشت خدا کو پہنچتا ہے اور تم کسی جانور کو ذبح کرکے اس کے بدلے میں یہ سمجھ لو تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ اصل چیز تقویٰ اور انابت ہے جو صراطِ مستقیم یا اسلام ہے)

۵۔ غلاموں کو آزاد کرو

"مسلمانو۔ اَرِقّاءَکم اَرِقّاءَکم اپنے غلاموں کو ہرگز نہ بھولو جو تم کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ جو تم پہنو انھیں پہناؤ۔ وہ بھی تمہارے ہی جیسے انسان ہیں۔ ان سے اُن کی طاقت سے زیادہ کام نہ لو اور اگر وہ آزادی چاہیں تو اُن سے مکاتبہ کر لو یعنی انھیں وقت دو کہ دوسری جگہ کام کرکے تمہاری رقم ادا کر دیں اور آزاد ہو جائیں۔"

۶۔ غلام و آزاد سب برابر ہیں

"یاد رکھو کہ قانون الٰہی کے سامنے سب انسان برابر ہیں۔ لہٰذا اگر ایک غلام بھی تمہارا سردار اور امیر بنایا جائے تو جب تک وہ قانون الٰہی پر چلے اس کی اطاعت ہر مومن پر فرض ہے۔

۷۔ عورت کے حقوق

لوگو عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے اللہ کے نام پر انہیں بیوی بنایا ہے۔ تم دونوں کا ایک دوسرے پر حق ہے لیکن عورت کا مزید حق یہ ہے کہ دستور کے مطابق تم انھیں کھانا کپڑا بھی دیتے رہو۔"

۸۔ جہاد برائے ترقی حزب اللہ

اللہ والوں کے گروہ کو ترقی دینے کی کوشش کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ تمام دولتوں سے بہتر ہے۔" (حزب الشیطان کو نیچا دکھانا ہر اللہ والے کا فرض ہے)

اس کے بعد آپؐ نے پھر پوچھا کہ لوگو قیامت کے دن میرے کام کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا تو کیا کہو گے؟ لوگوں نے کہا بلّغت وادّیت ونصحت (ہم گواہ ہیں کہ اللہ کا پیغام آپؐ نے پورے طور پر پہنچا دیا ہے) یہ سن کر آپؐ نے آسمان کی طرف انگشت شہادت اٹھائی اور کہا۔ اللّٰہم اشہد! خدایا دیکھ یہ

لوگ کیا کہہ رہے ہیں !! پھر آپ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو یہاں موجود ہے۔ غیر موجود یا غائب شخص کو یہ میرا پیغام پہنچا دے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کو زیادہ بہتر طریقے پر سمجھ کر عملی جامہ پہنا سکے۔

نسی حج کے بعد یہ قاعدہ تھا کہ ناسی الشہور، بنوکنانہ، جوتشیوں کے خاندان کے پاس لوگ آتے تھے کہ آئندہ سال کس مہینہ میں ذی الحجہ ہوگا۔ وہ قمری سال کو شمسی بنانے کے لئے ہر دوسرے تیسرے سال ایک مہینہ بھلا دیتا تھا۔ یعنی آنے والے صفر کو سال میں سے گھٹا دیتا تھا اور اس کا شمار قمری سال میں نہیں ہوتا تھا۔ یعنی ہند و مصر و ایران کی طرح قمری سال میں کچھ دن ہر سال یا تیسرے سال بڑھا کر اسے شمسی موسم کے مطابق کر دیا تھا اور سال میں جس مہینہ کو چاہتا تھا نسی کر دیتا تھا۔ آنحضرت نے حکم قرآنی سے اس جھگڑے کو ختم کر دیا اور فرمایا کہ سال کے بارہ مہینے ہوا کریں گے اور کوئی مہینہ گھٹایا بڑھایا نہ جائے گا۔ تاکہ جو حلال مہینے ہیں وہ حلال رہیں اور جو حرام ہیں وہ حرام رہیں۔ جوتشیوں کی شیطنیت کو اس میں دخل نہ ہو۔ (ابن سعد ۱۳۴)

سورہ توبہ: آخر ع ۵ قضائے الٰہی سے آنحضرت کا انتقال آئندہ سال ہوگیا۔ لیکن آپ فرما گئے تھے کہ موسم حج اعتدال شمسی کے زمانے میں ہو رہا ہے جبکہ دن رات برابر ہیں اگر اس کا لحاظ رکھا جاتا تو اسلامی سال بھی مسیحی سال کی طرح بارہ مہینہ کا (شمسی) سال ہو جاتا۔ مگر لوگوں نے اس مسئلہ پر توجہ نہ دی۔ آخر مجبوراً چند سال کے بعد فصلی سال شمسی سال کے مطابق بنانا پڑا۔ لیکن مذہبی سال قمری باقی رہ گیا اور حج و رمضان سال کے پورے موسموں میں گردش کرنے لگا۔ حجۃ الوداع تک ہمیشہ ذی الحجہ مارچ میں اور رمضان دسمبر میں ہوتا تھا۔ اسی طرح حج اصغر، رجب یا ستمبر اکتوبر میں جشن نوسردہ کے وقت ہوا کرتا تھا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس مسئلے پر غور کر کے اپنا بارہ مہینے کا شمسی سال بنالیں تاکہ منشائے نبوی اور منشائے قدرت دونوں پورے ہو جائیں۔ یعنی نجومیوں اور کاہنوں کا خاتمہ ہو جائے اور ہر شخص صحیح موسم میں عبادت و تجارت کر سکے۔

اس بات کا قرآنی ثبوت کہ مواسم حج اعتدال ربیع و خریف کے موقع پر ہوا کرتے تھے سورۃ القریش میں موجود ہے۔ یہی امن و تجارت و حج (یعنی میلے) کے دن ہوتے تھے جبکہ حج اکبر (مارچ میں) اور حج اصغر ستمبر میں ہوتے تھے۔ اور اب بیت اللہ کی بدولت لوگوں کو جوع اور خوف سے بذریعہ میلہ و تجارت کے نجات ملتی تھی (رحلۃ الشتاء والصیف۔ القریش)

اسی طرح رمضان بھی ہمیشہ نومبر دسمبر میں ہوتا تھا اور مسیحی روزے جو ولادت مسیح کی خوشی میں رکھے جاتے تھے۔ اسی زمانہ (رمضان) میں ہوتے۔ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ میں ان ہی عیسائی صیام کی طرف اشارہ ہے اور خود رسول کریم نے ہمیشہ ان ہی زمانوں میں روزے رکھے اور شمسی سال کے اعتبار سے اعتدال ربیعی کے وقت حج اکبر اور اعتدال خریفی کے وقت حج اصغر کیا

عام الحزن یا عام الوفات ۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء

۶۲۸ء میں پرامن طریقہ پر مکہ فتح ہوا۔ اور سلاطین عالم کو بارگاہ نبوی سے دعوت امن واتحاد دی گئی۔ لیکن بوڑھے خسرو پرویز نے اسے کوئی اہمیت نہ دی اور اس کے بیٹے کاوذھ دشیرویہ نے اُسے قتل کر کے تخت سنبھالا لیکن وہ بھی چند ماہ کے بعد مرگیا اور طوائف الملوکی پھیل گئی۔ غالباً بُران فارس کی حکمران تھی کہ شہنشاہ ہرقل سے اس کی صلح ہو گئی اور دونوں سلطنتوں نے پرانی سرحدوں کو پھر تسلیم کر لیا۔ ۶۳۲ء میں خسرو پرویز کا نابالغ پوتا یزدجرد تخت پر بٹھا دیا گیا اور ہرقل کو "اصلی صلیب" واپس کر دی گئی۔

اسی زمانے میں ہندوستان سے گوتم بدھ کا مذہب امن ومساوات باختر تک پھیل چکا تھا۔ اور اگرچہ ہندوستان کے برہمن گوتم بدھ کو دیوتا بنا کر اور اس کے مذہب کو سنسکرت زبان میں ترجمہ کر کے عوام سے دور کر چکے تھے بلکہ بڑی حد تک مٹا چکے تھے۔ لیکن ہیون تسانگ، چینی سیاح ۶۲۹ء میں یہ ذکر کرتا ہے کہ یہ مذہب ہند سے باہر دور دور پھیل چکا تھا اور جو لوگ ہند کے برہمنوں کے ستائے ہوئے تھے وہ دوسرے ملکوں میں پناہ لے رہے تھے۔ بہرحال تعجب ہوتا ہے کہ ہند میں جہاں یہ مذہب پیدا ہوا اسے پناہ نہ ملی اور ہند سے باہر ایشیا بھر میں پھیل کر اس مذہب کی شکل کچھ سے کچھ ہو گئی۔

اسی زمانے میں نصرانیوں کا نسطوری فرقہ وسط ایشیا تک بڑھ گیا تھا اور نصاریٰ کے مذہب اور کلیسا کے متعدد فرقے ایک دوسرے کو کافر بنا رہے تھے۔

۶۳۲ء میں رحمۃ للعالمین کی عمر ترسٹھ سال کی ہو چکی تھی۔ عرب کی سخت آب وہوا اور مسلسل جدوجہد کی زندگی نے اس قابل نہ رکھا تھا کہ آپ زیادہ عرصے تک میدان عمل میں رہیں۔ اس عمر میں ترسٹھ اونٹوں کو نحر کرنے میں جو مشقت آپ پر پڑی اس کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ مکہ ہی سے بیمار ہو کر مدینہ آئے۔ حالات ایسے تھے کہ دولت کتابیہ کا پورے عرب پر ابھی پورا تسلط نہیں ہوا تھا۔ آپ کو نہ صرف سیاسی بلکہ سوشل زندگی

اور مختلف افراد کی خانگی زندگی کے معاملات بھی طے کرنے پڑتے تھے۔ کاموں کا بوجھ روز بروز بڑھتا جاتا تھا سابقون الاولون مکہ میں ہی تیار ہو چکے تھے اور مہاجر و انصار کی ایک سمجھدار جماعت مدنی زندگی کے آخر میں بن گئی تھی۔ ان ہی لوگوں نے ۶ھ میں بیعت رضواں کی تھی اور ایسی سربکف جماعت موجود تھی جس نے اللہ کی رضامندی کے لئے اپنی جان اور اپنا مال بیچ ڈالا تھا۔ لہذا آنحضرت کو اطمینان تھا کہ جو پیغام وہ پہنچا چکے ہیں اس کو کتاب اللہ کی روشنی میں چلانے والے سمجھدار لوگ موجود ہیں۔

مکہ سے واپسی اور خطبہ غدیر خم

حج سے واپسی پر خم کے تالاب پر آپ نے قیام فرمایا۔ یہ تالاب مدینہ کے راستہ میں ہے۔ یہاں بریدہ اسلمی نے حضرت علی رضہ کی شکایت کے ساتھ ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ رحمۃ للعالمین نے اس موقع پر فرمایا "کہ لوگو تم اہل بیت کا احترام کرو۔ میں تم میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اہل بیت۔ دوسرے کتاب اللہ جو ان دونوں کو مضبوط پکڑے گا۔ نجات پائے گا جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولی ہیں۔ اس کا دوست میرا دوست اس کا دشمن میرا دشمن ہوگا"۔

بقرہ: ۴۰ع: قرآن کی آخری اور جامع دعا

اللہ بادشاہ ہے، وہی عالم الغیب ہے وہی قادر مطلق ہے کل نبیوں کا پیغام ایک ہی ہے اور اس کو ہم ملتے ہیں۔ انسان مجبور ہے۔ خدا ہی مختار و قادر ہے۔ لہذا جہاں تک ممکن ہو نیک عمل اختیار کرو، اس لئے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے اور خدا سے اپنی بھول چوک کی معافی مانگتے رہو اور کہو کہ خدایا ہم پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈال جو ہماری طاقت سے باہر ہو۔ ہم پر رحم کر تو ہمارا آقا ہے۔ کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر، تاکہ انھیں ہم تیرا بندہ بنا سکیں۔

سریہ اسامہ بن زید (۲۷ صفر ۱۱ھ: ۲۴ مئی ۶۳۲ء)

پورے عرب میں اسلام پھیل چکا تھا۔ لیکن شمال میں نصاریٰ کا ظلم بڑھ رہا تھا اور رومی سلطنت کے جنگی ٹیکسوں اور غلام سازیوں اور مذہبی تکفیروں سے پورا شام و مصر پریشان تھا مسلمانوں کو سریہ موتہ میں شکست ہو چکی تھی۔ لہذا جب آنحضرت کو معلوم ہوا کہ نصاریٰ پھر تیاریاں کر رہے ہیں تو انھوں نے موتہ کے شہید، زید بن حارثہ کے بیٹے، اسامہ رضہ کو بلایا جتنے جلیل القدر صحابی تھے خواہ وہ مہاجر تھے یا انصار سب کا سردار اس غلام زادہ کو بنایا جس کی ماں باندی تھیں۔

عمر کے اعتبار سے حضرت اسامہؓ حضرت اٹھارہ سال کے تھے۔ بیماری کی حالت میں رحمۃ للعالمین نے اپنے ہاتھ سے اسامہ کا جھنڈا باندھا اور مسلمانوں پر ثابت کر دیا کہ اب نسل و رنگ کا امتیاز دنیا میں نہ رہے گا اور حج اکبر کے خطبہ کے الفاظ کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

جناب اسامہؓ نے شہر سے باہر فوج جمع کی اور آنحضرت سے اتوار کے دن رخصت لینے آئے۔ لیکن آنحضرت کا اگرچہ درد بڑھ گیا تھا۔ لیکن آپ نے انھیں نہیں روکا اور فرمایا اُغز علی برکۃ اللہ (اللہ کی برکت سے غزوہ کرنے کے لئے روانہ ہو جاؤ) لیکن اسامہؓ کی ماں حضرت ام ایمنؓ نے دوشنبہ کے دن اُن کو خبر دی کہ آنحضرت کے مرض کی شدت بڑھ گئی ہے۔ لہٰذا وہ رک گئے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ لوگو میں چاہتا ہوں کہ تم اسامہؓ سے اچھا سلوک کرو اور اُس کی اطاعت کرو۔

(رحمۃ للعالمین کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو چکی تو آپ نے پہلا کام یہی کیا کہ حضرت اسامہؓ کی امارت میں جو فوج تیار ہوئی تھی اُسے یکم ربیع الآخر ۱۱ھ کو روانہ کر دیا۔ یاد رکھئے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ اہل ارتداد نے مدینہ پر یورش کر رکھی تھی۔ اور اسلام ہی ختم ہونے والا تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ جو جھنڈا آنحضرت خود اپنے دست مبارک سے باندھ گئے ہیں اُسے میں کیسے کھول سکتا ہوں۔ بہر حال یہ فوج گئی اور مال غنیمت لے کر واپس آئی۔)

وفات نبوی

سہ شنبہ ۲۹ صفر ۱۱ھ (۲۶ مئی ۶۳۲ء) کو آنحضرت کا مرض شروع ہوا۔ آپ اس سے پہلے گذشتہ شب کو بقیع کے قبرستان میں گئے تھے۔ وہاں سے دعائے مغفرت کر کے واپس آئے تو درد سر اور بخار میں مبتلا ہو گئے۔ غالباً یہ میعادی بخار تھا۔ سلسلۂ علالت دو ہفتہ جاری رہا۔ آپ نے اپنی بیویوں سے اجازت لے لی کہ حضرت عائشہؓ ہی کے مکان میں رہیں اور حسب معمول مختلف زوجات کے یہاں قیام نہ کریں سب نے اجازت دی۔ آپ دو ہفتے زیادہ بیمار رہے لیکن کمزوری کی حالت میں بھی مسجد میں نماز کے لئے آتے رہے آخری تین دن بوجہ ناطاقتی کے نہ آسکے۔ آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ میرا وقت قریب آگیا ہے لہٰذا آپ نے فرمایا کہ جو لوگ انبیاء کی قبروں کی پرستش کرتے ہیں وہ لعنتی ہیں۔ ہر گز میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ انصار کے متعلق بھی فرمایا کہ ان کی قدر کرنا اور ان کی لغزشوں سے درگذر کرنا۔ وفات سے ایک

دن پہلے آپؐ نے اپنے چالیس غلاموں کو آزاد کر دیا۔ سب مال خیرات کر دیا۔ ہتھیار مسلمانوں کو بخش دیئے۔ زرہ ایک یہودی کے یہاں رہن تھی۔ آخری شب چراغ میں تیل نہ تھا حضرت عائشہ نے ایک پڑوسن سے کچھ تیل منگوا کر چراغ روشن کیا۔

آخری وصیت نماز اور غلام

آپؐ نے جو آخری الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم۔ نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔

آخری کلمہ

آخری کلمہ آپ کی زبان سے یہ نکلا کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ اوپر کر کے فرمایا اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ (میرا اللہ۔ میرا بلند رفیق ہے) یہ کہتے ہی ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ کو ہاتھ لٹک پڑا اور پتلی اوپر کو چڑھ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالات بعد وفات

صحابہ پر شدت غم نے یہ اثر کیا کہ بعض لوگ اپنی عقل کھو بیٹھے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ہرگز نہیں مرے۔ سوائے عباسؓ بن عبد المطلب اور حضرت ابو بکر الصدیقؓ کے اور سب پریشان ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکر نے جب یہ خبر سنی تو انا للہ کہا اور واصفیاہ واخلیلاہ کہہ کر خوب روئے اور پھر آ کر رحمۃ للعالمین کے چہرے سے چادر اٹھائی۔ پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا طبت حیاً ومیتاً یعنی آپ زندگی اور موت دونوں میں پاکیزہ ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ لوگو جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ مر گئے لیکن جو اللہ کو پوجتا تھا تو خدا زندہ ہے۔ حی وقیوم ہے۔ وہ کبھی نہ مرے گا۔

اس کے بعد آنحضرت کی وصیت کے مطابق حضرت علی نے غسل دیا اور حضرت اُسامہؓ اور حضرت فضلؓ بن عباس اہل بیت میں سے غسل میں شریک ہوئے۔ جس تخت پر وفات ہوئی تھی وہاں باری باری سب نے دعائے جنازہ کی۔ پھر حضرت عائشہ کے حجرہ میں قبر کھودی گئی اور وفات کے تئیس گھنٹے بعد ۱۴۔ ربیع الاول یوم سہ شنبہ کو رات کے وقت آپ کا جسد اطہر سپرد خاک کر دیا گیا۔

حرفِ آخر

سیرتِ نبوی کا دنیا کو پیغام

آن قوم کہ در عشق و ولا پیوستند | برخود در تزویر و ریا در لبستند
در زاویۂ صدق و صفا بنشستند | وز کشمکش حرص و ہوا وارستند (جامیؒ)

پس منظر اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی بسر کرنے کے کئی طریقے (یعنی دین و مذہب) دنیا میں رائج تھے۔ نتائج کے اعتبار سے ان میں سے بعض اچھے تھے بعض برے یعنی بعض پر عمل کرنے والوں کا سراسر بھلا تھا اور بعض ایسے تھے جن پر عمل کرنے میں صرف ایک مختصر جماعت کا بھلا اور دوسروں کا نقصان تھا۔ مختصر یہ کہ جو ادیان (یا زندگی کے قانون) یہ سکھاتے ہیں کہ کل انسان مساوی ہیں اور بھائی بھائی ہیں وہ سچائی پر ہیں اور نور و ہدایت کی راہ دکھاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو ادیان تنگ نظری سے صرف ایک مخصوص گروہ کا بھلا چاہتے ہیں اور انسانی مساوات کو اونچ نیچ میں تقسیم کرکے مساویانہ حقوق و ترقی سے روکتے ہیں وہ باطل ہیں اور ظلمت و ضلال کی طرف لے جاتے ہیں۔

پیامِ محبت و رحمت

دنیا اور آخرت کی فلاح کے لئے رسول عربی نے بھی وہی پیام محبت و رحمت دنیا والوں کے سامنے پیش کیا جو ابتدائے عالم سے ہر مصلح و ہادی پیش کرتا رہا ہے۔ یعنی (۱) خدا کے مطیع یا مسلم بن جاؤ اور (۲) یہ مان لو کہ ہر اچھے کام کی جزا اور برے کام کی سزا مل کے رہے گی خواہ دنیا میں ملے خواہ آخرت میں ملے۔ خدا کے غلام یا بندہ بننے کے یہ معنی ہیں کہ تم سب یہ تسلیم کرتے ہو کہ بہ حیثیت انسان ہونے کے کسی انسان کو دوسرے پر نسل و رنگ (علم و عقل کی وجہ سے) فوقیت نہیں ہے۔ آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے سب برابر ہو۔ لہٰذا بھائی بن کر رہو اور اپنے ہی بھائیوں کے خون سے ہاتھ نہ رنگو۔ محبت کے یہ معنی ہیں کہ محبوب کا بھلا پیش نظر ہو اور رحمت اسے کہتے ہیں جس میں ماں کی طرح ایسا جوش ایثار

قربانی پیدا ہو جائے کہ بچے کی خدمت کی مصیبتیں راحت معلوم ہونے لگیں اور بقول ابو سعید ابوالخیر حالت یہ ہو جائے کہ ؎

تا روئے ترا بدیدم اے شمع طراز | نے کار کنم ، نہ روزہ دارم نہ نماز
چوں با تو بوم مجاز من جملہ نماز | چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

کوئی کہتا ہے کہ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر ست | از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر ست

کوئی یہ بتاتا ہے کہ ؎

عبادت بجز خدمت خلق نیست | بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

مولانائے روم فرماتے ہیں کہ ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما | اے طبیب جملہ علتہائے ما

اور ایک فلسفی کہتا ہے ؎

یک قصہ بیش نیست غم عشق وین عجب
از ہر کسے کہ می شنوم نا مکرر ست

لیکن رسول عربی نے مختلف نبیوں ، حکیموں ، ہادیوں اور مصلحوں وغیرہ کی طرح محبت و رحمت کا پیغام ہی نہیں دیا۔ بلکہ ایسی انقلابی سوسائٹی بنا دی جس نے نفرت وخود غرضی ، تزویر و ریا اور حرص و ہوا یا کام ، کرود ھ لوبھ موہ ، اہنکار (بقول ہندو ئے ہند) کا خاتمہ کر دیا۔ یہ عظیم الشان کام کس طرح سرانجام پایا ، آپ کو سیرت نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے ، بشرطیکہ آپ اسے قرآن کی تاریخی ترتیب کے ساتھ پڑھیں۔ ہم آنحضرت کے مختلف قرآنی ادوار حیات کی مختصر تعلیم اور اس تعلیم کے نتیجہ میں جو انقلابی نظام جماعت بنا۔ درج ذیل کئے دیتے ہیں۔

قرآنی انقلاب کی منزلیں

جب علم و دولت ایک چھوٹے سے طبقہ میں محدود ہو جاتا ہے تو جہل و معاشی بدحالی کی وجہ سے انسان کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے (کاد الفقر ان یکون کفراً) یعنی نہ صرف پروہتوں اور امیروں کا قابو یافتہ خود غرضی و حرص و نفرت کے گڑھے میں گر جاتا ہے بلکہ جاہل و نادار مظلوموں کے قوائے فکر و عمل کو بھی مفلوج کر دیتا ہے اور سب شیطانی طریقوں سے زندہ رہنے کے منصوبے تیار کرنے لگتے ہیں۔ آخر کار آپس کی کشمکش جنگ اور افلاس کی شکل میں نمایاں ہو کر

دونوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ دنیا کو خوف سے امن کی طرف، بھوک سے خوشحالی کی طرف اور جہل کی تاریکی یا کفر سے علم و عقل کی روشنی یا ایمان کی طرف لانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس انقلابی کوشش میں آنحضرت کی زندگی کے تیئیس سال صرف ہوئے۔ قدم قدم پر قابو یافتہ جماعتوں نے روڑے اٹکائے اور داعی الی اللہ کی زندگی دشوار کر دی۔ ہم سفارش کریں گے کہ سیرت نبوی کو مندرجہ ذیل خلاصہ کی روشنی میں دوبارہ پڑھا جائے۔ تب معلوم ہوگا کہ قرآنی انقلاب کن دشوار گزار منزلوں سے گزرا تھا اور آنحضرت نے کس طرح نوعِ انسان کو جہل و ناداری سے نکال کر علم و خوشحالی کی صراطِ مستقیم پر ڈالا تھا اور ظلمت نفرت کو کس طرح محبت و رحمت کی تابانی سے منقلب کر دیا تھا۔ بقول رومیؒ

عاشقاں را ہر زمانے عشرتیست — بردہ ویران خراج و عشر نیست

ملت عشق از ہمہ ملت جداست — عاشقاں را ملت و مذہب خداست

پہلی منزل: دعوت سراً

الامام نے چالیس سال تک مختلف اقوام میں تجارت کرنے کے بعد خدا کے فضل و کرم سے یہ محسوس کر لیا کہ ابتدائے عالم سے دنیا میں دو گروہ موجود ہیں۔ ایک وہ جو خدائی احکام پر عمل کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو اپنے نفس کو اپنا خدا بنا کر (من اتخذ الٰہہ ہواہ) شیطان کا بندہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا جب انھیں یقین و ایمان کی راہ پر خدا نے ڈال دیا تو انھوں نے خفیہ خفیہ اپنے مخصوص احباب میں یہ کام شروع کر دیا کہ دنیا کو خدا کا بندہ بنانا چاہیئے اور شیطان پرستی یعنی خود پرستی و نفرت انگیزی سے بچانا چاہیئے۔ یہ کام تین سال تک خفیہ طریقہ پر جاری رہا۔

دوسری منزل دعوت جہراً

تین سال بعد المنذرؐ و المزکیؐ کے قرآنی لقب کے ساتھ رسول عربی نے علانیہ قریش کو دعوت دی کہ گزشتہ قوموں کے حالات سے سبق لو جن قوموں میں پروہتوں نے علم اور امرا نے دولت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ وہ تباہ ہو گئیں۔ آؤ محبت کی دنیا بسائیں اور نسل و رنگ کی بنا پر جو جنگ جاری ہے اس کا خاتمہ کر دیں۔ جسمانی غلامی سے غلام اور مقروض آزاد کر دیئے جائیں اور کاہنوں اور ساحروں کی فریب کاریوں سے نکال کر عقل انسانی کو شیطانی گرگوں سے نجات دلائیں۔ یاد رکھو کہ اگر اس خدائی پیغام پر عمل نہ کیا تو تباہ ہو جاؤ گے۔

قریش نے پہلے تو سمجھا کہ رسول عربی بھی کاہن یا ساحر ہیں اور یہ بھی روزی کمانے کا ایک ڈھنگ ہے لہٰذا زیادہ توجہ نہ دی۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ مظلوم طبقہ کے لوگ، کثرت سے اور عام آزاد شہری

ایک حد تک رسول عربی کی تعلیم سے متاثر ہو رہے ہیں۔ تو انھوں نے آپ کو جھٹلانا اور آپ کی باتوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

۱۔ وہ کہتے تھے کہ جزائے اعمال کی ہم پروا نہیں کرتے۔ لہذا نہ تو مرنے کے بعد زندگی ہے، نہ کوئی ایسا خدا ہے جو ہمیں ہمارے مظالم پر سزا دے سکے۔ اور ایسا خدا ہو بھی، تو وہ ہماری دیویوں (لات. منات. عزیٰ) کا باپ ہے۔ یہ دیویاں اپنے باپ سے سفارش کر دیں گی اور ہم بچ جائیں گے۔

۲۔ انھوں نے استہزار کی حد کر دی اور کہا کیا خوب ہم نے آج تک نہیں سنا کہ خدا کسی سے باتیں کرتا ہو۔ البتہ ہمارے شاعروں اور ساحروں سے شیطان وجن باتیں کرتے ہیں۔ آنحضرت نے قرآنی جواب دیا کہ:۔

(الف) یہ قرآن قول فصل ہے: ہزل نہیں (الطارق) بلکہ جس طرح موسیٰ کی الواح کی تعلیم تھی ویسی ہی تعلیم قرآن میں بھی ہے (البروج) یہ کلام پرانے اساطیر نہیں بلکہ ذکر و نصیحت ہے اور اس میں ایسے دلائل ہیں کہ جن سے قیامت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ سحر نہیں نصیحت ہے (القلم) یہ خدائی کلام ہے جو فرشتے کے ذریعہ سے آتا ہے۔ شیطانی کلام نہیں ہے (التکویر) یہ کاہنوں یا شاعروں کی طرح اس تعلیم کا معاوضہ نہیں لیتا (الذاریات)

(ب) تحدی یا چیلنج کی ابتدا سورۃ الحاقہ سے ہوتی ہے المنذر فرماتے ہیں کہ اس تعلیم کا منجانب اللہ ہونا اس سے ثابت ہے کہ اگر میں جھوٹ کہتا تو خدا مجھے تباہ کر دیتا۔ یہ ویسی ہی وحی منجانب اللہ ہے جیسی قدیم رسولوں پر آچکی ہے۔

بہر حال جو لوگ دولتمند اور اولی النعمہ ہیں وہ نہ تو مسکین کو کھانا کھلاتے ہیں اور نہ یہ مانتے ہیں کہ اللہ عظیم موجود ہے۔ جو انھیں جزا دے سزا دے سکتا ہے۔

تیسری منزل رحمانان پرستوں سے دوستی

جو لوگ یوم آخر پر ایمان لے آئے تھے اور اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ ظلم و نفرت کا نتیجہ برا ہو گا اور اگر دنیا میں بچ نکلے تو مرنے کے بعد خدا سزا دے گا۔ اُن مومنوں پر قریش نے مظالم کی انتہا کر دی۔ اس زمانے میں آنحضرت نے نصرانی لقب المدبشر کے ساتھ نصاریٰ کی طرف توجہ کی اور بتایا کہ ہم بھی رحمان کے بندے ہیں جو تمہاری زبان کا نام اللہ کے لئے ہے ہم بھی

مسیح کو کلمۃ اللہ مانتے ہیں اور خدا کا بندہ سمجھتے ہیں مگر اس کا بیٹا نہیں مانتے۔ خدا قادر ہے کہ بے باپ کے بیٹا پیدا کردے جیسا کہ یحییٰ کو بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے پیدا کیا (سورہ مریم) یہی بحث دسویں منزل میں وفد نجران کے سامنے بھی ہے (آل عمران)۔ بہرحال مصدقین یوم الدین نے ہجرت حبشہ کر دی۔ اس زمانے میں یوم الدین کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتیں زیر بحث آئیں۔

الف۔ شفاعت وکفارہ۔ کفار چاہتے تھے کہ آنحضرت اُن کی دیویوں کی شفاعت کو مان لیں اور یوم الفصل اور مالک یوم الفصل کو مان لیں۔ آنحضرت بھی کسی قدر اُن کی طرف جھکنے لگے تھے (تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا) لیکن آپ نے نہ صرف قریش سے بلکہ نصاریٰ سے کہہ دیا کہ ظالم کی کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے (لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ النجم) شفاعت وکفارہ بے معنی ہے۔

ب۔ خدا کے وجود کی نشانیاں (آیات) کفار کہنے لگے کہ اس کا ثبوت کیا ہے کہ خدا موجود ہے؟۔ قرآن نے کہا کیا خدا نہیں تو تمہاری دیویاں خالق ہیں (العلق) کیا پرندوں کو اڑنے کی طاقت خدا کے سوا کوئی اور دیتا ہے (الملک) ہر مخلوق اس کا نشان (آیت) ہے کہ ایک خالق ہے (یاسین) (الرعد) (الشعراء) کیا اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ ہر بات کی جزا یا سزا ملے گی کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔ یقیناً اگر تم نہ مانو گے تو تم پر خدا عذاب نازل کرے گا (الدخان) بعث بعد الموت یقینی ہے۔ (الحجر) جانوروں کو دیکھو۔ کشتیوں پر نظر ڈالو سب خدا کے خالق و قادر ہونے کے نشان ہیں (المومن)

ج۔ کفار کی عذاب طلبی کفار نے بعث بعد الموت اور خدا کے حاکم یوم الفصل ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم پر خدا کی طرف سے سنگ باری کرا دو۔ قرآن نے کہا وقت آئے گا تو عذاب آجائے گا (الحجر)، اور بداعمالی کا ضرور مزہ چکھو گے (الکہف) مالدار لوگ ہی عذاب آخرت کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے وہ ظالم ہیں۔ لہٰذا وہ بعث کے منکر ہیں (طٰہٰ کلیم) یاد رکھو خدا عادل ہے۔ وہ ہر عمل کا بدلہ دے گا اس کے لئے کسی دلیل (معجزہ) کی ضرورت نہیں (الانبیاء)

د۔ قرآن کی تعلیم خدائی تعلیم ہے (پھر تحدی) المبشر نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ ظلم نہ کرو بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو۔ کیا یہ جن اور شیطان کا کلام ہے؟ (المومنون) یہ کلام ایک فرشتے کے ذریعہ سے مجھ کو ملتا ہے۔ شاعروں کی طرح یہ شیطانی کلام نہیں۔ یہ خدائی کلام ہے اور ظالموں کو ظلم سے ڈراتا ہے۔ یہ کام شاعر نہیں کرتے (الشعراء) یہ کلام صاف وسلیس (عربی) زبان میں ہے۔ کاہنوں کی سی پیچیدہ باتیں

نہیں۔ یہ قدیم رسولوں کی وحیوں کی طرح ہے (الشوریٰ)، (الانبیاء) اگر تمہارے کاہنوں اور شاعروں کے پاس نیکی و محبت کی طرف لے جانے والا ایسا کلام ہو تو لاؤ (یہ تحدی الاحقاف میں ہے ایتونی بکتٰب من قبل ھذا او اثٰرۃ من علم ان کنتم صٰدقین) یہ تعلیم نصاریٰ کے لئے الکتاب، انجیل ہے (الکہف) یادرکھو انسان سے اللہ کلام نہیں کرتا۔ یعنی یہ کلام اللہ نہیں ہے۔ البتہ خدا وحی کے ذریعہ دل میں ایک کھٹک پیدا کر دیتا ہے۔ یہ ایک کلام ہے جو پس پردہ (من وراء حجاب) سے ہوتا ہے۔ یعنی قرآن "کلام من عند اللہ" ہے۔ خدائی کلام ہے، خدا کا کلام نہیں ہے (الشوریٰ)۔ یہ حق ہے۔ سحر نہیں ہے۔ اسکی تعلیم ہے کہ ظلم چھوڑ دو (السبا)، خدا جس پر چاہے اپنا کلام (روح) نازل کردے (المومن) یہ قرآن ٹیڑھا کلام نہیں۔ پرانی تعلیمات میں بار بار دہرایا گیا ہے اور ان سے مشابہ ہے (الزمر کتابا متشابھا مثانی) غرضیکہ سنہ نبوی تک قریش نے ظلم کی حد کردی اور آنحضرت کا مقاطعہ کر دیا۔ آپ شعب میں سنہ نبوی تک رہے۔

چوتھی منزل: مقاطعہ اور یہود پر توجہ

المرسل کے لئے یہ منزل بہت کٹھن تھی بہرحال اسوہ ابراہیمی و یوسفی یعنی قتل و قید کی منزل سے بھی گذرنا تھا اور اسوہ موسوی، ہجرت و جہاد کے راستے بھی طے کرنے تھے۔ اس دور کی سورتیں گویا آنحضرت کو یہ سبق دے رہی تھیں کہ بے یار و مددگار ہونے پر بھی حضرت یوسف کی طرح یہی کہنا چاہیئے کہ صبر و استقامت فتح کی کنجی ہے اور خواہ کافر مانیں یا نہ مانیں۔ یہ یقینی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی فیصلہ کرنے والا (حاکم) نہیں، وہی قیامت میں ظالموں کو سزا دے گا۔ (ان الحکم الا للہ یوسف) لا الٰہ الا ھو لہ الحکم والیہ ترجعون (القصص)

پانچویں منزل: تبلیغ قانون (دین) فی غیر القریش

اب سنہ نبوی میں وہ زمانہ آیا کہ اگرچہ آپ کو شعب سے رہائی مل گئی تھی۔ لیکن ابوطالب کی وفات کے بعد کوئی خاندانی سہارا بھی نہ رہا تھا۔ لہذا آپ نے قبائل میں اس قانون الٰہی کی تبلیغ شروع کی کہ "حکم" یعنی ملوکیت صرف اللہ کی ہے۔ کوئی انسان اگر اس دنیا میں قانون الٰہی کے خلاف کسی پر ظلم کرے گا تو اللہ جو رب العالمین رب الناس انسانوں کا آقا ہے۔ وہ قیامت کے دن آخری فیصلہ (حکم) کرے گا۔ لہذا شیطان سے بچو (الاعراف) اس زمانے میں رسول اللہ نے مختلف اقوام سے یہ کہا:۔

الف۔ بنو اسرائیل سے کہا کہ توراۃ بھی خدائی قانون ہے اور بتاتا ہے کہ شیطان کے پھندے میں آ کر ظلم کرنے کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ اس میں بنو اسماعیل کے نبی امی کا ذکر ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیگا لہذا آؤ ہم تم متحد ہو جائیں تو تم غلامی سے نجات پا جاؤ گے (الاعراف) توراۃ پر عمل کرنے والے اچھے لوگ ہیں۔ (الفاطر) اے بنو اسرائیل اگر تم یوم الآخر کو مانتے تو ظلم نہ کرتے اور غلامی میں سر بارہ نہ پھنستے۔ میں نے وحی رویائی سے معلوم کیا ہے کہ اگر بنو اسرائیل خدا سے سرکشی کو چھوڑ دیں اور مسلمانوں سے متحد ہو جائیں تو ان کے لئے اچھا ہے۔ مکہ سے یروشلم تک اللہ کا قانون (دین) جاری ہو جائے گا (سورۂ اسراء)

ب مجوس سے کہا کہ دو خداؤں کو نہ پوجو، اور شمس و قمر کو سجدہ نہ کرو (السجدہ) نور و ظلمت اللہ ہی نے پیدا کئے ہیں وہ دو خدا نہیں ہیں (الانعام)

ج مشرکین طائف وغیرہ سے اور انکارِ معجزات ۔ معجزے دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگرچہ اس کا ثبوت کہ اللہ موجود ہے یہ ہے کہ جب مشرک کشتیوں میں ہوتے ہیں تو وہ بھی اللہ کو پکارتے ہیں۔ (العنکبوت) میں بشر ہوں۔ معجزے نہیں دکھا سکتا۔ یہ کام اللہ کا ہے۔ بھلا اس بات میں معجزے کی کیا ضرورت ہے میں تو کہتا ہوں کہ دشمن سے بھی نیکی کرو تو وہ تمہارا دوست ہو جائے گا (السجدہ) غیب کی باتیں اللہ ہی جانتا ہے، خود وہ جن جو تمہارے شاعروں وغیرہ کو غیب کی باتیں بتانے کے مدعی ہیں وہ قائل ہیں کہ غیب نہیں جانتے اللہ جانتا ہے (الجن) پھر اللہ کے موجود ہونے کے ثبوت کے لئے معجزہ کی کیا ضرورت ہے ذرہ ذرہ سے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ظاہر ہیں (الجاثیہ) خدا کی قدرت کے ثبوت میں معجزے نہ دیئے جائیں گے۔ البتہ خدا کے وجود کے نشانات (آیات) کل دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آنکھیں ہوں تو دیکھو (بنی اسرائیل)، (الجاثیہ)، مجھے یقین ہے کہ اللہ اپنے وجود کی نشانیاں منکروں پر بھی ظاہر کر دے گا (النمل) دیکھو اللہ کی نشانیاں کل دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر شے اس کے قانون پر چل کر سربسجود ہے اور ور قانون میں بندھی ہوئی ہے (بنی اسرائیل) دیکھو اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ ہر عمل کی جزا ملے گی کسی معجزہ کی ضرورت نہیں۔ یوم بعث یقینی ہے (یونس) اللہ کو اختیار ہے کہ وہ تم پر عذاب نازل کرے۔ میں اگر زمین میں سرنگ لگا کر گھس جاؤں یا آسمان پر چڑھ جاؤں، تب بھی معجزہ نہیں لا سکتا۔ میں صرف بشیر و نذیر ہوں۔ میں نہ تو غیب داں (کاہن) ہوں، نہ فرشتہ صرف ایک انسان ہوں (الانعام) کھلی ہوئی حقیقت کے لئے معجزہ کی ضرورت ہی نہیں۔

د۔ یہ شیطانی کلام نہیں، رحمانی تعلیم ہے (تحدی) الکتاب علم الٰہی کو کہتے ہیں (والقلم) انسان کو علم خدا دیتا ہے (العلق)، اس بات کو جن تک مانتے ہیں کہ علم غیب انھیں نہیں بلکہ خدا علام الغیوب کو ہے (الجن) یہ رحمانی تعلیم ہی "روح" ہے یہی وحی ہے تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے کہ یہ سمجھ سکو یہ کلام: روح یا وحی کس طرح نازل ہوتا ہے۔ بہر حال پھر چیلنج (تحدی) ہے کہ تمہارے شیطان تمہاری کتنی ہی مدد کریں۔ اس طرح کی نیک عملی، عدل و محبت کی تعلیم نہیں بنا سکتے۔ سچے یہود و نصاریٰ مانتے ہیں کہ یہ تعلیم روح القدس کی لائی ہوئی ہے اور رحمانی تعلیم ہے (بنی اسرائیل) اگر ممکن ہو تو اس طرح کی دس سورتیں ہی بنا لاؤ (ھود) یہ بھی ممکن نہ ہو تو تم اس طرح کی نیک عملی کی تعلیم دینے والی ایک ہی سورت بنا لاؤ (تحدی: یونس)۔ یہ قرآن روح القدس کے ذریعے اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ میں یہود کی خود ساختہ آیتوں کو اللہ کے حکم سے بدلتا ہوں۔ خود سے نہیں کرتا، نہ ہوائے نفسانی سے ایسا کرتا ہوں۔ اللہ کے بندوں پر شیطان کو دخل نہیں (النحل)

۵۔ خدا جس پر چاہے وحی کر سکتا ہے (الجن)، یہ ضروری نہیں کہ خدا دولت مندوں پر وحی کرے (الزخرف) ہر امت میں خدا کا راستہ بتلانے والا پیام بر آتا ہے (یونس) تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (یہود و نصاریٰ وغیرہ) سے پوچھ لو (النحل)، یہ کوئی نئی تعلیم نہیں، یہ تعلیم ملت ابراہیم (خدا بندگی) کی تعلیم ہے۔ (الانعام)

خلاصہ تعلیم مکیہ قرآن کے ذریعہ آنحضرت نے جو مکی تعلیم دی اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) رحمت والا خدا اللہ ہے اس سے کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ اس کی قدرت میں کوئی شریک نہیں۔ وہی ظالموں کو سزا اور مقتصدوں کو جزا دیتا ہے اور قیامت کے دن آخری فیصلہ کر دے گا۔ لیکن وہ اکرم ہے لہٰذا اس کے انصاف میں رحمت بھی داخل ہے اور اس نے اپنے لئے بھی رحمت کا قانون بنا لیا ہے۔ لہٰذا صرف عدل کرنے پر مجبور نہیں بلکہ رحم کرنے کا پابند ہے (کتب علی نفسہ الرحمہ) وہ اکرم آقا ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے لیکن ظلم نہیں کر سکتا (وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ) وہ رحیم ہے۔ وہ ایک شخص کے جرم پر دوسرے کو سزا نہیں دے سکتا۔ لہٰذا شفاعت و کفارہ بے معنی چیز ہے۔ وہ خدا سب قوموں کا خدا ہے اس کی کوئی مخصوص برگزیدہ قوم نہیں۔ اس کی نشانیاں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں۔ معجزات کی ضرورت نہیں

۲۔ بعث بعد الموت اور یاس۔ ظلم و عدوان سے باز آؤ۔ دنیا کی قومیں اسی سے تباہ ہوتی ہیں اور یہ سمجھو کہ ظلم کی سزا سے بچ جاؤ گے۔ یقین رکھو کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہی سنت اللہ ہے۔ اگر دنیا میں بچ گئے تو آخرت میں سزا پاؤ گے۔ بعث بعد الموت یقینی ہے۔ مگر جو لوگ ظالم ہیں وہ عالم یاس میں ہیں اور دوبارہ

پیدا ہونے کے الیٰ سئے منکر ہیں۔ انکار سے مایوسی پیدا ہوتی ہے۔

بعث اور امید۔ نیکوکاری (عدل مع رحمت) کا نتیجہ اس دنیا میں خوش حالی ہے اور مرنے کے بعد بھی جنت ہے لہذا محبت و رحمت کی دنیا بساؤ اور ناامیدی کو کفر سمجھو۔ خدا پرستی کا لازمی نتیجہ مسرت و فراغت و زندگی و امید ہے۔ گناہ کے بعد توبہ کر لو۔ خدائے رحیم معاف کر دے گا اور سفارش کی ضرورت نہیں۔

۳۔ آزادی فکر۔ یہی تعلیم کل نبیوں اور ہادیوں کی تعلیم رہی ہے یہی تعلیم قرآن کی ہے۔ منکروں کے لئے نہ صرف قرآن بلکہ جملہ احکام و کتب الٰہیہ معجز ہیں۔ اس لئے کہ وہ نہ خدا کے قائل ہیں نہ ابعث بعد الموت کو مانتے ہیں وہ اپنی عقلوں کو پروہتوں اور کاہنوں کے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔ لہذا کتب الٰہیہ کو مانو۔ اس کا لازمی نتیجہ آزادی فکر ہے۔ اس سے طبقاتی کشمکش دور ہو جاتی ہے اور محبت و رحمت کی وجہ سے ضمیر کی سچی آواز خدائی آواز بن جاتی ہے۔

ہجرت مدینہ کے بعد

اگر مکہ کو اخلاقیات و الٰہیات کا دور کہا جائے تو مدینہ کا دور وہ سماجی و سیاسی دور ہے جس میں مکی تعلیمات کی بنیادوں پر سوسائٹی میں ایسے قوانین جاری کئے گئے کہ جہل و افلاس ناممکن ہو جائے اور انسان مجبوراً محبت و رحمت کا مجسمہ بن جائے۔ مجرم و خاطی کے لئے توبہ کے ذریعے رحمت الٰہیہ کا دروازہ کھل جائے اور قربانی کی رشوت اور پروہتوں کی سفارش سے بے پروا ہو جائے۔

چھٹی منزل۔ امارت اقوام

ہجرت مدینہ کے بعد مرکز انقلاب مدینہ قرار پایا اور آنحضرت نہ صرف مہاجر و انصار کے بلکہ یہود کے بھی حاکم یا امیر قرار پائے۔ آپؐ نے امیر العالمین کی حیثیت سے مدینہ کے جوار کے مشرکوں سے بھی دفاعی معاہدے کئے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے مہاجرین کو فوجی گرد آوری سکھائی۔ انفاق یعنی جنگی چندہ جمع کیا اور یہود سے وہ معاہدہ ہوا جس کے ذریعے آنحضرت حاکم اور مسلمان اور یہود امت واحدہ قرار پائے۔ پھر قتال کے سلسلہ میں سید المجاہدین نے انقلابی قوانین جاری کئے:۔

(۱) قتال کا مقصد جانوں کو بچانا ہے نہ کہ مارنا (المائدہ ع ۴) اور ایک کا قتل کل عالم کے قتل کے برابر ہے (المائدہ)

۲- ہمت واستقامت سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو شکست دے سکتی ہے (قصہ طالوت، بقرہ ع ۳۲)

ساتویں منزل: سید المجاہدین اور قتال

قتال کے مزید انقلابی قوانین (۱) انسان کو آزادی دلانے کے لئے قتال بھی کرنا پڑتا ہے (بقرہ ع ۲۷) اس لئے کہ آزادی رائے کا چھیننا (فتنہ) قتل سے برابر ہے (۲) دشمن صلح کرے تو فوراً صلح کرلو (انفال)، (۳) دشمن سے بھی عہد شکنی نہ کرو (انفال ع ۱۰) (۴) کوئی شخص جنگ کے ذریعے غلام نہیں بنایا جاسکتا (سورہ محمد) (۵) اللہ کے لئے قتال کرنا نفع کی تجارت ہے (الصف) اور (۶) قتال فی سبیل اللہ کے لئے چندہ دینا خود اپنی مدد ہے۔ (محمد ع ۴)

اتحاد اقوام اسی زمانے میں یہود سے کہا گیا کہ اللہ اور یوم آخر کے ماننے والوں کا قبلہ وہی ہونا چاہئے جو سب سے پہلے ابراہیم نے مکہ میں بنایا تھا۔ یہود نے اسے نہ مانا اور کہا کہ یروشلم ہی کو قبلہ رکھیں گے وہ دین موسوی پر چلنا چاہتے تھے اور آنحضرت چاہتے تھے کہ اسرائیل کے باپ ابراہیم کے دین پر سب متحد ہوجائیں اس لئے کہ وہی دین قدیم اور اصلی اسلام ہے۔

نصاریٰ کی طرف دوبارہ توجہ - یہود کی معاہدہ شکنی کی وجہ سے آنحضرت نے پھر نصاریٰ کی طرف توجہ کی اور اسی زمانے میں روزے فرض کردیئے جب نصاریٰ ولادت مسیح کی خوشی میں روزے رکھتے تھے۔

آٹھویں منزل: شکست احد اور مصائب کے تین سال: خاتم النبیین

اس دور کے تین برسوں کا مقابلہ شعب ابی طالب کے تین برسوں سے کیجئے تو معلوم ہوگا کہ تاسیس انقلاب اسلام کی یہ منزل نہایت ہی کٹھن تھی۔ شعب میں توراۃ کی تعلیم سے سبق لیا گیا۔ اب شکست اُحد کے بعد اس کو عملاً جاری کرنا تھا، اور حالات ایسے پیدا ہوگئے تھے کہ اگر اُن قوانین کو نہ جاری کرتے تو دین ابراہیمی خطرہ میں تھا۔ اسی لئے اس دور میں آپ کا لقب خاتم النبیین تھا۔ یعنی آپ مصدق النبیین تھے اور سختی سے اُن ابراہیمی قوانین کو جاری کرنا چاہتے تھے جن کو یہود ماننا نہیں چاہتے تھے۔ ایک طرف یہود غداری کررہے تھے اور تحویل قبلہ کے بعد مصدق النبیین کا مذاق اڑانے لگے تھے۔ دوسری طرف خود مسلمانوں میں ایک منافق جماعت پیدا ہوگئی تھی جو کفار قریش سے ساز باز کررہے تھے، تیسری طرف مشرکین عرب دھوکے سے مسلمانوں کو بلاکر قتل کررہے تھے اور خود آنحضرت کی زندگی خطرہ میں تھی۔ آپ کے لئے مسلح گارڈ متعین تھے۔ ان حالات میں بھی

آپؐ نے تصدیق انبیائے سابقین سے گریز نہیں، اور آپؐ نے علانیہ عمل کر کے دکھایا۔

(۱) یہود سے آپؐ نے فرمایا کہ قبلہ ابراہیمی، قبلہ موسوی سے قدیم تر ہے، وہی قائم ہوگا۔

(۲) آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اونٹ کا گوشت ابراہیمؑ کے وقت سے حلال ہے۔ وہ حرام نہیں ہو سکتا۔

(۳) آپؐ نے کہا کہ سبت کے دن شکار نہ کرنا یا جنگ میں جانے سے انکار کرنا غلط ہے (جیسا کہ یہود نے جنگِ اُحد کے سلسلے میں بہانہ کیا تھا کہ وہ یوم السبت ہے اس لئے ہم شریک نہ ہوں گے) یہ خدائی قانون نہیں ہو سکتا کہ کسی دن کام نہ کیا جائے اور یہ نظریہ بنا لیا جائے کہ چھ دن میں خدا نے آسمان زمین بنائے اور وہ تھک کے ساتویں (یوم السبت) کو آرام کرنے لگا۔ آنحضرتؐ نے بتایا کہ خدا تھکتا نہیں۔ وہ نہ تو بوڑھا ہوتا ہے اور نہ سوتا ہے۔ (دیکھیے ناسخ منسوخ)

(۴) منافقوں سے آپؐ نے فرمایا کہ یہ مشرکانہ رسم ہے کہ متبنیٰ بیٹے کی بیوی سے نکاح نہ کیا جائے نکاحِ ابراہیمی قانون ہے اور بنو اسرائیل بھی اسے مانتے ہیں۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ میں زید کا باپ نہیں ہوں اور اس کی مطلقہ زینب سے نکاح کر کے، قانون ابراہیمی پر عمل کر کے دکھائے دیتا ہوں۔ میں خاتم النبیین (یعنی مصدق الرسل) ہوں مجھے احکام الٰہیہ کے جاری کرنے میں کوئی شرم و عار نہ کرنا چاہیئے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر مسلمانوں کا فرض ہے (آل عمران ع ۱۲)

(۵) مومنوں سے فرمایا کہ زنا کی تہمت کسی پر نہ لگاؤ۔ لونڈی غلاموں کا بھی نکاح کر دیا کرو (النور) سوائے طلاق خلع کے ہر طلاق قابل رجعت ہے (البقرہ ع ۲۸ - ۲۹) جو راہ حق میں قتل ہوتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ (دیکھیے شہادت مسیح در فصل ۴۴) قوم کے لئے مرنا دولت سے بہتر ہے۔ (آل عمران ع ۱۷)

نویں منزل: موت پر بیعت کرنے والوں کی جماعت

تیرہ سال مکہ میں اور چھ سال مدینہ میں صرف کرنے کے بعد سنہ ۶ھ میں ایک ایسی انقلابی جماعت تیار ہو گئی جس نے شیطنت اور نفرت کا خاتمہ کرنے اور خدا بندگی یعنی محبت و رحمت کو عام کرنے کے لئے موت پر بیعت کر لی۔ یہ خدا بندگی (یا اسلام) کی بنیادی اور سب سے بڑی فتح تھی کہ پوری جماعت نے بیعت رضوان کر لی اور رسول اللہ نے اعلان کر دیا کہ میں سب کے لئے خدائی پیغام پہنچانے والا رسول ہوں (اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الفتح) اب بحیثیت فاتح اقوام کے محسن المفتوحین نے عفو و احسان کے یہ خدائی قوانین لوگوں کو دیئے۔

۱۔ نیکی کی تعریف: نیکی تقویٰ کو کہتے ہیں۔ یعنی خدا کی حاکمیت کے خوف اور اس کی رحمت کے وعدے پر ظلم و نفرت سے بچنا اور عدل و محبت کو ترقی دینا نیکی ہے۔ جاہلیہ کے جہل اور اکھڑ پن کو چھوڑ کے کتابیوں یعنی مہذب لوگوں کی طرح حلم اختیار کرنا بھی نیکی یا اسلام ہے۔

۲۔ عادلانہ قتال: قتال بھی نیکی ہے۔ بشرطیکہ عادلانہ ہو اور آزادیٔ رائے کے حق کے لئے ہو (بقرہ ع ۲۴)

۳۔ نہ لڑنے والوں سے بھلائی اور انصاف کرنا نیکی ہے (نساء ع ۱۳) ان کو علم و دولت دینے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ حقیقت جہاد اسی اعلاء کلمۃ اللہ میں مضمر ہے۔

۴۔ کتابیوں کو مذہبی آزادی۔ اہل کتاب کو پوری مذہبی آزادی ہے۔ اُن کی آبرو۔ جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ اس کے عوض اُن سے ایک ٹیکس لیا جائے گا اور وہ فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ان کے مذہبی گروہ مسکینوں ضعیفوں اور عورتوں بچوں پر ٹیکس نہ لگے گا۔

۵۔ مشرکین کا تالیف قلب: فتح مکہ کے بعد امن عام کا اعلان کر دیا گیا اور جو نیم مسلم تھے یا شرک پر قائم تھے۔ اُن سے عفو و احسان کا سلوک کیا گیا اور ۸ھ کے حج میں تجارتی منافع حاصل کرنے سے مشرکوں کو نہیں روکا گیا۔ یہ حج مسلم و مشرک کا حج مخلوط تھا۔ لوگوں کو جبراً مالدار بنایا جا رہا تھا۔

۶۔ کتابی جمہوریت کا قیام۔ اب تک ہر سماجی و سیاسی مسئلہ میں رسول اللہ کا حکم بحیثیت امیر کے چلتا تھا۔ رضوانیوں کی جماعت تیار ہونے کے بعد، اسلامی انقلاب کو آگے بڑھانے کے لئے ان رضوانیوں سے بھی مشورہ لیا جانے لگا۔ یعنی ایک ایسی شورائی جماعت بن گئی جو اللہ کی کتابوں (قوانین) کی روشنی میں امیر جماعت (رسول اللہ) کو مشورہ دے سکتی تھی اور فیصلہ کثرت رائے پر منحصر نہ تھا بلکہ اصول (کتاب اللہ) کی روشنی میں جو بہترین رائے ہوتی تھی اُس پر عمل ہوتا تھا۔ جہاں تک دنیوی امور کا تعلق تھا اُن میں عام معروف باتوں پر عمل کیا جاتا تھا۔ (انتم اعلمون بامور دینا کم۔ مسلم)

۷۔ عدل و احسان: اس کتابی آمریت یا اصولی شورائیت کا نصب العین عدل و احسان تھا اور مرکزی انقلابی پارٹی کا فرض تھا کہ دنیا میں جہل و افلاس کے دور کرنے کے لئے فی سبیل اللہ اپنی جان و مال کی بازی لگا دیں اور انسانیت کو علم و دولت جبراً دیں۔ تاکہ انسان حقیقی معنوں میں انس و محبت کا مجسمہ بن جائے۔

۸۔ پرانی بحثوں کا خاتمہ (الف) اللہ و بعث بعد الموت: سورۃ الحدید اور سورۃ التغابن میں

خدا اور قیامت کی بحثوں کا خاتمہ کردیا گیا۔

(ب) معجزات: آیات اللہ کی بحث کا آخری جواب سورۃ البقرع ۲۰ میں دیا گیا

(ج) اعجاز کتب الہیہ۔ یعنی اعجاز قرآن اور جملہ کتب الہیہ کا منکروں کے لئے معجزہ ہونا ثابت ہوگیا (طور ع ۳)

۹۔ پروہتی ختم: عقل آزاد: کعبہ کی پروہتی ختم کردی گئی۔ کہانت مٹادی گئی۔ عقل آزاد کردی گئی۔

دسویں منزل: اقوام عالم کے لئے پیام رحمت

اب پورا عرب فتح ہوچکا تھا اور مختلف اقوام عالم میں اسلامی انقلاب لانا تھا تاکہ انسانی یکجہتی بذریعہ مساوات قائم ہو۔ علم و عقل آزاد ہو۔ اور پروہتوں، نجومیوں، کاہنوں اور لڑائی کی آگ لگانے والے شاعروں کا خاتمہ ہوجائے۔ لہذا مختلف اقوام کو یہ پیامات دیئے گئے۔

۱۔ اہل کتاب کو دعوت اتحاد: اے اہل کتاب آؤ اللہ اور بعث بعد الموت کو مان کر ہم اس پر متفق ہوجائیں کہ اللہ کے سوا کسی اور کو رب (آقا) نہ مانیں گے اور کوئی قوم دوسری قوم سے معزز نہ سمجھی جلئے گی جو نیکوکار ہوگا وہی اللہ کے نزدیک اکرم ہوگا (آل عمران)

۲۔ نصرانیو، خدا قادر مطلق ہے۔ یعنی وہ بے باپ کے پیدا کرسکتا ہے۔ اس میں شک نہ کرو اور خدا کو مسیح کا باپ نہ سمجھو۔ وہ تو مٹی سے انسان بنا سکتا ہے۔ لہذا اس کی خالقیت کی قدرت میں شبہ نہ کرو (آل عمران)

۳۔ کل کتابیوں کی ایک جنتری ہوگی۔ جس طرح روزے اس زمانے میں رکھنا چاہیئے اور اسی طرح رکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ اہل کتاب (نصاریٰ) رکھتے ہیں۔ اسی طرح حج کا میلہ بھی اسی زمانے میں ہو جبکہ یہود، نصاریٰ اور مجوس (اعتدال ربیعی کے موسم میں) یہ میلہ کرتے ہیں۔ البتہ اس میں مشرک نہ آسکیں گے اور شرک کی جگہ خدا بندگی ہوگی۔ اس لئے اب سال کے بارہ مہینے ہوں گے اور نسی کی رسم۔ یعنی ایک مہینہ ہر دوسرے تیسرے سال نہ بڑھایا جائے گا۔ اس جنتری سے اتحاد اہل کتاب ترقی کرے گا۔ (توبہ ع ۵)

۴۔ انفاق، جہاد، زکات۔ مومنوں کی جان اور مال اللہ نے خرید لیا ہے (توبہ ۳) لہذا جہاد یعنی دنیا سے خوف و حزن دور کرنے کے لئے انھیں خوشدلی سے (انفاق) دینا چاہیئے (بقرۃ ع ۳۲) لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ سب جہاد کریں۔ بوڑھے اور بیمار مستثنیٰ ہیں۔ انفاق کی کوئی حد نہیں

البتہ زکات ایک قانونی ٹکس ہوگا جو سلطنت وصول کرے گی اور دنیا سے خوف وجوع کو دور کرنے میں خرچ کریگی
بزدلوں سے چندہ نہ لیا جائے گا۔ انھیں بائیکاٹ کر دیا جائیگا (البقرہ ع ۲۶)

۵۔ گندی چیزوں سے اجتناب۔ مومنو! بعض حرام کام پہلے منع کئے گئے ہیں لیکن بعض حالات میں سور کا گوشت۔ مردار اور خون حلال ہو جاتا ہے۔ اب یہ سن لو کہ شراب، جوا، شگون لینا اور کہانت اتنی گندی چیزیں ہیں کہ ان سے گھن کھانا چاہیئے۔ یہ کسی حال میں جائز نہیں اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے۔ (مائدہ ع ۱۱)

۶۔ ہر حال میں عدل کرو۔ مشرکوں تک سے معاہدہ شکنی نہ کرو اور دشمنوں سے بھی عدل کرو (مائدہ) یہود کو معاف کرو (مائدہ)

۷۔ عورت کی عزت کرو۔ عورت اور مرد ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ چونکہ عورت کمزور ہوتی ہے۔ لہذا مرد پر فرض ہے کہ اُسے نان نفقہ بھی دے۔ مہر بھی دے اور میراث میں بھی اس کا حق ہو۔ (قرآن و حجۃ الوداع)

۸۔ غلام۔ غلاموں کو آزاد ہونے کا موقع دو تاکہ وہ دوسری جگہ کام کرکے تمہارا قرض ادا کردیں اور جب تک وہ تمہاری غلامی میں رہیں جو تم کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ، جو تم پہنو انھیں پہناؤ اور طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ غلام کو بھی یہ حق ہے کہ وہ امیر المومنین بن سکے جیساکہ اُسامہؓ بن زیدؓ کو آنحضرتؐ نے امیر عسکر اسلامیہ مقرر کرکے دنیا پر مساوات انسانی کا سکہ جما دیا۔

خلافت الٰہیہ آخرکار تیئیس سال کی لگاتار محنت کے بعد رحمۃ للعالمین نے انسانیت کو امن وترقی کے راستہ پر ڈال کر محبت ورحمت کی جنت میں داخل کر دیا اور ہر مومن خلیفۃ اللہ فی الارض بن کر کہہ سکا کہ ؎

براوج کمال صبح صادق مائیم	حل نکت وکشف دقائق مائیم
سرّ حق وخلق از ازل ما بیرون نیست	مجموعۂ مجموع حقائق مائیم (جامیؒ)

خلاصۃ الکلام رحمۃ للعالمین نے دنیا کو بتایا ہی نہیں بلکہ عملاً کرکے دکھایا کہ:-
(۱) سب انسان برابر ہیں۔ اس لئے کہ سب آدم کی اولاد ہیں اور سب کا ایک ہی

خدا ہے۔

(۲) ہر قوم میں خدائی پیام لانے والے آتے رہے ہیں۔ ہم سب کی تعلیموں کو مانتے ہیں اور رسولوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے (لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ) یعنی سچائی عالمگیر ہے اور دین حق ہر جگہ ایک ہی ہے کہ خدا بندگی کرو اور شیطان سے بچکر رہو۔

(۳) گروہ بندی یا تحزب کی بنیاد پروہت ہیں۔ یہ شیطانی گرگے ہیں اور ظلم و طغیان پھیلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہودی بن جاؤ تو ہدایت ملے گی یا نصرانی بنو تو ہدایت ملے گی (كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا) لیکن قرآن کہتا ہے کہ خدا بندگی اختیار کرو تو ہدایت ملے گی۔ (قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا)

(۴) پروہتوں نے شفاعت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا سے سفارش کر سکتے ہیں اس لئے انھوں نے آخرہ کو دنیا سے الگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ دنیوی اعمال ہی پر آخرہ کا مدار ہے۔ اسلام دنیا و آخرہ کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے اور بتاتا ہے کہ محبت و رحمت ہی قانون حیات دنیا و آخرہ ہے:۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

(۵) پروہتی ختم کی جاتی ہے اور علم و عقل کو آزاد کیا جاتا ہے اور بیت المال قائم کر کے دولت میں ہر انسان کا حق قائم کیا جاتا ہے۔ تاکہ صرف دولت مندوں میں دولت ہیر پھیر کرتی نہ رہے۔

(۶) جہاد کا مقصد یہ ہے کہ کافروں کو نہیں بلکہ کفر یا تاریکی کا خاتمہ کر دو اور جبراً علم و دولت کے دروازے ہر شخص پر کھول دو۔ لہٰذا اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جہاد کرنا اور کافروں کی بھلائی کے لئے اپنی جان و مال خطرے میں ڈال کر انھیں تاریکی سے نکالنا ہی مسلمانوں کا فرض ہے

نتیجہ اب اس کتابی دنیا میں چور رہتے نہ رہزن، اس لئے کہ کوئی شخص مفلس رہ ہی نہیں سکتا تھا اور نہ دولتمندوں کو مال سمیٹنے کا موقع دیا جاتا تھا (کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم) اب زنا بھی باقی نہ رہا اس لئے کہ نکاح کا پھندہ دائمی نہ تھا عورت کو خلع اور مرد کو طلاق کا حق تھا اور یہ بدترین بزدلی سمجھی جانے لگی کہ بچہ پیدا کرنے کی ذمہ داری سے باپ منہ چرائے اور اس کو نسب سے محروم رکھ کے ایک بھولی عورت پر ظلم کرے۔ قصہ مختصر جتنے اعمال کو ایک پروہتی اور غیر منصفانہ نظام اور مالداروں نے غریبوں کے لئے برا قرار دیا تھا۔ لیکن خود اس سے مستثنیٰ تھے، اب ناممکن ہو گئے۔ اب وہ نظام ہی ختم کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے

دنیا میں بے ایمانی رائج تھی۔ دنیا امن و ترقی کے راستے پر چل کر اسے پھر جنت بنانے لگی لیتل و رنگ، سحر و کہانت، خواجگی و شاہی کی تاریکیاں انس و محبت کی جہاں تاب روشنی کی تاب نہ لا سکیں اور سب نے عبدالرحمان جامی کی ہمزبانی اختیار کر کے کہنا شروع کیا ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندرین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

(اللہ سے محبت کرنے والوں سے خوف اور حزن دور بھاگتا ہے)

اب علم پروہتوں کی غلامی سے نکل کر عام ہوگیا اب حکومت شورائیہ کتابیہ نے کمزوروں کو قوی کر دیا اور قیاس نے استقراء کی روشنی سے دنیا کو دین کر دیا۔ غلاموں کے بازار بند ہوگئے۔ عورتوں کو مکمل آزادی مل گئی۔ اعلان عام ہوگیا کہ کوئی باندی کسی بچہ کو غلام نہیں پیدا کر سکتی۔ آخر کار بیچارے مرد کو ماننا پڑا کہ عورت کی خدمت اس کا فرض ہے۔ اس لئے کہ وہ ماں ہے۔ انسان کو غلام بنانا کفر ہے اس لئے کہ وہ اس کا بھائی ہے۔ علم کو کسی سے چھپانا بخل ہے۔ خود غرضی ہے اور کمینہ پن ہے جو شرفت انسانی کے منافی ہے اور انسان کو غیراللہ کے دروازوں پر جھکاتا ہے۔ اب علم و عقل، مساوات و محبت امن و ترقی کے دروازوں پر طاغوت کی شکل میں کوئی حاجب اور کاہن کی صورت میں کوئی شفیع باقی نہ رہا اور دنیا ہی آخرت کا مزرعہ بن گئی اب ایک انسان دوسرے سے کہہ سکا کہ ؎

اے آنکہ توئی خلاصۂ کون و مکان
بگزار دمے وسوسۂ سود و زیاں

یک جام مے از ساقی باقی بستان
تا باز رہی تو از غم ہر دو جہاں

پیغام محمدیؐ کی مشکلات پر نظرِ ثانی قرآن کی روشنی میں

فکر و عمل محمدیؐ کو تاریخی ترتیب سے دیکھنے کا یہ نتیجہ ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں خود بخود دور ہو جاتی ہیں اور وہ باتیں جو نو مسلموں کے قدیم عقائد کی بنا پر تاویل پیغام محمدیؐ میں مشکلات پیدا کرتی رہی ہیں سب ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ مشکلیں اجمالی طور پر تین قسم کی ہیں۔ لسانی۔ فلسفیانہ اور تاریخی :۔

ہم نے سورۃ العلق اور سورۃ الحمد کے سلسلے میں دیکھا ہے کہ قرآن خود اپنی تفسیر ہے

پہلی قسم۔ لسانی مشکلات۔ گو غریب القرآن پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ پھر بھی بہت سے الفاظ اور محاورے ایسے ہیں جو تاریخی پس منظر، ترتیب تنزیل اور فہم مخاطب کو پیش نظر رکھے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتے حتی الامکان ہم نے قرآن کے الفاظ، محاوروں اور اصطلاحات کا وہی مفہوم اس سیرت میں درج کیا ہے۔ مثلاً :۔

کتاب :۔ قانون یا علم کو کہتے ہیں: کتاب اَوْ اَثٰرَۃٍ من علم (الاحقاف ۶)

اہل کتاب :۔ ضد ہے اُمّی کا۔ یعنی اہل علم اور مہذب لوگ جو قانون رکھتے ہوں۔

اُمّی :۔ وہ قوم یا شخص جو کوئی قانون نہ رکھتا ہو۔ غیر مہذب، جو شخص فطری حالت میں ہو۔

قرآن :۔ قرآن ضد ہے سحر یا جادو یا منتر کا۔ وہ پڑھنت جو حق ہو، ھدًی و نور ہو۔ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بہ الجبال (الرعد ۴) یعنی ایسی پڑھنت جس سے پہاڑ چلنے لگیں۔ وہ کلام جو منجانب اللہ ہو یعنی رحمانی کلام۔

رُقْیَۃً و رُقْیًا :۔ جادو منتر۔ سحر۔ باطل (اسم فاعل راقٍ : جادوگر) ولن نؤمن لِرُقِیِّکَ (بنی اسرائیل ۹۳)

کفار قرآن کو شیطانی کلام یعنی سحر کہتے تھے۔

سحر :۔ یا جھوٹی بات (ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولن الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین (ھود ۸)

حروف مقطعات :۔ یعنی حروف ابجد جن سے کلام رحمانی بنتا ہے۔ جن سے الکتاب یا قانون زندگی مرتب ہوتا ہے۔ جو سحر کی طرح بے معنی نہیں ہوتے یا راز میں نہیں رکھے جاتے۔ ان میں سے بعض حروف کے عربی زبان میں مستقل معنی ہیں۔ عبری اور مصری میں بھی حروف کے معنی ہیں: جیسے نون بمعنی مچھلی یا دوات۔ حامیم۔ یاسین بمعنی اے انسان۔ ب بیت یا خیمہ ؛ جیم یا گیمل بمعنی اونٹ وغیرہ۔

غیب :۔ راز۔ غیر مشہود چیز چھپی ہوئی باتوں کے حال بتانے والے بھی غیب داں یا کاہن ہوتے تھے جو

قسمت کا حال بتاتے تھے۔

سواء السبیل یا قصد السبیل (النحل ۹): بیچ کی راہ - عدل و قسط کا راستہ یعنی اسلام - صراطِ مستقیم دین قیم - دین ابراہیم - عبودیت رب۔

صلوٰۃ: حلم و انکسار - فرض واجب - اصطلاحاً نماز۔

اِقراء:- اعلان کر - بول - جیسے اُتل - قُل - یہ لغت عبری ہے (کتاب یسعیاہ ۵۸/۱، ۴۰/۶)

تنزیل وحی: خدا رگ جان سے بھی قریب تر ہے - لہٰذا تنزیل وحی کے معنی ہیں دل میں کسی بات کا پیدا ہونا۔ (نہ کہ آسمان سے اُترنا)

جبریل:- عبری: قوت اللہ) شدید القویٰ (والنجم ۵) ذو مرۃ - زور آور - وہ قوت جو خدائی ہے - شیطان یا جن نہیں ہے - انسان کے دل میں اچھی باتیں ڈالتی ہے۔

امن و خوف:- حالت امن و حالت جنگ۔

فتنہ:- آزادیٔ رائے کو زبردستی روکنا - دین سے پھیرنا۔

جن:- مشرکوں کے معبود - نہ نظر آنے والی آتش خور روحیں - ابلیس بھی جن تھا - وہ بدروحیں جو کاہن و ساحر کو کہانت و سحر سکھاتی ہیں - ان میں سے بعض مومن بھی تھے۔

متشابہات:- قرآن کی کوئی آیت مشتبہ المراد نہیں - اگر ایسا ہوتا تو اسے کلام من عند اللہ نہیں کہا جا سکتا تھا (ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا - النساء ۸۲) قرآن کی کل آیتیں متشابہ ہیں یعنی ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں - توراۃ اور انجیل وغیرہ کتب الٰہیہ کے بھی مانند یا مشابہ ہیں (کتاباً متشابہا مثانی (الزمر ۲۳) (دیکھیے سورۂ آل عمران ۳) (واتوا بہ متشابہا - البقرہ ۲۵)

توراۃ و انجیل محرف نہیں ہیں:- دیکھیے سورۂ مائدہ: اے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اگر تم توراۃ و انجیل اور جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اُسے نہ قائم کرو گے تو تم بے دین ہو جاؤ گے (یا اھل الکتاب لستم علی شیٔ حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل علیکم من ربکم)

قرآن چاہتا ہے کہ یہود انجیل کی بھی تصدیق کریں:- لیکن یہود کہتے تھے کہ (نؤمن بما انزل علینا و یکفرون بما وراءہٗ - بقرہ ۹۰) یعنی ہم توراۃ کو مانتے ہیں لیکن اس پر تیار نہیں کہ مسیح کو سچا رسول اور انجیل کو خدائی بشارت مانیں۔

یہودی توراۃ کی غلط تاویلیں کرتے ہیں :۔ یہودی توراۃ کو بھی محض زبانی طور پر ماننے کے مدعی تھے۔ اس کے مفہوم میں جان بوجھ کر الٹ پھیر کرتے تھے (قد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون - البقرہ ۷۵) اور اُن میں سے بعض (سب نہیں) ، بالکل نادان ہیں وہ توراۃ کو نہیں جانتے ۔ صرف عقلی گدے لگاتے ہیں (بقرہ ۷۸) بعض ایسے ہیں جو اپنی من مانی تفسیروں کو کلام من عند اللہ یعنی توراۃ کہتے ہیں اُن پر قرآن افسوس کرتا ہے (البقرہ ۷۹) یہ لوگ میثاق بنی اسرائیل کو توڑ چکے ہیں اور توراۃ میں جس نبی کے آنے کا ذکر ہے اُسے چھپاتے ہیں یہ انجیل کی تصدیق کریں گے ، نہ قرآن کی نہ مسیحؑ کی نہ فارقلیط کی ۔

تحریف ۔ کسی کلام کو سمجھ لینے کے بعد اس کی غلط تاویل کرنا ۔

اب ۔ اُم ۔ ابن ۔ بنت ۔ اخ ۔ ہر زبان میں انسانوں کے رشتوں سے محاورے بنتے ہیں ۔ عربی میں یہ خصوصیت بہت زیادہ ہے ۔ ان سے لغوی معنی مراد نہیں ہوتے ۔ جیسے شیطان کا بچہ یعنی برا آدمی (ابن الشیطان) یا اللہ والا (ولی اللہ و ابن اللہ) اچھا آدمی ۔ ہونٹ کی بیٹی (بنت شفہ) یعنی کلام ۔ وغیرہ ۔ نصرانیوں نے ابن اللہ کے لغوی معنی لئے اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا جسمانی بیٹا قرار دے دیا ۔ حالانکہ خود انجیل میں ابن جہنم ۔ سانپ کا بچہ وغیرہ محاورے موجود ہیں جن کے لغوی معنی نہیں لئے جاتے ۔ اس لئے ابن اللہ کے معنی ہیں اچھا آدمی ' خدا کا روحانی بندہ ۔ (کلمۃ اللہ و روحٌ منہ)

عُزَیر :۔ عزیر یا عزیرس (OSIRIS) اہل مصر کا سب سے بڑا دیوتا تھا ۔ وہ سیب (آسمان) اور نُط (زمین) کا بیٹا مانا جاتا تھا ۔ اُس کی شادی عزس (ISIS) دیوی سے ہوئی اور ایک بیٹا جورس (HORUS) نامی پیدا ہوا ۔ عزیر کو شیط (شیطان) نے قتل کر دیا ، لیکن اُس کے بیٹے جورس نے (جو مُردوں کا قاضی مانا جاتا ہے) اپنے باپ عُزیر کا انتقام لے لیا ۔

عُزیر کو اپیس (APIS) یعنی بیل بھی مانا جاتا تھا اور عزس کو گائے مانا جاتا تھا ۔ اُن سے جو بچھڑا پیدا ہوتا تھا اُس کا نام جورس تھا جو جوان ہو کر اپنے مُردہ باپ کی جگہ عزیز یعنی بیل بن کر اپنی ماں کا شوہر بن جاتا تھا ۔ جوں ہی گائے حاملہ ہوتی تھی عزیز بیل مر جاتا تھا اور جورس پیدا ہو کر عُزیر بن جاتا تھا ۔

سورۃ البقرہ میں اسی بچھڑے کا ذکر ہے ۔ بنو اسرائیل چونکہ عرصہ تک مصر کی غلامی میں رہ چکے تھے لہذا وہ بھی عُزیر پرستی کرنے لگے تھے اور عزیر یعنی بیل دیوتا کو ابن اللہ کہتے تھے (ابن تیمیہ کے رسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ عُزیر مصری لفظ ہے جو بیل دیوتا کے لئے استعمال ہوتا تھا)

دوسری قسم: فلسفیانہ مشکلات:۔ قرآن نے مجملاً فلسفہ کی تین قسمیں کی ہیں (۱) فلسفہ غیب (۲) فلسفۂ شہود اور (۳) فلسفہ انسان ۔ موجودہ اصطلاح میں ان کو بالترتیب (۱) فلسفۂ مابعد الطبیعات یا الہیات (۲) نیچرل فلاسفی یا سائنس اور (۳) سوشل فلاسفی کہتے ہیں ۔

فلسفۂ الہیات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بتایا ہے اُسی پر اسلام کی نیچرل اور سوشل فلاسفی کا مدار ہے ۔ اسے ہم آخر میں درج کریں گے ۔ اگر اس کو پورے طور پر سمجھ لیا جائے اور مختلف اقوام نے جو تصورات قائم کئے ہیں اُن سے مقابلہ بھی کر لیا جائے تو اسلام کا سوشل اور نیچرل فلسفہ مشکلات سے پاک ہو جاتا ہے ۔

نیچرل فلاسفی یا سائنس:۔ دراصل سائنس ہی فلسفۂ شہود ہے ۔ رسول اللہؐ نے اسے امور دنیا کا نام دیا ہے امور دنیا ، مثلاً زراعت ، باغبانی ، جانوروں کی پرورش ، طب ، موسمیات ، صنعت و حرفت وغیرہ کے متعلق انسان اپنے تجربہ و مشاہدہ سے سیکھتا رہتا ہے اور نئے نئے تجربوں سے اپنی معلومات میں ترقی کرتا رہتا ہے ۔ یہ سب تجربات خدا کی عطا کی ہوئی عقل و حواس کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں ان کا خالق شیطان نہیں ہے اس لئے جو باتیں بھی عقل و حواس کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں وہ درحقیقت خدا کی طرف سے ہیں ۔ ان کے مطابق عمل کرنے یا نہ کرنے کا انسان کو اختیار رہے ۔ تفکر و تدبّر فی خلق اللہ کا قرآن بار بار حکم دیتا ہے ۔ اور عام انسانی تجربہ سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں اُن کو عام کرنے اور فائدہ اٹھانے کا راستہ دکھاتا ہے ۔

کئی مرتبہ رسول اللہؐ نے امور دنیا کے متعلق ایک رائے قائم کی ، لیکن تجربہ کار لوگوں کے کہنے سے بدل دی مثلاً بدر کی لڑائی کے موقع پر آپؐ نے فوج کی ترتیب اور حوض کی تعمیر میں دوسروں کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی اسی طرح غزوۂ خندق میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے سے ایرانی طرز جنگ اختیار کیا ۔ اسی طرح مدینہ میں آپؐ نے ابتدا میں حکم دے دیا کہ درختوں کی شادی کی رسم بند کر دی جائے اور پروانوں کو ایک درخت سے اُڑا کر دوسرے درخت تک نہ پہونچایا جائے نتیجہ یہ ہوا کہ نر کھجور کا زر ، مادہ کھجور تک نہ پہونچا اور اُس سال کھجور کی فصل نہ آئی ۔ آخر آپؐ نے اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ (انتم اعلم بامور دنیاکم ۔ صحیح مسلم) یعنی تم امور دُنیا کے متعلق اپنے تجربات کی بنا پر بہتر جانتے ہو ۔ اور عام انسانی تجربہ سے جو بات معلوم ہوئی ہو اُسے اختیار کر سکتے ہو ۔

سوشل فلاسفی:۔ انسانی اخلاق و کردار کی درستی کے لئے قرآن نے بنیادی باتیں بتا دی ہیں ۔ یہی باتیں تدبیر منزل اور سیاست مدن کے سلسلے میں بھی اصول کا کام دیتی ہے ۔ جہاں تک فروع کا تعلق ہے ارباب

حل و عقد کو اختیار رہے کہ کتب الٰہیہ، یعنی قوانین حقہ کے مطابق نئے نئے احوال میں نئے نئے قوانین بناتے رہیں سوشل فلسفہ کی بنیادی خرابی تکبر و خودی سے پیدا ہوتی ہے۔ اُسے آدم و ابلیس کے قصہ سے واضح کرنے کے بعد انسان کو لالچ سے بچنے اور حلم و محبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے گویا انکساری و احسان ہی سے معاشرہ انسانی ترقی کر سکتا ہے اس میں محبت کی دنیا بسانے کے لئے بعض ایسے اصول جو عورتوں سے متعلق ہیں انھیں بھی بتایا گیا ہے۔ مثلاً کسی عورت کو طلاق دے کر معلق نہ چھوڑنا چاہئے یا طلاق خلعی کے علاوہ ہر طلاق سے رجعت کرنا ازکیٰ و اطہر ہے۔ اسی طرح میراث کے قاعدے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے طریقے اور علم و دولت کو جبراً ہر شخص تک پہونچانے کے اصول ایسے ہیں کہ اپنے اندر دائمی حقیقتیں رکھتے ہیں۔ یقیناً شورائی حکومت قائم ہو جانے کے بعد کتب الٰہیہ کے اصول کی روشنی میں سابقون الاولون کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا یعنی جب تک ہر شخص کو کتابی و شورائی آمریت کے ذریعہ علم و دولت نہ پہنچ جائے اُس وقت تک مخصوص و محدود آمریت (ڈکٹیٹر شپ) قائم رہے گی۔ یہی اولی الامر فکر و عمل نبوی کی روشنی میں عدل و احسان و محبت کو جاری اور باقی رکھنے کے لئے معاشرہ اسلامی کے قانون ساز ہوں گے اور ضرورت زمانہ کے اعتبار سے معاملات ہی نہیں بلکہ عبادات کا بھی صحیح رُخ متعین کرتے رہیں گے۔

یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ اسلامی معاشرہ ہو یا کوئی اور معاشرۂ انسانی، سب کی بنیاد ان نظریات کائنات پر ہوتی ہے جنھیں الٰہیات یا مابعد الطبیعات کے ضمن میں ہر سوسائٹی اپنا اساس فکر بنا لیتی ہے۔ اسلام کا اساس فکر خدائے رحیم و بعث بعد الموت پر ہے۔ مکی زندگی میں ان ہی دو باتوں کو سمجھایا گیا ہے، وہاں عبادات و اخلاقیات کی معنوی بنیادی قائم کی گئیں۔ پھر مدینہ میں عبادات و اخلاقیات کی صوری شکلیں بتائی گئی ہیں۔ مکہ میں صرف اللہ کی اطاعت کی تعلیم ہے۔ مدینہ میں اللہ کے ساتھ ساتھ رسولؐ کی اطاعت کا بھی حکم ہے اور پھر ایک زمانہ آتا ہے جہاں اللہ اور رسولؐ کے بعد اولی الامر بھی واجب الاطاعت قرار پاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اولی الامر ہی کے مشورہ سے سوشل فلسفہ کو حسب احوال و ضرورت عملی جامہ پہنایا جاتا ہے اسی کو کتابی شورائیت یا جمہوریت کہتے ہیں۔ اسلامی فقہ کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔

اسی لئے اپنی زندگی میں رسول اللہؐ نے عبادات و معاملات کی روح یا معنویت تو وہی قائم رکھی جو جملہ کتب الٰہیہ میں موجود تھی۔ لیکن ان کی شکل و صورت کو حسب ضرورت بدلتے رہے۔ نہ صرف نماز، روزہ اور حج کی شکلوں کو بدلا بلکہ انھیں حالات کے تقاضوں سے ساقط بھی کیا۔ اسی طرح اولی الامر نے رسالت الٰہیہ کی معنویت

کو قائم رکھتے ہوئے حسب ضرورت احکام خدا اور رسولؐ کی شکلوں کو بدلا، ساقط کیا یا موخر و مقدم کیا۔ عام الرمادہ میں حدِ سرقہ کا سقوط یا متعہ پر پابندی، یا نماز کی مختلف صورتوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ اولی الامر سوشل فلسفہ کے ابتدائی اصول کو سمجھ کر حسب ضرورت قانون سازی کر سکتے ہیں۔ ایسا بارہا ہوا ہے اور اجماع امت سے ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ خدانخواستہ اگر اسلامی سوشل فلسفہ پر جمود طاری ہو جائے یا حالات زمانہ کے اعتبار سے سوسائٹی نئے قوانین نہ بنا سکے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مُردہ ہو گئی ہے، یا کسی ایسی سوسائٹی کے جبر میں گرفتار ہے جو اُسے اپنا غلام بنا چکی ہے

فلسفۂ غیب یا الٰہیات:۔ خدا اور شیطان۔ فرشتے اور جن۔ علم کی حقیقت۔ وحی و الہام کی نوعیت اور حق و باطل، صدق و کذب کا مدار الہام یا وحی پر ہو یا تجربہ و مشاہدہ پر ہو، ان سب کا تعلق فلسفۂ غیب سے ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہمارے حواس اور ہماری عقل خدا کی پیدا کردہ ہے لہذا جو علم وحی و الہام سے حاصل ہو، یا عقل و حواس سے وہ سب خدا کی طرف سے حاصل ہوتا ہے۔ شیطان کو سچا علم نہیں مل سکتا، نہ وہ دے سکتا ہے۔ اس امر کا ثبوت کہ جو وحی یا الہام کسی کو ہوتا ہے وہ خدائی ہے یا شیطانی یہ دیا گیا ہے کہ جو الہام شیطنت یا خود غرضی کی تعلیم دے یا ایسی بات بتائے جس کی بنیاد تکبر (عدم مساوات) اور لالچ (خود پرستی) پر ہو وہ شیطانی الہام ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ تاریخ سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ عام انسانیت کے فلاح کی کیا چیز ہے اگر کوئی الہام یا وحی ایسی ہو جو حلم، عدل محبت و تقوٰی، معروف باتوں کی تعلیم دے اور قدیم کتب الٰہیہ اور تاریخ انسانی سے بھی اس کی شہادت ملے تو اُسے خدائی الہام یا وحی سمجھنا چاہیئے۔ خدائی الہام حق ہوتا ہے اور راہ حق دکھاتا ہے۔ اس کے برعکس شیطانی الہام باطل ہوتا ہے اور منکر باتوں کی تعلیم دے کر تباہی میں ڈالتا ہے (دیکھئے سورۃ العلق سورہ والعصر وغیرہ)

القائے شیطان:۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ جو لوگ خدا کو مان چکے ہیں اور شیطان کو نوع آدمؑ کا دشمن قرار دے چکے ہیں اُن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا۔ اُن کی ضمیر کی آواز میں شیطانی القا یا باطل پرستی کے خیالات کی آمیزش ہونے کا کوئی امکان نہیں ہوتا جس کا اللہ مددگار ہو اور جسے اللہ یا سرچشمۂ حق کے وجود کا یقین اور اُس پر بھروسہ ہو، اُس پر شیطنت کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔

۱۔ اللہ (ال الٰہ) و الٰہ کے معنی ہیں معبود کے۔ اگر اسے 'الہ' سے مشتق مانا جائے تو اس کے معنی ہیں ایسی ہستی جس کی غلامی ہی نہیں بلکہ اُس کی محبت میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ انسان مبہوت ہو جائے اُسے اپنے سر پیر کی خبر نہ رہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حیرت میں پڑ کر اطاعت و محبت کو بھی کھو بیٹھے۔ دُکھ سے بچنے اور

سکھ سے زندگی بسر کرنے کے متعلق انسان بعض عقائد رکھتا ہے۔ ان عقائد کے پیدا ہونے کی تاریخ اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جب وہ بالکل فطری حالت میں ہر طرف طاقتور اچھی بُری طبعی طاقتوں سے گھرا ہوا تھا اور ہر طاقتور چیز کو اپنا معبود یا الٰہ یا رب مان لینے پر تیار رہتا۔ اربع عناصر میں روشنی اور اس کا مظہر سورج سب سے زیادہ طاقتور اور جاں بخش مانا جاتا تھا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے بعل یا سورج (سنسکرت سوریہ۔ فارسی خورشید یا خور۔ مصری را عربی رب۔ سنسکرت روی یا ربی۔ لاطینی سول وغیرہ) کو اپنا معبود بنانے سے انکار کر دیا اور دوسرے اجرام فلکی کو بھی رب الٰہ یا دیوتا تسلیم نہیں کیا۔ اس لئے کہ اُن کی طاقت محدود تھی اور وہ غروب ہو جاتے تھے ان کمزور مخلوقوں نے حضرت ابراہیمؑ کو ایک قادر مطلق الٰہ یا الٰہ کا تصور دیا۔ یہی قرآنی تصور خدا ہے کہ وہ ایسا معبود یا رب یا آقا ہے کہ صرف اُسی کا حکم ماننا چاہیئے۔

خدا کے متعلق مفکرین کے تین گروہ پائے جاتے ہیں بعض خدا کا اقرار کرتے ہیں بعض انکار اور بعض بین بین ہیں جنھیں تشکیک کی حالت میں کہا جا سکتا ہے۔ یہاں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ رسول عربیؐ نے خدا کا تصور کس طرح قائم کیا اور پھر کس طرح مختلف اقوام کے سامنے اُسے پیش کیا۔

چالیس سال کی عمر تک رسول عربیؐ نے بحیثیت تاجر کے ملکوں ملکوں کا سفر کیا اور آخر کار اُن پر یہ کھلا کہ صرف ایک رب یا آقا ہے اور صرف اُسی کی طاعت کرنا چاہیئے۔ اس سے پہلے نہ وہ اقراری تھے نہ انکاری بلکہ حالت تشکیک میں تھے۔ جسے قرآن نے "ضال" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے (ووجدك ضالاً فهدیٰ۔ والضحیٰ) آپؐ غارِ حرا پر غور و فکر کیا کرتے تھے۔ اور پہلی ہی وحی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اس دُنیا کا ایک خالق ہے، یہ دنیا ایک طبعی قانون کی پابند ہے (لا الشمس ینبغی لها أن تدرك القمر۔ یاسین ۴۰) اور ہر چیز کا ایک مقصد ہے جو پہلے سے متعین ہو چکا ہے یعنی اس مادی و اخلاقی دنیا میں ازل سے ایک عقل کارفرما ہے۔ یہ دنیا محض ایک کھلونا نہیں ہے۔ (ماخلقنا السماء والارض وما بینهما لاعبین۔ انبیاء ۳۹) اور انسان کی پیدائش کا بھی ایک مقصد ہے (ایحسب الانسان ان یترك سدیٰ۔ القیامہ ۳۶) اور (ربنا ماخلقت هذا باطلاً ۳/۱۹۱) عام طور پر ہر متشکک طبعی نظام عالم کا تو قائل ہوتا ہے۔ مگر اخلاقی نظام کو نہیں مانتا۔ رسول عربیؐ نے تاریخ عالم سے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ عاد۔ ثمود۔ قوم فرعون و لوط وغیرہ کی تباہی اخلاقی بداعمالی کا نتیجہ تھی اور جن قوموں نے دنیوی ترقی کی وہ اخلاقی نیک عملی یا صراط مستقیم پر چلنے کا نتیجہ تھی۔ آپؐ نے بچپن سے لے کر کہولت تک خود اپنی ذات میں یہ

محسوس کیا کہ کوئی رحیم و کریم ہستی اُن کے ساتھ ہے۔ وہ یتیم تھے پناہ ملی۔ شک کی حالت میں تھے، ہدایت ملی کہ سوائے ایک رب (آقا) کے کسی کا حکم نہ ماننا چاہیئے، مفلس تھے، مالدار ہو گئے۔ ان باتوں سے آپ نے اس دنیا میں اخلاقی نظم و مقصد محسوس کیا اور قرآن کے ذریعے بتایا کہ ایک (رب) ایسا ہے جس نے انسان کو مختار بنایا ہے وہ جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا (لیس للانسان الا ما سعیٰ) لیکن وہ ظالم آقا نہیں ہے کہ مجبور کر کے خاص احکام کا پابند کرے اور پھر بدعملی کی سزا بھی دے۔

عادل ہی نہیں بلکہ رحمت پر مجبور خدا :- اس اقرار سے آنحضرتؐ نے زندگی کا مسئلہ حل کر لیا اور آپؐ نے عرب کے متعدد خداؤں سے مدد مانگنے والوں کو یہ تعلیم دینا شروع کی کہ صرف ایک "رب" یا ایک آقا کے حکموں پر چلو، وہی تمہاری مدد کرے گا۔ مشرکین مکہ کا تجارتی کاروبار صرف متعدد دیوتاؤں کے بھروسہ پر چل رہا تھا وہ کہتے تھے کہ ایک معبود یا ایک دیوتا سے کام نہ چلے تو دوسرے سے مدد حاصل کرنے میں کیا حرج ہے۔ لیکن آپؐ نے اپنی تبلیغ صرف ایک آقا (رب) کے تصور سے شروع کی اور بتایا کہ مدد تو وہی کر سکتا ہے جو اتنی قدرت رکھتا ہو کہ پیدا کرے اور پیدا کرنے کے بعد اُس مخلوق کی مخلوق کو راہ پر لگائے (الذی خلق۔ الذی قدر فھدیٰ الاعلیٰ ۳) چونکہ دیوتاؤں کی۔ انسانوں کی۔ اور خود اپنی نفسانی خواہشوں کی غلامی عام طور پر پھیلی ہوئی تھی من اتخذ الٰھہ ھواہ۔ فرقان ۴۳)۔ لہٰذا ایسے اچھے آقا (رب) کے تصور کے ماننے میں کسی غلام کو بھی انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ غلاموں نے سُنا اور فوراً ایسے آقا کی غلامی پر تیار ہو گئے جو خالق کُل ہے جو اپنے غلاموں پر ظلم نہیں کرتا (وان اللہ لیس بظلام للعبید۔ آل عمران ۱۸۲) (وما اللہ یرید ظلماً للعالمین آل عمران ۱۰۸) جو نہ صرف ظلم ہی سے باز نہیں رہتا بلکہ عدل کرنے میں بھی اپنے قانون رحمت کا پابند ہے، یعنی وہ ایسا آقا ہے کہ لوگ گناہ بھی کریں تب بھی وہ معاف کرے گا (ان ربک لذو مغفرۃ للناس علی ظلمھم۔ الرعد ۶) اس سے زیادہ کونسا پیام اُمید و رحمت ہو سکتا ہے کہ اللہ ہر گناہ معاف کر دے گا۔ (قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ انہ ھو الغفور الرحیم۔ الزمر ۵۳) اُس نے اپنے لئے ایک قانون بنا لیا ہے کہ گنہگار غلاموں کو معاف کر دیا کرے (کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ۔ الانعام ۱۲) بشرطیکہ وہ (تاب و اصلح۔ الانعام ۱۲) اظہار ندامت کریں کہ آئندہ گناہ نہ کریں گے۔ اسی رب (یا آقا) کے تصور کو قرآن نے آئندہ بتایا ہے کہ وہ ملک یا بادشاہ ہے جو ہر انسان کو آخری جزا یا سزا دے سکتا ہے اور پھر بتایا کہ وہی انسانوں کا معبود

(اِلٰہ) ہے (دیکھیے سورہ ۱۱۴ - والناس) وہ اَل اِلٰہ ہے۔ یعنی جملہ معبودوں سے بڑا ہے۔ اس رب کے تصوّر سے حیرت یا ولہ طاری نہیں ہوئی بلکہ ولہ معنی انتہائے محبت پیدا ہوگئی۔

چونکہ یہودیوں اور بعض دیگر اقوام نے اپنے اپنے قبیلوں کا الگ الگ خدا بنا لیا تھا اسی لئے مکہ والوں سے یہ کہا کہ "رحمان" صرف نصرانیوں کا خدا نہیں، وہ سب کا خدا ہے اور وہی ہمارا اللہ ہے۔ یہودیوں سے کہا کہ ہمارا خدا اور تمہارا خدا الگ الگ نہیں، ایک ہی ہے (الٰھنا والٰھکم الله واحد۔ العنکبوت ۴۶) (الٰھًا واحدًا۔ البقرہ ۱۳۳)

ذات وصفات باری تعالیٰ:۔ قرآن میں جہاں خدا کو بادشاہ یا ملک کے مانند بتایا ہے۔ وہاں اس کے ساتھ عرش وکرسی، لوح وقلم، ملائکہ وجنود اللہ کا بھی ذکر ہے وہ بادشاہوں کی طرح اپنے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتا ہے مثلاً انا ونحن وغیرہ لیکن صاف صاف بتا دیا ہے کہ یہ سب تمثیلی باتیں ہیں اور اُس کی مانند کوئی چیز نہیں (لیس کمثلہ شی۔ الشوریٰ ۱۱) اور حضرت موسیٰ کے حالات کے سلسلے میں واضح کر دیا ہے کہ خدا کو کوئی دیکھ نہیں سکتا (لن ترانی۔ اعراف ۱۴۳) پھر یہ بھی کہا ہے کہ وہ ہر جگہ ہے صرف آسمان پر نہیں۔ (وسع کرسیہ السّمٰوات والارض) بلکہ ہم جہاں بھی ہوں ہمارے ساتھ ہے (ھو معکم اینما کنتم۔ الحدید ۴) حتیٰ کہ وہ ہماری رگ جان سے قریب تر ہے (نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ ق ۱۷)

وہ مشخص ومحدود نہیں:۔ مختصر یہ کہ ہم اُس کا تصور ایسی صفات کے ذریعے کر سکتے ہیں جن کو ہم جانتے ہیں۔ وہ حُسن۔ خیر اور حق کا مرکز و منبع کہا جا سکتا ہے۔ وہ ایک ایسا قانون مانا جا سکتا ہے جو سراسر رحمت ہو اور اُس قانون کا مقصد انسانوں کا ہی بہترین مفاد ہے۔ وہ ہر وقت اور ہر مصیبت میں ہمارا محافظ اور مددگار ہے۔ غرضکہ وہ مجسّم، مشخص ومحدود نہیں۔ اہل شعور کے لئے اُس کا جلوہ ہر شے سے نمایاں ہے۔

دعا، توبہ اور خدا:۔ یہاں یہ مسئلہ سامنے آجاتا ہے کہ اگر ہمیں صرف اُسی ذات سے مدد مانگنا ہے جو کہتا ہے کہ میں ہی ہر پکارنے والے کی مدد کرتا ہوں، تو کیا وجہ ہے کہ بہت سے پکارنے والوں یعنی دعا کرنے والوں کی دعا قبول نہیں ہوتی؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی مدد مانگنے کے یہ معنی ہیں کہ غیر اللہ سے مدد نہ مانگی جائے یعنی ایسا کام ہو جو خدا کے حکم کے مطابق ہو۔ اس صورت میں خدا ہمیشہ مدد کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر خدا کسی شیطانی کام میں مدد نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی بندہ غلط روی کو ترک یعنی توبہ کر لیتا ہے اور عمل صالح کرنے لگتا ہے تو خدا کا وعدہ

ہے کہ (لیس للانسان الا ما سعیٰ، وللاٰخرۃ خیر لک من الاولیٰ) کوشش کروگے تو اس کا پھل پاؤ گے اور پچھلی حالت سے آئندہ حالت بہتر ہوتی جائے گی شرط یہی کہ اللہ کو اپنا آقا مانو، شیطان کو نہ مانو، پھر اس بات پر استقلال سے جم جاؤ۔ اس حالت میں اللہ کی توفیق تمہارے دل سے خوف اور رنج کو دور کردیں گی۔ یہی نفس مطمئنہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اگر اس راہِ عمل میں دکھ بھی ہو تو وہ بھی عین راحت ہے (ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا۔ حٰم السجدہ ۳۰۔)

مختصر یہ کہ دعا کرنے والا اگر توبہ کرے اور بُرا راستہ چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر پڑ جائے تب کہا جائے گا کہ اس نے خدا سے دعا مانگی اور یہ یقیناً قبول ہوتی ہے۔ یعنی اسلامی خدا ایسا خدا ہے جو ہر خطا و گناہ کو معاف کر دیتا ہے اس کے انصاف میں سزا دینا ضروری نہیں

۲۔ الرحمان :- تاریخ سے ثابت ہے، اور یمن میں کتبے بھی نکل آئے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اللہ کو رحمانان یا رحمان کہتے تھے۔ چونکہ قریش جانتے تھے کہ رحمان یمامہ میں لوگوں کا نام ہوتا ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ حبشی جنھوں نے عام الفیل میں مکہ پر حملہ کیا تھا وہ کعبہ کے تبخانے کو رحمان خانہ (گرجا) بنانا چاہتے تھے لہذا انھیں اس نام سے سخت نفرت تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رحمان نصرانیوں کا خدا یا دیوتا ہے اور ہمارا خدا اللہ اور ھبل وغیرہ ہیں۔ لہذا وہ رحمان کو نہ تو عربی لفظ ماننے پر تیار تھے، نہ اس کی پرستش کو تیار تھے۔ نہ صرف تیرہ سال مکہ میں بلکہ بدر اُحد، فتح مکہ اور دوسرے موقعوں پر مسلمان اپنے آپ کو بنی عبد الرحمان کہتے تھے اور نعرۂ یا رحمان بلند کرتے تھے بلکہ انھیں اصرار تھا کہ رحمان اور اللہ ایک ہی ذات کے دو نام ہیں۔ بدر میں اُمیہ بن خلف موت کے منہ میں تھا مگر اُس نے عبد الرحمان بن عوف کو عبد الرحمان کے نام سے نہ پکارا (دیکھئے ابن ہشام غزوۂ بدر) اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ رحمان کون ہے۔ پھر صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صلح نامہ ہی ختم ہو رہا تھا اگر رسول عربیؐ بسم الرحمان کو بسمک اللھم نہ کر دیتے۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے (ادعوا اللہ او ادعوا الرحمان۔ دیکھئے فصل سوم۔ پنجم اور نہم سیرت ہذا) اس میں شک نہیں کہ عبرانی زبان میں رحمان رحم سے مشتق ہے۔ لیکن قریش اسے تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ لہذا رحمان کے معنی رحمان یا اللہ ہی کرنا چاہیئے۔ حدیث بھی ہے کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنا نام الرحمان رکھے ہاں عبد الرحمان رکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کہتا ہے کہ ہر اچھا نام خدا کے لئے ہو سکتا ہے، یہاں نام سے مراد صفت ہے (وللہ الاسماء الحسنیٰ)

۳۔ راسخون فی العلم :- یعنی جنھیں علم کتاب حاصل ہے، خواہ وہ یہود ہوں، نصاریٰ ہوں یا مسلمان ہوں

(دیکھیے الراسخون فی العلم منهم۔ سورہ نسار) یعنی اہل کتاب کے علمار۔

۴۔ مَلَکْ :۔ (فرشتہ) (واحد و جمع) وہ طبعی قوتیں جو کل عالم میں پائی جاتی ہیں۔ یہود و نصاریٰ انھیں مجسّم مانتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ یہ خدا کی فرمان بردار روحانی قوتیں یا فرشتہ ہیں۔ عرب جاہلیہ انھیں مؤنث مانتے تھے اور اپنی دیویوں (لات۔ منات۔ عزّیٰ) کو ملائکہ کہتے تھے ان کا خیال تھا کہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور اُن کی ماں ایک جنیہ ہے (الصافات ۱۴۹) گویا خدا اور جن میں رشتہ جوڑ کر دونوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے (وجعلوا بینه وبین الجنّة نسبا۔ الصافات ۱۵۸) ملک یا فرشتہ اُس انسان کو بھی کہتے تھے جو بہت نیکوکار ہو (یوسف ۳۱)

قرآن نے کئی مرتبہ سکینہ یعنی اطمینان قلب اور جنود اللہ یعنی اللہ کی بخشی ہوئی ہمت کے نزول کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ملائکہ کے ساتھ الروح یعنی خدا کی قوت یا جبریل کا ذکر ہے۔ اسی الروح کو امر رب یا وحی بھی کہا گیا ہے (ینزل الملائکه بالروح من امره علی من یشاء من عباده۔ المومن ۱۵۔ النحل ۲) (قل الروح من امر ربّی۔ بنی اسرائیل ۸۵) اور (وکذٰلك اوحینا الیك روحًا من امرنا۔ الشوریٰ ۵۲) سے بھی ظاہر ہے کہ الروح سے مراد امر رب یا وحی یا رحمت الٰہیہ ہے۔ اسی کو امانت والا فرشتہ (روح الامین۔ الاحقاف ۱۹۳) اور فرشتۂ رحمت (روح القدس یا جبریل؛ النحل ۱۰۲۔ بقرہ ۹۱) بھی کہا گیا ہے۔ غرضکہ قرآنی اصطلاح میں ملک یا فرشتہ وہ خدائی قوت ہے جو انسان کے دل میں اطمینان، بھروسہ، ہمت اور استقامت پیدا کرتی ہے۔ موجودہ زمانہ کی اصطلاح میں اسے ضمیر یا وجدان کہہ سکتے ہیں۔ یا استعارتاً یہ خدائی آواز ہے جو ہر انسان سُن سکتا ہے۔ (فالھمھا فجورھا وتقواھا۔ والشمس ۸)

۵۔ شیطان (جن) بُری روحوں کا سردار جسے مصری شیط کہتے تھے اور یہودی و نصرانی و عرب جاہلیہ بھی اس فرضی ہستی کو مانتے تھے۔ ایران میں اُسے اہرمن کہتے تھے۔ ہند میں اس کا نام آسور ہے

قرآن نے بتایا کہ وہ خدا کے مقابلہ میں ایک دوسرا خدا نہیں ہے۔ بلکہ وہ مخلوق ہے۔ شر محض ہے۔ ہر انسان کے دل میں اچھے اور بُرے دونوں قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا بُرائی پیدا کرنے والی قوت شیطان یا نفس امّارہ ہے (یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان، کما اخرج ابویکم من الجنّة۔ الاعراف ۲۷) اسی لئے محاورةً شیطان کے معنی بیماری لانے والی طاقت یا نسیان یا پیاس کے بھی ہیں (دیکھیے جب حضرت ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان یا پیاس نے ستا رکھا ہے (انی مسنی الشیطان بنصبٍ وعذابٍ) تو جواب ملا کہ پیر زمین پر مارو ٹھنڈا پانی موجود ہے۔ سورہ ص: ۴۱۔ اسی طرح سورہ انفال ۱۱)

عرب جاہلیہ میں شیطان، نجومی اور کاہن کو بھی کہتے تھے (وحفظنا (السماء) من کل شیطانٍ مارد والصافات،) رازی نے بھی (رجوماً للشیاطین۔ سورۃ الملک) کی تفسیر میں شیاطین کو منجم بتایا ہے۔

قرآن کہتا ہے شیطان بھی جن تھا یعنی وہ آتشیں روحوں میں سے ایک تھا (کان من الجن: الکہف ۵۰) اور لوگ جنوں کی پرستش بھی کرتے تھے اور اُن کے حکموں پر چلتے تھے (بل کانوا یعبدون الجن: السبا - ۴۱) جن کے معنی نجومی یا کاہن کے بھی ہیں (دیکھئے سورۃ الجن: ۱-۲ اور ۸-۹) یا وہ غیر مرئی ہستیاں جو نجومی کاہن و شاعر کو غیبی خبریں دیتی تھیں۔

۶- بعث بعد الموت: بقائے دوام یا بعث بعد الموت کا تصور کسی نہ کسی شکل میں مصر، ہند اور ایشیا کی اقوام میں پایا جاتا ہے۔ جو لوگ ظالم ہیں وہ نہیں چاہتے کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں اور اس زندگی میں موجودہ اعمال کی سزا ملے۔ بنو اسرائیل میں پہلے یہ تصور موجود تھا۔ مگر مصر کی غلامی اور اس کے بعد کئی بار کی تباہیوں نے ان کے لئے آئندہ زندگی کے تصور کو ناخوشگوار بنا دیا۔ یہی حال ہندو اور بدھ فلسفے نے اُس کے ماننے والوں کا کر دیا اور وہ دوبارہ پیدا ہونے کے تصور کو سزا کا مترادف مانا گیا۔ حالانکہ مقصد آواگون یا تناسخ کا یہ تھا کہ ظلم کروگے تو سزا پاؤگے۔ لہذا اگر کوئی نیک عملی کی زندگی بسر کرے گا تو بہتر قسم کا جنم حاصل کر سکتا ہے۔ آواگون ماننے والوں کی مشکل میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہوا کہ وہ ایک عادل خدا مانتے ہیں۔ یہی حال یہود کا ہے۔ اسلام نے توبہ کا نیا نظریہ دیا اور بتایا کہ اللہ کی توہین یعنی شرک کے علاوہ سب گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی بُری زندگی کی اصلاح کر لے اور پُرانے اعمال پر اظہار ندامت کرے تو اُن اعمال کی سزا نہیں دی جائیگی اس لئے کہ خدا عدل کے ساتھ احسان و رحمت کو پسند کرتا ہے۔

اس تصور کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلام کی سیاست عدل و احسان کے بنیادی اصول کو پیش نظر رکھتی ہے۔ اور یہودی عادلانہ تصور العین بالعین (آنکھ کے بدلے آنکھ) کو عملی دنیا سے خارج سمجھتی ہے۔

بہر حال بعث بعد الموت کا تصور انسان کو صحیح اعمال کرنے اور مسرت و راحت کی دنیا بسانے کی طرف اُبھارتا ہے۔ اور یاس اور نااُمیدی کو قریب نہیں آنے دیتا۔

۷- جبر و اختیار۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان اپنے اخلاقی اعمال میں مختار کل ہے اس لئے کہ اُسے خدا نے عقل و شعور دے کر عام حیوانات سے ممتاز بنایا۔ اور تجربہ و مشاہدہ سے فائدہ حاصل کرنا سکھایا۔ سمع و بصر اور دل عطا کیا (وعلم الانسان مالم یعلم۔ العلق) اور زندگی کے دوراہے پر کھڑا کر کے بتا دیا کہ یہ راستہ نیکی کا ہے

اور یہ بدی کا (وھدینٰہ النجدین -) اور دنیا کی ہر مخلوق کو ہمارا مسخر کر دیا کہ اُن کو اپنے فائدے یا نقصان کے لئے کام میں لا سکیں۔

۸ - **کیا قرآن کلام محمدؐ ہے؟** انسانی تمدن کی ابتدا کے ساتھ ساتھ ہر قوم میں طبیب، کاہن، ساحر، نجومی شاعر بھی پیدا ہو گئے تھے جن کا دعویٰ تھا کہ ہر قسم کی معلومات روحوں یا بھوتوں سے ہوتی ہے بعض لوگوں میں روحیں حلول بھی کرتی تھیں اور وہ غیب کی باتیں، بیماری کی دوائیں اور ایسے جادو منتر بتاتی تھیں جن سے دوستوں کو فائدہ اور دشمنوں کو نقصان پہونچایا جا سکے۔ ان روحوں یا ستاروں وغیرہ کے خوش کرنے کے لئے اور اُن سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اُن کے سامنے نذرانے اور قربانیاں (حتیٰ کہ انسان کی قربانی بھی) پیش کی جاتی تھیں ان کاہنوں اور ساحروں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے علم کو راز میں رکھتے تھے حتیٰ کہ اپنے بیٹوں تک کو مشکل سے بتاتے تھے۔ شاعروں کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ اُن کا ایک جن (تابع من الجن) ہوتا ہے جو انھیں قصیدے بنا بنا کر دیتا رہتا ہے۔ خود اُن کے ذہن و نطق کا اُس میں دخل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن نازل ہوا۔ تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ یہ تو شیطان یا جن کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ یعنی انھوں نے یہ نہیں کہا کہ خود رسول عربیؐ اس طرح کا کلام تصنیف کر سکتے ہیں۔ بلکہ ایک بڑھیا تک یہ سمجھتی تھی کہ کاہن و ساحر کسی جن ہی کے ذریعہ کلام یا سحر سیکھتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو پڑوسی بڑھیا نے کہا کہ کیا بات ہے کہ محمدؐ کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کیا آجکل اُس کے شیطان نے آنا بند کر دیا ہے۔ یہی نہیں خود رسول عربیؐ کو پہلی وحی کے بعد یہ ڈر معلوم ہوا تھا کہ جس کو میں نے وحی لاتے ہوئے دیکھا ہے وہ کہیں ویسا ہی شیطان نہ ہو جو کاہنوں وغیرہ پر آتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اپنے نفس پر ڈر معلوم ہوتا ہے (فقال زملونی فزملوہ حتی ذھب عنہ الروع - فقال لخدیجہ واخبرھا الخبر لقد خشیت علی نفسی - فقالت خدیجہ کلا واللہ ما یخزنک اللہ ابداً - بخاری - باب کیف کان بدء الوحی) اسی روایت کے سلسلے میں ہے کہ (فرعبت منہ) اس پر حضرت خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ یہ ناموس اکبر ہے جو موسیٰؑ پر آتا تھا (ابن ہشام ۱۵۲) (صحیحین عن عائشہ)۔ اس کے بعد گھر پر آکر حضرت خدیجہ نے جبریلؑ کے آنے کے وقت انھیں گود میں بٹھایا اور آخر کار جبریلؑ آپؐ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ ضرور یہ جبریلؑ تھے۔ یہ شیطان ہرگز نہیں (فواللہ انہ لملک وماھذا بشیطان - ابن ہشام سیرت ص ص ۱۵۲ - ۱۵۳) خدا آپ جیسے ہمدرد اور مہمان نواز شخص کو دکھ میں نہ ڈالے گا" (صحیحین عن عائشہ، مشکوٰۃ ص ۵۱۴)

حافظ ابن حجر نے اس شک اور خوف کے اعتراض پر ایک مشہور محدث کا یہ جواب لکھا ہے کہ نبوت ایک امر عظیم ہے اس لئے فرشتے کے یکایک نظر آنے سے آپؐ خوف زدہ ہو گئے اور حضرت خدیجہؓ کی تسکین اور ورقہ کی تصدیق سے آپؐ کو حق بات معلوم ہو گئی اور آپؐ کو اطمینان ہو گیا" (فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ کتاب التعبیر ج ۱۲۔ ص ۳۱۷۔ مطبوعہ مصر) اس سلسلہ میں شبلی نعمانیؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ "صحاح سے ثابت ہے کہ بچپن میں نبوت سے پہلے آپ کا شق صدر ہوا تھا اور فرشتے نظر آئے تھے۔ اس لئے فرشتے کے نظر آنے سے خوف زدہ ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ کیا کسی نبی کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہوا تھا! لہذا حافظ ابن حجر کی پیروی کی جگہ خود روایت کی سند پر غور کرنا چاہیئے۔ یہ روایت مقطوع ہے۔ یعنی سند کا سلسلہ امام زہری تک ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ سند ناکافی ہے" (ملخصاً از سیرت النبی۔ شبلی نعمانی۔ ص ۱۹۰)

ہم یہ کہتے ہیں کہ درایت کی رو سے یہ روایت بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے اور آنحضرتؐ کا خوف زدہ ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔ لیکن شارحین نے پہلے سے فرض کر لیا کہ جو شخص پیام خداوندی لایا تھا وہ "فرشتہ" تھا۔ اور آپؐ فرشتے کو دیکھ کر "خوف زدہ" ہوئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ راوی یہ کہتا ہے کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ جو روح یہ پیام لائی ہے وہ اچھی روح (فرشتہ) ہے یا بُری روح (شیطان)! بلکہ آپ کو یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ کہیں مجھ پر کاہنوں اور ساحروں کی طرح شیطانی الہام تو نہیں ہو رہا ہے۔ اجب ورقہ نے بتایا کہ یہ جبرئیل ہے تو آپؐ کو حقیقت معلوم ہوئی۔ اور آپؐ نے سمجھ لیا کہ یہ پیغام خداوندی ہے، شیطانی نہیں ہے عرب کی فضا بلکہ کل دنیا کی فضا میں یہ بات پھیلی ہوئی تھی کہ خدائی پیغامات فرشتے لاتے ہیں اور شیطانی پیغامات دیو لایا کرتے ہیں۔ ان حالات میں اگر آنحضرتؐ بھی نہیں جانتے تھے کہ یہ خدائی پیغام ہے یا نہیں، تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

محمد بن سعد نے کتاب الطبقات الکبیر (طبع لندن ۱۹۰۵ء) میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کو یہ ڈر تھا کہ کہیں وہ کاہن یا مجنون تو نہیں ہو رہے ہیں (۱) عن ابن عباس :۔ اذ ارأی ملکا فی افق السماء ذعرَ رسول اللہ من ذٰلک وقال انی اخشی ان اکون کاھناً (۲) عن عاوہ ان رسول اللہ قال یاخدیجہ انی اری ضوءً واسمع صوتاً لقد خشیت ان اکونا کاھناً (۳) عن ابن عباس ان النبی قال انی اخشی ان یکون فی جُنُونٌ۔ فقالت لم یکن اللہ یفعل بک ذٰلک یا ابن عبداللہ۔ ثم اتت ورقہ بن نوفل۔ فقال ان یک صادقاً فھذا اناموس مثل ناموس

موسیٰ ....." (صفحات ۱۲۹-۱۳۰)

اس پس منظر کے بعد اگر ہم پہلی وحی کے الفاظ کو دیکھیں تو وہیں سے مشرکین مکہ اور جن پرستوں کے لئے چیلنج شروع ہو جاتا ہے۔ عرب میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ خدا کے علاوہ غیر اللہ (جن۔ بھوت۔ ستارے۔ ہاتھ کی لکیریں، ہوا کے رُخ۔ چڑیوں اور جانوروں کی بولی) سے غیب کا علم معلوم ہو سکتا ہے۔ کاہنوں۔ ساحروں اور شاعروں کی روزی کا دار و مدار ہی اس فریب پر تھا۔ پہلی ہی وحی میں بتا دیا گیا کہ (علم الانسان مالم یعلم۔ الفلق) خدا کے سوا غیب کا علم کسی کو نہیں ہے۔ اب بتائیے کہ کیا رسول عربیؐ کو شک تھا؛ کہ یہ وحی خدا کی طرف سے ہے یا وسواس الخناس ہے؟ اگر جناب رسول عربیؐ بھی قرآنی الفاظ سے یہ نہیں سمجھے تھے کہ یہ وحی خدا کی طرف سے ہے، تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ نہ تو ورقہ بن نوفل سے آپؐ کو زیادہ معلومات تھی کہ شیطانی القا اور خدائی وحی میں امتیاز کر سکتے نہ آپؐ کے تجارتی سفروں سے آپ کو یہ علم ہوا تھا کہ مکہ اور اُس کے قرب و جوار کے ملکوں میں کون کون سی قومیں آباد ہیں اور اُن کے کیا کیا تصورات ہیں!!

یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ راویوں نے تو لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے کے معنوں میں قرأۃ سے اِقرأ قرار دے لیا۔ اور پھر آنحضرتؐ کو اُمّی (بمعنی ان پڑھ۔ یا جو لکھنا پڑھنا نہ جانے) ثابت کرنے کے لئے خدائے علام الغیوب پر بھی تعریض کر دی کہ باوجودیکہ خدا جانتا تھا کہ رسول عربیؐ امی (ان پڑھ) ہیں، اپنے فرشتۂ وحی سے کہا کہ جا اور محمد عربیؐ کو زور زور سے بھینچ اور دیباج پر لکھی ہوئی وحی (نمطٍ من الدیباج) (دیکھیے حدیث عبید بن عمر علی حاشیہ صحیح بخاری) کو پڑھوا کے چھوڑ (بخاری: باب کیف کان بدء الوحی) حالانکہ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں اقرأ بھی وہی ہے جیسے "قل" یا "اُتل"۔ اور اُمّی ہمیشہ اہل کتاب کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے یعنی وہ قوم جو کسی قانون کی پابند نہ ہو یا جسے کوئی قانون الٰہی نہ دیا گیا ہو۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ باوجودیکہ قانون الٰہی دیا جا چکا ہے لیکن اُسے وہ بھول گئے ہوں۔ قرآن میں خود ہے کہ اہل کتاب میں بھی بعض اُمّی ہیں (و منھم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی - بقرہ ۷۸)

بہر حال پہلی وحی کے چیلنج کے بعد ہی کفار قریش نے دعوتِ جہر کے زمانہ میں یہ کہنا شروع کیا کہ یہ قرآن جو سحر کے مقابلہ میں دیا جا رہا ہے کلام جن ہے کلام ملک یا قول جبریل نہیں ہے۔ آپؐ نے مشرکین کو عدل و احسان کی دعوت دی اور فرمایا کہ ظلم کرو گے تو دوبارہ پیدا کئے جانے کے بعد تم کو جہنم واصل کیا جائے گا اس پر کفار نے تکذیب یوم الدین شروع کر دی اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ قول فصل ہے تو کہنے لگے کہ یہ ھزل ہو

(الطارق) پھر وہ قرآن کے متعلق کہنے لگے کہ یہ کاہنوں یا شاعروں کا کلام نہیں، ہو نہ ہو یہ جادوگروں کا سا کلام ہے (فقال ان ھذا الا سحر یؤثر - ان ھذا الا قول البشر) جو گذشتہ زمانہ سے نقل ہوتا چلا آیا ہے یقیناً یہ بشر کا کلام یعنی سحر و جادو ہے جو ایک کو دوسرے سے الگ کرتا ہے (المدثر) یہ پرانے افسانے یا اساطیر الاولین ہیں (التطفیف - ن والقلم) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ کلام ایک رسول کریم یا جبریل لاتا ہے تو کافر بولے نہیں قول شیطان رجیم ہے (التکویر) پھر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ تنزیل من رب العالمین ہے یعنی خدا کی طرف سے آیا ہے تو کفار کہنے لگے کہ یہ قول کاہن ہے (الحاقہ) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ نصیحت یا ذکر ہے تو وہ کہنے لگے کہ یہ سحر و باطل ہے (القمر) اسے اللہ نے نازل نہیں کیا (ما نزل اللہ من شئ - الملک) اور (والصافات) اور خود آنحضرتؐ کو شاعر، کاہن، مجنون (الطور) ساحر و کذاب (ص) (رجل به جنة - المومنون) مفتری شاعر (الانبیار) منگھڑت باتیں (بنانے والا) جسے دوسروں نے بنانے میں مدد دی ہے (افک افتراہ اعانہ علیہ قوم آخرون - الفرقان) (سبا) کہنے لگے خلاصہ یہ کہ کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ غیر اللہ یا جن انسان کے دلوں میں القا کر سکتا ہے، مگر اللہ اپنے فرشتوں کے ذریعے نہیں کرتا۔

پورے تیرہ سال مکہ میں یہ تعلیم دی گئی کہ اچھی راہ پر ڈالنے والے اللہ کے ایلچی ہر زمانہ میں آتے رہے ہیں لیکن مشرکین نے اسے نہ مانا وہ خدائی وحی میں اپنی دیویوں اور جنوں اور کاہنوں وغیرہ کو بھی شریک کرنا چاہتے تھے اور اس پر تیار نہ تھے کہ اُن کو چھوڑیں۔ (ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون) (والصافات) اس لئے آنحضرتؐ کو رسول اللہ نہ مانا اور دوسری قوموں کے رسولوں کو ماننا تو درکنار وہ تو اس پر بھی تیار نہ تھے کہ خدا کا وہ نام جو نصرانیان حبشہ استعمال کرتے تھے، یعنی رحمان، اُس کو اپنے اللہ کو ایک ہی ذات مانیں ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ اُس وقت تک یہی جھگڑا باقی تھا کہ نہ الرحمان کو وہ اللہ مانتے تھے نہ رسول اللہؐ کو خدائی پیام لانے والا رسول تسلیم کرتے تھے وہ اس پر تیار تھے کہ اپنی کہانت و شاعری کی مانند قرآن کو کلام جن مان لیں۔ یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ قریش کے نزدیک "جن" کی قوم ایک اچھی قوم تھی قرآن نے بعض کو شیطانی قرار دیا ہے اور اُن میں سے بعض کو مومن بھی بتایا ہے۔

مندرجہ بالا قرآنی تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین کو ہر بات میں شرک پسند تھا۔ انھیں اس سے بحث نہیں تھی کہ کلام شاعر یا کاہن کے منہ سے نکلتا ہے اور خود اپنی تصنیف میں مصنف کا کہاں تک دخل ہے۔

وہ کہتے تھے کہ ہر مسجع و مقفیٰ عبارت جو کہانت ۔ سحر یا شعر کی مانند ہو ۔ بغیر کسی جن کی مدد کے نہیں بن سکتی ۔ لہٰذا اگرچہ کلام ۔ کہنے والے کے منہ سے نکلتا ہے لیکن وہ اُس کا ہوتا نہیں ۔ وہ درحقیقت جن کا کلام ہوتا ہے ۔ جنوں کو وہ اپنا معبود (یا دیوتا) مانتے تھے ۔ اس لئے اُن کو علم غیب کا منبع سمجھتے تھے ۔

کلام جن : اگر ان روایات کو دیکھا جائے جو کلام جن سے متعلق ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شاعر کا ایک جن ہوتا تھا جسے رَئی کہتے تھے (لسان العرب ج ۱۹ ص ۱۰) اللیث کا قول ہے رئی جن ہوتا ہے اور کہانت وطب سکھاتا ہے ۔ سواد بن قارب کے پاس بھی رئی آیا کرتا تھا (ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۳) ابو عبیدہ اصمعی نے حسان بن ثابت شاعر رسولؐ کے رئی کا ذکر کیا ہے ۔ وہ جنوں کی ایک قوم بنو الشیصبان سے تھا (جمہرۃ العرب ۔ ج ۱ ص ۱۷۶ ۔ طبع حیدر آباد) جریرؓ بن عبداللہ البجلی کو مسحل " جن " نے خبر دی تھی کہ اعشٰی کی زبان پر اُس نے ایک لامیہ قصیدہ جاری کیا تھا " (کتاب الاغانی للاصفہانی) (آلوسی : بلوغ الارب ج ۲ ص ۳۶۷) تفصیلات کے لئے دیکھیئے الف با مصنفہ یوسف بن محمد البلوی ص ص ۳۶،۳۳) الطبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۰) ان میں کاہنوں اور ساحروں کے جنوں کے حالات اور اشعار جن بھی دیئے ہوئے ہیں ۔ سیوطی کی اتقان (ص ۱۱۷) میں بھی اشعار الجن ہیں اور سیرۃ ابن ہشام میں بھی مذکور ہیں ۔

رسول اللہؐ کا معترضین کو جواب : آپؐ نے سب سے پہلے تو مشرکین کو یہ جواب دیا کہ تم خود مانتے ہو کہ تمہارے کاہنوں ۔ ساحروں اور شاعروں کا کلام جنوں کا کلام ہے ۔ لیکن تمہاری دیویاں اور تمہارے " جن " سب ذریات ابلیس ہیں ۔ ابلیس بھی جن تھا ۔ لہٰذا تمہارے شیطان اور باطل کلام کی دو خصوصیات ہیں :۔

۱ ۔ تمہارے ساحر اور کاہن اپنی معلومات کو راز میں رکھتے ہیں ۔ اُن کے جادو منتر محض باطل ہیں ۔ اس لئے کہ وہ عقل و تنقید کی کسوٹی پر نہیں کسے جا سکتے ۔ اُن کا چھپانا ہی اُن کے باطل ہونے کی دلیل ہے ۔ اس کے علاوہ تمہارے شاعر محض انتقام اور جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اور جھوٹی تعریفیں کر کے روپیہ کماتے ہیں وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں (یقولون مالا یفعلون ۔ الشعراء) یہ سب شیطانی باتیں ہیں یعنی انسان کو معروف کی نہیں منکر کی طرف لے جاتی ہیں ۔

۲ ۔ تمہارے مدعیان علم غیب اپنی جھوٹی باتوں کے ذریعے روپیہ کماتے ہیں اور بغیر اُجرت کے کسی کو کچھ نہیں بتاتے ۔

بخلاف اس کے قرآن کی تعلیم اس لئے رحمانی تعلیم ہے کہ

(۱) قرآنی تعلیم راز میں نہیں رکھی جاتی۔ یہ تذکرہ۔ ذکری۔ ھدی و نور ہے۔ یہ امن و اتفاق۔ عدل و احسان کی تعلیم ہے۔ اس کی ہر بات (آیت) کو عقل کی کسوٹی پر کس سکتے ہو۔ یہ ویسی ہی تعلیم ہے جیسی گذشتہ زمانے والے اللہ کے رسول دیا کرتے تھے۔ یہ غیر اللہ سے مدد مانگنے کو انسانی شرف کے خلاف بتاتی ہے اگر تم بھی ایسی باتیں بنالاؤ تو میں خود اُن کی پیروی کو تیار ہوں (فأتوا بکتاب اھدی منھما - اتبعه)

(۲) کوئی ہادی یا مرسل نیک راہ بتانے کے لئے اُجرت نہیں لیتا۔ نہ میں لیتا ہوں (لا اسئلکم علیه اجراً - یاسین و دیگر سُور)

غرضکہ رسول اللہؐ نے نطق یا کلام کی دو قسمیں بتائیں۔ ایک نطق حق ہوتا ہے جو معروف اور نیکی کا راستہ بتانے کے لئے کسی رسول یا ہادی کے ضمیر منیر کی پکار ہوتا ہے۔ یہ خدائی تعلیم بذریعہ اُس خدائی قوت یا فرشتۂ وحی کے رسول کے دل میں پیدا (نازل) ہوتی ہے۔ قرآن میں خیالات کے قلب میں پیدا ہونے کو "نزول معنی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خواہ وہ معنی فرشتہ وحی کے ذریعے ہوں یا شیطان کے ذریعے۔ مقصد یہ ہے کہ دل میں اچھے یا بُرے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اچھے خیالات (معروف) ہوں تو وہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں، بُرے (منکر) ہوں تو وسواس الخناس ہوتے ہیں اسی واسطے کلام حق کے لئے کہا گیا کہ یہ خیالات ایک امین فرشتہ قلب میں پیدا کرتا ہے (نزل به روح الامین علی قلبك - الشعراء ۱۹۳) انہیں شیطان پیدا نہیں کرتا (ماتنزلت به الشیطان - الشعراء ۲۱۰) ان خیالات کا اظہار رسول اللہؐ اپنے عربی الفاظ میں کرتے ہیں اور لوگوں کو بد اعمالی کے نتائج سے خبردار کرتے ہیں (لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین - الشعراء - ۱۹۲)

نطق کے دو اوصاف ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ اس میں علانیہ نیکی کی تعلیم ہوتی ہے اور ذاتی منفعت کی یا معاوضہ کی خواہش نہیں ہوتی۔ بحیثیت طرز بیان کے اس کی مزید دو قسمیں کی جاسکتی ہیں۔ نطق منطقی جو عقل کے مطابق ہو اور نطق خطابت جو انسان کے دل سے اپیل کرے۔ قرآنی تعلیم نطق عقلی بھی ہے اور نطق خطابت بھی۔ چونکہ یہ تعلیم راز میں نہیں رکھی جاتی اور دل و دماغ پر سچائی کے ساتھ اثر کرتی ہے اس لئے اس میں خواہش نفسانی کو دخل نہیں ہوتا (ماینطق عن الھوی - الاعلیٰ) بلکہ وہ عام منطقی کلام کی طرح حق ہوتی ہے (فورب السماء والارض انه لحق مثل ما انکم تنطقون - الذاریات ۲۳)

نطق باطل یا نطق اوہامی وہ ہوتا ہے جو انسان کے توہمات سے اپیل کرے جیسے کہانت. شعر سحر وغیرہ۔ اس کا دل و دماغ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس قسم کا نطق مہمل و بے معنی بھی ہوتا ہے جس کا منشأ سوائے دھوکہ دینے کے کچھ نہیں۔ اسی کو زخرف القول بھی کہا ہے اور فی کل وادٍ یہیمون (ہر سمت بہکتے پھرتے ہیں۔ الشعراء۔ آخری آیات) بھی کہا ہے۔ اسی لئے بار بار قرآن نے کہا کہ رسول اللہؐ نہ کاہن ہیں نہ شاعر (دیکھئے سورہ ن۔ ۲-۵) (الطور ۲۹-۳۰) (ص) (الصافات) (الانبیاء) (الشعراء ۲۱۲)

(نوٹ۔ یاد رہے کہ رحمانی و شیطانی کلام کی بحث صرف مکہ میں تھی۔ اس لئے کہ وہ کلام رحمانی کو نہیں مانتے مدینہ میں اہل کتاب تھے۔ وہاں یہ بحث ہی نہ تھی)

کلام اللہ حادث نہیں ہو سکتا

جس طرح طبعی قوانین اٹل ہیں اور مخصوص احوال میں اُن کا عمل مقررہ قوانین الٰہیہ کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔ اُسی طرح اخلاقی و تاریخی قوانین بھی اٹل ہیں۔ اسی کو قرآن امر اللہ، سنتہ اللہ، کلمات اللہ یا آیات اللہ کہتا ہے۔ ان میں تبدل و تحول نہیں ہوتا (لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا) اسی طرح اخلاقی قوانین انسانی سوسائٹی میں اللہ کے امر، حکم یا کلام سے جاری ہیں۔ یہی کلام معنوی ہے اور لافانی ہے۔

یہود، نصاریٰ اور ہنود کے بعض فرقے یہ مانتے ہیں کہ موسیٰ، مسیح اور مختلف اوتار خود خدا (یا ابن اللہ) تھے اور اُن کا کلام لفظی "کلام اللہ" تھا۔ لیکن اگر اُن کا کلام لفظی "کلام اللہ" ہوتا تو وہ حادث نہ ہوتا۔ یعنی اُس کے الفاظ بعینہٖ اُسی زبان میں موجود رہتے جیسا کہ انھوں نے لوگوں کو دیا تھا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ عبری آرامی، سنسکرت۔ اوستا اور مصری زبانیں عرصہ دراز سے حوادث زمانہ کی نذر ہو چکی ہیں اُن میں تغیر و تبدل ہو گیا ہے اور اپنی اصلی صورت میں کہیں بھی رائج نہیں۔ یعنی حادث الفاظ کو خدا کی صفت ماننا غلطی ہے۔

مسلمانوں نے اس مسیحی نظریہ سے اختلاف کیا کہ لوگاس یا کلام قدیم ہے یا بقول اُمتی خود خدا ہے مسیحیوں نے یہ نظریہ یونانیوں سے لیا تھا جو نطق، لوگاس یا لغت کو عقل اول اور قدیم مانتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ خدا میں نہ کوئی شریک ہے نہ وہ مخلوق ہے نہ اُس کی کوئی صفت حادث ہے۔ مگر محدثین نے (جن کے امام جناب احمد بن حنبل تھے) کلام الٰہی کو اللہ کی صفت قرار دیا تھا اور اُسے قدیم مانا تھا۔ وہ معنی اور لفظ دونوں کو قدیم مانتے تھے۔

امام بخاری نے یہ راہ نکالی (اور اسی راہ پر امام ولی اللہ محدث دہلوی بھی تھے) کہ قرآن کا تلفظ حادث

ہے۔ اور اُس کے معانی قدیم ہیں۔ اس بات پر امام احمدؒ کے شاگرد ذہلیؒ اپنے شاگرد امام بخاریؒ سے ناراض تھے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ عربی ہو یا عبری ہر زبان حادث ہے اور صرف معنوی طور پر خدا کا کلام قدیم ہے۔ ہر وحی کا جب کبھی لفظوں میں اظہار کیا جائے گا تو وہ الفاظ خدا کے نہیں بلکہ بولنے والے کے ہوں گے۔ قرآن خود کہتا ہے کہ اُس کے بول ایک امین فرشتے کے ہیں (انّہ لقول رسولٌ کریم۔ الحاقہ ۴۰) ظاہر ہے کہ خود خدا اور جبریل دونوں قلب رسول میں معنی پیدا کرتے تھے۔ اور ہر انسان کے دل میں اسی طرح خدا کی طرف سے معنی آتے ہیں۔ علم الانسان مالم یعلم (العلق ۵)

قرآن نطق حق ہے۔ یہ نطق حق نہ صرف قدیم کتب الہیہ کو عربی زبان میں بیان کرتا ہے (ما یقال لك الا ماقد قیل للرسل من قبلك - حم السجدہ ۴۳) بلکہ اپنے صحابیوں کے نطق حق کو بھی قرآن میں جگہ دے چکا ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنا لیا جائے یا آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات کو حجاب کا حکم دیا جائے یا اُن پر طلاق کی تہدید ہو۔

اگرچہ آنحضرتؐ کے قلب میں خدا کی طرف سے بہت سے معنی پیدا ہوتے تھے۔ لیکن آپؐ سب کو الفاظ کا جامہ نہیں پہناتے تھے۔ آپؐ پر بہت سے اعمال کی وحی ہوتی تھی اور اُن کو الفاظ میں کہنے کی جگہ آپ عملاً کر کے دکھا دیتے تھے۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور جہاد کے بہت سے اعمال اسی ضمن میں ہیں۔ ان کے علاوہ خواب کے ذریعے سے جتنے خیالات آپؐ کے دل میں پیدا ہوتے تھے اُن سب کو لفظی طور پر قرآن میں بیان نہیں کیا گیا۔ ان باتوں کی تفصیل اُن احادیث میں پائی جاتی ہے جو آپؐ نے بیان فرمائیں اور انھیں قرآن میں جگہ نہیں دی۔ اس لئے اُنھیں وحی تو کہتے ہیں مگر وحی خفی یا وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ ان میں بعض کا بہت مختصر تذکرہ قرآن میں بھی ہے مگر بہت بعد میں کیا ہے۔ مثلاً ہجرت کے وقت ۱ھ میں جب آپؐ غار ثور میں تھے تو آپؐ پر خدا نے سکینہ اور اللہ کی دی ہوئی ہمت نازل کی تھی (سکینہ وجنود اللہ) اس کا ذکر آپؐ نے فتح مکہ کے بعد قرآنی الفاظ میں کیا۔ اسی طرح حدیبیہ میں ۶ھ میں جانے سے پہلے آپؐ نے جو خواب دیکھا تھا اُس کا ذکر ضمناً بہت بعد میں کیا اور اگرچہ آیت قتال بہت بعد میں نازل ہوئی لیکن اس کا حکم ۲ھ میں طالوت و جالوت کے قصہ میں در حدیث دیگراں کیا گیا۔

اس سے ثابت ہے کہ رسولؐ کے قلب پر جو وحی نازل ہوتی تھی وہ لفظی ہی نہیں بلکہ کسی عمل کے کرنے کا اشارہ یا کوئی خواب بھی ہوتا تھا۔ وہ عمل یا خواب حادث تھا البتہ اُس کا مفہوم دوسروں کے الفاظ میں موجود ہے

اور سب اُسے معنوی طور پر کلام من عند اللہ (نہ کہ کلام اللہ) مانتے ہیں۔

امام ولی اللہؒ محدث دہلوی نے بھی یہی تفسیر کی ہے کہ معنی اللہ

قرآنی الفاظ رسول اللہؐ کے ہیں: کی طرف سے رسولؐ کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور الفاظ خود رسولؐ کے ہوتے ہیں، معنی قدیم ہیں۔ الفاظ حادث ہیں۔

فمن ذلك (ای من اللہ لبات) القرآن العظیم و ذلك ان الفاظ القرآن انما ھی من لغة العربیہ اللتی یعرفھا محمد صلعم ویتخیلھا والمعانی فائضة من الغیب تعلیماً لہ صلعم تدلیاً الی الخلق فھو صار کلاماً الھیا۔ انما صار لان ارادة الخیر بالناس امتدت فی خیالہ علیہ السلام فھی اللتی جمعت الالفاظ ونظمھا ثم امدّ فی ھذا النظم فالبس لباساً محاکیاً للجبروت فصار بذلك تدلیاً الھیا۔ وسمی کلام اللہ" (تفہیمات الالھیہ ص ۵۸۱)

قرآن عظیم خدا کی نزدیکی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے الفاظ عربی لغت کے ہیں جنھیں محمد صلعم جانتے تھے۔ اور اسی زبان میں سوچتے تھے۔ ان کی تعلیم کے لئے غیب سے معانی (اُن کے قلب میں) پیدا ہوتے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ خدا کی قربت حاصل کرنے کے لئے اس کے ذریعے سے وہ لوگوں کی ہدایت کر سکیں۔ اس طرح یہ (یعنی رسولؐ کے الفاظ اور وحی کردہ معانی) مل کر کلام الٰہی بن گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہؐ انسانوں کی بھلائی کا ارادہ کرتے تھے۔ یہ خواہش تھی جو لفظوں کو جمع کر کے ایک نظم و ترتیب دیتی پھر وہ اسے موجودہ نظم قرآنی کے ساتھ منظم کرتے اور خدائی جبروت کے مطابق اسے تشکیل دیتے اسی لئے یہ خدا کی قربت حاصل کرنے کا ذریعہ بن گیا اور کلام اللہ کہلایا (التفہیمات الالٰہیہ ص ۵۸۱)

باوجود ان تصریحات قرآنی کے کفار مصر تھے کہ قول اللہ کو ہم نہیں جانتے۔ یہ قرآن یا تو قول شیطان ہے، یا خود رسول اللہؐ نے بغیر خدا کی مدد کے انسانوں کی مدد سے تیار کر لیا ہے اور پرانے قصے کہانیاں بیان کر دیئے ہیں اسی لئے قرآن کہتا ہے یقولون انہ لمجنون ۵ (ن والقلم) فما انت بنعمة ربك بکاھن ولا مجنون ۵[۲۹] ام یقولون شاعر؟ نتربص بہ ریب المنون ۵[۳۰] (الطور) ان ھذا الا اساطیر الاولین ۵ قرآن بار بار بتاتا ہے کہ یہ قول فصل ہے، اور ہزل نہیں ہے۔ یہ نور و ہدایت ہے اور پرانے نبیوں کا مصدق ہے۔ غرضکہ یہ لفظاً کلام محمدی ہے اگرچہ معناً خدا کی طرف سے ہے۔

تاریخی مشکلات اگر ہم قرآن کریم کو سیرت نبوی کی تاریخی ترتیب سے پڑھیں تو خود بخود بہت سی تاریخی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔ مثلاً

رسول عربیؐ کو کوئی معجزہ نہیں دیا گیا قرآن میں معجزہ کا لفظ نہیں ہے۔ آیت کا لفظ ہے۔ مکہ کے منکرین خدا ایسا نشان یا ثبوت مانتے تھے جس سے ثابت ہو کہ خدا موجود ہے اُن کے لئے قرآن نے سیکڑوں ثبوت دیئے ہیں۔ یہ آیات اللہ ہیں۔ سب سے بڑا اور بنیادی ثبوت یہ ہے کہ خدا خالق ہے۔ غیر اللہ خالق نہیں ہے۔

منکرین رسالت یہ بھی چاہتے تھے کہ آنحضرتؐ کوئی ایسا ثبوت (آیہ) دیں جس سے معلوم ہو کہ آپؐ کو اللہ نے رسول بنایا ہے۔ اس کے جواب میں قرآن نے بار بار عقلی دلائل دیئے کہ جب اللہ موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کی ہدایت کے لئے وہ راستہ بتانے والے نہ بھیجے۔ رسول کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بڑا آدمی ہو۔ اللہ جس کسی کو چاہے اُس پر اپنی رحمت نازل کر سکتا ہے اور اُسے رسول بنا سکتا ہے (اللہ یمنّ علیٰ من یشاء من عبادہٖ۔ ابراہیم ۱۱) دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا کہتا ہے اگر وہ خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم دیتا ہے اور شیطان پرستی اور ظلم و طغیان سے روکتا ہے تو وہ رسول اللہ ہے، رسول الشیطان نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن بار بار تفکر و تدبر فی القرآن کی دعوت دیتا ہے (افلا یتدبرون القرآن! ام علیٰ قلوب اقفالھا۔ محمدؐ ۲۴) اور کہتا ہے کہ رسول عربی کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں اس سے پہلے بھی رسول آ چکے ہیں (ماکنتُ بِدعًا من الرسل (احقاف ۹) قد خلت من قبلہ الرسل۔ آل عمران ۱۴۴)

بہر حال قرآن نے بار بار کہا کہ ایسا کوئی نظر آنے والا نشان یا معجزہ رسول عربیؐ کو نہیں دیا جائے گا جیسا کہ یہ لوگ مانگتے ہیں اور خود رسول اللہ سے کہا گیا کہ اُن کے اعراض کی پرواہ نہ کیجیے۔ اس طرح کا نشان نہیں دیا جا سکتا (وان کان کبُرَ علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقًا فی الارض او سلّمًا فی السّماء فتاتیھم بایہ .... الانعام ۳۵) لیکن نو مسلموں نے علاوہ دیگر معجزوں کے خود قرآن سے رسول اللہؐ کے تین معجزے (آیات الرسول) ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور قرآن کی اعلیٰ تعقل و تدبر کی دعوت کو توہمات جاہلیہ سے نزدیک کر دیا ہے۔

۱۔ **شق القمر**:۔ باوجود حضرت عائشہؓ کی تردید کے لوگوں نے سورۃ القمر کی پہلی آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ چاند کا شق ہونا، رسول اللہ کا معجزہ ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ ایسا فطری حادثہ واقع ہوا تو یہ خدا کا معجزہ (آیت اللہ) ہوا نہ کہ رسول کا معجزہ۔ بعض لوگ اس آیت سے پہلے (اذا) کو محذوف پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو قمر شق ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ قمر کے معنی قریش یا عرب جاہلیہ کے "قومی نشان" کے ہیں۔ یعنی وقت آگیا ہے کہ منکرین عرب کا قومی جھنڈا پارہ پارہ ہو جائے۔ بہر حال قیامت کے سلسلے میں

ایسی بہت سی آیتیں ہیں۔ اُن سے یہ مراد نہیں کہ وہ معجزہ نبوی ہیں نہ کبھی آنحضرتؐ نے بعد کی سورتوں میں اس واقعہ کا حوالہ دیا۔ اگرچہ سورۃ القمر ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔

اعجازِ قرآن لوگ کہتے ہیں کہ قرآن اتنا فصیح و بلیغ ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی میں قدرت نہیں کہ ایسا کلام کہہ سکے۔ یقیناً قرآن نے یہ مطالبہ کفار سے کیا تھا کہ ایسی تعلیم یا دوسری کتب الٰہیہ کی مانند کچھ بنا لاؤ لیکن انھوں نے اپنے عجز کا اعتراف نہیں کیا۔ بلکہ کہا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی تعلیم بنا کر لا سکتے ہیں (وقالوا لونشاءُ لقلنا مثل ھذا) بے شک کفار اس تعلیم کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے اگر وہ مانتے تو مومن ہو جاتے۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا (سورہ بقرہ) کا رُخِ سخن کفار کی طرف ہے۔ اسے تحدّی یا چیلنج کہنا بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ دعوت الی الحق ہے نہ کہ تحدّی حقیقت میں یہ کفار کی تحدی کا جواب ہے کہ وہ رسول اللہ سے شعر کہنے کا مطالبہ کرتے تھے اور رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ میں ایسا شیطانی کلام نہیں کہہ سکتا (ماعلمناہ الشعر ومایبنغی لہ' ان ھوالا ذکرٌ وقران مبین ۔ یاسین) اس کے علاوہ قرآن نے نہ صرف قرآن بلکہ دوسری کتب الٰہیہ کو بھی کفار کے سامنے بطور کلام حق کے پیش کیا ہے۔ وہ لوگ توراۃ انجیل اور قرآن کی مانند کلام حق (خواہ وہ کتنی ہی غیر فصیح زبان میں ہوتا) کہنے پر تیار نہ تھے۔ اگر ایسا کرتے تو وہ مسلمان ہو جاتے۔ اسی لئے انھوں نے "فاتوا بکتاب اھدی منھما" کے جواب میں یہ نہیں کہا کہ ہم ایسا کلام نہیں کہہ سکتے بلکہ کہا کہ ہم چاہیں تو کہہ سکتے ہیں لیکن کہنا نہیں چاہتے۔ (لونشاءُ لقلنا مثل ھذا) یعنی کفار کلام حق کہنے سے عاجز نہ تھے۔ ضد کی وجہ سے منکر تھے۔

اسراء قرآن میں معراج یعنی آسمان پر عروج کرنے کا ذکر نہیں۔ خواب کی حالت میں مسجد اقصیٰ (یروشلم) تک سفر کرنے کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس طرح کا، یا کسی اور طرح کا خواب کفار کو عاجز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو ایسا نشان چاہتے تھے جو نظر آئے اور اس کو دیکھ کر وہ عاجز ہو جائیں کہ ایسا نشان ہم نہیں دکھا سکتے بلکہ یہ کام خدا ہی کا ہے۔

۲۔ قرآن اور توراۃ کی کوئی آیت منسوخ نہیں:۔ قرآن میں نسخ و تبدیل آیات کا جو ذکر ہے وہ قرآنی آیات کا نسخ نہیں، بلکہ یہود کی ان خود ساختہ آیتوں (احکام) کی تبدیلی کا ہے جو یا تو حضرت موسیٰ کی توراۃ سے پہلے یہود وغیرہ نے اپنے لئے اصر و اغلال بنا لئے تھے جیسے کہ اونٹ کا گوشت نہ کھانا یا سبت کے دن شکار نہ کرنا یا تالمود (نہ کہ توراۃ) کی شہادت دیتے تھے کہ سود لینا جائز ہے۔ حالانکہ سود سے بدتر غلامی کوئی نہیں۔

(کل الطعام کان حِلاًّ لبنی اِسرائیل الا ما حرم اسرائیل علےٰ نفسه من قبل ان تنزل التوراۃ) اسی لئے قرآن نے کہا کہ یہ باتیں خود ساختہ ہیں توراۃ میں نہیں ہیں (قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صٰدقین ۔ آل عمران ۔ رکوع ۱۰) خدا نے سود حرام کیا تھا۔ لیکن یہودی لیتے تھے اسی وجہ سے اُن پر طیبات حرام کردی گئی تھیں (فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیباتٍ اُحلّت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیراً ہ واخذھم الربوا (وقد نھوا عنه) واکلھم اموال الناس بالباطل .... النساء رکوع ۲۲) ان آیات کے پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل آیات کو سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی

(۱) یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب (الرعد ۳۹)

(۲) واذا بدلنا اٰیة مکان اٰیه.... (النحل ۱۰۳)

(۳) ما ننسخ من اٰیة او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا (البقرہ ۹۹)

۳ - قرآن عربی صرف عربی بولنے والے عربوں کے لئے ہے | عربی قرآن کریم کا یہ دعویٰ نہیں کہ وہ غیر عربوں یعنی عجمیوں کے لئے ہے اور اگر ایسا ہوتا تو عربی نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ اُسے نہ مانتے (ولو نزلناہ علی بعض الاعجمین ' فقرأہ علیھم ما کانوا بہ مومنین ہ الشعراء ۱۹۸ - ۱۹۹) اور کہتے ہیں کہ عربی بولنے والوں سے عجمی میں کیوں کلام کیا جاتا ہے (ولو جعلناہ قرآناً اعجمیاً لقالوا لولا فصّلت اٰیاته ءَ اعجمی وعربی ؟ حم السجدہ ۴۴) عربی زبان میں قرآنی تعلیم اس لئے دی گئی کہ اہل عرب اس کو سمجھ سکیں۔ خدا کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جس قوم میں نبی بھیجتا ہے وہ اُسی قوم کی زبان میں بھیجتا ہے (وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبیّن لھم ..... ابراہیم ۵) (انا جعلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون حم ۔ الزخرف ۳) ہر قوم میں اپنی اپنی زبان میں رسول آچکے ہیں (ولقد بعثنا فی کل اُمّةٍ رسولا ۔ النحل ۳۶) صرف عربی قوم ایسی تھی جس میں کوئی رسول نہیں آیا تھا اس لئے اُن کی زبان میں رسول بھیجا گیا لتنذر قوماً ما اُنذر اٰباؤھم فھم غٰفلون ۔ یاسین ۶) اور (لتنذر قوماً ما اتاھم من نذیر من قبلك ۔ الم السجدہ ۳) یہی تعلیم پرانی کتابوں میں آچکی ہے (وانه لفی زبر الاولین ۔ الشعراء ۱۹۶) اس عربی تعلیم میں کوئی نئی بات نہیں ہے (ما یقال لك الا ما قد قیل للرسل من قبلك حم السجدہ ۴۳) سب باتیں پہلے کہی جاچکی ہیں لہٰذا

(۱) ہر ملک کے مومنوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے ملک کی قدیم خدائی تعلیم (یا کتاب اللہ) کو دنیا کی مختلف

زبانوں میں شائع کریں، تاکہ تقابلی مطالعہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ ظاہر نہیں بلکہ باطن، صورت نہیں بلکہ اصل معنی مقصود ہے۔ ولِکُلٍّ وِجھۃٌ ھُوَ مُوَلِّیھَا فاستبقوا الخیرات (البقرہ ۱۴۸) اور ہر قوم کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتی ہے۔ لیکن اصل غرض نیکیوں میں مسابقت کرنا ہے۔ لہذا نیکی کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو (اس کے آگے نیکیوں کی تفصیل قرآن میں دیکھئے)

(۲) عربی جاننے والوں کا یہ فرض ہے کہ قرآن اور قرآنی تعلیم کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کے ذریعے عام کریں۔ اس کے لئے انفرادی کوششوں کی جگہ اجتماعی کوشش ہو تو بہتر ہے ورنہ ہمیں سید رشید رضا مرحوم کی رائے کو ماننا پڑے گا کہ قرآن کا ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ جو لوگ سمجھ سکتے ہیں وہ اصل عربی زبان میں سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ ترجمہ بہت مشکل کام ہے۔ ہندوستان میں سورۃ الحمد کے جو چوبیس ترجمے ہوئے ہیں ہم نے ایک رسالے کی شکل میں شائع کر دئے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ تین آیتوں کے آٹھ لفظوں میں ترجمہ کرنے والوں نے کتنا اختلاف کیا ہے۔ لیکن یہ تو ہو سکتا ہے اسلام کا قرآنی مفہوم اور عمل نبوی (جو سیرت نبوی سے ظاہر ہوتا ہے) مختلف زبانوں میں شائع کر دیا جائے۔

۴۔ قرآن جملہ کتب الہیہ کا مصدق و مہیمن ہے:۔ وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ من الکتاب و مھیمنا علیہ" سے یہی مراد ہے کہ قرآن نہ صرف کتب الہیہ کی تصدیق کرتا ہے، بلکہ اُن کی حفاظت و نگرانی بھی کرتا ہے کہ اُن کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ بعد ہجرت جب رسول اللہؐ مدینہ تشریف لائے تو یہود سے "امہ واحدہ" بننے کا معاہدہ ۱ھ میں ہوا اور آنحضرتؐ سرپنچ یا حَکَم مقرر ہوئے بعض باتوں میں یہود نے یہ روش اختیار کر رکھی تھی کہ توراۃ کے کھلے کھلے احکام کو چھوڑ کر تالمود وغیرہ کی پیروی کرتے تھے جو وہ خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ (یکتبون الکتاب بایدیھم و یقولون ھذا من عند اللہ - المائدہ ۴۸) اور چاہتے تھے کہ اُن کی خواہشات یعنی خود ساختہ تفسیروں کی پیروی نہ کرو بلکہ کتاب اللہ (توراۃ) کے مطابق فیصلہ کرو، جو حق ہو یعنی قرآن کے بھی مطابق ہو (فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق۔ المائدہ ۴۸) اسی کے بعد کہا کہ خدا نے ہر قوم کی ایک شرع و منہاج (دستور زندگی) بنایا ہے (مراسم بندگی الگ الگ ہیں۔ دین ایک ہی ہے) اللہ چاہتا تو (مراسم بندگی کے اعتبار سے بھی) تم سب کو ایک ہی قوم بنا دیتا (لکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجاہ ولو شاء اللہ لجعلکم امۃً واحدۃً۔ المائدہ ۴۸) لیکن یہودیوں نے اس رواداری اور

وسیع القلبی کی تعلیم کو پسند نہ کیا کہ اصولی طور پر کل کتب الہیہ سچی ہیں اور ظلم و عدل کا فیصلہ کسی خاص جماعت کی خواہشات کے مطابق نہ ہونا چاہیئے۔ انھوں نے سنہ ۳ھ میں امت واحدہ بننے کا معاہدہ توڑ دیا (دیکھئے سورۃ المائدہ: ۴۲-۴۳)

اسی بات کو آخری دور مدینہ میں قرآن نے اس طرح کہا: لکل اُمّۃٍ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ۔ فلا ینازعُنَّک فی الامر۔ (الحج ۶۷) یعنی اختلاف مناسک پر قرآن کو اعتراض نہیں ہے۔ یہود وغیرہ کو اعتراض ہے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی اُن کے طریقوں کی پیروی کریں۔ قرآن نے کہا اس امر میں یہود کو مسلمانوں سے نہ جھگڑنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ہر قوم کے طور طریقے الگ الگ ہیں۔ مقصد مراسم اگر اللہ کی بندگی ہے تو اختلاف مناسک میں جھگڑا نہ کرنا چاہیئے۔

۵۔ <u>منسک و منہاج کے اختلاف کے باوجود اللہ کو ماننے والے سب دین سچے ہیں۔</u> ہم نے کسی جگہ لکھا ہے کہ قرآن توراۃ و انجیل وغیرہ کو محرف نہیں مانتا۔ بلکہ انھیں "ھدیٰ و نور" کہتا ہے اور کل اللہ کے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ہو کر اہل کتاب کو جہنمی کہا جائے اور اُن کی کتابوں کو جھٹلایا جائے۔ رسول عربیؐ یہ چاہتے تھے کہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نبی اللہ مان لیں اور پھر یہود و نصاریٰ دونوں آپؐ کو بھی اللہ کا ایلچی مان لیں۔ وہ اہل اللہ میں اتحاد کلمہ چاہتے تھے۔ اسی لئے قرآن نے کہا کہ جو لوگ بھی اللہ۔ یوم آخر کو مان کر عمل صالح کرتے ہیں خواہ وہ اپنے مناسک کسی طرح ادا کرتے ہوں وہ سب ناجی ہیں۔

(انّ الذین آمنوا والذین ھادوا والصّابئون والنصاریٰ من آمن باللہ والیوم الاٰخر وعمل صالحًا فلا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون (المائدہ ع) فلھم اجرھم عند ربّھم (البقرہ ع)

اب رہ گیا یہ سوال کہ اگر مختلف خدا پرست اپنی عبادتیں اور رسمیں مختلف طریقے پر ادا کرتے ہوں تو کیا انھیں اپنی رسموں اور عبادت کے طریقوں کو بدل کر یکساں طریق عبادت اور طریق زندگی اختیار کر لینا چاہیئے قرآن کا فرمان ہے کہ اصول ایمان و عمل میں اختلاف نہیں ہے البتہ شرع و منہاج میں جو ظاہرا اختلاف ہے وہ بھی خدا کی طرف سے ہے۔

لکلٍ جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجًا ۔ ولو شاء اللہ لجعلکم امّۃ واحدۃ۔ (المائدہ ع ۴۸)

ہر قوم کو ایک دستور اور ایک راہ خدا نے دی ہے (مگر اصل دین ایک ہی ہے) اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی قوم (بلحاظ مراسم عبودیت کے) بنا دیتا (یہ تقریباً سنہ ۹ھ میں کہا گیا)

اسی لئے کہ تغیر زمان، مکان و نسل کی وجہ سے ایسا ہونا بالکل فطری ہے۔ اسی لئے قرآن نے اہل کتاب سے ناسکوہ میں کہا :-

لکل امۃ جعلنا منسکاھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر (الحج ۶۷)

ہر امت کے لئے ہم نے عبودیت کے جو طریقے مقرر کر دیئے ہیں وہ اسی طرح بندگی کرتے ہیں لہذا انھیں چاہیئے کہ اس معاملہ میں تجھ سے جھگڑا نہ کریں

یعنی قرآن نے اہل کتاب کے مناسک کی تردید یا تنسیخ نہیں کی۔ بلکہ انہیں رواداری کا پیام دیا "جعلنا" سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اختلاف خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔ لہذا کفر نہیں ہے۔ البتہ وہ لوگ پکے کافر ہیں (کافرون حقا) جو اس اصول میں اختلاف رکھتے ہیں کہ بعض نبیوں کو نبی مانتے ہیں اور بعض کو نہیں یعنی تفاخر نسلی کی وجہ سے ایک قوم اپنے ہی نبیوں اور بزرگوں کو تو برگزیدہ سمجھے اور دوسروں کو ادنیٰ درجہ کا یا جھوٹا نبی کہے۔ یہود کو نزاع کرنے سے روکا ہے کہ آنحضرت سے وحدت مناسک کے لئے نہ جھگڑیں۔ سب طریقے اچھے ہیں اور خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔

اسی سورۃ الحج میں فرمایا ہے کہ مختلف ادیان الہیہ کے معبدوں کا خدا محافظ ہے۔ یعنی خدا پرستی کسی طرح بھی کی جائے نہ صرف جائز ہے بلکہ خدا کی اس میں خوشنودی ہے۔ وہ ان کی عبادت گاہوں اور عبادت دونوں کا محافظ ہے۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع و صلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا (الحج ۴۵)

اور اگر اللہ (بعض (اچھے لوگوں) کو بعض (برے لوگوں) پر فتح نہ دیا کرتا تو چوصومعے (تکیئے) اور گرجے اور یہودی عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بہت نام لیا جاتا ہے، سب ڈھا دیئے جاتے۔

اسی سورہ میں اس سے پہلے خدا کے نام پر جانوروں کی قربانی کے طریقے کے متعلق فرمایا کہ ہر قوم میں یہ بھی طریقہ جاری ہے (ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقناھم من بھیمۃ الانعام۔ الحج ۳۴) اور پھر فرمایا کہ مقصد یہ رسم نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے یعنی خون اور گوشت کی پیشکش اللہ کو نہیں پہنچتی بلکہ اس کے پیچھے جو خدا بندگی اور انفاق کا جذبہ ہے وہ قابل قدر ہے (لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم۔ الحج ۳۷)

حقیقت یہ ہے کہ جتنے عظیم انسان اور خدا کے رسول دنیا کی نجات کا پیغام لائے ہیں وہ کل انسانیت

کو اپنے دامن رحمت میں چھپانا چاہتے ہیں۔ لیکن اُن کے جانے کے بعد انجاعی ذہنیت اور تنگ نظر فرقہ پروری کی وجہ سے لوٹنے والوں کی بن آتی ہے۔ یہ لوگ جہالت اور افلاس پھیلانے کے لئے تفاخر نسل ورنگ کا زہر پلا کر انسانیت کے ٹکڑے اڑا دیتے ہیں۔ قرآن جس چیز کو اسلام کہتا ہے وہ اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک ایک پروہتوں کی جماعت انسانی علم و عقل کو صرف اپنے فائدے کے لئے استعمال کرے اور دوسروں کو (خواہ وہ اسی کی قوم کے لوگ ہوں) لوٹ کر عقل و ترقی سے محروم رکھے۔

۶- رب :- ہر بادشاہ اور پروہت اور مہاجن "رب" کہا جاتا تھا۔ حالانکہ اصلی "رب" وہ ہے جو خالق بھی ہے اور اکرم بھی۔ یعنی عام آقاؤں کی طرح اُس کی خواجگی اپنے نفع کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اپنے عباد کے لئے ہے۔ اسی ضمن میں ملک اور الٰہ کے الفاظ ہیں۔

۷- سورۂ تحریم۔ کا تعلق شہد سے نہیں سیاست سے ہے۔

۸- خاتم النبیین کا تعلق تصدیق نوانین اولین سے ہے، خصوصیت سے حضرت زینبؓ کے نکاح سے ہے (فصل ہشتم)

۹- شہادت مسیحؑ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے (دیکھئے سورہ آل عمران)

۱۰- جملہ کتب الٰہیہ کو ماننا ہر مومن کے لئے ضروری ہے۔ یعنی ہر یہودی کے لئے توراۃ اور توراتی نبیوں کے علاوہ انجیل اور عیسیٰ ابن مریم کو ماننا ضروری ہے۔ لیکن یہودی ایسا نہیں کرتے۔ وہ بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ یہ حقیقی کافر ہیں (یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ، ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض، ویریدون بین ذلک سبیلا۔ اولئک ھم الکافرون حقا (۴- ۱۴۹) جب سب خدائی کتابوں اور رسولوں کا پیغام حق ہے تو اُن میں تفریق کرنا اور کسی پیغام کو اچھا اور دوسرے کو بُرا کہنا کفر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم سب اللہ کے مطیع (مسلم) ہیں اور اُس کے جملہ پیغاموں کو مانتے ہیں (قل امنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لانفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون (۳: ۷۸) ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ بے وقوف کون ہوگا جو یہ مانے کہ خدا پیغام بھیج رہا ہے اور اُس پیغام کو یا پیغمبر کو جو خدائی پیغام لاتا ہے جھوٹا قرار دے۔ لیکن یہود اس پر تیار نہ تھے کہ مسیحؑ کو مانیں یا اُن کو اپنے نبیوں کے برابر سمجھیں اور نصرانیوں میں سے اکثر خود انجیل کے اس قول کو ماننے پر تیار نہ تھے

کہ ایک رسول احمدؐ نامی آنے والے ہیں۔ اس کے علاوہ یہود ونصاریٰ شرک میں مبتلا تھے جو توراۃ وانجیل کی تعلیم کے سراسر منافی ہے۔ اسی لئے قرآن نے کہا دین اللہ تو ایک ہی ہے کہ خدا کے مسلم مطیع بن جاؤ (قل ان ھدی اللہ ھوالھدیٰ۔ الانعام ۷۱۔ بقرہ ۱۲۰) اس کے علاوہ جتنے ادیان ہیں وہ باطل اور شیطانی ہیں۔ ان سب پر ھدی اللہ اور دین الحق کا غلبہ ہونا چاہیئے۔ خواہ ان مشرکانہ اور باطل مذہبوں کے ماننے والوں کو کتنا ہی بُرا لگے۔ (ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلّہ، ولو کرہ المشرکون (الصف: ۹) یہاں کرہ المشرکون سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکوں کے ادیان پر توحید پرست ادیان کا غلبہ ہونا چاہیئے۔ وہ دین اسلام ہے۔ اور صرف آنحضرتؐ کا لایا ہوا دین نہیں ہے بلکہ نوح کے وقت سے یہی دین کل انبیاء لاتے رہے ہیں (قالت لھم رسلھم افی اللہ شک فاطر السماوات وَ الارض۔ (دیکھئے ص ۲۲ سیرت ہذا)

۱۱۔ **اسلامی تقویم شمسی تھی:** وفات نبوی ۱۱ھ تک عربی جنتری شمسی تھی۔ اس لئے آنحضرتؐ نے ۲ھ سے جتنے روزے رمضان کے رکھے وہ نومبر دسمبر یعنی جاڑوں کے مہینوں میں ہوتے تھے۔ یہی سنّت نبوی ہے آپؐ نے جو حج اکبر کیا وہ بھی شمسی جنتری کے مطابق اعتدال ربیعی کے موسم میں تھا۔ آپؐ نے نسی منسوخ کر دی اور اہل کتاب کی پیروی میں جس طرح ماہ صیام کا حکم دیا اسی طرح اہل کتاب کی جنتری کا بھی حکم دیا۔ لہذا وقت آگیا ہے کہ اسلامی جنتری شمسی کر دی جائے۔ بہرحال رمضان کے روزوں کے متعلق تو صاف حکم موجود ہے کہ بوجوہ انھیں دوسرے دنوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ مقصد انفاق وجہاد فی سبیل اللہ ہے۔

۱۲۔ **جسمانی و دماغی غلامی ختم ہونا چاہیئے:** شروع سے آخر تک قرآن کا پیام یہی ہے کہ انسانی مساوات قائم ہو اور خواجگی ختم ہو یعنی جمہوری نظام قائم ہو تاکہ امراء وفقہا کے جسمانی وذہنی غلام آزاد ہو کر خود اپنی محنت اور اپنی عقل کا عام انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کر سکیں۔ اس غرض کے لئے اگر کچھ دنوں ایسی آمریت قائم کرنا پڑے جو انسان کو جبری تعلیم اور جبری دولت دے تو ہماری رائے میں یہ عین اسلام ہے۔

شوریٰ سے مراد کتابی شوریٰ ہے۔ یعنی کتب الٰہیہ کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھنا اور جہاں تک ممکن ہو حبر دل اور فقیہوں کے بنائے ہوئے اصر واغلال (جکڑ بندیوں) جملہ کتب الٰہیہ وسنن رسل کی پیروی میں توڑنا ہر مومن کا فریضہ ہے ذہنی تقلید کے خاتمہ ہی سے آزاد اسلامی فکر کی ابتدا ہو سکتی ہے اور ایسا معاشرہ بن سکتا ہے جس میں خوش دلی سے ہر شخص عمل صالح کرنے لگے۔

محمد اجمل خاں

۲۹ رشوال ۱۳۷۴ھ - ۲۱ رجنوری ۱۹۵۵ء

اسلام کے حقیقی و بنیادی خط و خال

کو نمایاں کرنے والی تین کتابیں

پہلی کتاب ۔ پس منظر اسلام

سیدنا رسول عربی صلعم کے ذریعے جس قدیم اسلام کو عرب میں زندہ کیا گیا اُس اسلام کو ہم عربی اسلام کہہ سکتے ہیں "عربی اسلام" سے پہلے کل دنیا کی قوموں میں "اسلام" یا "خداوندگی" کا رستہ بتانے والے آچکے تھے اور صرف عرب کا ایک خطہ باقی رہ گیا تھا جہاں کوئی رسول یا نذیر نہیں آیا تھا۔ ان کو "سچا رستہ" بتانے والے جناب سیدنا محمد عربیؐ ہیں (لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ ۔ یاسین) لہٰذا اگر ہم "عربی اسلام" کا مطالعہ کرنا چاہیں تو ضرورت ہے کہ اُس سے پہلے کے جملہ ادیان حقہ و باطلہ کا مطالعہ کریں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس سے پہلے دنیا میں رحمانی و شیطانی تعلیمات کا کیا نقشہ تھا۔ "بیت الحکمت ہند" نے یہ کتاب سنہ ۱۹۴۶ء میں دہلی سے شائع کر دی ہے (صفحات ۳۸۲ ۔ سائز سوپر رائل ۔ قیمت چار روپے) اس سلسلہ مندرجہ ذیل کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں ۔

---

۱ ۔ الالوسی البغدادی ۔ بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب قاہرہ سنہ ۱۹۲۴ء

۲ ۔ ابن حزم الظاہری (المتوفی سنہ ۴۵۶ھ) الفصل فی الملل والاھواء والنحل مصر سنہ ۱۳۲۷ھ ۔

۳ ۔ ابوالحسن علی بن اسمٰعیل النحوی الاندلسی المعروف بابن سیدہ المتوفی سنہ ۴۵۸ھ : کتاب المخصص ۔ مصر سنہ ۱۳۱۶ھ

۴ ۔ ہن ۔ اے ۔ ڈبلیو ۔ اے ہسٹری آف ماڈرن فلاسفی (تھنکرز)

۵ ۔ بلسارا ۔ بی بی ۔ اینشنٹ ایران ۔ بمبئی سنہ ۱۹۳۶ء

۶ ۔ ہل ۔ اے ۔ دی گارڈ آف بائبل ۔

۷ ۔ برائٹ ولیم ۔ اے ہسٹری آف دی چرچ از سنہ ۳۱۳ تا سنہ ۴۵۱ء : آکسفورڈ سنہ ۱۸۷۵ء

۸ ۔ ڈھلا ۔ زرو اسٹرین تھیالوجی ۔ نیو یارک سنہ ۱۹۱۴ء ۔

۹ ۔ فورلانگ : شارٹ سٹڈیز ان دی سائنس آف کمپیریٹو ریلیجنز : لندن سنہ ۱۸۹۷ء ۔

۱۰ ۔ فیلڈ : پرشین لٹریچر : لندن

۱۱ ۔ گارڈنر (P) ، اے ہسٹارک ویو آف دی نیو ٹسٹامنٹ ۔ لندن سنہ ۱۹۰۱ء

۱۲ ۔ گوٹنگن (H.M.W.) دی ایرین کنٹرورسی ۔ لانگمین ۔ لندن سنہ ۱۸۸۹ء

۱۳ ۔ گرانٹ ایلن ۔ ایوولیوشن آف دی آئیڈیا آف گاڈ ۔ تھنکرز لندن

۱۴ ۔ ہوآرٹ ۔ اینشنٹ پرشیا ۔

۱۵ ۔ ہیسٹنگز J. انسائکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ۔ ایڈنبرا سنہ ۱۹۲۱ء ۔

۱۶ ۔ ہیوز ۔ ڈکشنری آف اسلام ۔ لندن سنہ ۱۸۸۵ء

۱۷ ۔ جیکسن : زروسٹرین سٹڈیز ۔ نیو یارک سنہ ۱۹۲۸ء مع ریسرچز ان مانی کی ازم نیو یارک سنہ ۱۹۳۲ء

۱۸ ۔ محمد بن مکرم افریقی (المتوفی سنہ ۷۱۱ھ) لغت لسان العرب ۔

۱۹ ۔ المولیٰ احمد بن مصطفےٰ اکبری زادہ (المتوفی سنہ ۹۶۲ھ) مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ ۔ حیدر آباد ۔

۲۰ ۔ المسعودی : کتاب مروج الذہب و معادن الجواہر مع ترجمہ فرنساوی سوسائٹی ایشیاٹیک : پیرس سنہ ۱۸۶۳ء

۲۱ ۔ النویری : نہایت الارب فی فنون الادب ۔ قاہرہ سنہ ۱۹۲۳ء

۲۲ ۔ الندیم ۔ محمد بن اسحاق ۔ الفہرست (تالیف سنہ ۳۷۷ھ) مصر : سنہ ۱۳۴۸ھ

۲۳ ۔ نکلسن : (R.A) لٹریری ہسٹری آف عربس ۔

۲۴۔ اقشقلندی: صبح الاعشیٰ: ۱۲ جزو: مصر۔
۲۵۔ رابرٹسن (A) بائبل اینڈ اِٹس بیک گراؤنڈ (تھنکرز) لندن
۲۶۔ رابرٹسن (J. M.) اے شارٹ ہسٹری آف کرسچیانٹی۔ (تھنکرز) لندن (۱۸۷۰ء)
۲۷۔ ریڈ (W) مارٹرڈم آف مین تھنکرز۔ لندن
۲۸۔ رینان ارنسٹ: لائف آف کرائسٹ
۲۹۔ شہرستانی (المتوفی ۵۴۸ھ) کتاب الملل والنحل مصر ۱۳۴۷ھ
۳۰۔ سمتھ، W. R. ۔ دی ریلیجن آف سیمائٹس:
۳۱۔ سٹیفنس (W. R. W.) کرسچیانٹی اینڈ اسلام۔ لندن ۱۸۷۷ء
۳۲۔ سنڈرلینڈ (J. T.) دی آریجن اینڈ کیرکٹر آف بائبل بوسٹن ۱۹۲۵ء
۳۳۔ شاف (H. W.) دی پیری پلس مصنفہ پہلی صدی مسیحی فیلیڈلفیا۔ ۱۹۱۲ء
۳۴۔ سٹیس (W) اے کرٹکل ہسٹری آف گریک فلاسفی ۱۹۳۵ء
۳۵۔ ٹامس (E. J.) ارلی بدھسٹ سکرپچرز۔ کگان پال۔ لندن
۳۶۔ ولز (H. G.) اے شارٹ ہسٹری آف دی ورلڈ۔

دوسری کتاب۔ ترتیب نزول قرآن کریم

مع پیش لفظ مولانا عبیداللہ سندھیؒ الہ آباد: ۱۹۴۲ء

اس کتاب میں احادیث اور قرآن کے داخلی مطالعہ کی روشنی میں مختلف سورتوں، رکوعوں اور آیتوں کی ترتیب تاریخی بتائی گئی ہے۔ آپ جب کبھی سیرت نبوی کا مطالعہ کرنا چاہیں گے تو یہ معلوم کرنا ضروری ہوگا کہ کس زمانے میں کونسا قرآن نازل ہوا۔ ہم نے یہ ترتیب تنزیل "سیرت رسول عربیؐ" میں بھی علیحدہ درج کردی ہے۔ اس سلسلے میں چند کتابوں کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ حافظ جلال الدین السیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) الاتقان فی علوم القرآن کلکتہ ۱۸۵۷ء۔
۲۔ حافظ جلال الدین السیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) لباب النقول فی اسباب النزول بر حاشیہ تفسیر ابن عباسؓ مطبوعہ مصر ۱۹۲۶ء
۳۔ عبدالحق دہلوی: مدارج النبوۃ۔ فارسی مطبوعہ دہلی ۱۲۷۱ھ
۴۔ اسلم جیراجپوری۔ تاریخ القرآن۔ علی گڑھ ۱۳۴۱ھ
۵۔ ہرشفلڈ: نیو ریسرچز ان دی کمپوزیشن اینڈ اکسی جی سس آف دی قرآن۔ لندن ۱۹۰۲ء۔
۶۔ ابن النحاس (المتوفی ۳۳۸ھ) کتاب الناسخ والمنسوخ
۷۔ ابن حزم۔ کتاب الناسخ والمنسوخ (۴۵۶ھ) (علی حاشیہ تفسیر جلالین) مصر ۱۳۰۱ھ۔
۸۔ ابن سلامہ (المتوفی ۴۱۰ھ) کتاب الناسخ والمنسوخ علی حاشیہ اسباب النزول للواحدی
۹۔ سید علی نقی۔ تحریف قرآن کی حقیقت۔ لکھنؤ ۱۹۳۳ء
۱۰۔ احمد حسن الزیات۔ تاریخ الادب العربی۔ مصر ۱۹۳۵ء
۱۱۔ الجزائری (طاہر بن صالح) کتاب التبیان۔ مصر
۱۲۔ نویری۔ نہایت الأرب فی فنون العرب
۱۳۔ لیال۔ این شنٹ عربک پوئٹری۔ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔ ۱۹۱۴ء ص ۶۱
۱۴۔ نوئل دیکیے: تاریخ قرآن (دیکھیے انسائکلوپیڈیا آف اسلام و برطانکا۔ قرآن)

تیسری کتاب۔ سیرۃ قرآنیہ سیدنا محمد صلعم

"عربی اسلام" کا ماخذ فکر و عمل سیدنا محمد عربیؐ ہے اس کا مطالعہ پس منظر اسلام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

قرآنی دعوت درحقیقت فکرِ نبویؐ ہے۔ اس کو جس طرح آنحضرتؐ نے عملی جامہ پہنایا وہی سنتِ رسول یا سیرت النبیؐ ہے۔ دونوں کو تاریخی ترتیب سے مرتب کرنے کے بعد ہم نے پہلی مختصر سیرت قرآنیہ ۱۹۵۲ء میں شائع کی تھی اب یہ متوسط سیرت شائع کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کتابیں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ ابوالفضل: غریب القرآن: حیدرآباد ۱۹۵۲ء (و ۱۹۲۵ء)
۲۔ البرہان پوری: کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال حیدرآباد ۱۳۱۲ھ
۳۔ البخاری: (المتوفی ۲۵۶ھ) صحیح
۴۔ ابن قیم الجوزیہ: زادالمعاد۔ مصر دوجزء
۵۔ ابن ہشام (المتوفی ۲۱۳ھ) سیرۃ النبی۔ مصر۔ دوجزء
۶۔ ابن سعد کاتب الواقدی (المتوفی ۲۳۰ھ) کتاب الطبقات الکبیر لیڈن ۱۹۰۵ء۔
۷۔ اِرونگ واشنگٹن۔ لائف آف محمدؐ (۱۸۴۹ء) لندن ۱۸۵۳ء
۸۔ باسورتھ سمتھ۔ محمدؐ اینڈ محمڈنزم۔ لندن ۱۸۷۴ء
۹۔ الباقلانی: اعجاز القرآن۔
۱۰۔ البیضاوی (المتوفی ۶۸۵ھ تبریز): تفسیر (و دیگر تفاسیر مثلاً طبری و کشاف)
۱۱۔ انسائکلوپیڈیا برٹانکا: عرب۔ قرآن۔ محمد
۱۲۔ ابن الاثیر (المتوفی ۶۳۰ھ) الکامل۔ مصر ۱۲۹۰ھ۔
۱۳۔ الحاکم نیشاپوری (المتوفی ۴۰۵ھ) المستدرک علی الصحیحین۔ حیدرآباد ۱۳۳۴ھ
۱۴۔ ابن عبدالبر قرطبی (المتوفی ۴۶۳ھ) کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ حیدرآباد ۱۳۳۶ھ
۱۵۔ ذہبی: میزان الاعتدال
۱۶۔ راڈول: دی قرآن (۱۸۶۱ء): دوسرا ایڈیشن لندن ۱۸۷۶ء۔
۱۷۔ رازی: (المتوفی ۶۰۶ھ) تفسیر کبیر (و دیگر تفاسیر عربی و انگریزی و اردو)
۱۸۔ زویمر: اسلام (اے چیلنج ٹو فیتھ) نیویارک ۱۹۰۷ء
۱۹۔ القسطلانی (احمد بن علی المتوفی ۹۲۳ھ) مواہب اللدنیہ
۲۰۔ کارلائل: ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ لندن ۱۸۴۶ء (اس کا فارسی ترجمہ ہوگیا ہے)
۲۱۔ میور ولیم۔ لائف آف محمد مرتبہ ۱۸۶۱ء: نیا اڈیشن اڈنبرا ۱۹۲۳ء
۲۲۔ مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) صحیح: مطبوعہ مصر
۲۳۔ مالک (المتوفی ۱۷۹ھ) الموطا۔
۲۴۔ مارگولیتھ: لکچرز آن عربی ہسٹوریننر۔ کلکتہ ۱۹۲۹ء
۲۵۔ سیل (ج ل) دی قرآن (۱۷۳۴ء) لندن ۱۸۶۷ء
۲۶۔ شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ اعظم گڑھ۔ ہند:
۲۷۔ الطبری: (المتوفی ۳۱۰ھ) (ابن جریر) تاریخ کبیر
۲۸۔ واقدی (المتوفی ۲۰۷ھ) (شاگرد مالک بن انس و سفیان ثوری) کتاب المغازی: کلکتہ ۱۸۵۵ء
۲۹۔ ولی اللہ دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) الفوز الکبیر، حجۃ اللہ البالغہ المصفی والمسوی۔ التفہیمات الالہیہ۔